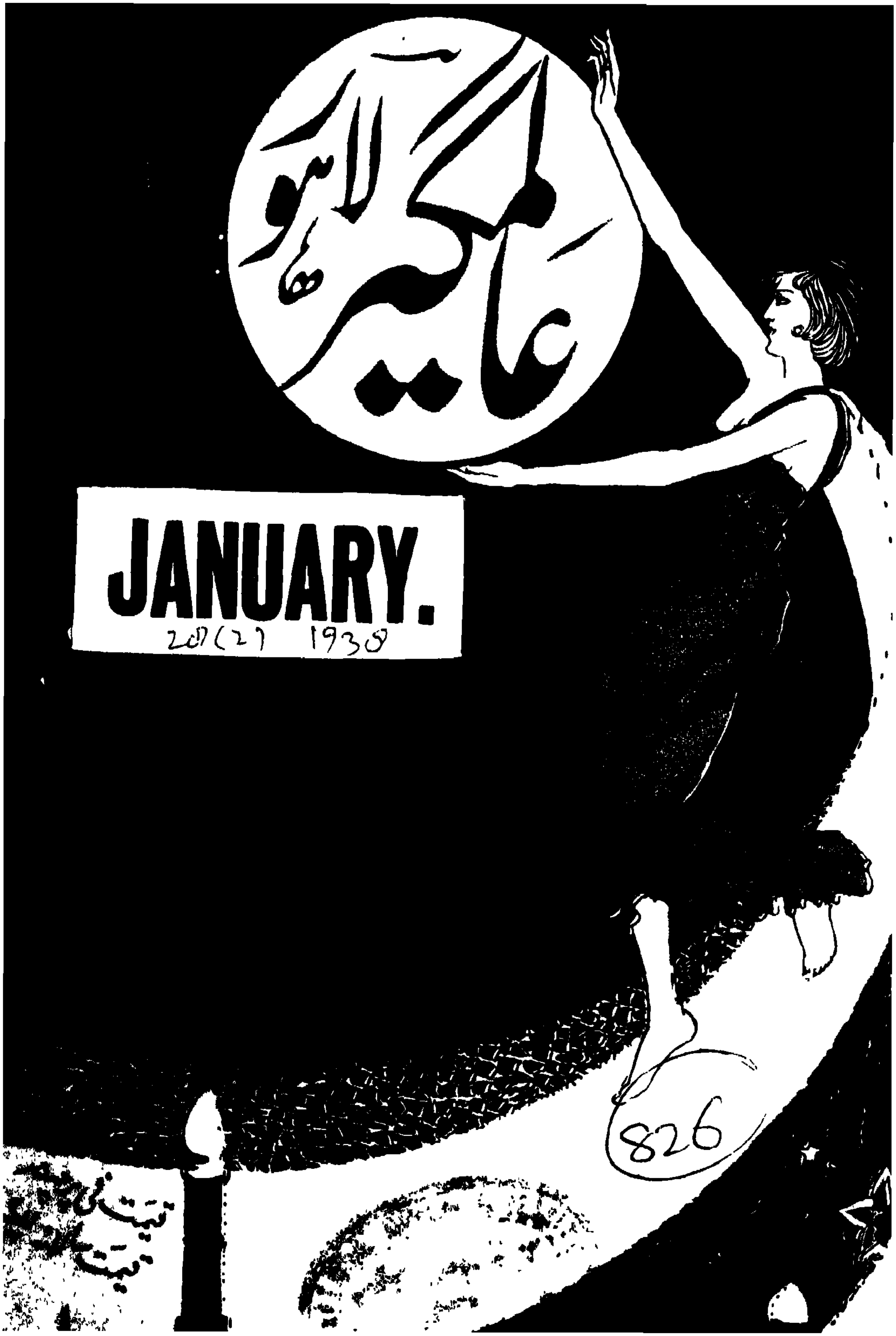

عالمگیر
لاہور
JANUARY.
826

124363

25 7.75

عالمگیر بکڈپو کی مشہور و معروف کتابیں

شروع سے آخر تک بغور ملاحظہ فرمائیں

اردو زبان کی ادبی و پاکیزہ کتابیں

ہندوستان کے مشہور مزاح نگار حضرت ملا رموزی صاحب کی

شادی شادی کے دلچسپ واقعات خود ملا صاحب کے قلم ظرافت سے لکھے ہوئے حالات خیال فرمائیے کہ یہ کتاب کسقدر دلچسپ ہوگی۔ ہمارا خیال ہے کہ ملی شادی اپنی مردمانیت نہیں پائی جاتی ہے۔ بس پڑھتے جائیے اور ہنستے جائیے۔ حجم ۲۰۰ صفحات قیمت دو روپے آٹھ آنے ۲/۸

صبح لطافت ضیاء الملک ملا رموزی کے بہترین مزاحیہ مضامین کا گرانقدر مجموعہ۔ کتاب کا ہر ورق زعفران زار کشمیر کی کیاریوں سے کم نہیں۔ حجم ۲۰۰ صفحات قیمت صرف دو روپے ۲/-

نوٹ:- شادی اور صبح لطافت یکجا خریدنے پر ناظرین خیام کو صرف تین روپے چار آنہ میں علاوہ محصول ڈاک ارسال ہوں گی۔

محبوبہ قیروان علامہ جرجی زیدان کا بلند پایہ تاریخی ناول جسے عالمگیر بکڈپو نے بصرف زر کثیر عربی سے اردو میں ترجمہ کروا کر ایک نئی کتاب کا اضافہ کیا ہے حجم ۵۰۰ صفحات قیمت ۱۱ علاوہ محصول ڈاک

روزنامچے ادبیات نفسیات اور مزاحیات کا شاندار مجموعہ دور حاضرہ کی بہترین تصنیف بیحد دلچسپ کتاب۔ چند روزناموں کے عنوان ملاحظہ ہوں۔ بادشاہ کا روزنامچہ، فقیر کا روزنامچہ، ممبر اسمبلی کا روزنامچہ، ایکٹرس کا روزنامچہ، شاعر کا روزنامچہ، بیوہ کا روزنامچہ ... ہر ایک انسان کی زندگی اس کتاب میں موجود ہے۔ آپ کی معلومات میں اضافہ کرنے والی اس سیریز کی ... قیمت صرف ایک روپیہ ...

وکیل ایبٹ آبادی کے ظریفانہ مضامین کا مجموعہ نہایت دلچسپ کتاب ہے قیمت ...

سیب کا درخت شہرۂ آفاق ادیب قاضی عبدالغفار صاحب کا ... بیحد دلچسپ اور فلسفیانہ رنگ میں ڈوبا ہوا طویل ترافسانہ جو انگریزی کے نوبل پرائز یافتہ ادیب گالز وردی کے افسانے کا اردو ترجمہ ہے۔ قیمت صرف بارہ آنے ۱۲/-

مہدی سرزمین مصر کی ایک نہایت ہی رنگین داستان ... جنگ مصری اور برطانوی سیاست۔ برطانوی ... مصریوں کی حب الوطنی اور بہادری حسن و عشق کی شوخیاں۔ ایک نہایت ... دلگداز افسانہ۔ پنجاب کے استاد مصنف ایم۔ اسلم کا شاہکار ... تصاویر۔ قیمت صرف تین روپے۔

کمزوری عظیم بیگ چغتائی کی بہترین تصنیف ... کمزوری ہے۔ اس قلم کی بہترین کتاب جس کا ... رنگ میں ڈوبا ہوا ہے اور اخیر حصہ سے زیادہ رقت آمیز ہے قیمت ...

چار سہیلیاں اس میں چار دلچسپ کہانیاں ہیں ... آموز ہے مصنف ایم اسلم قیمت ...

لیلیٰ کے خطوط ایک داستان ہے ... دکھے ہوئے دل کی آ... محبت ... کا اصل ہی یہ کتاب کے صفحات ... ان کا ترجمہ ... کتاب ہے۔ قیمت صرف ایک ...

مجنوں کی ...

... تہذیب و تمدن ہمارے ضمیر کو کس طرح مردہ
... اس کا ایک ہلکا سا عکس مجنوں کی شاعری میں دیکھئے اور اندازہ
... رہا تو سو سال کے بعد ہماری کیا حالت ہوگی بیحد دلچسپ
کتاب۔ قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

تین پیسے کی چھوکری

از قاضی عبد الغفار مصنف "لیلیٰ کے خطوط" یہ افسانے
قاضی صاحب کی دماغی کاوش کا نتیجہ ہیں۔ وثوق سے کہا جاتا ہے کہ یہ افسانے
اردو لٹریچر میں ایک حسین اضافہ ثابت ہونگے جو حضرات افسانہ نگاری کے شائق
ہیں اور افسانوں میں حقیقی روح دیکھنا چاہتے ہیں ان کو جلد از جلد آرڈر بھیجنا
چاہئے۔ قیمت ایکروپیہ آٹھ آنے۔ علاوہ محصول ڈاک۔

لمحات رنگین

مس زبیدہ سلطانہ کے حسین افسانوں کا مجموعہ ہے
جسے مصنفہ نے نہایت کاوش اور محنت سے
لکھا ہے۔ قیمت دو روپے عگر

ناظمہ کی آپ بیتی

ایک شریف زادی کی عبرتناک آپ بیتی،
یہ نہ کوئی افسانہ ہے نہ کہانی بلکہ ایک سچا
واقعہ ہے جس کے پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کتاب تین حصوں
میں تقسیم ہے۔ دوشیزگی، ازدواجی زندگی اور ایکٹرس۔ مصنف کی یہ ادبی کاوش
ایک قومی و ملکی خدمت متصور ہو رہی ہے۔ پریس اور پبلک نے نہایت زوردار
الفاظ میں اس کا خیر مقدم کیا ہے۔ کتاب بیحد دلچسپ اور واقعات سچے اور ہوشربا ہیں قیمت عگر

کھرپا بہادر

مشہور مزاح نگار حضرت مرزا عظیم بیگ چغتائی کے تازہ
ترین طرز تحریر کا شاہکار افسانہ نما ناول۔ نہایت ہی پرمذاق
ظرافت آمیز پلاٹ ہے مصنف نے اپنے شوخ اور دلچسپ طرز بیان کیساتھ
... کے ہنگامے کر رہے ہیں عشق و محبت سوز و گداز کے کرشمے اور خوفناک
... سین دکھائے گئے ہیں قیمت ایکروپیہ محصول ڈاک ۵ر

... کی سعنظرالعجی

خطوط کی ستم ظریفی مرزا عظیم بیگ چغتائی کا ایک
ایسا ہنسنے ہنسانے والا ناول ہے جس کی
... میں ملنی مشکل ہے۔ قیمت بارہ آنے ۱۲ر۔

...ل

ترکستان کی بہت دلچسپ کہانی ہے ہمارا دعویٰ ہے کہ ایسی
دلچسپ کہانی آپ نے کبھی نہیں پڑھی ہوگی واقعات اتنے

ہوشربا ہیں کہ محو حیرت ہو کر رہ جائیں گے۔ قابل مصنف کے نرالے انداز بیان
پر بے ساختہ تعریف نکلتی ہے۔ قیمت صرف دس آنے علاوہ محصول ڈاک

سلامبو

آج سے دو ہزار سال قبل کی قرطاجنہ قدیم کی حسین و جمیل داستان
مترجمہ مولٰینا عنایت اللہ صاحب بی اے دہلوی۔ "سلامبو"
میں مصنف نے آج سے دو ہزار سال پہلے کے واقعات کی تفصیل پیش کی۔
اور اس خوش اسلوبی کے ساتھ کہ تہذیب و معاشرت، حاکم و محکوم، رزم و بزم،
وغیرہا۔ مذہب اور عقیدے اور رسمیں سب کی تصویر دیکھ لیجئے۔ اصل
منظر پر حسین سلامبو اور شہزادہ ماتھو کی داستان عشق مرتب کی ہے۔ حسن
عشق کی آویزش، وحشی سپاہ کی بغاوت، جنگ کے بھیانک مناظر، قتل
غارتگری کی دل ہلا دینے والی روئداد، غرضیکہ اس زمانہ کی زندگی کا کوئی پہلو
نہیں۔ جس پر فاضل مصنف نے روشنی نہ ڈالی ہو۔ ترجمہ دو جلدوں میں
شائع ہوا ہے۔ ضخامت ۵۰۰ صفحات ہر دو جلد قیمت تین روپے۔

شاخ نبات

مشہور مجموعہ کلام حضرت طالب باغپتی حضرت طالب باغپتی ملک
مشہور اور قدیم شعراء میں سے ہیں۔ جن کی ذات علمی و ادبی
حلقوں میں محتاج تعارف نہیں ہے۔ آپ کی تازہ ترین تصنیف شائع ہو چکی
جو شاخ نبات کے نام سے بالکل اسم بامسمّٰی ثابت ہو رہی ہے۔ شاخ نبات اس
سال کی بہترین تصنیف ہے ضخامت ۲۴۰ صفحات متعدد رنگین تصویریں قیمت عہ

طلسم سامری

ملک روس کی ایک نہایت دلچسپ داستان۔ سائبیریا اور
انارکسٹوں کے خوفناک حالات اسقدر دلچسپ ہیں کہ شروع
کر کے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ تاریخی حقائق کو ایسے رنگین و ہوشربا پیرایے میں بیان
کرنا میاں اسلم کی جادو نگاری ہی کا کام ہے۔ قیمت صرف ایکروپیہ چھ آنے عہ

عجیب

مشہور زمانہ ادیب قاضی عبد الغفار مصنف "لیلیٰ کے خطوط" کی
نہایت دلچسپ تصنیف قیمت ایکروپیہ (عہ)۔

آرائش جمال با تصویر

اردو زبان میں زنانہ سنگھار کے متعلق پہلی کتاب
جو ایک معزز خاتون نے لکھی ہے۔ اس سے
پہلے اس قسم کی دوسری کتاب موجود نہیں تھی جو بہو بیٹیوں کے ہاتھ میں دی
جا سکے۔ کتاب کی خوبیاں پڑھنے سے واضح ہوں گی۔ متعدد بلاک کی تصاویر
حجم ۲۷۰ صفحات مجلد قیمت صرف دو روپے آٹھ آنے عگر

طلسمات

جوانی کی تلخیوں اور رنگینیوں کے پندرہ مرقعے قیمت عہ

نیرحیات ادبی ذوق رکھنے والوں کی نظر میں ایم۔ اسلم صاحب کا
ہر ایک افسانہ شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے یہ چالیس افسانو
ںوعہ ہے جن میں ہر ایک افسانہ اپنے اندر سیکڑوں رومان انگیز واقعات کا
ہ نقشہ پیش کرتا ہے کتاب کا حجم ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ عمدہ کاغذ دیدہ زیب
بت قیمت مجلد کتاب دو روپے آٹھ آنے عہ۸

نشوب زمانہ اس کتاب میں حضرت مصنف نے اپنی وسعت نظری سے
ان تمام واقعات کا ذکر نہایت ہی عمدہ پیرایہ میں کردیا ہے
ہ ہر انسان کو آئے دن پیش آتے رہتے ہیں۔ معلومات نفسیات انسانی کے
طابق نہ صرف مرد و عورت کے ربط و ضوابط جذبات محبت کا فلسفہ بیان
ا ہے بلکہ اخلاق و ادب، تمدن و معاشرت پر بھی جامع و مکمل بحث کی گئی ہے
اب کو پڑھکر تپھر دل انسان بھی موم ہوجاتا ہے۔ قیمت صرف ایکروپیہ عہ

سرگناہ ایک نہایت ہی دلچسپ اور سبق آموز کتاب ہے۔ اس کتاب
میں بتایا گیا ہے کہ سوسائٹی نہ ہونے کی وجہ سے کون کون سے
ناہ انسان سے سرزد ہوجاتے ہیں کتاب میں مختلف پہلوؤں سے روشنی ڈالی
ئی ہے کہ سوسائٹی کے رکن کس طرح من مانی کارروائیوں سے بے لوث او
زم دل انسانوں کو اپنا تختہ مشق بنائے رکھتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں
رتے ہیں۔ غرض کہ یہ کتاب لکھ کر حضرت مصنف نے اردو زبان کی بہترین
تابوں میں ایک نئی کتاب کا اضافہ کیا ہے قیمت صرف ایکروپیہ عہ

کارزارحیات اُردو داں حضرات کو ہمیشہ یہی شکایت رہتی تھی کہ اُردو
زبان میں بہترین کتابیں نہیں ملتیں خدا کا شکر ہے کہ ملک
کی سب سے اہم اور بڑی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ایم۔ اسلم صاحب نے کارزار
حیات کے نام نامی سے ایک بہترین کتاب تصنیف فرمائی ہے جو کہ قابل مصنف
کی دماغی کاوشوں کا بہترین ثمرہ ہے۔ اس کتاب کو آپ شروع سے لیکر اخیر
تک پڑھتے جائیں آپ کہیں بھی پڑھتے ہوئے نہیں اکتائیں گے اور بار بار
پڑھنے کو جی چاہیگا گویا کتاب کیا ہے مونس تنہائی ہے حجم ۵۰۰ صفحات مجلد عہ

مرزاجی حصہ اوّل دوبارہ تیار ہوگیا ہے۔ اس مرتبہ کتابت کی تمام غلطیوں
کو درست کرکے از سر نو کتاب کو مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب
بارہ برس سے ملک میں مقبول ہو رہی ہے اس کتاب کی جتنی بھی تعریف کی

جائے کم ہے آپ کتاب منگوا کر ملاحظہ فرمائیں۔ یہ کتاب
دس ہزار کے قریب فروخت ہوچکی ہے اور ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی
نہایت دیدہ زیب ٹائیٹل اور بہترین آرٹ کی تصویر قیمت عا

اُن لے کہا مصنف لیلیٰ کے خطوط کی آخری تصنیف اس
رومان انگیز کتاب آج تک طبع نہیں ہوئی۔ کتاب
اپنی زباندانی کا بہترین مرقع ہے۔ ہر افسانہ زندگی کے الجھے ہوئے مسائل کا
ایک حل ہے۔ پڑھئے اور بار بار پڑھئے قیمت صرف عہ

قلوپطرہ عشق و محبت کی سب سے بڑی اور مشہور داستان مصر
کی سرزمین کا حسن خون آشام۔ حسن و عشق کا دیوتا
قلوپطرہ کے عشق میں سب کچھ بھول جاتا ہے اور اس سیلاب عظیم کو روکنے
کے لئے اہل مصر کے پاس کیا ہے ایک عورت کا دلربا اور حسین جسم جو اپنے آپکو
ملک کے امن و امان پر قربان کرنے کو تلا ہوا ہے اور ملک کو جنگ کی ہولناک
تباہی سے بچانے کے لئے بیتاب ہے مگر عشق کی آگ میں قلوپطرہ کو کامیابی نصیب
نہیں ہوتی کتاب کا ہر ورق داستان عشق سے معمور ہے۔ ۲۸۰ صفحات مجلد عہ

حاجت روا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ ہر قسم کی مشکل آسان
بار بار کی آزمودہ دعائیں اور تعویذات۔ ایک بار کے
عمل سے تمام عمر نجات۔ ہر کام میں فتح و کامیابی۔ کسی عمل کو غلط ثابت کرنے والے
کو مبلغ ایک ہزار روپیہ انعام۔ قیمت مجلد عہ۸

بہارستان مولانا ظفر علی خاں مدیر روزنامہ "زمیندار" لاہور
کی سابقہ و تازہ ترین نظموں کا مجموعہ جو بلحاظ
کتابت و طباعت ہندوستان میں اپنی نظیر آپ ہے ۴۲۸ صفحات قیمت للعہ

رباعیات عمر خیام وہ خاص وصف جس نے ان رباعیات کی خوبی کو انتہائے
کمال پر پہونچا دیا ہے طرز ادا کی جدت اور اسلوب بیان
کی ندرت ہے۔ قیمت ۶ر

رباعیات عمر خیام مترجم جلال الدین احمد صاحب قیمت عا
رباعیات عمر خیام ترجمہ میر ولی اللہ صاحب ایڈووکیٹ قیمت عہ
خمکدہ خیام یعنی رباعیات عمر خیام مع ترجمہ (رباعی کا رباعی میں ترجمہ) از
آغا شاعر قزلباش آرٹ پیپر بہترین کتابت و طباعت مجلد دیدہ زیب قیمت

ملنے کا پتہ: عالمگیر بکڈپو۔ سید مٹھا بازار۔ لاہور



عالمگیر ہندوستان بھر کے علمی ادبی باتصویر رسائل میں سب سے زیادہ چھپ

جلد ۲۸ | فہرست مضامین ماہ جنوری ۱۹۳۸ء | نمبر ۲

مُلاحظات :

از :-

ادارہ عالمگیر

خدا کا شکر ہے کہ ملک کے ادبی حلقوں میں عالمگیر کا خاص نمبر بہت زیادہ
ل ہوا۔ اس اقتصادی بدحالی کے زمانہ میں جہاں کسی معیاری پرچے کا حسن
سے شایع کرنا مشکل ہے وہاں بغیر
اص کوشش کے اس کا ہاتھوں
روخت ہو جانا بھی اگر ناممکن نہیں
ضرور ہے ملک میں کئی اچھے رسائل
ہو رہے ہیں جن کے خاص نمبر بھی
اہتمام سے شایع کئے جاتے ہیں
تیجہ اکثر مایوس کن برآمد ہوتا ہے
اس تلخ حقیقت کو پیش نظر
ہوئے ہماری ہمیشہ سے یہی
ش رہی ہے کہ عالمگیر کے ظاہری
علمی محاسن کا معیار اس قدر بلند
جائے کہ اہل نظر اس کی عزت افزائی پر مجبور ہو جائیں اور اس کے مقبول
ِ عام ہونے میں کوئی مشکل حائل نہ ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا کے فضل سے
عالمگیر کا کوئی خاص نمبر شایع کر کے مایوسی نہیں ہوئی اور نہ انشا اللہ آئندہ
کی امید ہے۔ محبان عالمگیر ہمیشہ ادارہ عالمگیر کی حوصلہ افزائی کر کے اردو
و ادب کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کا موقع دیتے رہے ہیں۔

خدا کے فضل سے عالمگیر کی بنیادیں مالی اعتبار سے بہت زیادہ مضبو
اور انھیں مضبوط تر بنانے میں ہماری ناچیز کوششیں بار آور ثابت
ہی ہیں۔ ہفتہ وار "خیام" جیسے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے ابھی ایک سال
نہیں ہوا ملک میں بہت زیادہ مقبول ہوا اور اس کی اشاعت حیرت انگیز

اپنے وسیع حلقۂ احباب میں "عالمگیر" اور "خیام" دونوں کی توسیع اشاعت کے
لئے کوشش فرمائیں اور حسب مرضی انھیں دونوں میں سے کسی ایک کا خریدار
بنائیں تو یہ دونوں پرچے ملک کی دوسری بالکل
کثیر الاشاعت رسالوں پر بہت جلد
بازی لے جا سکتے ہیں جو اپنے ناظرین کی
قدردانی کے باعث بہت زیادہ تعداد
میں شایع ہو رہے ہیں۔

عالمگیر کا خاص نمبر تقریباً تمام کا
تمام فروخت ہو چکا ہے صرف تھوڑی
سی کاپیاں دفتر میں باقی رہ گئی ہیں
جو ہم نے صرف ان حضرات کیلئے وقف
کر رکھی ہیں جو عالمگیر کی سالانہ خریداری
قبول فرمائینگے انھیں یہ عدیم النظیر خاص نمبر
بالکل مفت ملے گا ان سے کوئی علیحدہ قیمت وصول نہیں کیجائیگی اس لئے جو
حضرات عالمگیر کا یہ قابل دید خاص نمبر ملاحظہ فرمانا چاہیں وہ جلد از جلد اسی
خاص نمبر سے عالمگیر کی ایک سال کی خریداری قبول فرمالیں۔

رسالہ عالمگیر کی امانت کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اپنے مطالعہ
کے لئے یا اپنی کتبخانہ کے لئے جس قسم کی کتابیں درکار ہوں وہ عالمگیر بکڈپو سے
طلب فرمائیں۔ عالمگیر بکڈپو میں ہر قسم کی علمی ادبی تاریخی صنعتی، تنقیدی
تجارتی کتابیں موجود ہیں۔ چند بہترین کتابوں کی فہرست رسالہ ہذا کے
آخر میں بغور ملاحظہ فرمائیں۔

ادارہ عالمگیر

عالمگیر خاص نمبر ۱۹۳۸ء

کی

حیرت انگیز مقبولیت!

عالمگیر کا خاص نمبر ۱۹۳۸ء خدا کے فضل و کرم سے تقریباً چھ ہزار چھپا تھا۔ لیکن یہ اُسکی حیرت انگیز مقبولیت کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ ہم نے اب ایجنٹوں کو پرچہ بھیجنا بند کر دیا ہے جنھوں نے اسے دوبارہ اور سہ بارہ طلب کیا تھا محض اس خیال سے کہ یہ عدیم النظیر خاص نمبر ہم اپنے سال بھر کے خریداروں کی خدمت میں مفت پیش کر سکیں۔ اسلئے اگر آپ واقعی ایک ایسا خاص نمبر ملاحظہ فرمانا چاہتے ہیں جو اپنے دلکش مضامین، بلند پایہ افسانوں سحر انگیز نظموں اور بہترین رنگین تصویروں کے اعتبار سے

فی الحقیقت خاص نمبر ہی اور ملک کے علمی و ادبی حلقوں سے خراج تحسین حاصل کر کے

بیحد مقبول ہو چکا ہے آپ بھی اسی خاص نمبر سے عالمگیر کی ایک سال کی خریداری قبول فرما کر اس بلند پایہ

خاص نمبر کو بالکل مفت حاصل کیجئے

قیمت سال بھر کے لئے صرف چار روپے چار آنے علاوہ محصولڈاک ہے

عالمگیر چودہ سال سے جاری ہے اور نہایت پابندی وقت کے ساتھ شایع ہوتا ہے۔ آج تک اس کی ایک اشاعت بھی ناغہ نہیں ہوئی اور ہر سال اپنے سالانہ خریداروں کی خدمت میں دو خاص نمبر جن کی مجموعی قیمت عہ ہوتی ہے ایک دسمبر اور ایک جون میں مُفت پیش کرتا ہے۔ پس آپکا فرض ہے کہ عالمگیر کی خریداری قبول فرما کر اردو کے ایک بہترین رسالہ کی جائز امداد فرمائیے۔

نیازمند:۔ مینجر عالمگیر لاہور

غالب اور ذو معنی اشعار

ایک بہترین تنقیدی مضمون

از

جناب مولوی کلیم الدین صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی

ہ شعر کسی جذبے کے احساس اور کسی خیال کی تاثیر کے تحت کہا جاتا ہے
س چیز کا مظہر ہونا چاہیئے۔ شاعر جس قدر حقیقی ہوگا اور اس کی
قدر آمد پر مبنی اور آورد سے پاک ہوگی اسی قدر اس کا ہر شعر کسی
ی خاص جذبہ یا کسی خاص خیال کا حامل ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ
ارادے کے ساتھ شعر کہے کہ اس کا شعر الفاظ کا گورکھ دھندا
کہ وہ شعر کے ذریعہ پہیلیاں بجھوانے پر تل جائے۔ ایسی صورت
عر دو ہی نہیں بلکہ کوشش سے دو سے زیادہ مطالب کا بھی
ہے۔ لیکن بڑے شعراء کی نسبت ایسا گمان کرنا سوئے ادبی
خیال کے تحت شعر کہتے ہونگے۔ نقادوں نے بڑے شعراء کے
یں ہمیشہ یہی اصول پیش نظر رکھا ہے کہ شعر کے اس مفہوم کا پتہ
شاعر کے ذہن میں شعر کہتے وقت تھا۔ دنیا میں غالباً انگریزی
پیر کے کلام پر سب سے زیادہ شرحیں لکھی گئی ہیں شکسپیر نے
ر الفاظ کا ایسا مفہوم لیا ہے جو عام طور پر ان الفاظ سے ظاہر نہیں
ں اس کے نقادوں نے الفاظ کے معمولی مفہوم سے قطع نظر کر کے
یال کا پتہ چلانے کی کوشش کی ہے جو شکسپیر کے خود
ں تھا۔

ر غالب بڑا اور فطرتی شاعر تھا (کون ہے جو غالب کی فطری شاعری
انکار کر سکتا ہے) تو اس کے کلام کا مفہوم سمجھنے اور سمجھاتے وقت
مد نظر رہنا چاہیئے معلوم کیا جائے کہ غالب کا کیا منشا تھا۔ اگر
فاظ مبہم یا ایسے واقع ہوگئے ہوں کہ ایک سے زیادہ مطالب
ہوں تب بھی ہمیں اس مطلب کے معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے
ذہن میں تھا۔

ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری کا نہایت مشہور فقرہ ہے کہ "ہندوستان میں الہامی اور مقدس کتابیں دو ہیں ایک وید اور دوسرا دیوان غالب" اگر مبالغہ سے قطع نظر اس جملہ میں کوئی حقیقت ہے تب تو بدیہی امر ہے کہ الہام کو صرف ایک پیغام اور ایک خیال کا حامل ہونا چاہیئے اس لئے غالب کے کلام پر تنقید کرتے وقت یہ بتانا کہ غالب کے اشعار کے دو مطالب ہوا کرتے تھے یا یہ کہ غالب کی یہ خصوصیت تھی یا غالب نے کبھی اس کی کوشش کی ہے کہ اس کے شعر کا ایک سے زیادہ مطلب ہو تو یہ چیز غالب کی شان بڑھانے کے بجائے اس کے کلام کی قدر گھٹانے کا باعث ہو جائیگی۔

مولانا حالی یادگار غالب میں لکھتے ہیں:۔ "چوتھی خصوصیت مرزا کی طرز ادا میں ایک خاص چیز ہے جو اوروں کے ہاں بہت کم دیکھی گئی ہے اور جس کو مرزا اور دیگر ریختہ گویوں کے کلام میں مابہ الامتیاز کہا جا سکتا ہے۔ ان کے اکثر اشعار کا بیان ایسا پہلودار واقع ہوا ہے کہ بادی النظر میں اس سے کچھ اور معنی مفہوم ہوتے ہیں مگر غور کرنے کے بعد اس میں ایک دوسرے معنی نہایت لطیف پیدا ہوتے ہیں جن سے وہ لوگ جو ظاہری معنوں پر قناعت کر لیتے ہیں لطف نہیں اٹھا سکتے" اس کے بعد مولانا حالی نے اس قسم کے چند اشعار کی مثالیں بھی دی ہیں جن سے ہم ذیل میں بحث کرینگے۔

لطف تو یہ ہے کہ ڈاکٹر بجنوری نے بھی جن کا یہ دعویٰ ہے کہ غالب کا کلام الہام ہے حالی کی اس بتائی ہوئی خصوصیت کو اپنی تنقید میں بھی قائم رکھا ہے اور اپنی تائید میں غالب کے تقریباً وہی اشعار نقل کئے ہیں جو مولانا حالی نے بتائے ہیں۔ ہماری حجت ہے کہ بفرض اگر غالب کے ان اشعار کے دو مطالب ممکن بھی ہوں تب بھی مولانا حالی اور بجنوری جیسے نقادوں کو یہ کہنا کہ ذو معنی اشعار کہنے کو غالب کی خصوصیت بتاتے

بلکہ انھیں چاہیئے تھا کہ وہ کہتے کہ اگرچہ ان الفاظ سے یہ بھی مفہوم نکل سکتا ہے لیکن غالبؔ کے ذہن میں ایک ہی مفہوم تھا اور وہ "یہ تھا" یا "یہ ہوگا"۔ اشارتاً یا کنایتہً بھی اس بات کو تسلیم کر لینا کہ غالبؔ نے عمداً ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں کہ ان سے دو مفہوم پیدا ہوں تو ہم تو اس کو غالب کی توہین خیال کرتے ہیں۔ اس خصوصیت کو بتانے کے لئے جو شعر پیش کئے گئے ہیں ان پر غور کرنے سے تو ہمارے اس خیال کی پوری تائید ہو جاتی ہے اور ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ مولانا حالیؔ اور ڈاکٹر بجنوری نے اس خیال کو کیسے جائز رکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا حالیؔ باوجود خود شاعری کے مصلح اعظم ہونے کے بہ لحاظ حالات و زمانہ ذو معنی شعر کہنے کو شاعر کے لئے باعث امتیاز خیال کرتے تھے اور بجنوری مرحوم نے بھی جوش عقیدت کے تحت مولانا حالیؔ کا تتبع کرتے ہوئے غالبؔ میں اس خصوصیت کا ہونا بیان کیا ہے۔

سب سے پہلا شعر جو مولانا حالیؔ نے پیش کیا ہے اور اس کے جو دو مطالب بتائے ہیں یہ ہے ؎

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

"اس شعر سے جو معنی فوراً متبادر ہوتے ہیں وہ ہیں کہ جس دشت میں ہم ہیں وہ اس قدر ویران ہے کہ اس کو دیکھ کر گھر یاد آتا ہے یعنی "خوف معلوم ہوتا ہے"۔ مگر ذرا غور کرنے کے بعد اس سے یہ معنی نکلتے ہیں کہ ہم تو اپنے گھر ہی کو سمجھتے تھے کہ ایسی ویرانی کہیں نہ ہوگی مگر دشت بھی اس قدر ویران ہے کہ اس کو دیکھ کر گھر کی ویرانی یاد آتی ہے۔" (حالیؔ)

گھر یاد آنے کا مفہوم خوف معلوم ہونا قرار دینا غالبؔ کے ساتھ بڑی زیادتی ہوگی۔ بچوں کو ممکن ہے خوف کی حالت میں گھر یاد آتا ہو لیکن یہ شبہ بھی کرنا کہ غالبؔ کا یہ مفہوم ہو سکتا ہے کہ دشت ایسا ویران ہے کہ اسے دیکھ کر ہم ڈر گئے اور ہمیں گھر یاد آ گیا غالبؔ کو تحت الثریٰ میں گرا دینا ہے۔

غالبؔ کا منشا تو یہ تھا کہ ایک شعر کے ذریعہ اپنے گھر کی ویرانی کو ظاہر کرے اگر غالبؔ کے الفاظ ایسے ہوتے ... میرا ایسا ویران ہے جیسے دشت تو اول مشبہ یعنی گھر کی ویرانی کو مشبہ بہ یعنی دشت کی ویرانی پر افضلیت حاصل نہ ہوتی دوسرے غالبؔ کے طرز بیان کی ندرت بھی اس کی متقاضی تھی کہ الفاظ ایسے ہوں کہ "دشت" ہم ... ویران ہے اور اس ... ویرانی دیکھ کر ہمیں تشبیہ کے لئے اپنے گھر کی ویرانی یاد آ گئی کہ دشت بھی تقریباً ہمارے گھر ہی کے مانند ویران ہے۔ اس لطیف طرز ادا کا یہ نتیجہ ہوا کہ دشت مشبہ اور گھر مشبہ بہ ہو گیا اور گھر کی ویرانی کو دشت کی ویرانی پر فضیلت حاصل ہو گئی۔ اس کے بعد غالباً غالبؔ کا اور کوئی مفہوم نہ تھا۔

کیونکر اس بت سے رکھوں جان عزیز
کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز

"اس کے ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ اگر اس سے جان عزیز رکھوں تو وہ ایمان لے لیگا اس لئے جان کو عزیز نہیں رکھتا اور دوسرے لطیف معنی یہ ہیں کہ اس بت پر جان قربان کرنا تو عین ایمان ہے پھر اس سے جان کیونکر عزیز رکھی جا سکتی ہے۔" (حالیؔ)

غالبؔ کا خیال ہے کہ اس بت پر جان فدا کرنا ہی تو میرا دین ایمان ہے۔ ایمان ہر شخص کو عزیز ہوتا ہے اور مجھے بھی ہے جس کا یہ تقاضا کہ جان فدا کر دی جائے پس میں جان نثار کرنے سے کیسے دریغ کر سکتا۔ اس شعر کا یہ مفہوم بیان کرنا کہ اگر میں اپنے معشوق پر سے جان نثار نہ کروں تو وہ میرا ایمان لے لیگا ایک مہمل سا مفہوم ہے اس لئے کہ ایمان ایسی کوئی مادی شے تو ہے نہیں کہ چھین لی جا سکے اور ایمان جانا تو اسی وقت ہوتا ہے جبکہ ایمان کے خلاف کوئی فعل کیا جائے۔ اس بت کو اس پر آمادہ تصور کرنا کہ اگر تم مجھ پر جان نثار نہ کروگے تو میں سزاءً تمہارا ایمان چھین لونگا اور پھر ایمان کے اس سرقہ بالجبر سے ڈر کر جان فدا کرا لینے پر آمادہ ہو جانا ایسا مفہوم ہے کہ ہمیں تو اسے غالبؔ سے منسوب کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں

"اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ معشوق گویا تو ہماری خاطر ایسی تھی کہ اگر بالفرض فرشتہ بھی ہماری نسبت کوئی گستاخی کرتا تو اس کو گوارا نہ ہوتی اور یا اب ہم کو بالکل نظر سے گرا دیا گیا ہے اور دوسرے عمدہ معنی یہ ہیں کہ اس شعر میں آدم اور فرشتوں کے اس قصہ کی طرف اشارہ ہے جو ... ہے کہ جب خدائے تعالیٰ نے آدم کو ...

رکیا تو فرشتوں نے کہا کہ تو دنیا میں اس شخص یعنی اس نوع کو پیدا
ے جو اس میں فساد اور خونریزی کرے۔ وہاں سے ارشاد ہوا کہ تم
ہ جو کچھ میں جانتا ہوں اور پھر آدم سے ان کو زک دلوائی اور حکم
کو سجدہ کریں۔ کہتا ہے کہ آج دنیا میں کیوں اس قدر ذلیل ہیں
ہماری ایسی عزت تھی:" (حالی)
جس شخص نے بھی آدم اور فرشتوں کا یہ مشہور قصہ سنا ہے کیا اس
ی شعر کے اس مفہوم سے ہٹ کر کسی اور جانب بھی منتقل ہوتا ہے؟
ہر ہے کہ انسان کی ذلیل حالت کا احساس کر کے غالب کو خدا
لطیف شکایت کا موقع مل جاتا ہے کہ کل تک ہم مسجود ملائک تھے
کیوں اس قدر راندۂ درگاہ ہوتے جا رہے ہیں۔ اس شعر کو سن
عشوق تک لے جانا اور کل تک اس کی بارگاہ میں عزت اور پھر
ن کی بے رخی کی شکایت کا مطلب اخذ کرنا کہاں تک درست
ہے؟

ترے سرو قامت سے اک قد آدم
قیامت کے فتنہ کو کم دیکھتے ہیں

اس کے ایک معنی تو یہی ہیں کہ تیرے سرو قامت سے فتنۂ قیامت
ر دوسرے یہ معنی بھی ہیں کہ تیرا قد اسی میں سے بنایا گیا ہے اس لئے
قد آدم کم ہو گیا ہے۔" (حالی)
اس شعر کا صاف مطلب یہی ہے کہ تیرے سرو قامت سے فتنۂ قیامت
وہ کمی ایک قد آدم کے برابر ہے۔ لفظ قد آدم بلندی کی اکائی کے
ستعمال ہوتا ہے مثلاً دیوار دو قد آدم بلند ہے البتہ اس کمی کو قد آدم
انے میں یہ لطف پیدا ہو گیا ہے کہ تیرا سرو قامت ظاہر ہے کہ
، اور قیامت کا فتنہ تیرے قد سے قد آدم کے برابر کم ہے یعنی قیامت
بھی نہیں ہے۔ مولانا حالی نے جو دوسرا مفہوم بتایا ہے کہ تیرا قد فتنہ
ں سے کاٹ کر بنایا گیا ہے اس لئے فتنہ قیامت بقدر تیرے قد کے
یعنی کم نظر آ رہا ہے۔ نہ معلوم یہ مفہوم اس شعر سے کیسے
۔ خصوصاً پہلے مصرعہ کی اس موجودہ حالت میں یہ مفہوم کسی طرح
ہو سکتا۔

سر اڑانے کے جو وعدہ کو مکرر چاہا
ہنس کے بولے کہ ترے سر کی قسم ہے ہم کو

اس شعر میں "ترے سر کی قسم ہے ہم کو" اس جملہ کے دو معنی ہیں ایک
یہ ہے کہ تیرے سر کی قسم ہے ضرور اڑا دینگے اور دوسرے یہ کہ ہم کو تیرے
سر کی قسم ہے یعنی کبھی ہم تیرا سر نہ اڑائیں گے۔ جیسے کہتے ہیں کہ آپ کو تو ہمارے
ہاں کھانے کی قسم ہے یعنی کبھی ہمارے ہاں کھانا نہیں کھاتے۔ (حالی)
مولانا حالی نے شعر کا جو دوسرا مفہوم پیدا کیا ہے وہ درست نہیں
معلوم ہوتا اس لئے کہ جب کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ مجھے فلاں کام نہ کرنے کی قسم
ہے تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ میں نے قسم کھالی ہے کہ یہ کام آئندہ نہ
کیا کرونگا۔ ایسے موقع پر اس کا اظہار کبھی نہیں کیا جاتا کہ کس چیز کی قسم
ہے بلکہ قسم کا لفظ بمعنی عہد استعمال ہوتا ہے۔ اس شعر کا وہی پہلا مفہوم ہے
جو حالی مرحوم نے بتایا ہے کہ تیرے سر کی قسم ہم ضرور تیرا سر اڑا دیں گے
اس شعر میں سب سے لطیف چیز تو یہ ہے جس کا حالی نے ذکر کیا ہے کہ
عام طور پر یہ عقیدہ ہے کہ کسی چیز کی قسم کھا کر وہ عہد پورا نہ کیا جائے تو اس
کا وبال اس چیز پر پڑتا ہے جس کی قسم کھائی جاتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص
کہے کہ "میرے سر کی قسم" اس کا یہ مطلب ہوگا کہ اگر میں اپنا عہد پورا نہ کرونگا
تو اس کا وبال میرے سر پر ضرور پڑیگا۔ اس شعر میں جب شاعر نے سر اڑانے
کا وعدہ لینا چاہا تو مخاطب نے وعدہ تو کر لیا لیکن شاعر کے سر ہی کی قسم
کھائی یعنی اگر وعدہ خلافی بھی ہو تو اس کا وبال شاعر ہی پر پڑے اور اس
احساس کے تحت قسم کھاتے وقت ہنسی بھی آ گئی۔

کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا
بس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے

"ہمارے بھی منہ میں زبان ہے"۔ [illegible] میں دو معنی رکھتے ہیں۔ ایک
یہ کہ ہمارے پاس ایسے ثبوت ہیں کہ اگر بولنے پر آئے تو تم کو قائل کر دیں گے
اور دوسرے شوخ معنی یہ ہیں کہ ہم زبان سے چکھ کر بتا سکتے ہیں کہ غیر نے
بوسہ لیا ہے یا نہیں؟ (حالی)
منہ میں زبان رکھنے کا مطلب آج تک تو یہی سمجھا جاتا ہے کہ یہ شخص بولنے
پر قادر ہے مثلاً غالب کا ایک دوسرا شعر ہے

میں بھی مُنہ میں زبان رکھتا ہوں

کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے؟

زیر بحث شعر کا مطلب یہی ہے کہ غیر کو بوسہ دینے کے سلسلے میں تکرار ہو رہی تھی اور معشوق کو اس سے انکار تھا۔ شاعر نے حجت کو ختم کردینا چاہا اور کہا کہ بس آپ چپ ہی رہ جاؤ تو بہتر ہے۔ میری خاموشی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں کچھ جانتا نہیں اور کچھ بول نہیں سکتا۔ اگر تمہارا مزید انکار جاری رہا تو پھر میری زبان بھی کھل جائیگی اور پھر میں پتہ کی باتیں کہنا شروع کردونگا تو اس وقت معلوم ہوگا۔ مُنہ میں زبان رکھنے کا آج تک یہ مفہوم نہیں لیا گیا کہ ہم ذائقہ چکھ کر بتا سکتے ہیں۔ اول تو انسان میں ایسی کوئی حس نہیں ہے کہ وہ چکھ کر بتا سکے کہ اس سے پہلے بوسہ لیا گیا ہے یا نہیں اور نہ غالب نے اسے کبھی گوارا کیا ہوگا کہ صرف شعر کو ذو معنی بنالینے کے لئے ایسا پست مطلب شعر میں یہ دوسرا مفہوم پیدا کرنا غالب کے ساتھ شوخی کے اور کچھ نہیں ہے۔

غرض جیسا کہ ہم ابتدا میں کہہ چکے ہیں کہ اول تو ذو معنی کہنا کسی بھی شاعر کے لئے کوئی فخر کی بات نہیں ہے اور غالب کے لئے اور بھی کم فخر کی بات ہے۔ اس لئے کہ شعر اگر جذبہ یا خیال کے تحت کہا جاتا ہے تو اسے ایک ہی خیال کا حامل ہونا چاہئے۔ الا آنکہ خواہ مخواہ پر کوشش کرکے شعر کو معمہ بنایا جائے۔ غالب سے اس کی کم توقع کی جاسکتی ہے۔

کلیم الدین۔ بی۔ اے۔

غزل

از جناب عبدالحق صاحب حزیں کاظمی

کیا کریں ہم زندگی کا اعتبار	چار دن کی چیز وہ بھی مستعار
ہوگیا سارا گریباں تار تار	وائے وحشت کردیا راز آشکار
سعیٔ ضبطِ نالہ کرتا ہوں ہزار	لب پہ آہی جاتا ہے بے اختیار
کشمکش میں پڑگئی ہے جانِ زار	دل پہ قابو ہے نہ ان پر اختیار
ہم کو بس منظور ہے مرضیٔ یار	جائے یا رہ جائے اپنی جان زار
یہ بھی کیا منظر ہے حسن و عشق کا	چشمِ تر کوئی ہے کوئی شرمسار
دیکھئے کیا ہو محبت کا مآل ؟	وہ تغافل کیش ارماں بے شمار
ہمنفس میرا وہی ہے آشیاں	جس سے چشمک رکھتی ہے برقِ بہار
آئے بھی وہ اور واپس بھی گئے	میں رہا مخمورِ کیفِ انتظار
کشتیٔ دل بحرِ غم میں پڑگئی	ڈوبی اُف ڈوبی لگا جلد آکے پار
اللہ اللہ بادۂ غم کا اثر ؟	دم بدم بڑھتا ہی جاتا ہے خمار
وائے رے محرومیٔ قسمت حزیں	چھوٹے جب ہم ہوگئی رخصت بہار

حسن کی شان رزم و بزم

از:-
حضرت علامہ شفیق رضوی عماد پوری

سامری فن ہے تری چشم فسوں ساز اے حسن
چشم بد دور ترا غمزۂ غماز اے حسن
دلنوازی پہ تری عشق کو بھی ناز اے حسن
ناز تجھ پہ ہے فدا صدقے ہو انداز اے حسن

شرم قربان تری عصمتِ دوشیزہ پر
ہر ادا محوِ حیا صورتِ پاکیزہ پر

کشور دل کا ہے غارتگرِ ارماں تو ہی
رخنہ انداز متاعِ جگر و جاں تو ہی
بن گیا ہے شررِ ہستیٔ انساں تو ہی
برقِ خرمن ہے تو ہی شعلۂ سوزاں تو ہی

آگ پانی میں لگاتا ہے شرارہ تیرا
سحر غمزہ ترا جادو ہے اشارہ تیرا

گل کھلاتا ہے حسینوں میں ترا رنگ کبھی
رنگ لاتا ہے جہاں میں ترا رنگ کبھی
بزم میں تو ہے مغنیٔ خوش آہنگ کبھی
رزم میں تو ہے نوائے طبلِ جنگ کبھی

سرفروشوں کا تو گاہک دم پیکار بھی ہے
اس نزاکت پہ ترے ہاتھ میں تلوار بھی ہے

اسلحے اور ہیں تو جن سے کیا کرتا ہے وار
نئے آلات فن حرب کئے ہیں تیار
دُہری تلواریں ہیں ابرو کے خمیدہ پہ نثار
بس ہے تیر و کماں صفِ مژگاں کی قطار

تیرے کشتے ہیں قیامت کے، بلا کے بسمل
جی اٹھے مر کے تری تیغ ادا کے بسمل!

اسلحے تیرے نہ ہونگے کبھی آلودۂ زنگ
ہونگے محتاج نہ صیقل کے نہ منت کش سنگ
جتنے دنیا میں ہیں زینت دہِ تاج و اورنگ
ڈھنگ کا تیرے ہے ان سب سے جدا اور ہی ڈھنگ

لبِ رنگیں سے کبھی تو نے یمن جیت لیا
زلفِ مشکیں سے کبھی تو نے ختن جیت لیا

بسملوں کو ترے ملتی ہے حیاتِ جاوید
تیغ و خنجر سے گلے مل کے منا لیتے ہیں عید
تجھ پہ ہو جاتے ہیں قربان ترے طالبِ دید
زندگی جن کیلئے موت، وہ ہیں تیرے شہید

مٹنے والے ترے باقی رہیں فانی ہو کر
روح قالب سے ہو آزاد بہشتی ہو کر

بھائی کی موت

افسانہ

(از جناب چودھری عبدالرشید صاحب تبسم بی اے)

(خاص عالمگیر کے لئے انگریزی سے ترجمہ کیا گیا)

"ان سیاحوں سے بھی خدا بچائے! زندگی سے تو یہ لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بس یہ سمجھئے کہ یہ زمین ان کے لئے ہوا ہے اور یہ خود تماشبین ہیں۔ جونہیں گرمی کا موسم شروع ہوا ایک جگہ سے دوسری جگہ اور دوسری سے تیسری جگہ اڑ کر جا پہنچے۔ ان میں سے جو لوگ اپنے آپ کو زیادہ عقلمند سمجھتے ہیں وہ بلند جگہوں پر گھومتے ہیں۔ اور اونچی جگہ پر بیٹھ کر ہم بستی کے رہنے والوں کی حرکات و سکنات دیکھتے ہیں۔ ہاتھ میں پنسل اور زانو پر نوٹ بک ارد گرد دیکھتے ہیں۔ اور پھر لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں اور پھر ارد گرد دیکھنے لگتے ہیں۔ جتنا وقت یہ لوگ ایک جگہ پر ضائع کر دیتے ہیں۔ اسی عرصہ میں آدمی بارہ میل سفر پیدل طے کر سکتا ہے۔ یا اگر وہ کام کرنا چاہے تو اتنے وقت میں اپنے ہمسائے کی پوری ایک ایکڑ کھیتی کاٹ کر گرد برد کر سکتا ہے۔ مگر وہ ادھر ہمارے گرجے کے عقب میں کون ہے؟ یہ بھی کوئی ایسا ہی سیاحتی کا مارا انسان معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے گرجے سے ملحقہ قبرستان میں نہ تو کسی قبر پر کوئی کتبہ ہے اور نہ لوح مزار۔ یہاں تک کہ کسی مرنے والے کا نام تک موجود نہیں۔ صرف چند بالکل سادہ قبریں ہیں۔ تو پھر بھلا یہ شخص وہاں کیا کر رہا ہے؟"

یہ تھے وہ الفاظ جو ایبرز ڈیل کے پادری نے اپنی بیوی جینا سے مخاطب ہو کر کہے۔ جولائی کی ایک شام تھی۔ پادری اپنی جھونپڑی کے پاس پتھر کی ایک نشست پر بیٹھا آنے والے موسم سرما کے لئے اون صاف کر رہا تھا۔ پاس ہی پتھر پر اس کی بیوی بیٹھی اون کے دوہرے دھاگوں کی الجھنیں دور کر کے انہیں جدا جدا کرنے میں مصروف تھی۔ ساتھ ساتھ وہ صاف کی ہوئی اون اپنی لڑکی کی طرف بڑھا رہی تھی جو بڑی مصروفیت کے ساتھ چرخا کات رہی تھی۔

جس کیفیت میں گرجا واقع تھا۔ پادری بار بار حیرانی سے ا[...] تک رہا تھا۔ کوئی نصف گھنٹہ اس کی یہی حالت رہی۔ آخر وہ اپ[...] اٹھا۔ اپنے اوزار بڑی احتیاط کے ساتھ تھیلے میں بند کئے۔ صاف [...] اون ایک طرف رکھی اور جھونپڑی سے نکل کر ڈھلوان کی طرف اتر [...] بڑھا جدھر گرجا تھا۔ اسے نظر آ رہا تھا کہ وہ اجنبی شخص گرجے کے ا[...] بدستور موجود ہے اور ادھر ادھر جھانک جھانک کر دیکھ رہا ہے۔

دراصل یہ اجنبی شخص ایک گڈریئے کا بیٹا تھا۔ اور پادری اس کو بچپن سے اچھی طرح سے جانتا تھا۔ ابھی یہ شخص سولہ [...] نہیں ہوا تھا کہ اس نے اپنا آبائی پیشہ ترک کر کے اپنی امیدوں اور امنگوں کو ہوا اور پانی سے وابستہ کر لیا۔ جہاز پر وہ بیس برس ملا[...] رہا لیکن اس کی پرورش پہاڑوں میں ہوئی تھی۔ اس لئے طوفانی سمندر میں رہ کر بھی دل سے وہ گڈریا ہی رہا۔ بحری زندگی میں [...] یہ کیفیت رہی کہ جہاز کے چلتے وقت پائپ سے جو آواز نکلتی تھی وہ اس گڈریئے کو نیو مارڈ کی آبشار کا شور معلوم ہوتی اور کبھی وہ [...] کہ ہوا کی سنسناہٹ کسی تار سے آواز پیدا کر رہی ہے۔ پھر وہ کہتا تو اس میں درختوں کی سائیں سائیں کی آواز ضرور شامل ہے۔ [...] منطقہ معتدلہ میں متواتر کئی کئی دن اور کئی کئی ہفتے تیز ہوا باقاعدہ ساتھ چلتی اور مطلع صاف ہوتا تو وہ جہاز کے ایک کنارے پر آ کر اور ٹکٹکی باندھ کر سمندر کو دیکھتا رہتا۔ اور جب سمندر کی پیچ و تاب [...] ہوئی کف آلود نیلگوں لہریں مختلف قسم کی بناتیں تو اسے نامعلوم کی [...]

بہتا ہیں کہ سمندر کے سینے پر یہ سرسبز پہاڑیاں ہیں۔ اِدھر اُدھر
یاں چر رہی ہیں اور مخصوص دیہاتی لباس پہنے۔ جیسا کہ لیونارڈ
پہنا کرتا تھا۔ گڈریئے اِدھر اُدھر گھوم رہے ہیں۔

لیونارڈ کو بحری زندگی میں کئی خطرات کا سامنا کرنا پڑا مگر اٹلی کے
یں وہ تھوڑا سا روپیہ جمع کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب وہ اپنے
رف کو لوٹ آیا ہے۔ اُس نے تہیہ کر لیا ہے کہ وہ پھر وہی زندگی
رے گا جو جہاز پر ملازم ہونے سے پہلے اُس کی اور اس کے
اد کی زندگی تھی۔ گڈریوں کی زندگی کچھ تو اسے اس لئے پسند
ں میں کئی ایسی راحتیں موجود ہیں جن سے رُوح کو حقیقی خوشی
ہوتی ہے۔ اور کچھ اس لئے کہ اسے اپنے بھائی سے بے انتہا
ہے۔ بحری زندگی میں اُس نے ہزاروں سختیاں جھیلیں مگر بھائی کی
ب کے دل سے شمہ بھر کم نہ ہوئی۔ اُسے وقت کبھی نہ بھولا جب
ں بھائی موسم خواہ خوشگوار رہتا اور خواہ طوفان خیز۔ اپنے وطن کی
پر اکٹھے بھیڑیں چرایا کرتے تھے۔ ان کے باپ دادا کی باقی
ل منقطع ہو چکی تھی۔ صرف یہی دو بھائی باقی تھے۔

طویل سفر کے بعد جب لیونارڈ اپنے گھر کے قریب پہنچا تو اُس کا
قابو ہو گیا۔ اُسے اپنا بھائی جان سے زیادہ پیارا تھا اور وہ
بیس برس جدا رہا تھا۔ خدا جانے اب اُس کا کیا حال ہے!
نے اپنے مکان میں داخل ہونے کی بہت کوشش کی مگر اسکے
نہ بڑھ سکے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اس کی طاقت رفتار سلب
ہے۔ کچھ دیر وہ سوچتا رہا۔ پھر وہ گرجے سے ملحقہ قبرستان کی
ڑا۔ اُسے اچھی طرح سے یاد تھا کہ اس قبرستان کے کس گوشے میں
خاندان کی قبریں ہیں۔ اس نے خیال کیا کہ وہاں سے پتہ چل جائیگا
پیارا بھائی ابھی زندہ ہے۔ یا پہلی قبروں میں ایک اور قبر کا
و چکا ہے۔ جب وہ قبرستان کے اس خاص گوشے میں پہنچا تو
دیکھا کہ وہاں ایک اور قبر موجود ہے۔ جسے دیکھکر اس کا دل
۔ زمین پاؤں تلے سے نکلی جاتی معلوم ہونے لگی اور وہ دم بخود
اس قبر کے قریب وہ نصف گھنٹہ سر جھکائے کھڑا رہا۔ اس کے

دل و دماغ میں ایک ہیجان بپا تھا۔ اس ہیجان نے اس کی قوتِ
یادداشت میں کچھ گڑبڑ سی کر دی۔ اب اسے یہ شک ہونے لگا۔ بلکہ
جلد ہی یہ شک یقین سے بدل گیا۔ کہ مٹی کا یہ ڈھیر اُس نے وطن کو
خیرباد کہنے سے پہلے بھی دیکھا تھا۔ اس لئے یہ قبر نئی نہیں بلکہ یہ ایک
پُرانی قبر تھی جسے وہ فراموش کر بیٹھا تھا۔ لیونارڈ آج بعد دوپہر جب
اس قبرستان کی طرف روانہ ہوا تو اُسے اصل راستہ بھول گیا اس لئے
وہ کھیتوں میں سے ہوتا ہوا یہاں تک پہنچا۔ اب وہ کھیتوں کو دیکھکر
دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا کبھی وہ اس علاقہ کی چپہ چپہ زمین سے
واقف تھا۔ اب تو وہ جدھر آنکھ اُٹھا کر دیکھتا تبدیلی ہی تبدیلی نظر آتی تھی
درخت۔ کھیت۔ چٹان اور یہاں تک کہ لازوال پہاڑیاں بھی تبدیل
ہو چکی تھیں۔

اب پادری بھی گرجے کے دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ وہ
دوسری طرف سے کھیتوں میں سے ہو کر آیا تھا۔ لیونارڈ نے اسے نہ دیکھا
مگر وہ برابر لیونارڈ کو دیکھ رہا تھا۔ پادری دروازے کے پاس آ کر رُک گیا۔
ذرا سستایا اور اپنے اعضا کو جنبش دیتا ہوا پھر آگے بڑھا۔ خدا جانے کیوں
وہ دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا۔ پھر وہ مسکرایا اور آپ ہی آپ
کہنے لگا:۔

"یہ اجنبی شخص ان لوگوں میں سے معلوم ہوتا ہے جو دنیا کو اپنے
حال پر چھوڑ کر خود تنہائی اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ کوئی بیکار شخص ہے
اسے کوئی کام نہیں۔ بلکہ سچ پوچھو تو اس کے ہاتھوں کو ہمیشہ کے لئے چھٹی مل چکی
ہے۔ یہ شخص اپنے حال میں مست اسی طرح کھنڈروں کی طرف تکتا رہیگا
وہاں یہ یا تو خود بخود ہنسنے لگے گا۔ اور یا اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے
لگیں گے۔ اس کی یہی حالت رہے گی حتیٰ کہ غروب ہوتے ہوئے آفتاب کی
آخری شعاعیں اس کی پیشانی پر "تم احمق ہو" لکھ کر غائب ہو جائینگیں"۔

پادری اسی طرح بڑبڑاتا ہوا عشق پیچہ کی بیلوں سے لدے
ہوئے دروازے میں سے آگے بڑھا۔ وہ شاید رات تک یہی سوچتا
رہتا مگر اجنبی شخص قبروں کو چھوڑ کر اس طرف کو آ رہا تھا۔ وہ پادری کے
بالکل قریب پہنچ گیا اور اس نے پہلی ہی نظر میں پادری کو پہچان لیا

لیکن پادری نے لیونارڈ کو نہ پہچانا۔ لیونارڈ نے یہ بھی ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ خود پادری سے روشناس ہے۔ علیک سلیک کے بعد ان میں اس طرح سلسلۂ گفتگو شروع ہوا۔

لیونارڈ۔ جناب من! آپ ان وادیوں میں نہایت سکون کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ آپ کا ہر سال بڑے اطمینان سے گزرتا ہے۔ یہ جگہ ہی ایسی ہے کہ یہاں کسی کے آنے کی نہ کسی کو خوشی اور نہ کسی کے جانے سے کسی کو رنج ہوتا ہے۔ اور یہاں آنے یا یہاں سے جانے میں کوئی خاص فرق بھی نہیں۔ اس قبرستان میں بمشکل اٹھارہ مہینوں میں ایک جنازہ آتا ہوگا۔ لیکن اس کے باوجود اس میں تبدیلیاں ہوتی ہی رہتی ہیں۔ آپ تو ان چٹانوں کے درمیان رہتے ہیں فنا اور موت کی دست اندازیوں کا آپ کو تو پورا پورا احساس ہوگا۔ یہی نہیں کہ ستر سال کی عمر پاکر ہم انسان ہی مر جاتے ہیں بلکہ ہر چیز فانی ہے۔ چند سال ہوئے میرا ادھر گزر ہوا تھا۔ سامنے ندی کے پاس کھیتوں کے ساتھ ایک پگڈنڈی تھی۔ اب اس کا نام و نشان تک باقی نہیں۔ اور اس سیاہ ڈھلان کی طرف دیکھئے۔ اس کی ہیئت ہی بدل گئی ہے۔ جب میں نے اسے دیکھا تھا اس وقت اس کی یہ شکل نہ تھی۔

پادری۔ نہیں جناب۔ مجھے اچھی طرح سے معلوم ہے کہ وہ ڈھلان بالکل تبدیل نہیں ہوا۔ وہ ویسے کا ویسا ہی ہے۔

لیونارڈ۔ اور ادھر سامنے دیکھئے۔

پادری۔ درست۔ اس معاملہ میں تمہاری یادداشت نے تم سے وفا کی ہے۔ وادی کا وہ دامن ان تمام پہاڑیوں میں سب سے بڑا کنج تنہائی ہے۔ اس میں پاس پاس دو چشمے بہتے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ فطرت نے ان کو باہم دوست بنایا ہے اور یہ اسی طرح اکٹھے بہتے رہیں گے۔ ان میں سے ایک کے پاس چٹان پر بجلی گری اور وہ چشمہ غائب ہوگیا۔ دوسرا جو باقی رہ گیا تھا وہ ابھی تک جاری ہے۔ اس قسم کے حادثات اور تغیر و تبدل کیلئے کسی اہتمام کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہر روز ہم پر ایسے حادثات کا

امکان ہو سکتا ہے۔ مثلاً پانی کے ایک ہی ریلے سے ۔۔۔ گر سکتا ہے۔ مئی کے مہینے میں ایسا طوفان آسکتا ہے جو ۔۔۔ شدہ برف کو اپنے دامن میں بھر لائے اور اس ٹیلے کے ۔۔۔ زمین کو بیسیوں مردہ بھیڑوں سے بھر دے جو ۔۔۔ اور کوّوں کے لئے ضیافت کا سامان بن سکیں۔ یا ان چٹانوں ۔۔۔ کوئی گڈریا ظالم موت کا شکار ہو جاتا ہے۔ برف کا طوفان ۔۔۔ وہ مضبوط پل کو بہا لے جاتا ہے۔ کوئی درخت گر پڑتا ہے۔ او ۔۔۔ گھروں کی طرف ہی دیکھئے۔ بچہ پیدا ہوتا ہے۔ کھیت میں ۔۔۔ ہے۔ لڑکی کو کام پر بھیجا جاتا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کس وقت ۔۔۔ رونما ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے پاس دو ڈائریاں ر ۔۔۔ واقعات اور تاریخوں کا اندراج موجود رہے۔ ان میں ۔۔۔ تو تمام وادی کے کام آتی ہے اور دوسری ڈائری ہر گھر کے ۔۔۔ ہم تاریخ داں ہیں۔ آپ نے ہمارے متعلق غلط اندازہ لگا ۔۔۔ وادیوں کے متعلق آپ جو کچھ پوچھنا چاہیں پوچھ سکتے ہیں۔

لیونارڈ۔ لیکن بہ تکلف برطرف اس قبرستان سے تو یہ معلوم ہو ۔۔۔ اس کی طرف سے بالکل بے پرواہ ہیں۔ کوئی بچہ اپنی ماں کی قبر تلاش نہیں کر سکتا۔ یہاں پر نہ تو کسی ۔۔۔ کوئی تحریر موجود ہے۔ اور نہ پاؤں کی طرف کوئی پتھر ۔۔۔ اور نہ پیتل کی کوئی پلیٹ ہی موجود ہے۔ ا ۔۔۔ نشانی بھی موجود نہیں۔ نہ ہڈیوں کی صلیب ا ۔۔۔ سر کی کھوپڑی کی نشان ہی کہیں کندہ ہے۔ ۔۔۔ گھر کا پتہ۔ اس کی زندگی کے کارنامے اور امنگ ۔۔۔ نہیں ہو سکتیں۔ یہ قبرستان اس چراگاہ میں ۔۔۔ گھر نہیں۔ بلکہ ایک دوسری چراگاہ ہے۔ ایک ۔۔۔ نکلے اور دوسری چراگاہ میں پہنچ گئے۔

پادری۔ جناب نے یہ ایک نیا خیال پیدا کر دیا۔ یہ بات ۔۔۔ کہ اگر تمام ملک کے قبرستان ہمارے اس قبرستان ۔۔۔ تو سنگ تراش بھیک مانگ کر پیٹ پالا کریں ۔۔۔

جو تعجب آپ نے اخذ کیا ہے وہ صداقت سے بعید ہے ہمیں یہاں قبروں پر نام لکھنے اور کتبے لگانے کی ضرورت نہیں۔ ہم شام کو چشمے کے گرد بیٹھ کر ہر روز انہیں مرنے والوں کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ ہمارا فرض ہے کہ یہاں دفن ہونیوالوں کے تمام حالات زبانی یاد رکھیں۔ پھر ہمیں کسی نشانی کی کیا ضرورت ہے؟ جو لوگ پہاڑوں میں مرجاتے ہیں ان کے لئے موت کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی۔

ڈ۔ تو پھر اس وادی کے باشندے گویا ایک دوسرے کی یاد میں ایک قسم کی دوہری زندگی رکھتے ہیں۔ یہ درست ہو گا جناب مگر کیا آپ ان تمام قبروں میں سے نصف قبروں میں دفن ہونیوالے لوگوں کے حالات ہی بتا سکتے ہیں؟

ی۔ گذشتہ اسی برس سے جن مرنے والوں کے حالات میں نے دیکھے یا سنے ہیں شاید وہ سب کے سب آپ بیان کر سکوں۔ موسم سرما میں کسی شام آپ میرے مکان میں چولہے کے گرد میرے ساتھ بیٹھے ہوں تو میں ایک ایک کر کے تمام قبروں کی آپ کو سیر کراؤں۔ اسی قبر کو لیجئے جس پر آپ کا آدھا پاؤں آگیا ہے۔ یہ قبر بھی باقی قبروں کی طرح ہے۔ لیکن یہ شخص شکستہ دل ہو کر مرا تھا۔

ڈ۔ شکستہ دل ہو کر مرنا ایک عام بات ہے۔ میں ایک اور قبر کے متعلق آپ سے پوچھتا ہوں۔ وہ سامنے جھاڑی کے عقب میں کس کی قبر ہے؟ وہ سامنے۔ ادھر۔ تین قبروں میں سے آخری قبر۔ اس کے ایک طرف چھوٹی سی چٹان ہے اور دوسری طرف گرجے کی دیوار۔

ی۔ وہاں والٹر سوتا ہے۔ اس کا سر اتنا سفید ہو۔ اور اس کے رخسار اتنے سرخ تھے کہ کسی نوجوان کے رخسار بھی اتنے سرخ نہیں ہوتے۔ والٹر کے آباؤ اجداد کی جائیداد پانچ پشتوں تک ورثہ میں منتقل ہوتی رہی۔ وہ جائیداد ایک تو جھونپڑی بھی جھونپڑی وہ سامنے کھڑی ہے۔ اور اس کے ساتھ چند کھیت تھے۔ والٹر کے آباؤ اجداد محنت کے سخت عادی تھے۔ ہر ایک نے مرتے وقت اپنی آبائی جائیداد سے کچھ زیادہ جائیداد ہی اپنے بیٹے کے لئے چھوڑی۔ والٹر اپنے والدین کو بہت ہی عزیز تھا۔ دوسری ذمہ داریوں کے ہمراہ آخر وہ تمام جائیداد اس کے قبضہ میں آئی بوڑھا والٹر خوش و خورم زندگی بسر کرتا رہا۔ اس کی کچھ جائیداد رہن بھی ہو گئی۔ اور اس پر سود عائد ہونے لگا مگر وہ آخری دم تک خوش رہا۔ لیکن آخر وہ ایک دن چل بسا اس کی موت کچھ پیش از وقت تھی۔ غریب والٹر! معلوم ہوتا ہے۔ تفکرات کی وجہ سے وہ جلدی مر گیا۔ لیکن آخری دم تک وہ چاق و چوبند تھا۔ اسے چلتے دیکھ کر کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا تھا۔ کہ یہ بوڑھے آدمی کی رفتار ہے۔ میں اسے سامنے راستے سے گزرتے ہوئے دیکھا کرتا تھا۔ اس کے دونوں پوتے لیونارڈ اور جیمز بھی اس کے ہمراہ ہوتے تھے ——— لیکن آج رات یا تو آپ ہمارے مالک مکان سے درخواست کریں کہ وہ آپ کو مہمان رکھ لے ورنہ آپ کو لمبا سفر کرنا پڑے گا۔ موسم گرما کے طویل دنوں میں بھی ———

لیونارڈ۔ مگر ان یتیموں کا کیا ہوا؟

پادری۔ یتیم! بیشک وہ یتیم تھے۔ مگر ہر چند کہ ان کے ماں باپ مر چکے تھے۔ اور پہلو بہ پہلو ابدی نیند سو رہے تھے جیسا کہ وہ اب بھی سو رہے ہیں۔ وہ بچے اس وقت یتیم نہ تھے۔ جب ان کا دادا زندہ تھا۔ بوڑھا والٹر ان بچوں کا باپ ہی تھا بلکہ یوں کہئے کہ وہ ان کا دوہرا باپ تھا۔ اور جب وہ ان بچوں کے متعلق باتیں کرتا تو بے اختیار اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے وہ محبت اور مامتا کے آنسو ہوتے تھے۔ اس لئے یوں سمجھو کہ والٹر بڑھاپے میں ان بچوں کے لئے نصف ماں بھی تھا۔ . . . . .

یہ کیا؟ تم رونے کیوں لگے؟ واہ صاحب! ایک اجنبی کی زبان سے دوسرے اجنبی کی باتیں سن کر رو دینا کہاں کی دانائی ہے۔ خدا آپ پر رحم کرے! آپ اس قبر کی طرف سے دوسری سمت

منہ پھیر لیں۔ شاید یہ قبر ہی ایسی ہے کہ اسے دیکھ کر تمہیں رونا آتا

لیونارڈ۔ اور وہ لڑکے؟ میرا مطلب یہ ہے کہ ان لڑکوں کو بھی ضرور اس بوڑھے آدمی سے محبت ہوگی؟

پادری۔ انہیں محبت تو تھی۔ لیکن ہم اس بات کو ہمیشہ نظر انداز کر دیا کرتے تھے۔ ان لڑکوں کو ایک دوسرے سے بڑی محبت تھی وہ ابھی پنگوڑے ہی میں تھے کہ انہیں والٹر کی محبت میسر آگئی۔ والٹر ہی ان کا واحد رشتہ دار تھا جو ہر وقت ان کے پاس رہتا تھا اور وہ تفاوتِ عمر کی وجہ سے ان سے بے حد محبت۔ شفقت۔ بے تکلفی اور پیار سے پیش آتا تھا۔ مگر بوڑھے کی محبت ان لڑکوں کے دل میں محبت کے جو جذبات پیدا کرتی تھی وہ دونوں ایک دوسرے پر صرف کر دیتے تھے۔ لیونارڈ اگرچہ اپنے بھائی سے اٹھارہ مہینے بڑا تھا مگر دیکھنے میں دو سال بڑا معلوم ہوتا تھا۔ ان سے مل کر اور انہیں باتیں کرتے دیکھ کر طبیعت بہت خوش ہوتی تھی۔ ان کے گھر سے سکول تین میل کے فاصلہ پر تھا۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ اس سڑک پر ہر سو قدم کے بعد پانی کا ایک چھوٹا سا نالہ آتا ہے۔ جب ان میں پانی بھر جاتا تھا اور ندی میں بھی طغیانی آجاتی اور یہ سب نالے اور ندی مل کر ایک دریا کی صورت اختیار کر لیتے تو لیونارڈ سے بڑے لڑکے سکول نہ جاتے اور گھر ہی میں بیٹھ رہتے۔ لیکن لیونارڈ اپنے چھوٹے بھائی کو پیٹھ پر اٹھا لیتا اور اس دریا میں سے گزر جاتا۔ میں نے کئی دفعہ اسے طوفان میں ندی نالوں کو عبور کرتے دیکھا۔ اور ایک سے زیادہ دفعہ میں نے اسے دیکھا کہ ندی میں زانوؤں تک پانی چڑھا ہوا ہے اور لیونارڈ پتھر پر کتابیں رکھے ندی کو عبور کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ ایک دفعہ میں نے ان پہاڑیوں پر نظر دوڑاتے ہوئے جن میں پیدا ہوا تھا کہا تھا کہ وہ خدا جو صحیفۂ دنیا کا مصنف ہے ضرور ان لڑکوں کی پاکیزہ زندگی میں برکت دے گا۔

لیونارڈ۔ لیونارڈ کی زندگی اس وقت پاکیزہ ہوگی۔

پادری۔ ہمارے ملک میں اس سے زیادہ نیک لڑکا کبھی پیدا ہوا۔ موسم سرما کے روشن ترین اتوار گواہ ہیں کہ وہ لڑکے کبھی غیر حاضر نہیں ہوتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ وہ اتوار کو بھی ایک گھنٹہ کے لئے ضرور گرجے میں آجاتے تھے۔ اور جیمز کیا ہی اچھے لڑکے تھے۔ چٹانوں پر جہاں تک انسان پہنچ سکتے ہیں وہ چپہ چپہ زمین سے واقف تھے۔ پہاڑی ہرنوں کی طرح ادھر ادھر کودتے پھرتے تھے۔ پھر وہ لڑکے تھے اور انہیں بولنا بھی خوب آتا تھا۔ وہ بالکل اسی طرح بول سکتے تھے۔ جیسے ان سے بڑے لڑکے بولتے تھے۔ اور جیمز وہ جس رات رخصت ہوا میں نے اپنے گھر میں اسے بائیبل دی تھی۔ اور میں اپنے مکان اور کھیت کی شرط پر کہہ سکتا ہوں کہ اگر وہ زندہ ہے تو میری دی ہوئی بائیبل بھی ضرور اس کے پاس ہے۔

لیونارڈ۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں بھائی ایک دوسرے کو دینے کے لئے زندہ نہیں رہے۔

پادری۔ اس وادی میں بسنے والے کیا بوڑھے اور کیا جوان یہ دعا رہی ہے کہ ان لڑکوں میں سے ہر ایک دوسرے کا باعث راحت ہو۔ لیکن لیونارڈ ——————

لیونارڈ۔ تو پھر جیمز ابھی تک آپ میں موجود ہے؟

پادری۔ میں اس کے بڑے بھائی کے متعلق بات کر رہا ہوں لڑکوں کا ایک ماموں تھا وہ اس وقت فارغ البال اور بحری زندگی بسر کرتا تھا۔ اس ماموں کی بدولت بحری زندگی اختیار کی مگر وہ چونکہ یہاں کی زندگی پسند کرتا تھا۔ اس لئے اس نے وہاں کبھی رتی تک نہ لگایا۔ اگرچہ اس وقت وہ بھی بچہ ہی تھا۔ اس اس زمین سے مانوس ہو چکی تھی۔ لیکن جیسا کہ میں والٹر بہت کمزور آدمی تھا اور وہ اس موہوم زندہ نہ رہ سکا کہ لیونارڈ ضرور واپس آجائے گا۔ جب

تو اس کی تمام جائداد فروخت کردی گئی۔ یہ جائیداد ایک ہزار سال اس خاندان کے اخراجات کی کفیل رہی تھی۔ لیونارڈ زیادہ تر اپنے چھوٹے بھائی کو آرام پہنچانے کی خاطر زندگی کی کشمکش میں پڑنا چاہتا تھا۔ اور اپنے بھائی کی خاطر ہی اس نے بحری زندگی اختیار کی۔ بارہ برس ہوئے جب لیونارڈ کے متعلق آخری مرتبہ کچھ سننے میں آیا تھا۔ اس کے بعد اس کی کوئی خبر نہیں آئی۔ اگر کوئی شخص ہمیں آکر یہ خوشخبری سنائے کہ لیونارڈ واپس آگیا ہے تو وہ دن ہمارے لئے انتہائی مسرت کا ہوگا۔ اور یہاں دھومیں اڑنے لگیں۔ وہ دو گھڑیال جو سامنے لٹک رہے ہیں۔ خوشی سے دونوں کے دونوں بجائے جائیں مگر جناب یہ ایک نہایت افسوسناک موضوع ہے۔ لیونارڈ خواہ زندہ ہو اور خواہ مرچکا ہو یہ گھڑیال اس کی آمد کی خوشی میں کبھی نہیں بجیں گے۔ اس کے متعلق آخری خبر یہ تھی کہ وہ موروں کی قید میں ہے اور انہوں نے اسے غلام بنا لیا ہے لیونارڈ نے یہ ذلت کیسے برداشت کی ہوگی! اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مرنے سے پہلے وہ سخت پریشان رہا ہوگا۔ آہ غریب لیونارڈ! جب وہ یہاں سے رخصت ہونے لگا تو میرا ہاتھ پکڑ کر اس نے کہا تھا:۔

"اگر میں کبھی امیر بن گیا تو واپس اپنے وطن آجاؤں گا۔ اور میری ہڈیاں یہیں دفن ہونگیں"

۔ اگر ایسا اتفاق ہو کہ وہ دوبارہ واپس آجائے تو کیا وہ یہاں آکر بہت خوش ہوگا؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ خود بھی اتنا ہی خوش ہوگا جتنا ——— جتنے اور لوگ اس سے مل کر خوش ہوں گے۔

۔ خوش؟ جناب من ———

۔ آپ نے کہا کہ لیونارڈ کے تمام رشتہ دار قبرستان میں پڑے سو رہے ہیں۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ اس کا ایک بھائی تھا ———

[illegible]

بیمار تو نہیں تھا مگر نازک اندام ضرور تھا۔ چونکہ لیونارڈ ہر وقت اس کے پاس رہتا تھا اور اس کے لئے چھوٹے سے چھوٹا کام بھی خود ہی کرتا تھا اس لئے جیمز کو ڈرپوک تو نہیں کہا جاسکتا مگر اس میں وہ دل وگردہ نہ تھا جو گڈریوں میں ہوتا ہے۔ جب اس کا بھائی سمندر کو چلا گیا اور وہ اکیلا رہ گیا تو اس کے چہرے پر جو تھوڑی بہت رونق تھی وہ بھی جاتی رہی۔ اور اس کے رخسار مرجھا کر رہ گئے۔ وہ خاموش رہنے لگا۔ اور اندر ہی اندر گھلتا گیا ———

لیونارڈ۔ (گھبرا کر) لیکن یہ سب قبریں تو بڑے مردوں کی ہیں!

پادری۔ یہ ٹھیک ہے۔ پھر اس کی حالت کچھ سدھرنے لگی۔ وادی کے تمام عمر رسیدہ لوگ اسے اپنا ہی بچہ سمجھتے تھے۔ ہم اسے اپنے پاس لے آئے۔ وہ تین مہینے ایک شخص کے پاس رہا۔ اور دو مہینے دوسرے کے گھر۔ نہ وہ کھانا مانگتا تھا نہ کپڑا اور نہ اسے محبت اور پیار کی ضرورت تھی۔ وہ بظاہر بہت خوش رہا کرتا تھا۔ صاحب! خواہ وہ بظاہر خوش تھا یا غمگیں۔ مگر مجھے پورا پورا یقین ہے کہ بھائی کی جدائی کا صدمہ برابر اس کے دل میں موجود تھا۔ اور جب وہ یہاں ہمارے ہاں تھا تو ہم نے اس میں ایک عجیب بات دیکھی جو اس سے پہلے اس میں موجود نہ تھی۔ وہ رات کو سوتے سوتے اپنی چارپائی سے اٹھ کر گھومتا۔ اور اسی حالت میں ادھر ادھر اپنے بھائی کو تلاش کرنے لگتا .... مگر تم رونے کیوں لگے؟ معاف کرنا تم سے بات چیت کرنے سے پہلے میں نے تو تمہارے متعلق یہ اندازہ لگایا تھا کہ تم کوئی بڑے مضبوط اور بے رحم شخص ہو۔

لیونارڈ۔ اب یہ بتاؤ کہ وہ نوجوان آخر مرا کس طرح؟

پادری۔ اس واقعہ کو آئندہ بہار کے موسم میں بارہ سال ہوجائیں گے مئی کی ایک صبح کو نہایت سہانا سماں تھا۔ بھیڑوں کے چند بچے گم ہوگئے تھے۔ جیمز دو تین اور دوستوں کے ہمراہ انہیں

[illegible]

بلندیوں پر اکیلے گھومتے رہے۔ اس وقت سورج صاف چمک رہا تھا۔ آسمان پر بادل کا نشان تک نہ تھا۔ پتہ نہیں تھکاوٹ کی وجہ سے۔ محض اتفاق سے یا دل لگی کی خاطر جیمز اپنے دوستوں سے پیچھے رہ گیا۔ وہ سامنے تم دیکھتے ہو پہاڑی کی ایک چوٹی ہے۔ اس کی شکل مکان سے ملتی جلتی ہے۔ اس کے درمیان میں ایک چٹان ہے۔ یہ چٹان اس وادی میں بالکل سیدھی کھڑی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے سب گڈریئے اس چٹان کو "ستون" کہتے ہیں۔ اس "ستون" کی بلندی پر سبزہ اگا رہتا ہے۔ جب جیمز کے دوست واپس لوٹنے لگے تو انہیں جیمز کہیں نظر نہ آیا وہ سمجھے کہ وہ واپس گھر چلا گیا ہے۔ کسی کے دل میں شک پیدا نہ ہوا۔ اتفاق سے ایک دوست اس مکان کی طرف سے گزرا جہاں اندلوں جیمز مقیم تھا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ جیمز تو سارا دن ہی گھر نہیں آیا۔ دوسری صبح ہوگئی مگر اس کی پھر بھی کوئی خبر نہ ملی۔ اس پر پڑوسیوں کو خطرہ محسوس ہوا۔ کچھ لوگ ندی کی طرف بھاگے اور بعض جھیل کی طرف گئے۔ آخر جیمز کی لاش اسی چٹان ——— "ستون" کے قریب پڑی ہوئی پائی گئی۔ اس کے تمام اعضا شکستہ اور لہولہان تھے۔ اس کے تیسرے دن اب میں نے اسے دفن کیا۔ وہ سامنے اس کی قبر ہے۔

لیونارڈ۔ تو وہ قبر جیمز ہی کی ہے۔ تم نے یہ کہا ہے ناکہ مرنے سے پہلے اس کے کئی سال خوشی سے گزرے تھے؟!

پادری۔ ہاں۔ میں نے کہا ہے۔

لیونارڈ۔ اور وہ بالکل خیریت سے رہا؟ اسے کوئی تکلیف نہ تھی؟؟

پادری۔ اگر اس کا اپنا مکان ایک تھا تو بیسیوں اور مکان بھی اس کے اپنے ہی تھے۔

لیونارڈ۔ تو پھر تمہیں پورا پورا یقین ہے کہ اس کا دل بالکل مطمئن تھا؟

پادری۔ بیشک۔ مرنے سے بہت عرصہ پہلے اس نے معلوم کر لیا تھا کہ جوں جوں وقت زیادہ گزرتا جائے۔ گذشتہ صدمے کا احساس کم کیا جاتا وہ نہایت خوش رہتا تھا۔ لیونارڈ کے متعلق محبت بھرے انداز سے باتیں کیا کرتا تھا۔

لیونارڈ۔ اس کا انجام حسرتناک ہوا!

پادری۔ نہیں۔ تمہیں یاد ہوگا۔ میں نے ابھی بتایا تھا کہ غم نے عجیب حالت کر دی تھی۔ ہم سب نے اس کی موت یہی قیاس کیا تھا کہ اس دن گرمی ذرا زیادہ تھی۔ سب وہ آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا ہوگا۔ اور اپنے دو انتظار کر رہا ہوگا۔ لیٹے لیٹے اسے نیند آگئی۔ سوتے اٹھ کر حسب عادت اپنے بھائی کی تلاش میں اس چوٹی پر گھومنا شروع کر دیا۔ اور گردن کے بل گر پڑا میں کوئی شک نہیں کہ وہ اسی طرح ہلاک ہوا ہوگا وہ گرا تھا اس کے ہاتھ میں گڈریوں کا سونٹا ضرور تھا وہ سونٹا پہاڑی کے وسط میں اٹکا ہوا دیکھا گیا اور سال تک وہ سونٹا اسی طرح اٹکا رہا۔

پادری یہ کہہ کر خاموش ہوگیا۔

اجنبی پادری کا شکریہ ضرور ادا کرتا مگر اس کا دل بالکل اور اس کی قوت گویائی سلب ہوگئی۔ دونوں وہاں سے خا ساتھ اٹھے اور دروازے کی طرف چل دیئے۔ دروازے پر زنجیر کھولی اور باہر نکل آیا۔ لیونارڈ نے مڑ کر قبر کی طرف دیکھا اور کہا:

"میرا پیارا بھائی"

مگر پادری یہ الفاظ نہ سن سکا۔ اس نے اپنی جھونپڑی اشارہ کرتے ہوئے لیونارڈ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ بھی پادر ساتھ اس جھونپڑی میں چلے اور کچھ دیر آرام کرے۔ لیونارڈ نے زور کے ساتھ آواز نکالنے کی کوشش کی۔ اب وہ بولنے پر ہوگیا۔ اس نے پادری کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ وہ فوراً اپنے روانہ ہونا چاہتا ہے۔ پادری اور لیونارڈ ایک دوسرے

لیونارڈ ابھی تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ درختوں کا ایک جھنڈ
نظر آیا۔ یہ جھنڈ سڑک پر جھکا ہوا تھا۔ وہ اس کے نیچے بیٹھ گیا
پادری سے جو گفتگو کی تھی اس پر غور کرنے لگا۔ ایک ہی لمحے میں اس کی
لی کے تمام واقعات اس کی آنکھوں کے آگے آگئے۔ اس کی
ائی زندگی۔ وطن سے طویل غیر حاضری اور بلند اُمنگیں سب ایک
کر کے اُس کے سامنے آگئیں۔ اس کا دل اندر ہی اندر گھٹا جا رہا
جو وادی اس کے لئے انتہائی مسرت کا باعث تھی اب اس میں
لحظہ ٹھہرنے کو اس کا دل نہیں چاہتا تھا۔ اس نے اپنی آئندہ زندگی کے
تمام پروگرام منسوخ کر ڈالے اور دوبارہ سمندر کی طرف چل دیا۔ وہاں
پہنچ کر اس نے پادری کو ایک چٹھی لکھی جس میں اسے اس دن کی تمام
گفتگو یاد دلائی اور کہا:۔

"میں امید کرتا ہوں کہ آپ مجھے معاف فرمائیں گے کہ میں نے
آپ کو یہ نہ بتایا کہ میں ہی لیونارڈ ہوں۔ یہ میرے دل کی کمزوری تھی"
یہ خط لکھنے کے بعد وہ پھر جہاز پر چلا گیا۔ اب اس کی
داڑھی سفید ہو چکی ہے۔ اور وہ جہاز پر بدستور اپنی زندگی کے
دن پورے کر رہا ہے۔

"ورڈز ورتھ"

"وہ" اور "ہم"

از جناب سید شاہ انتظام الدین۔ جمالی۔ اکبر آبادی۔ ایم۔ ایس۔ سی (علیگ)

(۱)

کہنے لگے ہم سنیما جائیں گے۔ میں نے کہا بہت خوب
کیا تم نہیں چلو گے۔ میں نے کہا۔ میں نہیں جاتا۔ کہنے لگے
ناممکن ہے۔
میں نے کہا کس لئے۔ فرمایا ہمارا حکم۔

(۲)

ہم اور وہ لکھنؤ نمائش دیکھنے جا رہے تھے۔ میں مردانہ
میں تھا وہ زنانے میں جلوہ فرما تھا۔ وہ کبھی کبھی کھڑکی میں سر
کر دیکھ لیتے تھے۔ اور مسکرا دیتے تھے۔ جب گاڑی اسٹیشن پر
وہ مجھے ہاتھ کے اشارے سے بلاتے تھے۔ جب اُن کے
جاتا تو چہرے پر نقاب ڈالتے تھے۔

(۳)

میں اُن کے یہاں چائے پر مدعو تھا اور لوگ بھی مدعو تھے۔
لیکن میں ان کو دیکھ رہا تھا۔ اور اُن کی نظریں چائے دانی اور
پیالی پر تھیں۔

(۴)

میں چہل قدمی کر کے واپس آیا۔ تو وہ کھڑے ہوئے تھے
جیسے ہی میں گذرا۔ فوراً یہ شعر پڑھا۔

تری دید کے ہم ندیدے کھڑے ہیں ؛ جوانی کا صدقہ ادھر دیکھ لینا

میں نے نگاہیں اوپر اٹھائیں۔ تو دیکھا۔ وہ سر سے پاؤں تک
تمام رنگین بنے ہوئے کھڑے ہیں۔ اور مسکرا رہے ہیں۔

(۵)

آج وہ کچھ خفا سے ہیں۔ میری طرف نظریں اٹھاتے ہیں اور
پھیر لیتے ہیں۔ نہ معلوم کیوں خفا ہیں۔ شاید آج میں نے اُنکے حسن و
خوبصورتی کی تعریف حد سے زیادہ کر دی ہے۔ لاؤ میں انکو ایک شعر سنا دوں

محبت سے نرم دیکھو دشمن کی نظر دیکھو ؛ خفا ہو کر بگڑ کر روٹھ کر دیکھو مگر دیکھو

محسوساتِ ماہر

از:
شاعرِ حیات مولانا ماہر القادری

نگاہِ مست کو مصروفِ ناز رہنے دے
کچھ اور روز مجھے پاکباز رہنے دے

علاجِ درد مرے چارہ ساز رہنے دے
کہ یہ خلش ہے بڑی دلنواز رہنے دے

جو فاش ہو نہ سکے اس کو فاش کرکے چھوڑ
جو راز رہ نہ سکے اس کو راز رہنے دے

لطافتِ غمِ الفت کا واسطہ اے دوست
حیات و موت میں کچھ امتیاز رہنے دے

نگاہِ یار تجھے جورِ بے سبب کی قسم
نوازشِ غمِ پنہاں کو راز رہنے دے

زمانہ بھر میں کوئی غزنوی نہاد نہیں
حدیثِ طرۂ زلفِ ایاز رہنے دے

مرے خیال کو ہر دم تری ضرورت ہے
تصوّرات کو زینت طراز رہنے دے

حیاتِ گلشنِ مغرب تجھے مبارک ہو
مجھے شہیدِ فضائے حجاز رہنے دے

حدیثِ دردِ محبّت نہ کر بیاں ماہر
حقیقتوں کو اسیرِ مجاز رہنے دے

شجاع الدین حسین آنور دہلوی مرحوم

ایک سوانحی مقالہ

غدر کے زمانے کا ایک جلیل القدر شاعر

از جناب سید دل محمد صاحب فضا منشی فاضل

آپ کا نام سید شجاع الدین عرف امراؤ مرزا مرحوم تخلص آنور۔ دہلی کے رہنے والے تھے۔ خاقانی ہند ذوق و نجم الدولہ مرزا غالب دہلوی کے شاگرد رشید رقم سید جلال الدین حیدر دہلوی استاد بہادر شاہ بادشاہ دہلی کے الصدق تھے اور فخر زمانہ جناب سید ظہیر دہلوی کے چھوٹے بھائی تھے تاریخ ولادت اور سنہ وفات کسی تذکرے سے نہیں ملتی۔ البتہ مولانا حالی کے ایک مضمون سے صحیح معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ مولنا حالی رقم طراز ہیں۔

"۱۸۵۷ء میں جبکہ باغی سپاہ کے ہنگامہ نے دلی کی اینٹ سے اینٹ بجادی بعمر ہیژدہ سالگی اپنے والد بزرگوار اور برادر بزرگ سید ظہیر الدین حسین کے ہمراہ پانی پت میں آکر کئی برس تک یہاں مقیم رہے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس یوسف خانماں آوارہ اور خاک میں ملے ہوئے موتی نے راقم کو اپنا خریدار بنایا۔ بیگانگی ایک ہی نگاہ میں آشنائی کے ساتھ بدل گئی اور آشنائی نے جلد جلد محبت و یکجہتی کی سرحد میں قدم رکھنا شروع کردیا مگر زمانہ آناً فاناً رنگ بدل رہا تھا اور انقلاب پر انقلاب برپا ہو رہا تھا وہ صحبت بہت جلد برہم ہوگئی اور بھولے ہوئے خواب کی طرح اس محبت کا ایک دھندلا سا خاکا رہ گیا۔ لیکن [illegible] گزری تھی کہ یہ کہ محبت نے جس قید خانہ میں لے جاکر مقید کیا سید آنور بھی اسی قید خانے کے اسیر نکلے۔"

مولانا کی اس تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ سید آنور ۱۸ سال کی عمر میں ۱۸۵۷ء میں پانی پت آئے تو اس لحاظ سے ان کی ولادت کا سال ۱۸۳۹ء ہوتا ہے اور یہی صحیح اور مستند ماننا پڑیگا۔ اور اکثر تذکرہ نویسوں نے بالخصوص مصنف خمخانہ جاوید لالہ سری رام آنجہانی کا اس امر پر اتفاق ہے کہ وہ عین عالم شباب یعنی ۳۸ سال کی عمر میں فوت ہوئے تو ہمیں ان کی مرگ کا سال ۱۸۷۷ء نہایت آسانی کے ساتھ متحقق ہو جاتا ہے۔ جس کی صداقت میں ذرا بھی شائبہ نہیں ہونا چاہیئے۔ مولانا حالی فرماتے ہیں۔

"لیکن آخرکار نہ معلوم شعر کی نحوست سے یا اس سبب سے کہ زمانہ تفرقہ کی بنیاد ہمیشہ کے لئے سوسائٹی میں ڈال چکا تھا اکثر اصحاب دلی چھوڑکر ادہر اُدہر منتشر و پراگندہ ہوگئے۔ اگرچہ ایک مدت کے بعد راقم لاہور سے (۱۸۷۴ء کے بعد) اور سید آنور جے پور سے دلی میں پھر آگئے مگر چونکہ دفتر قضا سے فراق دائمی کا فرمان جاری ہوچکا تھا ابھی گذشتہ مفارقت کا زخم نہ بھرنے پایا تھا کہ مرحوم نے عالم آخرت کی راہ لی اور جو زخم بھرتا آتا تھا۔ وہ ہمیشہ کے لئے ناسور بن گیا۔"

لالہ سری رام صاحب مرتب [illegible] آنور [illegible] کے متعلق [illegible]

"انور مرحوم بڑے ذکی اور طباع شاعر تھے۔ پہلے آپ نے شیخ ابراہیم ذوق کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا حضرت ذوق کے انتقال کے بعد مرزا غالب سے مشورہ فرمانے لگے۔ طبیعت نہایت دقت پسند اور مضمون خیز واقع ہوئی تھی۔ کلام کی شوخی خیال کی چلبلاہٹ فکر کی رسائی روزمرہ کے نئے نئے اسلوب فریفتگان سخن کے دماغ میں عجب سرور اور عاشق مزاجوں کے دل میں غضب کا درد پیدا کرتے تھے۔ جو شعر دیکھو پھڑکتا ہوا۔ حسن خیال، بلندی مضمون پر نظر ڈالو تو ایک خوش آئند حیرت پیدا ہوتی۔ خدا نے اس جوان کو طبیعت ایسی مضمون آفریں بخشی تھی کہ شعر سن کر بوڑھوں کے نشتر سے دل میں عشق کی امنگ پیدا ہو جاتی تھی افسوس ہے کہ اس جوانمرگ نے عالم شباب میں اپنی دائمی جدائی کا داغ دیا۔"

اگر زمانہ ان کو اور مہلت دیتا تو یقیناً زمانہ میں انور ہی کا نور ہوتا۔ اور باقی شعراء کا کلام ان کے سامنے بالکل بے کیف نظر آتا۔ پرگوئی کا یہ عالم تھا کہ مشکل سے مشکل زمینوں میں دو غزلہ سہ غزلہ کہہ ڈالتے جس بحر میں مضمون کی گنجائش نہ ہوتی اُسی میں زور طبیعت سے عجیب عجیب گلفشانیاں کرتے غدر سے دس برس بعد دلی میں مشاعرہ کا جو سلسلہ ہوا اس کی روح رواں انھیں کو کہنا چاہیئے۔ حضرت داغ۔ مولانا ظہیر۔ مولانا حالی۔ مجروح۔ سالک عزیز۔ ارشد۔ مشتاق ان مشاعروں میں شریک ہو کر داد سخن دیا کرتے تھے۔ سنا گیا ہے کہ اکثر تو یہی ہوا کہ ان کی غزل سب پر فوقیت لے گئی۔ انور نے رنگ مومن (خیال گوئی) اور طرز غالب (استعارہ بالکنایہ) کو سمو کر ایک عجیب رنگ پیدا کر دیا۔ یہی ان کا کمال شاعری ہے۔

انور مرحوم کو انکار زمانہ سے سخت مصائب اٹھانا پڑے۔ فتنہ غدر میں ایسے پریشان ہوئے کہ دہلی چھوڑ کر جے پور چلے گئے اور وہیں ۳۸ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ سنا گیا ہے کہ ان کے دو مکمل دیوان تلف ہو گئے ایک تو خاص کر حمد و نعت سے معمور تھا اور دوسرا دیوان جو مصنف خمخانۂ جاوید نے ۱۹۰۰ء میں شائع کیا ہے یہ اس کا آٹھواں حصہ سمجھنا چاہیئے۔ یہ امر بھی خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ استاد ذوق کے مروجہ دیوان کی اشاعت میں حضرت آزاد کے بعد انور مرحوم کا نام شکریہ کے ساتھ یاد رکھنے کے قابل ہے کیونکہ یہ دیوان حافظ ابراہیم ظہیر، انور، آزاد دہلوی کی متحدہ کوششوں کا نتیجہ ہے۔

مجموعہ مضامین حالی مرتبہ مولانا سلیم صفحہ ۲۲۷ میں دیوان انور پر جو ریویو شمس العلماء مولانا حالی مرحوم نے کیا ہے اس میں ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

"سید انور مرحوم میں کمال شاعری کے علاوہ متعدد کمالات جمع تھے۔ خط نسخ میں بلا مبالغہ وہ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ اس فن میں جو کمال ان کے جد بزرگوار نے قاضی عصمت اللہ دہلوی سے حاصل کیا تھا سید انور پر اس کا گویا خاتمہ ہو گیا باوجود اس کے نستعلیق میں بھی وہ شہر کے عام خوشنویسوں میں کسی سے کم نہ تھے اور یہ جامعیت ان کی خاندانی خصوصیات میں سے تھی۔ وہ صرف شاعر اور خوشنویس ہی نہ تھے بلکہ علوم متعارفہ میں بھی کافی دستگاہ رکھتے تھے۔ سادگی و پرہیزگاری، آزاد روی و خودداری، ہر حال میں خوش رہنا، اور اس اشراف گردی میں پاس وضع کو ہاتھ سے نہ دینا ان کی خاص خصلتیں تھیں۔"

دوسرے مقام پر مولانا یوں رقمطراز ہیں۔

"اس دیوان نے وہ قدیم کوچہ ہم کو پھر یاد دلا دیا ہے جس کی تیس برس خاک چھاننے کے بعد زمانہ کی زبردستی سے اس کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ چکے تھے۔ اس میں بہت سی غزلیں ان مشاعروں کی ہیں جن پر دلی کی شاعری کا خاتمہ ہونے والا تھا اور جن میں بارہا سید انور، سید ظہیر اور مرزا سالک کے ساتھ شریک ہو کر ہم نے ان کی ہم طرحی کی عزت حاصل کی تھی۔ کبھی کبھی نواب مرزا خاں داغ بھی رامپور سے آ کر ان مشاعروں میں مشتاقوں کی سامعہ نوازی کرتے تھے اور شہر کے اکثر شریف زادے اور امیر زادے جن میں بہت سے چل بسے اور خال خال باقی ہیں طرح کی زمینوں میں زور طبع دکھاتے تھے۔ مرزا غالب مرحوم بشمولیت آخری

تھا غالباً وہ خود کبھی ان جلسوں میں نہیں آئے مگر ان کی دیکھی بھالی اور اصلاح دی ہوئی غزلیں برابر آتی تھیں اور پڑھی جاتی تھیں۔"

یہ ہیں رائیس ملک کی ان مایہ ناز ہستیوں لالہ سری رام صاحب اور ...الی مرحوم کی جنہوں نے سید انور اور کلام انور کی سوزی اور معنوی خصوصیت ...ملا ہے لہذا ان پر کسی قسم کے اضافہ کی گنجائش نظر نہیں آتی۔ ہم ملک ...ب کمال کی بے بصری پر سخت تعجب ہوتا ہے کہ سید انور جیسے مایہ ناز ...حال گل رعنا اور دیگر تذکروں میں نہیں ملتا۔ حالانکہ ان کا کلام بلحاظ ...رفعت تخیل۔ گھلاوٹ اور صفائی بیان میں ان کے معاصرین شعرا ...ور سالک سے زیادہ ممتاز نظر آتا ہے۔ غالب، مومن اور ذوق کے تلامذ ...انور کا نام بھی خصوصیت سے آنا چاہیئے۔

حضرت آزاد دہلوی نے جس وقت تذکرہ شعرائے اردو (آبحیات) ...شائع کیا تو اس میں مومن کا حال درج نہ کیا جس پر مولانا حالی نے اور دیگر ...سخن نے آزاد مرحوم پر اعتراضات کئے تو انہوں نے دوسرے ایڈیشن ...ی پوری کر دی۔ میں دارالمصنفین اعظم گڑھ کے ناظم اعلیٰ علامہ سید ...ندوی مدظلہ سے پرزور درخواست کرونگا کہ وہ تذکرہ گل رعنا کے نئے ...میں سید انور کے حالات بھی درج فرما دیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ ...شباب (۳۸ سال کی عمر میں) مرحوم کا انتقال ہو گیا مگر ان کا رنگ تغزل ...ا، دلکش اور خوبصورت بندشیں، ان کا استادانہ کلام اس امر پر مجبور ...ے کہ ان کو ان کے ہمعصر شعراء کے پہلو میں بلکہ صف اول میں جگہ دینا چاہیئے۔

دلی کے لٹنے کے بعد دیوان انور بھی کہیں ڈھونڈے سے نہیں ملتا۔ سید ...

لالہ سری رام آنجہانی دہلوی نے سنہ ۱۹۰۰ء میں پہلی مرتبہ زر کثیر خرچ کر کے ...سے شائع کیا تھا جو اسی وقت ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گیا۔ اس وقت ...متعدد ادبی انجمنیں قائم ہیں لیکن ان سے اتنا بھی نہیں ہو سکتا کہ پرانے ...کا کلام بھی شائع کر کے ان کا نام از سر نو زندہ کر دیا جائے۔

...اب میں مرحوم کے پاکیزہ کلام کا انتخاب پیش کرتا ہوں۔

...[illegible] آنکھیں کھل گئیں کیا کیا   نظر آیا جمال معنی حسن کو غریں کیا کیا
...[illegible] نہیں کیا کیا   امیدیں کتنی باقی تھیں کو ہے اندوگیں کیا کیا
نظر ملتے ہی وہ کچھ ہو گیا جو کچھ کہ ہونا تھا   پشیماں ہو رہا ہے دیدۂ انجام بیں کیا کیا
کیا غماز اپنا ہم نے پیدا ہاتھ سے اپنے   زباں بن کر کہے دیتا ہے چاک آستیں کیا کیا
ترے کوچہ میں ہر ہر نقش پا پر سجدے کرتا ہوں   ملاتا خاک میں ہے مجھکو یہ شوق جبیں کیا کیا
ترے آنے کو سن کر ساتھ ہی آنکھوں میں دم آیا   گر سرگرم استقبال ہے جان حزیں کیا کیا
وہ پیارا حسن چشم سے ملتے ہی اک چپ لگ گئی گویا   خدا جانے نگاہیں چپکے چپکے کہہ گئیں کیا کیا

پی بھی ہے زیر شیخ کہ ساقی کی عنایت ہے شراب   میں ترے بدلے قیامت میں گنہگار رہا

کچھ خبر ہوتی تو میں اپنی خبر کیوں رکھتا   یہ بھی اک بیخبری تھی کہ خبردار رہا

محبت میں بھی کیا سے کیا ہو گیا   ستم عاشقوں کو وفا ہو گیا
شب غم میں کس کس کی ہو روک تھام   جو دل من گیا دم خفا ہو گیا
محبت یہاں جس قدر بڑھ گئی   وہ اتنا ہی نا آشنا ہو گیا

دیکھا جو بعد مرگ تو مرنا زیاں نہ تھا   بدلے وفا کے ملک بقا کچھ گراں نہ تھا
کیسی حیا، کہاں کی وفا، پاس خلق کیا   ہاں یہ سہی کہ آپ کو آنا یہاں نہ تھا
کچھ اپنے دل کے حوصلے کچھ زاہدوں کی ضد   سر پھوڑنے کو ورنہ وہی آستاں نہ تھا
حسن جہاں فروز سے جس جا نہ تھے وہ تھے   میں بے نشانیوں میں جہاں تھا وہاں نہ تھا
مرتا ہوں یوں کہ کیوں نہ رہا دل میں تیر یار   آرام جان تھا کوئی آزار جاں نہ تھا
خالی دران کا پایا تو دل وہم سے رکا   تھا پاسباں میں آپ جو واں پاسباں نہ تھا

اس زمین میں مولانا حالی مرحوم نے بھی غزل کہی ہے جس کا یہ شعر یقیناً ناظرین کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔

ملتے ہی ان کے بھول گئیں کلفتیں تمام   گویا ہمارے سر پہ کبھی آسماں نہ تھا

مرزا قربان علی بیگ سالک کے بھی چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

صبر و سکوں محال مگر ہو چکا تمام   بر میں نہ تھے وہ رات کو اور دل تپاں نہ تھا
کھلتے تو نور دیدۂ یعقوب کیا ہوا   گر مصر تک چراغ رہ کارواں نہ تھا
پیری میں آ کے کھل گئیں آنکھیں سی کیوں مری   کیونکر کہوں شباب کو خواب گراں نہ تھا

کوئی اک گردش تو ہو ایسی بھی ہاں ای چشم یار　　شیخ پوچھے مجھ سے رستہ خانۂ خمار کا

اللہ رے فرط شوق اسیری کہ شوق میں　　پہروں اٹھا اٹھا کے سلاسل کو دیکھنا

نتیجہ خاکساری ہوتی ہے خاک ہو کر　　مٹ مٹ کے ہم نے سیکھا انداز نقش پا کے

غرق وہاں ہوں جہاں نگاہ نہیں　　کشتی و بادبان و ساحل کا

کیا جانے کس کے دم سے ہے آباد میکدہ　　ساقی و طبیعت رند نہ کر بادہ خوار کا

مسیحائی کرو مرتے ہیں تم پر　　خلاصہ ہے یہ اپنی داستاں کا
کوئی تڑپے نہ کیوں تاب و تواں تک　　نہ پوچھینگے نہ دیکھینگے کہاں تک
حسن نظارہ سوز ہے پردہ　　گو وہ پردہ اٹھائے بیٹھے ہیں

پامال اک جہان ہے اور پھر جفا نہیں　　کھلتے ہی کچھ یہ معنی ناز و ادا نہیں
دوزخ پہ کیوں رکھی ہے سزائے صنم پرست　　گرمی بتوں کے حسن میں کیا اے خدا نہیں
قہر کا ظلم قیامت کا ستم کرتے ہیں　　وہ خدا سے نہیں ہوتا جو صنم کرتے ہیں

موت کیا چیز ہے ہنگام قلق ہم دل پر　　جان کو صدقے پہ دفع بلا کرتے ہیں
کچھ چھیڑ بھی ہے لطف کی کم کم عتاب میں　　جی ہے امید و یاس کے کس کس عذاب میں
دیکھے گا جو رہے گا زمانے کے انقلاب　　مرتا ہوں اس نگاہ کے اک انقلاب میں

کیا غم درازدستی نارسیر کا　　دامن کو لیچلا ہوں بھگو کر شراب میں

جو صلے تو نے بڑھائے ہیں دکھا کر جلوے　　کچھ سماتا نظر صاحب عرفاں میں نہیں
نظر ہو تو نظر آتی ہے کیفیت دو عالم کی　　چلو انور تماشا دیکھ آئیں بزم رنداں میں
دل میں بحر الفت ساقی ہے انور موجزن　　جانتا ہوں ایک قطرہ کوثر و تسنیم کو
ملینگے تم سے یہ کیونکر گماں ہو　　گماں جس جا نہ پہونچے تم وہاں ہو

کیا مٹائینگے ہم اس کے دل سے یاد نقش غیر　　جب مٹا سکتے نہیں اپنے خط تقدیر کو
غیر کی تقدیر میں جو کچھ کہ چاہا لکھ دیا　　داوری ہے کیا کہوں [illegible] کاتب تقدیر کو
ہے ستم تو مگر اک لطف ہے دعوی کیسا　　اس نے مارا ہے محبت کی ادا سے مجھ کو
ہے بے طلب ملی تو ہوئی یار کی طلب　　بندوں نے ناز بھی ہیں لطف خدا کے ساتھ
لیلی کا نام زندہ ہے اب تک جہان میں　　تم بھی نباہ دو کسی اہل وفا کے ساتھ
بے طرح پڑتی ہے نظر ان کی　　خیر دل کی نظر نہیں آتی

ربط بڑھ جائے تو حسن و عشق کی ہے شان ایک　　جو نمونہ سینۂ عاشق میں شمع طور ہے
جو اٹھا پردہ نظر سے اک حجاب رہ ہوا　　جتنی پائی تجھ کھلیں اتنا ہی وہ مستور ہے
ہو فنا پر منحصر دیدار اور جیتا رہے　　وا تمنی عاشق مگر ناچار ہے مجبور ہے
کچھ نہیں سنتے کسی سے ہم کہ ہر واں رنگ کیا　　کیا زباں بندی تمھاری بزم کا دستور ہے
اس مقام لاتعین پر وصول انور کہاں　　آگے منزل پر جہاں سنتے کہ دلی دور ہے

مٹی خراب ہے ترے کوچہ میں ورنہ ہم　　اب تک تو جس زمیں پہ بیٹھے آسماں رہے
نہ سمجھا میں کہ آپ آئے کہیں سے　　پسینہ پونچھیے اپنی جبیں سے
کہاں کی دل لگی کیسی محبت　　مجھے اک لاگ ہے جان حزیں سے
ادھر لاؤ ذرا دست حنائی　　پکڑ دیں چور دل کا ہم یہیں سے

ضعف میں مرنا بھی مشکل ہو گیا　　جان الجھی ہے نفس کے تار سے
قہر ہیں مستی میں وہ انگڑائیاں　　خالی ہاتھوں لڑتے ہیں تلوار سے
جمع اپنا خرمن دل جب ہوا　　بجلیاں لوٹیں نگاہ یار سے
خدا کی بے نیازی مانتا ہوں　　ذرا پرسش نہیں ناز بتاں کی
چلے دشمن کے گھر خود رفتہ ہو کر　　طبیعت آگئی ایسی کہاں کی
کیا اس کی ہے خوشی کہ وہ [illegible]　　اک ہم سے ساتھ چشم جہاں کا حجاب ہے

یہ خوشی کم ہے کہ ہم اس بزم میں　　اک طرف بیٹھے ہیں ناشاد سے
اس قدر محو تحیر ہوں کہ میں　　مل گیا تم میں تمھاری یاد سے

— فضا جالندھری

تجدیدِ محبت

اسرار صاحب بدایونی

شورشِ دنیا سے اکدن جبکہ دل اکتا گیا — گھر سے میں تنہا اٹھا اور جانبِ صحرا گیا
چھوٹے چھوٹے ابر کے ٹکڑے فضا میں چھائے تھے — عالمِ فطرت کی گویا سیر کرنے آئے تھے
تھی فضا مخمور ہر سو چھائی تھی دلکش بہار — سو بہاریں ہو رہی تھیں کوہساروں پہ نثار
خوشنما چشمے تھے جاری دامنِ کہسار میں — اک چمن بھی تھا نہاں ان قدرتی آثار میں
تھا شگفتہ پھول بوٹوں سے چمن رشکِ جناں — کھیلتی تھیں فصلِ گل کیساتھ سو رنگینیاں
اپنی دھن میں گا رہے تھے گیت مرغانِ چمن — کیفِ مستی میں تھے ساکت نونہالانِ چمن

سبز آنچل رُخ پہ ڈالے جھومتی تھیں ڈالیاں
لب حسیں پھولوں کے جھک کر چومتی تھیں ڈالیاں

اوس پھولوں کا چمن میں مُنہ دُھلانے آئی تھی — غنچہ و گل کو ہوا جھولا جھُلانے آئی تھی
سبزہ آغوشِ روش میں سو رہا تھا بے خبر — ہر طرف بکھرے تھے صحنِ باغ میں لعل و گہر
اک طرف رنگینیوں رعنائیوں کا جوش تھا — اک طرف طاؤس پر کھولے ہوئے مدہوش تھا
مورنی، طاؤس کے ہمراہ محوِ رقص تھی — جوشِ مستی میں تھی دونوں پہ چھائی بیخودی
اک طرف یہ رقصِ رنگیں ایک جانب بیقرار — "پی کہاں ہے؟ پی کہاں ہے؟" تھی پپیہے کی پکار

جب یہ وصل و ہجر کا عالم نظر آیا مجھے،
ضبط و نظمِ آرزو برہم نظر آیا مجھے،

ہوش و ادراک و خرد کا ساز برہم ہو گیا — نشۂ خود رفتگی کی گود میں دل سو گیا
رفتہ رفتہ منتقل ہر سانس آہوں میں ہوئی — کیفیت سی اک نئی پیدا نگاہوں میں ہوئی
دھندلا دھندلا عہدِ ماضی کا تصور چھا گیا — میٹھا میٹھا درد دل میں چٹکیاں لینے لگا
مُردہ ارمانوں میں میرے جان سی آنے لگی — برملا دل کو کسی کی یاد تڑپانے لگی،

اے مرے یاد آنے والے میرے دل کے تاجدار
تو نہیں ظالم تو ہے بے کیف ساون کی بہار

اے جفا پیشہ تجھے اپنے تغافل کی قسم — سُن ذرا افسانۂ بیدردِ قربانت شوم
اُف یہ تنہائی کی راتیں اُف یہ شبِ بیداریاں — اُف کسی بیکس کی فرطِ غم سے آہ و زاریاں
اے انیسِ شامِ تنہائی بتا تو ہے کہاں — دل میں ہے موجود لیکن ہے نگاہوں سے نہاں
میں یہ کس دل سے کہوں بھولا ہوا ہے تو مجھے — تیری ہی تصویر آتی ہے نظر ہر سو مجھے
بھولی صورت والے تو بھولا مجھے ہرگز نہیں — جو بھلا تا ہے کسی کو یاد آتا ہے کہیں

ہو چکا جو کچھ تھا ہونا دل کے مالک ہو چکا
آ کے تجدیدِ محبت کا کوئی نغمہ سُنا

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد

افسانہ

از:- نواب زادہ حشمت اللہ خاں صاحب دہلوی،

بعض دفعہ سچی کہانیاں تخیلی افسانوں سے زیادہ عجیب تر ہوتی ہیں۔ یہ ایک رومانی واقعہ ہے جسے کہانی کی ہیروئن کی زبان سے صرف ناموں کے رد و بدل کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ (حشمت اللہ خاں دہلوی)

۱

"فیروزہ بی!"

اسکول کی مہری کی آواز کمرہ میں گونجی جب کہ میں اپنی کتابیں احتیاط سے رکھ رہی تھی۔ مجھے اس کمبخت بڑھیا سے سخت نفرت تھی۔ اپنے کام کے وقت تو فیروزہ بی۔ فیروزہ بی کرتی اور جب ذرا پیسہ دینے سے انکار کر دو جھٹ جاکر مس صاحب سے ہماری جھوٹی سچی شکایتیں کر دیتی۔ نفرت تھی مجھے اس سے۔

"کیا ہے؟" میں نے جل کر کہا۔

"یہ کتابیں اور یہ بیٹری!" میز پر رکھتے ہوئے اس نے کہا۔

"کون لایا ہے؟" میں نے دریافت کیا۔

"کوئی صاحب ہیں۔ ہیڈ ہیٹ) لگائے۔ بھائی بتاتے ہیں۔" بڑھیا نے اپنی چندی آنکھوں کو جھپکا کر کہا۔ "کوٹھی سے آئے ہیں۔"

"ہاں خوب یاد آیا۔"

بات دراصل یہ تھی کہ میری ایک چچی یہاں رہتی تھیں۔ رشتہ تو ان سے کوئی ہمارا ہے نہیں مگر بزرگوں کے تعلقات ایسے چلے آتے ہیں کہ وہ ہمیں رشتہ داروں سے زیادہ عزیز ہیں۔ جب میرے والد جے پور میں سول سرجن تھے تو میرے چچا وہاں ممبر مال تھے۔ میرے والد کا اور چچا کا بڑا دوستانہ تھا ہمارے بنگلے بھی قریب ہی تھے احاطہ کی دیواریں ملی ہوئی تھیں۔ اور ہم لوگ انھیں گورے چچا کہتے تھے کیونکہ وہ بہت گورے تھے اور چچی کو گوری چچی۔ اس سے قبل میرے دادا اجمیر میں گوری چچی کے کوٹھی میں کرایہ پر رہتے تھے۔ یہ بہت دنوں کی بات ہے۔ اس وقت میں بہت چھوٹی تھی۔ اب بھی میرے چچا اجمیر میں انھیں کی کوٹھی میں کرایہ پر رہتے ہیں۔ یہ باتیں ایک دن ابا بیان کر رہے تھے۔ میں اس اسکول میں چار پانچ سال سے پڑھ رہی تھی کئی دفعہ والد صاحب نے کہا بھی کہ اسکول کے قریب ہی تمھاری چچی رہتی جس چیز کی ضرورت ہوا کرے بے تکلف منگا لیا کرو۔ مجھے کسی چیز کی ادا ضرورت ہی نہ پڑتی جو منگواتی۔ دوسرے کچھ شرم ایسی غالب رہی کہ دفعہ ملنے کا ارادہ ظاہر کیا مگر ہمت نہ پڑتی۔ والد صاحب کے ایک سے اتنا اور معلوم ہوا تھا کہ چچی صاحبہ کی چھوٹی لڑکی اسی اسکول میں جماعت میں پڑھتی ہے۔ سعیدہ نام ہے۔ میں دوسرے ہی دن وقفہ میں اس کی ایک کلاس فیلو لڑکی سے پتہ معلوم کر کے سعیدہ سے ملی۔ وہ سیدھی سادی نو دس برس کی لڑکی اسے کیا معلوم کہ میں کون ہوں۔ میں نے اسے اپنا نام اور پتہ بتایا مگر پھر بھی وہ کیا پہچانتی۔ کہنے لگی۔ "بی اماں سے پوچھونگی۔" یہ پچھلے سال کا ذکر ہے جب میں نویں جماعت پاس ہو کر آئی تھی۔

سالانہ امتحانات کے بعد ہمارے اسکول میں ایک سالانہ جلسہ ہے جس میں اکثر شہر کی معزز خواتین اور طالبات کے والدین کو مدعو کیا ہے۔ مجھے یہ خیال تھا کہ شاید گوری چچی بھی آئیں۔ اسکول میں طرح طرح کے کھیل کود کے علاوہ ایک ڈرامہ بھی ہوتا ہے۔ ڈرامہ میں اکثر سینیئر طالبات کو اور بیشتر بورڈنگ کی لڑکیوں کو پارٹ کرنا ہوتا ہے۔

میں سٹیج کے برابر گیروے رنگ کی کفنی پہنے منہ پر بھبوت لگائے بال کھولے۔ آئینہ کے سامنے کھڑی اپنے میک اپ کو

کرنےوالی تھی۔ دوسری لڑکیاں بھی اپنے اپنے پارٹ اور ریہ
روف تھیں کہ یکایک میرے پردہ کو جہاں میں کھڑی تھی جنبش ہوئی
سعیدہ اپنی والدہ اور بڑی بہن کو لئے چلی آرہی ہیں۔ وہ
تھ پکڑ کر کہنے لگی۔ "یہ ہیں فیروزہ بیگم۔"
یا بتاؤں مجھے کتنی خجالت۔ کتنی شرم اس وقت محسوس ہو رہی
، میرا حلیہ، وہ کیا اندازہ لگا سکیں گی؟ نہیں دیکھا نہیں
و اس حالت میں۔ میں مارے شرم کے عرق عرق
گوری چچی کھڑی مسکرا رہی تھیں میں نے دیکھا اور پھر اپنی
گاڑدیں۔

ہو؟" تھوڑی دیر کے بعد گوری چچی نے پوچھا۔ وہ بدستور

"

!" میں نے دبی زبان سے کہا۔
آجایا کرو جب تمہارا جی گھبرائے۔" انھوں نے کہا۔ "تمہا
ں نے سر پر ہاتھ ہاتھ رکھ کر مجھے سینہ سے لگا لیا۔ اس کے

۔

کا اخلاق، ان کی شرافت سے بھری ہوئی بے لوث گفتگو کتنی
جدا تنی خجالت اور شرم کے اپنے کے دل میں میں ایک خوشی
جیسے پردیس میں یا اپنا کوئی قریبی رشتہ دار مل گیا ہو۔
گذرتے گئے۔ میں کبھی سعیدہ کی زبانی آداب کہلا بھیجتی اور خیریت
۔ سالانہ امتحانات قریب آتے جا رہے تھے مجھے حساب اور
دں کی ضرورت تھی اور تاریخ کی بھی کیونکہ اکثر رات کو جب
بند ہو جاتی تو روشنی کی ضرورت پڑتی تھی۔ میں نے پرچہ پر
کو دیئے کہ گوری چچی سے کہنا مجھے جلد منگا دیں ——
یہ وہی کتابیں تھیں اور تاریخ۔ جو بڑھیا لیکر آئی تھی۔
تھیں؟" میں نے دریافت کیا۔
لڑکے سے" بڑھیا نے جواب دیا۔
بھائی ہونگے" میں نے دل میں خیال کیا۔ میں نے آج تک
صرف سنا تھا۔ کتابوں کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔

اس میں سے کتابوں کی رسید کا پرچہ نکلا جس کی پشت پر پھر حساب جوڑ کر نیچے اپنا نام لکھا تھا۔ "ناصر"

اتنے میں شکنتلا آگئی۔ یہ میری کلاس فیلو بھی تھی اور بورڈنگ میں "روم میٹ" بھی۔ ساتھ ہی وہ میری بے تکلف سہیلی بھی تھی۔ میں بھی سکول کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ڈاکٹری پڑھنے کا ارادہ رکھتی تھی اور وہ بھی اس لئے ہماری یکجائی کا ابھی ایک طویل زمانہ باقی تھا۔ مجھے چھیڑنے کی غرض سے وہ کہنے لگی۔

"اوہنہ، کچھ دال میں کالا ہے۔ روز روز تحفے آنے لگے۔

حالانکہ اس سے قبل کوئی چیز نہیں آئی تھی صرف دو دفعہ اس سے پیشتر مجھے کاڑھنے کے تاگوں کی ضرورت پڑی تھی وہ سعیدہ ہی لے کر آئی تھی۔

"چل ری پگلی" میں نے کہا۔ "تیری طرح سب تھوڑے ہیں میرے بھائی ہیں۔"

"ہاں ہاں، میں کب کہتی ہوں۔ شیام بھی تو میرا بھائی ہے۔" شکنتلا نے تمسخر کے لہجہ میں کہا۔

"جیب بھی ہوگی یا نہیں؟" میں نے مذاق میں کہا۔ "بھائی بھی بنا تی جاتی ہے اور رشتہ بھی جوڑتی جاتی ہے۔"

بات یہ تھی کہ شکنتلا کے یوں تو بہت سے عزیز یہاں تھے مگر اس کے والد کے ایک بہت گہرے دوست یہاں رہتے تھے۔ وہاں شکنتلا اکثر جاتی رہتی تھی۔ شیام انھیں کا لڑکا تھا۔

دسمبر کی چھٹیوں میں جب سے شکنتلا وہاں رہ کر آئی تھی۔ شیام کا اکثر ذکر کرتی رہتی تھی اور پچھلے مہینہ سے تو کھلم کھلا کبھی اس کی محبت کا ذکر۔ اور کبھی اس کے حسن کا اور کبھی اس کے تحفوں کا ذکر کرنے لگتی۔

"تو کیا کہوں بی بی ان سے" اتنے میں بڑھیا کی آواز کان میں آئی۔ "میری طرف سے آداب کہنا اور کہنا کہ آپ نے کیوں تکلیف کی ملازم کے ہاتھ بھیجدیتے۔"

کہنے کو تو میں بے اختیار کہے گئی۔ مگر جس طرح ایک نوجوان لڑکا کسی لڑکی کو پیغام دینے سے مسرت محسوس کرتا ہے اسی طرح ایک لڑکی کو

بھی ایک لڑکے کو پیغام دینے میں مسرت محسوس کرتی ہے۔ میں نے پہلی مرتبہ ایک غیر آدمی کو پیغام بھیجا تھا۔ یہ کوئی اہم بات نہ تھی۔ آپ اسے اہم نہ سمجھیں آپ کیلئے اہم نہ ہو۔ مگر میں نہیں بتا سکتی کہ کیوں مجھے اتنی جلد اس سے دلچسپی ہوگئی تھی ـــــ اس سے جسے میں نے پیغام بھیجا تھا۔ شاید میرے دل کی گہرائیوں میں یہ بات ہو کہ جیسے شکنتلا اور شیام ـــــ میں بھی اسی طرح ـــــ ایک مبہم سا خیال، ایک خلش سی دل میں پیدا ہوگئی۔ میں نے ارادہ کیا ـــــ چلو دیکھنا چاہیے میں بالاخانہ پر دیکھنے آئی مگر وہ سامنے والے صحن میں نہیں تھے۔ بلکہ صدر دروازے کے پاس کھڑے ہونگے۔ "وہ یہاں تک آسکتے تھے ہاں ـــــ مگر انہیں کیا معلوم نہیں آئے ـــــ مجھے کیا؟" میں نے دل میں کہا۔

میں اندر آئی تو دیکھا شکنتلا میری کتابوں کا جائزہ لے رہی تھی۔ جیسے اس میں کوئی راز کی چیز پوشیدہ ہے۔ مجھے دیکھ کر فتحمندانہ مسکرانے لگی جیسے میرا کوئی راز معلوم کرلیا ہے۔ وہ چاہتی تھی معلوم کرے کہ یہ کون ہیں؟ یا یہ کہ کچھ دیر دلچسپ ربمارک پاس ہوں۔ کیا انھیں مجھ سے دلچسپی ہے؟ یہ مجھے ان سے؟ یہ کیوں آئے تھے؟ اور کچھ دیر یہی گفتگو زیر موضوع رہے۔

میں نے یونہی جیسے کہ ہم اکثر لڑکیاں چھیڑ کیا کرتی تھیں شکنتلا سے کہا۔ "شادی کرلوں ان سے؟"

"کن سے؟" شکنتلا نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"ناصر بھائی سے۔ اور کن سے"۔ میں نے کہا۔

"دوستی"۔ شکنتلا نے شرارت سے کہا۔

میں نے کبھی اس قسم کی باتیں نہیں سنی تھیں۔ میرے جذبات پارسائی کو زبردست ٹھیس لگی۔ میں نے تو صرف مذاق سے کہا تھا مگر یہاں چپ رہنے کا بھی موقع نہ تھا کیونکہ اگر چپ ہو جاتی تو شکنتلا اور زیادہ سر چڑھ جاتی اور زیادہ ستاتی اس لئے میں نے جل کر کہا "دوستی تو تمہارے یہاں ہوتی ہے ہمارے یہاں کوئی دوستی نہیں کرتا"۔

یہ اس کی ذات پر حملہ تھا اور کوئی ہوتی تو شاید ناراض ہو جاتی مگر شکنتلا میں یہ بات نہیں تھی۔ وہ کبھی میری اس قسم کی باتوں سے ناراض نہیں ہوا کرتی تھی۔

"دوستی نہیں تو شادی کیسے کروگی؟" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"وہ پیغام دینگے جیسا کہ زمانے میں ہوتا ہے"۔ میں نے کہا۔

"ان کو کیا پڑی ہے کہ وہ تمہیں کو پیغام دیں"۔ اس نے جواب دیا۔

"میں ایک بات کہہ رہی ہوں۔ فرض کرو وہ دیں تو ـــــ" میں بولی۔

"اگر وہ کالے اور بدشکل ہوئے تو ـــــ خیال ہی خیال پر اتنا ہو رہا ہے"۔ شکنتلا کہنے لگی۔

"کالے اور بدشکل کبھی نہیں ہوسکتے ان کے خاندان بھر میں کوئی کالا اور بدشکل نہیں۔ میں شرط لگا سکتی ہوں۔ دیکھا نہیں ان کی بہن کو اس دن جلسہ میں آئی تھیں۔ پھر بتاؤ وہ بدشکل ہے۔ ہزاروں لڑکیوں میں ایک لڑکی ہے اور دور کیوں جایئے۔ سعیدہ ہی کو دیکھ لو۔ کیسا ناک نقشہ ہے اور کیسا رنگ ہے"۔ میں نے اپنی بات کا ثبوت پیش کرتے ہوئے کہا۔

"تو نہیں جانتی" شکنتلا نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "عورت اور مرد میں بہت فرق ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ بھی ایسے ہی ہوں۔ ممکن ہے ـــــ"

"میں تم سے زیادہ جانتی ہوں بڑی بی"۔ میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اچھا اگر وہ ایسے خوبصورت نہیں ہونگے تو اس کے آدھے تو ہونگے۔ ناک نقشہ اچھا ہوگا اور گورے ضرور ہونگے۔ پھر لمبے چوڑے ہونگے۔ مردانہ حسن کا معیار تو یہی ہے"۔

"یہ بھی ضروری نہیں"۔ شکنتلا نے فلسفیانہ انداز سے کہا۔ "کہ وہ لمبے چوڑے ہوں"۔

"مجھے خود نفرت ہے لمبے چوڑے آدمی سے۔ آدمی کیا بس دیو معلوم ہوتا ہے۔ بس ٹھیک ہونگے"۔ میں نے کہا۔

ہم باتیں کر رہے تھے کہ مہری نے آکر گائیڈ کا یاد دلایا۔ آج بدھ تھا اور ہماری گائیڈ پردہ باغ جاتی ہے۔ میں نے جلدی جلدی منہ دھویا اور کپڑے تبدیل کرکے شکنتلا کے ہمراہ نیچے بھاگی۔

۲

سعیدہ سے مجھے بہت زیادہ انس ہوگیا۔ میں اکثر تفریح کے گھنٹے میں ادھر ادھر کی گفتگو اس سے کرتی رہتی۔ میرا اس کا کوئی جوڑ نہ تھا۔ وہ نو دس سال کی اور میں پندرہ سولہ برس کی۔ میں دسویں میں وہ چھٹی میں۔ اگرچہ عمر کے لحاظ سے وہ اس قابل نہ تھی کہ میں اسے سہیلی بناتی۔ مگر [illegible]

لڑکیوں سے بات بھی نہیں کرتیں اور جو چھوٹی لڑکیاں ہوتی ہیں انھیں بھی سینیر لڑکیوں کا ادب ولحاظ کرنا پڑتا ہے۔ رفتہ رفتہ سعیدہ مجھ سے بے تکلف ہوگئی یہاں تک کہ جب کبھی گھر سے کھانا کھا کر نہ آتی تو میرے حصہ کا دودھ اور بسکٹ بھی میرے کمرے میں آکر چٹ کر جاتی تھی۔ گر مجھے کبھی بُرا محسوس نہیں ہوا۔ شکنتلا اکثر اس بات کو غور سے دیکھتی رہتی تھی کیونکہ پہلے تو میں تفریح میں اس کے ساتھ رہا کرتی تھی مگر کچھ دنوں سے تفریح کے اوقات میں بھی کسی نہ کسی بہانے سعیدہ کے ساتھ ہوجاتی اور ہم دونوں باغ کی روشوں پر گھومتے رہتے اور باتیں کرتے رہتے یا کبھی جھولے پر سعیدہ جھولتی اور میں جھونٹے دیتی رہتی اور باتیں کرتی جاتی۔ مجھے ایک لطف سا محسوس ہوتا۔ ایک دلچسپ خلش تھی —— میں اکثر باتیں کرتے کرتے اس امر پر غور کرنے لگتی کہ ناصر کی شکل اس سے کس قدر ملتی جلتی ہوگی۔ کیونکہ ان کے یہاں قریب قریب سب ایک ہی شکل کے ہیں۔ باجی زاہدہ کی شکل بالکل سعیدہ کی سی ہے اس لئے ظاہر تھا کہ ناصر بھائی کی بھی شکل قریب قریب ایسی ہی ہوگی۔ کبھی کبھی سعیدہ کو میری تصوّر کی نظریں ناصر بھائی کے مردانہ حسن میں تبدیل کر دیتی تھیں اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ میں ان ہی سے گفتگو کر رہی ہوں —— کتنا مبہم خیال تھا۔
میں نے کبھی یہ سوچنے کی کوشش نہیں کی کہ آیا مجھے اس قسم کا خیال اپنے دل میں لانا چاہیئے یا نہیں۔ میں کیوں اس قسم کے خیالات کو اپنے دل میں جگہ دے رہی تھی۔ یہ مجھے خود بھی نہیں معلوم تھا۔ شاید محبت کی آرزو کرنا بھی ایک نوجوان لڑکی کے لئے نشاط زندگی ہے یا پھر کیف شباب سمجھ کر ایک نوجوان لڑکی محبت کے لئے مجبور ہوتی ہے —— چاہے وہ خیالی ہی کیوں نہ ہو۔ میں تو اس شیریں خواب سے بیدار ہونا نہیں چاہتی تھی —— دنیا میں سب کچھ ممکن ہے۔

یوں تو شکنتلا اکثر مجھے چھیڑتی رہتی تھی کلاس میں بھی اور بورڈنگ میں بھی مگر شکر ہے کہ کسی اور لڑکی سے ان زریں خیالات کا اس نے اظہار نہ کیا۔ مگر ایک دن تو اس نے غضب کر دیا۔ واقعہ یہ تھا کہ تفریح میں اسکول کے جھولے پر سعیدہ حسب معمول جھول رہی تھی اور میں باتیں کرتی جاتی تھی اور جھونٹے دیتی جا رہی تھی۔ کہیں شکنتلا نے دیکھ لیا۔ یہ التفات ذرا اسے ناگوار گذرا۔ مجھے خبر بھی نہ تھی کہ وہ میرے پیچھے سے آرہی ہے اس نے چپکے چپکے آن کر ایک دوہتڑ میری پیٹھ پر مارا۔ میں نے جلدی سے مڑ کر دیکھا تو آپ بڑے مزے سے ہنسکر کہنے لگی۔

"کیوں نہیں، خوشامدیں ہونگی۔ آخر شادی بھی تو کرنا ہے ان کے بھا[ئی سے]
نند بنیں گی یہ تمھاری۔"

"چل کٹھرائن۔" میں نے کہا۔

"کٹھرائن" اصل میں شکنتلا کی چڑ تھی اس لئے نہیں کہ وہ بدمزاج یا چڑچڑ[ی] تھی بلکہ وہ کھتری تھی اور مس صاحب کو جب کھترن کہنا ہوتا تو وہ کھترائ[ن] کہتی تھیں۔ یہ تو تھا ہی مگر ایک دفعہ جب کلاس میں Taming of The Shrew شکسپیر کا ڈرامہ ہو رہا تھا جس میں چڑچڑی کٹھرائن کا ذکر تھا تو میر[ی] مس صاحب نے کہہ دیا تھا "کھترائن تو یہ بیٹھی ہے۔" اس پر کلاس میں ا[یک] زوردار قہقہہ بلند ہوا تھا۔

شکنتلا بہت خفیف ہوئی اور مجھے گھورنے لگی۔ جب سے کلاس [کی] اکثر لڑکیاں اسے کٹھرائن کہنے لگیں خصوصاً میں ضرور کہتی اور یہ اس کی چڑ بن [گئی] تھی اور چڑتی کیوں نہ۔ وہ تھی خوش مزاج اور ہم سب اسے چڑچڑی [کا] خطاب دے رہے تھے۔

میں نے بھی اسے زور سے مارا اور بھاگی اور میں نے باغ کی دیو[ار] کے پاس جاکر دم لیا۔ چنبیلی کے جھنڈ کے پیچھے سے شکنتلا بھی آئی۔
میں نے کہا۔ "کھترائن کہیں کی سمجھے یہ کیا سوجھی تھی مذاق وہ کیا سمجھے گی اپنے دل میں۔"

"وہ نہیں سمجھ سکتی۔" شکنتلا نے سانس ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں اتنی ناسمجھ نہیں۔" میں نے کہا۔ "آخر اس نے یہ تو ضر[ور] خیال کیا ہوا ہوگا کہ یہ میرے بھائی سے کیا تعلق۔ اور بچوں میں تو شادی لفظ ہی ایک عجیب معنی رکھتا ہے۔ اور میں کہتی ہوں کہ کچھ تعجب نہیں وہ گھر جاکر بھی ذکر کر دے۔"

"کیا ہوا۔ مذاق سمجھینگی تمھاری بچی۔" بھولے پن سے شکنتلا نے کہا

"مذاق کیسا۔ میں کہتی ہوں کہ "وہ" سنینگے تو دل میں کیا خیا[ل] کرینگے؟" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

شکنتلا نے بات کاٹ کر کہا۔ "اے وہ کون؟" اور پھر میر[ے]

دونوں شانوں کو جھنجھوڑ کر بولی۔ "تمھارے میاں!"

"دیکھو شکنتلا مجھے ایسی دل لگی اچھی نہیں معلوم ہوتی۔" میں نے کچھ ارامنگی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"کہدو کہ تم نے نہیں کہا تھا اس دن شادی کا۔" شکنتلا نے جواب دیا۔

"تو میں نے اس لئے کہا تھا کہ تو سعیدہ کے سامنے دہرائے۔ وہ تو ایک مذاق کی بات تھی ہو گئی۔ بس۔" میں نے کہا۔

"اچھا اب نہیں کہونگی۔" شکنتلا نے ہنس کر میرے گلے میں باہیں ڈالدیں۔ مجھے بھی ہنسی آگئی اتنے میں گھنٹہ بج گیا اور ہم کلاس میں چلے گئے۔

آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا میں اس مذاق سے واقعی ناراض تھی؟ ہرگز نہیں۔ میں تو یہ چاہتی تھی کہ وہ مجھے اسی طرح چھیڑے جائے۔ بار بار یہی جملہ دہرائے اس کے منہ میں گھی شکر۔ خدا کرے اس کا مذاق صحیح نکلے۔ دنیا میں سب کچھ ممکن ہے۔ میں نے پہلی دفعہ اپنے دماغ میں مدہوشی سی محسوس کی ـــــ ایک لرزش میری روح میں تھی۔ میری رگوں میں ایک سیمابی کیفیت پیدا ہو چلی تھی۔ ایک ذرا سا واقعہ ـــــ ایک معمولی سی بات اور اسے میں نے اتنا طول دے دیا۔ میں چاہتی تھی کہ کم از کم ایک مرتبہ اس کی صورت تو دیکھ لوں جس نے میرے جسم میں محبت کی روح پھونکدی ہے میری رگ رگ میں آتش سیال دوڑا دی ہے۔ میری تخیلی دنیا میں وہ ایک حسین ـــــ عوام کی دنیا سے بالاتر۔ جس کے تصور نے میری دنیا میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اور میری زندگی محبت کی زندگی ہو چکی تھی۔ ایک بیکلی سی ہر وقت۔ ایک بےچینی سی ہر لحہ مجھے محسوس ہوتی رہتی ـــــ کیا یہ خیال۔ یہ مذاق واقعی ممکن ہو سکتا ہے؟ ـــــ مگر میں تو صرف انھیں ایک بار دیکھنے کی آرزو رکھتی ہوں اور بس۔ میں انھیں نہیں دیکھ سکی میرے جذبات کی کمزوری نے مجھے ایسا کرنے سے ہمیشہ مجبور رکھا۔

ایک دن خود گوری چچی نے مجھے بلوایا۔ کہ کل اتوار ہے۔ تم ضرور آنا ہم لوگ پکنک کو جائینگے۔ ہمارا جی چاہتا ہے کہ تم بھی ہو تو اچھا ہے۔" مگر میں نے کہلوا دیا کہ والد صاحب کی اجازت کے بغیر بورڈنگ ہاؤس سے رخصت نہیں مل سکتی۔ حالانکہ اگر میں چاہتی تو اجازت لے سکتی تھی ـــــ میں نہیں گئی ـــــ میں وہاں جانا چاہتی تھی مگر مجبور تھی ـــــ میں وہاں کس طرح جا سکتی تھی۔ کیا میرے پاس مناسب لباس نہ تھا؟ نہیں میرے پاس دو عمدہ ساڑیاں تھیں۔ ریشمی، ایک دھانی رنگ کی اس پر گلی زرد کور، دوسری شبنمی رنگ کی جس کے کناروں پر ستارے بنے ہوئے تھے اور اول تو وہاں ایسے بڑھیا لباس کی ضرورت ہی نہ تھی ـــــ میں کس لباس میں جانا چاہتی تھی۔ یہ میں نہیں بتا سکتی اور پھر ـــــ ان سے سامنا ہو جانا ضروری تھا ـــــ تو پھر کیا ہوتا؟ بس میں نہ گئی۔ میرے جذبات کی کمزوری نے وہاں نہ جانے دیا۔

میری دنیا ہی بدلتی جا رہی تھی۔ کسی کام میں کسی بات میں دل نہ لگتا تھا۔ پہلے تو پڑھنے کے بعد باقی وقت کھیل کود میں گذرتا تھا یا اب لڑکیاں میرے کمرے میں میٹھی باتیں کرتی رہتیں اور میں انھیں سنتی رہتی ہوں مگر میرا دماغ میرا تخیل کہیں اور ہوتا ہے اور کتنی عجیب کتنی مضحکہ خیز بات تھی کہ جس کا تصور میں کر رہی تھی میں نے اسے دیکھا تک نہیں تھا تنہائی پسندی ـــــ ہر وقت کسی خیال میں کھوئے رہنا۔ رات کو تڑپ تڑپ کر کسی کے تصور میں صبح کر دینا ـــــ اگر یہی علامتیں محبت کی ہیں تو میں محسوس کر رہی تھی کہ میں بھی اس درد سے آشنا ہوتی جا رہی تھی جو الفت و محبت کے رنگین نام سے مشہور ہے۔ شاید میں محبت کے خیال کو اس لئے مستحکم کر رہی تھی کہ یہ ایک عورت کا فطرتی حق ہے۔

جب ایک عورت محبت کرنے پر آتی ہے تو وہ ناکامیوں کی مطلق پروا نہیں کرتی اور خاموشی سے اپنے مقصد کی کامیابی کی منتظر رہتی ہے مجھے اس بات کی مطلق پروا نہیں تھی کہ میں اپنے سوز نہانی کا کچھ صلہ نہیں پا رہی تھی۔ آپ مجھے دیوانہ کہیں گے، پاگل بتائیں گے کہ جسے میں نے دیکھا تک نہیں ـــــ اور جو میرے احساسات سے واقف تک نہیں۔ میں اپنے دل میں اس کی پرستش کر رہی تھی۔ مجھے امید تھی ـــــ مجھے یقین تھا کہ میرے سچے جذبات اور پاکیزہ محبت ایک دن ان کو مجھ تک کشاں کشاں لے آئیں گے ـــــ اور ہم ایک دوسرے کو دیکھکر ـــــ مسکرا دیں گے۔ جیسے ہم ایک دوسرے کو مدتوں سے جانتے ہیں۔ میرے تخیل میں بھکے ہوئے خوابوں کی ایک دنیا آباد تھی۔

۴

ان واقعات کو رفتہ رفتہ کافی عرصہ گذر گیا۔ گرمیوں کی چھٹیاں ہونے والی تھیں میں نے سعیدہ سے معلوم کرلیا کہ وہ چھٹیوں میں کہاں جائینگی؟ اس کے علاوہ یہ بھی پتہ چل گیا کہ واپسی میں وہ لوگ اجمیر ہوتے ہوئے آئیں گے۔ جہاں وہ لوگ گئے تھے واپسی میں وہ اسٹیشن میرے اسٹیشن سے دو اسٹیشنوں کے بعد آتا ہے۔ پھر یہ بھی کوئی ضروری بات نہیں تھی کہ جس گاڑی سے میں روانہ ہوں اسی گاڑی سے وہ لوگ بھی جائیں۔ یا اس میں کوئی خاص نتیجہ نکلتا تھا۔ مجھے خیال بھی نہ تھا مگر اتنی کھٹک ضرور تھی کہ میں اکیلی ہونگی اور ان لوگوں کا ساتھ ہو جائے تو ممکن ہے میری امیدوں میں کوئی خوشگواری پیدا ہو۔ پھر یہ بھی تصدیق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ ایسا ضرور ہی ہوگا۔ مگر پھر بھی مجھے اپنی آرزوؤں کی کامیابی کی بہت امیدیں تھیں — بلکہ میرے دل میں یقین تھا۔

۲۳ ستمبر کو ۳ بجے کی گاڑی سے میں سوار ہوئی۔ میرے ساتھ صرف ایک ملازم تھا۔ وہ سرونٹ روم میں تھا اور میں سکنڈ کلاس میں۔

پچھلے سال سے میں تنہا سفر کر رہی تھی۔ صرف ایک نوکر ساتھ ہوتا تھا اور سفر ہی کتنا شام کو سوار ہوئے۔ صبح آنکھ کھولی تو اجمیر۔ یہاں سے والد صاحب نے سوار کرا دیا وہاں چچا میاں نے اتار لیا۔ اصل بات یہ ہے کہ ابا میاں مجھے تنہا سفر کرنے کا عادی بنانا چاہتے تھے۔ کیونکہ آخر مجھے اکیلے سمندر پار کا سفر کرنا ہوگا۔ اور پھر میں میٹرک کے بعد ڈاکٹری کی طالب علم بننے والی تھی میرے لئے ڈر کیسا اور آخر پریکٹس بھی تو کرنی تھی ان سب باتوں کو دیکھتے ہوئے مجھے رفتہ رفتہ اس قسم کی آزادی دی جا رہی تھی تاکہ آئندہ میں بغیر کسی کے سہارے آزادانہ زندگی بسر کر سکوں۔

میں کیا بتاؤں کہ دو ڈھائی گھنٹے کس قیامت کے معلوم ہو رہے تھے کہ کاٹے نہ کٹتے تھے۔ آج معلوم ہوا کہ انتظار کی گھڑیاں کتنی کٹھن ہوتی ہیں مگر انتظار — انتظار کس کا؟ — کس نے وعدہ کیا —؟ میں آپ ہی آپ انتظار کر رہی تھی — میرے ہی دل کا منگھڑت وعدہ ڈھائی گھنٹے عجیب بے چینی میں گذارے۔ اتنے میں گاڑی کی رفتار سست ہوئی اور گاڑی پٹڑیاں بدلتی ہوئی پلیٹ فارم پر جا کر کھڑی ہوگئی۔ اسٹیشن آگیا مگر مجھے کوئی بھی ایسا شخص دکھائی نہیں دیتا تھا کہ میں ذرا بھی شبہ کر سکتی۔ میری ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔ میں اپنی حسرتوں کا خون ہوتا دیکھ رہی تھی۔ میری تمام بے چینی فضول تھی۔ فضول ثابت ہوئی میں نے امیدوں کا جو باغ لگایا تھا۔ ایک ذرا سی دیر میں۔ اسٹیشن کے پیش نظر منظر نے سب کچھ اجاڑ دیا۔

میرے لئے کوئی امید باقی نہ تھی۔ اتنے میں ایک موٹر تیزی سے اسٹیشن کے دروازے کے پاس آکر رکی۔ گویا میرے وحشت زدہ جذبات کی پریشانیوں میں اُمید کی ایک کرن نظر آئی۔ میں امید و بیم کے مد و جزر میں جھکولے کھا رہی تھی کہ سعیدہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے ناصر بھائی معہ زنانی سواریوں کے جلدی سے اندر آئے۔ میرا ڈبہ بالکل دروازے کے مقابل ہی تھا۔ انھوں نے ایک نظر میری طرف ڈالی اور میں نے انھیں دیکھا۔ کیا بتاؤں میری کیا حالت ہوگئی۔ جب تک انھیں نہیں دیکھا تھا دیکھنے کی آرزومند تھی اور اب جبکہ میں نے انھیں دیکھ لیا ان کی ایک نگاہ کی بھی حریف نہ بن سکی اور اپنے سارے وقار کو ان پر قربان کرنے کے لئے تیار تھی۔ میں نے انھیں کیسا پایا؟ جو شکل و صورت میرے خیالوں کی دنیا میں بس رہی تھی ہو بہو وہی۔ بالکل وہی گداز جسم، میانہ قد، خوبصورت شانے اور اس پر انگریزی لباس کتنا بھلا معلوم ہوتا تھا۔

میرے ڈبہ سے کوئی دو ڈبہ پیچھے وہ لوگ بھی سوار ہوگئے اتنا تو میں نے دیکھا کہ ناصر بھائی بھی کسی ڈبے میں سوار ہو چکے ہیں۔ اے کاش انھیں معلوم ہو جاتا کہ ایک حرماں نصیب ہزاروں آرزوئیں اور تمنائیں لئے صرف ان کی ایک نظر التفات کیلئے بیتاب بیٹھی ہے۔ بس وہ اتنا چاہتی ہے کہ اس کے قریب بیٹھ کر اس اقرار محبت کو سن لیں جو کبھی لبوں تک نہیں آسکا اور پھر ان کو اختیار ہے چاہے رد کردیں، چاہے قبول۔

کاش انھیں معلوم ہوتا کہ پھول آزردہ ہو جاتے ہیں جب بلبل مضطر ہونے کے لئے ان کے قریب نہ ہو — چاند کا چہرہ اتر جاتا ہے جب چکور اپنا لحن عبودیت سنانے کیلئے اس کی چاندنی میں بیقرار نظر نہ آئے۔ پھر "اُس" میری زندگی کے تنہا پھول اور میری ظلمتکدۂ ہستی کے واحد چاند کو کس طرح سے وہاں چین اور سکون مل سکا؟ کیا ان کے دل میں میرے تاثرات کا کوئی اثر نہیں؟

اے میری روح پر ظلم کرنے والے ـــــ اے میرے جسم میں محبت کی پھونکنے والے! کیا خدا کی اس وسیع آبادی میں تیرے سوا کوئی نہ تھا جس ۔ زُدسے میں اپنے دل کو آباد کر سکتی ـــــ میرا دل ڈوبا جا رہا تھا صرف یک توقع ایسا تھا کہ ان سے رومان انگیز تعارف ہوتا۔ میں ایک گہرے ح میں تھی کہ اپنے جذبہ پرستاری کی آگ کو جس سے اب میرا سینہ ہوا جاتا تھا ـــــ کیونکر ٹھنڈا کروں ـــــ اے کاش کہ وہ یہاں آجاتے ں تڑپ تڑپ کے جان دیدینا اپنا نشاطِ زندگی خیال کرتی۔

میں کھڑکی کے شیشے سے سر لگائے ان خیالات میں غرق تھی انجن ٹی اور گاڑی نے چلنے کے لئے جنبش کی۔ دفعتہً ایک جھٹکے سے دروازہ ۔ایک مردانہ چہرہ ـــــ حسین اور دلکش ـــــ ایک سڈول جسم ـــــ وہ آگئے۔ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اتنے میں قلی نے چلتی گاڑی ایک بستر اور ٹفن کیریر رکھ دیا۔ انھوں نے دروازہ بند کیا اور سیدھے ے ہو کر ایک اطمینان کا سانس لیا اور جیب سے رومال نکال کر اپنے سنہرے ں پر سے پسینے کے قطرات خشک کئے اور پھر اپنے چہرے کو پونچھا اور رومال ۔ میں رکھ لیا ـــــ میں ان کی طرف دیکھ رہی تھی وہ کوٹ اتارنے غول تھے۔

میں وہ لمحہ نہیں بھول سکتی جب انھوں نے مجھے بغور دیکھا اور پھر قریب سے۔ گویا کسی نے میرا دل پکڑ کر ہلا دیا اور مجھ پر اختلاجی کیفیت طاری ی۔ میری رگ رگ میں آتش سیال دوڑ گئی ـــــ میں اپنی سیٹ پر سمٹ ـ گئی اور دور افق میں ڈوبنے والے سورج کو دیکھنے لگی۔ معلوم ہوتا تھا ید وہ بھی میری آگ سے سلگ رہا ہے۔

~~~~~ ۵ ~~~~~

رات کے ساڑھے نو بجے ہونگے۔ گاڑی اپنی پوری رفتار سے جا رہی ۔ میں اپنی سیٹ پر کمبل اوڑھے منہ لپیٹے پڑی تھی۔ وہ سامنے والی سیٹ بیٹھے کوئی رسالہ دیکھ رہے تھے۔ میں نے کھانا ابھی نہیں کھایا تھا اور نہ کچھ ں بھوک ہی تھی۔ نہ انھوں نے کھایا۔ میں نے جب انھیں دیکھا میگزین مطالعہ میں پایا۔ شاید پونے دس ہونگے مجھے کمبل میں سردی محسوس ہونے ۔ ایک تو بارش کی ہوا دوسرے جنگل اور ریل کی رفتار۔ پھر کھڑکیاں چار پانچ کھلی ہوئی۔ جب زیادہ سردی محسوس ہونے لگی تو میں اٹھ کر اپنی طرف کی کھڑکیاں بند کرنے لگی۔ ایک کھڑکی تو آسانی سے بند ہو گئی مگر سرہانے والی بند نہ ہوتی تھی۔ میں نے بہت زور لگایا مگر کم بخت کچھ ایسی جم کر بیٹھی تھی کہ نہ اترنا تھی نہ اتری۔ اس کشمکش میں تھوڑی دیر کے لئے میں یہ بالکل بھول گئی کہ یہاں کوئی اور بھی بیٹھا ہوا مجھے دیکھ رہا ہے۔ میں ابھی زور لگا ہی رہی تھی کہ اتنے میں ایک مردانہ ہاتھ میرے پیچھے سے کھڑکی کے سرے پر میرے ہاتھ کے بالکل قریب کسی نے رکھ دیا۔ اور ساتھ ہی "ٹھیریئے! میں بند کئے دیتا ہوں" کی نرم اور محبت بھری آواز ـــــ میرے جسم میں ارتعاش پیدا ہو گیا۔ میرا دل ایک مبہم کیفیت سے زور زور دھڑکنے لگا۔

انھوں نے ـــــ اپنی مضبوط اور نازک انگلیوں کی ذرا سی جنبش سے کھڑکی کو آسانی سے نیچے گرا دیا جس کو بند کرنے میں انتہائی کوشش کے باوجود میں ناکام رہی۔

میں نے تھرتھراتے ہوئے ہونٹوں اور لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے کہا ـــــ "شکریہ!"

"شکریہ کی اس میں کیا بات" انھوں نے اپنی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اطمینان سے جملہ پورا کیا۔

تھوڑی دیر بعد میں نے ان کی طرف دیکھا۔ وہ اب کتاب نہیں پڑھ رہے تھے بلکہ میری ہی طرف دیکھ رہے تھے یوں سمجھئے ان کی نگاہوں میں ایک کیفیت تھی جیسے وہ کچھ کہنا چاہتے ہوں۔ اگر کوئی خاموش گفتگو ہو سکتی ہے تو ان کی آنکھیں وہ گفتگو کر رہی تھیں۔ میں نے بس ایک نظر دیکھا اور پھر اپنی کتاب پر نظریں جما دیں مگر خوش تھی کہ جو آگ میرے سینہ میں بھڑک رہی تھی وہ ان کے دل میں بھی سوختگی پیدا کر رہی ہے۔

کچھ دیر کے بعد انھوں نے مجھ سے پوچھا "کیا میں دریافت کر سکتا ہوں کہ آپ کہاں تشریف لے جا رہی ہیں؟"

"اجمیر ـــــ!" میں نے مختصر جواب دیا۔

پھر تو انھوں نے سوالوں کی بوچھار کر دی "کہاں سے آ رہی ہیں؟" "آپ اکیلی ہیں" "کون ساتھ ہے؟" "وہاں کہاں ٹھہرتی ہیں"

مگر جب میں نے انھیں بتایا کہ میں اجمیر میں [illegible]
~~~~~

[illegible] تو وہ ایک دم سے چونک پڑے پھر میری طرف دیکھ کر کہنے لگے۔ "میری ایک عزیز جو دہلی میں پڑھتی ہیں وہ بھی وہیں رہتی ہیں۔"

"ممکن ہے۔" میں نے تجاہل عارفانہ سے کہا۔

تھوڑی دیر خاموش بیٹھے رہے پھر جیسے کوئی بھولی ہوئی بات یاد آ گئی کہنے لگے۔ "آپ ڈاکٹر ضیاء الدین کو جانتی ہیں؟"

"وہ میرے والد ہیں۔" میں نے اطمینان سے کہا۔

"ارے؟" —— وہ ایک دم سے اچھل پڑے "اوہ! تو آپ فیروزہ ہیں؟" انھوں نے مسکرا کر کہا۔

"جی" میں نے نظریں نیچی کئے ہوئے جواب دیا۔

"تو —— تو آپ ہماری عزیز ہوئیں ایک طرح سے۔" انھوں نے اسی طرح ہنستے ہوئے کہا۔

"اور آپ؟" میں نے ہمت کر کے پوچھا۔

"میں؟ میں آپ کا خادم۔" انھوں نے چہرے کو اور زیادہ شوخ بناتے ہوئے کہا "جو آپ کو کتابیں اور بیٹری دے کر آیا تھا۔ یاد ہے آپکو؟"

"کیا یہ بات ان کے لئے بھی کچھ اہمیت رکھتی ہے —؟" میں نے دل میں خیال کیا۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟" میں نے اپنے حواس درست کرتے ہوئے دریافت کیا۔

"ہم بھی اجمیر جا رہے ہیں۔ بی اماں اور سب دوسرے ڈبہ میں ہیں۔ آپ ملینگی ان سے؟" انھوں نے دریافت کیا۔

"دس بج رہے ہیں۔ کل انشاء اللہ گھر ہی پر ملینگے۔" میں نے جواب دیا۔ تھوڑی دیر میں ہم بے تکلفی سے باتیں کرنے لگے۔ جس طرح شراب رفتہ رفتہ رسا ہوتی جاتی ہے اسی طرح بالکل اسی طرح ہم دونوں بھی محبت کے نشہ میں چور ہوتے جا رہے تھے۔

"آپ نے تو بڑا غضب کیا۔ دہلی میں رہیں اور ایک دن کے لئے بھی نہیں آئیں۔" انھوں نے کہا۔

میں یہ کیا سن رہی تھی۔ کیا یہ میرے دل کی آواز تھی۔ کیا واقعی ان کو مجھ سے اتنی گہری دلچسپی ہو گئی ہے کہ میری ناواقفیت میں جو لمحے گذرے ان پر وہ تاسف کر رہے تھے۔

اتنے میں ایک بڑا اسٹیشن آ گیا۔ میں نے چاء منگائی اور اپنی مدتوں کی حسرت کو اس طرح پورا کیا کہ ایک پیالی بنا کر ان کے سامنے پیش کی انھوں نے بہت اظہار ناراضگی کیا۔ لینے سے نہیں بلکہ اس لئے کہ میں نے ان سے کیوں نہیں کہا۔ یہ تو انھیں منگانی چاہئے تھی۔ اور پھر اس پر طرّہ یہ کہ "بل" وہ ادا کرینگے۔ میں تو ان کی شکل دیکھ رہی تھی اور طرز گفتگو پر غور کر رہی تھی کہ کس طرح معصومیت سے بات کر رہے تھے مگر جب بل ادا کرنے کا سنا تو میں چونک گئی۔

"جب آرڈر میں نے دیا ہے تو بل آپ کیوں ادا کرینگے۔ آپ تو ماشاء اللہ سوسائٹی کے قواعد سے واقف ہونگے۔ میں تو سنی سنائی کہہ رہی ہوں۔ ٹھیک ہے نا؟" میں نے کہا۔

"خیر میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ مگر آپ زیادتی کر رہی ہیں میرے ساتھ" انھوں نے ایک لمبی سرد آہ بھر کر کہا۔

وہ میری طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے جیسے وہ میری کمزوریوں کو محسوس کر رہے ہیں۔ یا پھر میرے تمام تاثرات ان میں جذب ہو گئے ہیں۔ اور وہ بھی میری طرح - ہاں بالکل اسی طرح۔ جس طرح میں ان سے محبت کرتی ہوں وہ مجھ سے محبت کرنے لگے تھے۔ تھوڑی دیر میں مجھے اندازہ ہونے لگا کہ جو آگ ابھی تک ایک ہی طرف جل رہی تھی وہ دراصل دونوں طرف لگی ہوئی ہے۔

باتیں کرتے کرتے بارہ بج گئے مگر ہمیں کچھ معلوم ہی نہ ہوا۔ نہ وہ سونے کا نام لیتے تھے نہ میں۔ دونوں اس طرح اپنی اپنی سیٹوں پر لیٹے تھے جیسے دن بھر کے شکار کے بعد ساری رات کو اپنے خیمہ میں لیٹے ہوں، اور ان میں وقت گذارنے کیلئے باتیں ہو رہی ہوں۔ بالکل اسی طرح بے معنی باتیں کئے جا رہے تھے۔ اور زیادہ تر اپنی ایک دوسرے کی جھوٹی سچی برائیاں اور تعریفیں۔ آہ کتنے رنگین لمحے تھے؟

—— ۶ ——

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکی ہوں میرے چچا اب بھی گوری بی بی کے مکان میں کرایہ پر رہتے تھے۔ ایک ہی احاطے میں دو بنگلے ایک میں میرے

ارہتے اور دوسری میں گوری چچی جب آتیں تو مقیم ہوتیں۔ اجمیر کے دوران
ام میں ہمارے اظہار اُلفت کی رفتار اگرچہ جوش وخروش سے نہ تھی مگر
قی پر ضرور تھی اور اس چار روز کے مختصر عرصے میں کوئی قابل ذکر بات نہ
ئی سوائے ایک دلچسپ واقعہ کے۔

ایک رات ہم سب بیٹھے تاش کھیل رہے تھے۔ میں اور ناہید ایک
نہ تھے۔ وہ اور شاہدہ (میری چچازاد بہن) دوسری طرف۔ ہم پر تین کوٹ
چکے تھے اور "پتیوں" کا تو شمار ہی نہیں۔ اور پھر تمام وقت انھوں نے ای
ح طرح کی شرارتوں سے ستا رکھا تھا۔ اور سب سے زیادہ باعث ناراضگی
بات مجھے اور میرے ساتھی کو تھی وہ یہ کہ انھوں نے اپنے پوشیدہ اشارے
ہدہ کو بتا دیئے تھے کہ اگر میں بالوں پر ہاتھ پھیروں تو حکم کا پتہ ڈالنا اور
ٹھوں پر انگلی لگاؤں تو یہ اور زبان دکھاؤں تو یہ ــــ یہ بے ایمانی ہم
ہی معلوم ہوگئی۔ پھر بھی نہیں "ہاتھ" ہمارا بنے اور آپ اٹھا کر اپنے ہاتھوں
جمع کر دیں۔ ہم سمجھیں کہ ایسا بھی کیا ہے: بیچارے ہماری طرف رکھ رہے
ں۔ غرض اسی طرح کی حرکتیں کرتے رہے۔

تین کوٹ تو ہم پر ہو ہی گئے تھے اب چوتھے کوٹ کی باری تھی کیونکہ
ن کے پانچ ہاتھ بن چکے تھے اور ہمارا ایک بھی نہیں۔ اپنے ساتھی سے پان
دوئی ڈلوائی۔ باجی نے غلام ڈالا۔ آپ مجھ سے کہنے لگے ــــ "چلئے
ں دیجئے ــــ"

میں نے کہا۔ "میں کیوں دینے لگی"۔

"ارے تم کیا سمجھیں" انھوں نے میرے پتوں والے ہاتھ کی طرف
ارت سے جھکتے ہوئے کہا۔ "لال پان کو انگریزی میں ہارٹ کہتے ہیں یعنی
ں اور آپ کیا سمجھیں؟"

مجھے کیا خبر یہ منطق نکالیں گے۔ میں نے کہا۔ "آپ کی چال ہے
چلیں"۔

اصل میں بات یہ تھی کہ ان کے پاس تھی پان کی بیگم اور انھیں ڈر تھا
میں بادشاہ میرے پاس نہ ہو۔

"چلو ــــ اچھا میں چلوں!" "مائی کوین"۔ انھوں نے بیگم ڈالی۔

"مائی کنگ" میں نے بادشاہ ڈالا۔

آپ "ہاتھ" اٹھانے لگے۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے پتے دبا لئے
کہنے لگے "میرا خیال ہے کہ بیگم بادشاہ کو لے جاتی ہے۔ تمھارا کیا خیال ہے؟"

"واہ" میں نے کہا۔ "دنیا میں بادشاہ لے جاتا ہے بیگم کو"۔

"اچھا" انھوں نے حیرت سے کہا۔ جیسے کہ وہ نہیں جانتے تھے ان
کی خوبصورت آنکھیں میری آنکھوں کی طرف دیکھ رہی تھیں ــــ ہاں البتہ
سب سے زیادہ پر لطف وہ بوسہ ہے جو ایک نگاہ جھک کر دوسری نگاہ کو دیتی ہے
ہم دونوں نے ایک دوسرے کے جذبات کو یقین کی حد تک سمجھ لیا تھا مگر دونوں
اس طرح انجان تھے گویا کچھ خبر ہی نہیں اور نہ کبھی ہمیں ایسا موقع ملا کہ ہم
اس موضوع پر کچھ باتیں کرتے۔

میں گوری چچی کے ساتھ ہی دہلی آگئی۔ ہم لوگ جمعہ کی صبح کو دہلی
پہونچے۔ پیر کو مجھے اسکول جانا تھا۔ یہ تین دن بھی ہنسی خوشی میں گذر گئے۔

ایک چاندنی رات میں جبکہ ہم دونوں کھانے کے بعد اپنے بنگلے
کے باغ میں رنگ و بو کی موجوں میں تیر رہے تھے فضا میں سکون تھا اور
اسی طرح ہم دونوں بھی خاموش تھے۔

"فیروزہ ــــ!" انھوں نے سرگوشی کے لہجہ میں اس طرح کہا جیسے
وہ کچھ کہنا چاہتے تھے مگر پھر رک گئے۔ میں نے ان کی طرف دیکھا ان کا چہرہ
اس وقت غیر معمولی طور پر سنجیدہ تھا۔ میں ان کی طرف دیکھ کر مسکرا دی۔
مگر وہ بدستور خاموش تھے۔

"فیروزہ ــــ!" انھوں نے پھر کچھ وقفے کے بعد کہا۔ "میں تم سے
ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ تم ناراض تو نہیں ہوگی؟"

"اگر وہ ایسی بات ہے جس سے میرے ناراض ہونے کا شبہ ہے تو مت
کہئے" میں نے روزانہ کی طرح مذاق کے لہجہ میں کہا۔

"میرے خیال میں تو وہ بہت اچھی ہے اور ممکن ہے تم سن کر خوش
بھی ہو" انھوں نے کہا۔

"تو پھر کہئے" میں نے کہا۔

"نہیں میں نہیں کہتا" انھیں خیال ہے میری بات بری لگی۔ وہ جانے
لگے۔ میں نے پیچھے سے لپک کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"کہئے نا!" میں نے زور دیکر کہا۔

"یہ تمھاری ناراضگی سے ڈر لگتا ہے۔" انھوں نے جواب دیا۔

"نہیں میں ناراض نہیں ہونگی۔" میں نے التجا کی۔

"ہاں۔ جانے کیا بات کہنے والا تھا۔ بھول گیا۔" انھوں نے بات کو ٹالنے کے لئے کہا۔

"یاد کیجئے۔" میں نے کہا۔

"میں تو یونہی کچھ کہنے والا تھا۔ چھوڑو بھی ——" وہ کچھ جھجک رہے تھے۔ مطلب کی بات کہتے ہوئے۔

"بتانی پڑیگی آپ کو وہ بات۔" میں نے ضد کی۔

"ہاں تو میں یہ کہنے والا تھا —— کہ تمھیں یاد ہے فیروزہ! جب میں کتابیں دینے آیا تھا تمھیں؟" انھوں نے کہا۔

یا میرے اللہ! میں کیا سن رہی تھی۔ کیا یہ میرے دل کی آواز تھی؟

ایک معمولی سا واقعہ —— ایک ذرا سی بات جو میرے لئے اہم ہیں —— کیا ان کے لئے بھی کچھ اہمیت رکھتی ہے؟۔

"ہاں! خوب یاد ہے۔ کیوں؟"

"وہ دن تھا جب میں نے پہلی دفعہ تمھیں دیکھا تھا۔" انھوں نے کالر سے اپنا سینہ چھپاتے ہوئے کہا۔

"مگر میں نے تو آپ کو نہیں دیکھا تھا۔" میں نے تعجب کا اظہار کیا۔

"تم صدر دروازے کی طرف دیکھ رہی تھیں اور میں بالاخانے کے برابر آم کے نیچے کھڑا تھا۔" انھوں نے کہا۔

یہ الفاظ اس حقیقت سے بہت دور تھے جن کو میں سننا چاہتی تھی۔ میں نے ان کی کوٹ کا کالر درست کرتے ہوئے کہا۔ "مگر اس میں ناراضگی کی تو کوئی بات نہیں۔"

ان کا چہرہ چاند کی روشنی میں صاف نظر آ رہا تھا۔ ان کی خوبصورت آنکھوں میں غیر معمولی چمک پیدا ہوگئی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ زبان سے زیادہ آنکھوں سے مطلب ادا کرنا چاہتے ہیں۔

انھوں نے میرے اس ہاتھ کو جس سے میں کالر درست کر رہی تھی گرمجوشی سے اپنے ہاتھوں میں تھام لیا اور میری انگلی کے پور پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔ "کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟"

بھلا میں کیا جواب دیتی۔ کبھی شمع نے پروانے سے یہ سوال کیا؟ کیا چاندنی سمندر کے مد و جزر سے یہ دریافت کر سکتی ہے؟ کیا کبھی پھول نے بلبل سے یہ استفسار کیا ہے؟ کیا کبھی سرو نے قمری سے اس کی بیتابی کا سبب معلوم کیا ہے؟ —— جو آج مجھ سے یہ سوال کیا جا رہا ہے؟۔

ایک کیفیت تھی بدن میں سنسنی کی —— دماغ میں مدہوشی کی۔ میں نے دیکھا ان کی آنکھیں جوش محبت سے سرشار تھیں۔

میں —— ہاں —— میں کچھ کہنا چاہتی تھی —— میری تمام روح کھنچکر ہونٹوں میں آگئی تھی —— لبوں میں ایک ارتعاش تھا —— ایک خفیف سی جنبش —— مگر میں کچھ نہ کہہ سکی —— میرے جسم کی سکت جاتی رہی —— میں نے اپنے کو سنبھالا اور —— تھرتھراتی ہوئی انگلیوں سے —— ایک سرخ سرسبز و شاداب گلاب ان کے کوٹ کے بٹن ہول میں لگا دیا —— ایک لطیف اقرار —— ایک حسین تحفہ محبت کا ——،

چاند ہمیں دیکھ کر مسکرا رہا تھا —— چکور قہقہہ لگا رہا تھا۔ باغ کی کلیاں —— چٹک چٹک کر خوشی کے نغمے گا رہی تھیں —— پھول ایک دوسرے سے سرگوشی کر رہے تھے —— کیا خیالات کی فراوانی حقیقت کا پہلو اختیار کر سکتی ہے۔

انھوں نے مجھے گرمجوشی سے اپنی گرفت میں لے لیا —— ہمیشہ کے لئے —— مجھ پر شادیٔ مرگ کی کیفیت طاری تھی۔ سارا باغ میرے نظروں کے سامنے —— چکر لگاتا ہوا دکھائی دے رہا تھا —— میں دفور مسرت میں بالکل بت بن گئی تھی۔

مجھے کیا پتہ تھا کہ کبھی کبھی وہم کا تعاقب کرنا بھی حقیقت تک پہونچا دیتا ہے۔

(حشمت اللہ خاں دہلوی)

غزل

از:-

جناب محمد مظہر علی صاحب آزاد

مانگ وہ تھی کہ قضا لوٹ گئی
بال کھلتے ہی بلا لوٹ گئی

نکہتِ زلف سے ہو کر سرمست
دوش پر تیرے صبا لوٹ گئی

خشمگیں دیکھ کے تیری آنکھیں
ترچھی چتون پہ قضا لوٹ گئی

اللہ اللہ ترا اندازِ ستم
دیکھ کر جور جفا لوٹ گئی

بوسہ دیتے ہی جھکی شرم سے آنکھ
نوکِ مژگاں پہ حیا لوٹ گئی

حسرتیں دیکھ کے ہوتے پامال
خونبہا بن کے حنا لوٹ گئی

دیکھ کر بند درِ توبہ کو
ایسی مچلی کہ دعا لوٹ گئی

حسرتیں ساتھ جنازے کی ہوئیں
میرے قدموں پہ وفا لوٹ گئی

پایا جب بندِ فنا سے آزاد
میری تربت پہ فنا لوٹ گئی

لکھنؤ کا اثر دہلی پر

از:۔
جناب مولوی نور اللہ صاحب نوری

دہلی اور لکھنؤ اردو ادب کے دو معیاری دبستان ہیں۔ اول الذکر کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ شمالی ہند میں ہندوستانی (اردو) کا اجراء اس مقام سے ہوا اور ہندوستان کے میدانی علاقہ میں پہلے اس کو مرکزی حیثیت حاصل ہوئی اور جب تک دہلی کی حکومت میں زور رہا اس کی یہ عظمت برقرار رہی اور وہاں کی جامع مسجد کی سیڑھیاں بھی اردو زبان کے لئے ایک دبستان کی حیثیت رکھتی تھیں۔ لیکن جب دہلی کی سلطنت کمزور ہوگئی اور مرہٹوں نے اس پر ایسا تسلط جما لیا جو تقریباً پچاس سال تک قائم رہا اور وہاں کے مسلمانوں پر ادبار و نکبت کی گھٹائیں چھا گئیں تو بہت سے لعل و یاقوت اپنا معدن چھوڑ کر ہندوستان کے نوخیز شہر لکھنؤ میں جاکر بس گئے اور وہاں کی زینت و آرائش کا باعث بنے۔ یہ پت جھڑ محمد شاہ رنگیلے کے عہد (۱۱۳۱ھ تا ۱۱۶۱ھ) سے شروع ہوگئی تھی۔ اور اس رنگیلے بادشاہ ہی کے عہد میں دہلی پہلی مرتبہ تاراج و برباد ہوئی اور اس کے بعد اٹھارہ برس کے عرصہ میں دو مرتبہ پھر لوٹی گئی۔ علم و کمال، مال و دولت کے سایہ میں بڑھتے اور پھولتے ہیں اور جہاں کہیں لچھمی دیوی کا پھیرا دیکھتے ہیں وہاں جمع ہو جاتے ہیں۔ تہذیب و تمدن کی ہر شاخ پر ملک کی سیاسیات کا نہایت گہرا اثر پڑتا ہے اور زبان بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں۔ اگر کوئی قوم زندہ ہے۔ دوسری قوموں پر تسلط حاصل کر رہی ہے تو اس کی زبان بھی غیر محسوس طریقہ پر ترقی کر رہی ہے اور مفتوح قوم کی زبان پر اس کو غلبہ حاصل ہو رہا ہے۔ چنانچہ جب دہلی کی سیاسی قوت گھٹ گئی اور اودھ کی حکومت آزاد ہوگئی اور دہلی کے جس قدر نامی گرامی شعراء تھے وہ لکھنؤ جاکر آباد ہوگئے اور وہاں انہوں نے اپنی زبان کی داغ بیل ڈالی تو اہل لکھنؤ نے اپنی سیاسی خودمختاری کے ساتھ اپنی لسانی آزادی کا بھی اعلان کر دیا۔ لیکن اہل دہلی نے ان کی اس آزادی کو تسلیم نہیں کیا لیکن وہ غیر معلوم طور پر لکھنؤ کے اثرات سے متاثر ہوتے گئے اور انھیں اثرات کا اظہار اس مضمون کا موضوع ہے۔

ہم کو سب سے پہلے اس موضوع پر جو عنصر ملتا ہے وہ دریائے لطافت ہے۔ یہ کتاب انشاء اللہ خاں انشار کی تصنیف ہے جو خود دہلی کے رہنے والے تھے لیکن اثرات مذکورہ کے تحت وہ بھی لکھنؤ جاکر آباد ہوگئے تھے۔ اس کتاب میں ظاہر بینی کے نام سے جو گفتگو انھوں نے تحریر کی ہے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اہل دہلی بھی لکھنؤ کی اس اثر اندازی کو محسوس کرتے تھے۔ ظاہر بینی صاحب فرماتے ہیں "اب لکھنؤ کے جیسے چوکر ہیں ویسے ہی شاعر ہیں اور دلی میں بھی ایسا ہی کچھ چرچا ہے۔"

"تخم تاثیر صحبت کا اثر" اس جملہ کی تشریح انشار کے دیوان سے ہوسکتی ہے۔ انشا کے بعد دہلی کے جس شاعر کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی وہ شاہ نصیر ہیں۔ شاہ نصیر بھی اپنے پیش روؤں کی طرح لکھنؤ پہونچے لیکن اب لکھنؤ دہلی کی برابری کا دعویٰ کر رہا تھا اور اس میں احساس پستی باقی نہیں رہا تھا چنانچہ شاہ نصیر کی غزل پر لوگ بر سر مشاعرہ اعتراض کر بیٹھتے تھے جس کا کچھ حال "آبحیات" سے معلوم ہوتا ہے۔ آزاد لکھتے ہیں۔

"جب شاہ نصیر دوسری دفعہ لکھنؤ گئے تو رنگ پلٹا ہوا تھا۔ شیخ ناسخ کے زمانے نے عہد قدیم کو نسخ کر دیا تھا اور خواجہ آتش کے کمال نے دماغ کو گرمایا[1] ہوا تھا۔ جوانوں کی طبیعتیں زور پر تھیں۔ نئی نئی شوخیاں انداز دکھاتی تھیں۔ انوکھی تراشیں پرانے سادہ پن پر مسکراتی تھیں جب

---

[1] آزاد جو دہلی کے باشندے تھے اور جن کو اپنی زبان پر ناز بھی ہے پنجاب میں جاکر رہنے بسنے سے ان کی زبان پر تو یہ اثر پڑا اب جن لوگوں نے لکھنؤ میں اپنی عمریں گزار دی ہوں ان کی زبان کس قدر نہ بدل گئی ہوگی۔
نوری

شاہ صاحب نے اپنی طرح کی ہوئی غزل پڑھی جس کا ردیف قافیہ عسل کی کمھی، محل کی مکھی تھا اس پر بعض اشخاص نے طنز کیا۔ کسی شعر پر کہا سبحان اللہ کیا خوب مکھی بیٹھی ہے۔ کسی نے کہا حضور! یہ مکھی تو نہ بیٹھی۔ ایک شخص نے یہ بھی کہا قبلہ! غزل تو خوب ہے مگر ردیف سے جی متلانے لگا۔ ایک جگہ انھوں نے تظلم کو بجائے ظلم باندھ دیا تھا اس پر سر مشاعرہ گرفت ہوئی غضب یہ ہوا کہ انھوں نے سند میں یہ شعر محتشم کاشی کا پڑھا ؎

آل نبی چو دست تظلم بر آورند ارکانِ عرش را بہ تزلزل در آورند

شاہ نصیر کے کلام پر لکھنؤ کے جو اثرات مرتب ہوئے اس کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ ان کی سنگلاخ زمینیں خود اس امر کی گواہ ہیں۔

شاہ نصیر کے بعد بہادر شاہ ظفر (۱۲۵۳ تا ۱۲۷۳) کے عہد میں دہلی کی شاعری کا احیا ہوا اور اس عہد میں بعض شاعر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے جیسے ذوق۔ مومن۔ غالب وغیرہ اب وہ سلطنت جو ہندوستان کے طول و عرض کو گھیرے ہوئے تھی صرف لال قلعہ کی حد تک محدود ہو گئی تھی۔ ان شاعروں کے لئے بھی لکھنؤ اور دکن کا راستہ کھلا ہوا تھا۔ دکن بہت دور تھا اور لکھنؤ میں ان کو وہ قدر و منزلت جو میر و سودا، جرأت و انشا اور مصحفی وغیرہ کو نصیب ہوئی کیونکر حاصل ہوتی۔ اس لئے ان شاعروں نے اپنے متقدمین کے مانند ترک وطن نہیں کیا اور آخری دم تک دہلی میں بسر کرتے رہے اور اسی سے دہلی اور لکھنؤ کے اختلافات کی بنا پڑی لکھنؤ اس حد تک مزید ترقی کر چکا تھا اور لکھنؤ کا اثر تہذیب و تمدن کے ہر شعبہ پر غالب ہوتا جا رہا تھا دور دور کے شہر بھی وہاں کے فیشن کی تقلید کرتے تھے یہاں تک کہ دہلی کا اگر کوئی شخص لکھنؤ ہو آتا تو اس کے لباس اور گفتگو میں ایک نمایاں فرق پیدا ہو جاتا اور یہ غیر ممکن تھا کہ شاعری اس اثر سے محفوظ رہتی۔ چنانچہ صاحب آبحیات پانچویں دور کے شروع میں لکھتے ہیں کہ "ان سے پہلے جو صاحب کمال لکھنؤ میں تھے وہ دلی کے خانہ برباد تھے وہ یا ان کی اولاد اس وقت تک دلی کو اپنا وطن سمجھتے تھے اور اہل لکھنؤ ان کی تقلید کو فخر سمجھتے تھے نہ کہ عیب کیونکہ وہاں کوئی صاحب کمال اس درجہ کا نہ پیدا ہوا تھا۔ اب وہ زمانہ آتا ہے کہ انھیں خود صاحب زبانی کا دعویٰ ہوگا۔ اور زیبا ہوگا اور جب ان کے اور دلی کے محاورے میں اختلاف ہوگا تو اپنے محاورے کی فصاحت اور دلی کی عدم فصاحت پر دلائل قائم کریں گے۔ بلکہ انھیں کے بعض بعض نکتوں کو دلی کے اہل انصاف بھی تسلیم کر لینگے اب جو زبان دلی اور لکھنؤ میں بولی جاتی ہے وہ گویا انھیں کی زبان ہے" (آبحیات صفحہ ۳۰۴)

صاحب آبحیات خود دہلی کے باشندے ہیں اس لئے کسی اور مزید تشریح کی ضرورت نہیں لیکن جن قضایا سے انھوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے ان کو یہاں درج کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اصل لفظ کیا تھا	لکھنؤ والوں نے کیا اصلاح کی
یاں	یہاں
واں	وہاں
لوہو	لہو
کبھو	کبھی
کسو	کسی
آئیو-جائیو	آئے جائے
جانے ہے-آئے ہے جائے ہے	جانتا ہے-آتا ہے-جاتا ہے
ہووے گا	ہوگا
بل بے	ترک کر دیا
پھبن	”
زور (کثرت کے معنوں میں)	”
پرے	”
کیونکہ دیں	کیونکر

متاخرین دہلی نے بھی لکھنؤ کی ان اصلاحوں کو رفتہ رفتہ قبول کر لیا اور اپنی تحریر و تقریر میں بلاتکلف استعمال کرنے لگے۔ دہلی میں سانس اور فکر کو مذکر کہا جاتا تھا اور اہل لکھنؤ اس کو مونث باندھتے تھے لیکن ذوق نے جب کبھی سانس اور فکر کو موزوں کیا مونث ہی موزوں کیا اور اس کی دلیل یہ پیش کی کہ میر کی زبان پر بھی یہ لفظ مونث تھا۔ لیکن اہل دہلی نے لکھنؤ کے بعض اجتہادات کو قبول نہیں کیا جیسے اندھیری کی جگہ اندھیاری، اجالا کی جگہ اجیالا، ملائی کی جگہ بالائی

ان چند لفظوں کے اختیار کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ انھوں نے اہل لکھنؤ سے کچھ استفادہ نہیں کیا۔ اہل لکھنؤ کے اسلوب بیان اور مضمون آفرینی نازک خیالات سے بھی اہل دہلی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اہل دہلی کی شاعری کی جو خصوصیت عام طور پر مشہور ہے وہ خیالات کی سادگی اور زبان کی صفائی ہے۔ لیکن جب ناسخ نے زبان میں شکوہ الفاظ۔ بلند پروازی۔ حسن ترکیب اور نازک خیالی پیدا کی تو عموماً اہل دہلی نے بھی اپنے قدیم رنگ میں تبدیلی کی چنانچہ مومن۔ ذوق اور غالب کی غزلیں اس امر کی شاہد ہیں۔ یہ اساتذہ دہلی، لکھنؤ سے جو غزل آتی اکثر اس پر طبع آزمائی کیا کرتے تھے اور ان کی بعض غزلوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے بالکل لکھنؤ کا رنگ اڑا لیا ہے چنانچہ غالب لکھتے ہیں "جب ناسخ کا دیوان دہلی میں پہنچا اور اس کا شہرہ ہوا تو ہم نے اور مومن خاں نے یہ عہد کر لیا کہ ناسخ کا تتبع کرنا چاہیے لیکن یہ عہد کسی سے نبھ نہ سکا۔ مومن خاں اپنے پرانے رنگ پر آ گئے اور میں نے میر کا طرز اختیار کیا۔ نسخہ حمیدیہ میں ناسخ کے رنگ میں غالب کی بیسوں غزلیں نظر آتی ہیں اسی طرح دیوان ذوق اور کلیات مومن کی اکثر غزلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ناسخ کے تتبع میں لکھی گئی ہیں۔ دہلی کے شاعروں میں ظفر ایک ایسا شاعر ہے جو لکھنؤ سے کم متاثر ہوا ہے۔ لیکن وہ غالب، مومن اور ذوق کے ہم پلہ شاعر نہیں سمجھا جاتا۔

ردیفوں کی سنگلاخی اہل لکھنؤ کے کلام کی خاص خصوصیت سمجھی جاتی ہے اور اس باب میں شاہ نصیر، ذوق اور ظفر کو ان کا متبع کہا جائے تو کچھ بیجا نہیں۔ شاہ نصیر کے کلام کی سنگلاخ ردیفیں تو خاص و عام میں مشہور ہیں یہاں صرف ذوق اور ظفر کے کلام سے کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں صرف مطلع لکھے جاتے ہیں۔ ذوق ؎

تھی زلف تیری سنبل صحن چمن کی شاخ   قطرۂ آب ہر عرق کے بنی یاسمن کی شاخ

یہ غزل شاید ناسخ مغفور کی طرح میں کہی گئی ہے۔ اس غزل میں ۳۵ شعر لکھے ہیں اور اس کے بعد ۳۰ شعر کا ایک قصیدہ اسی طرح میں ہے یہ حاصل غزلیں بھی خاص لکھنؤ کی ایجاد ہیں ورنہ اہل دہلی اتنی لمبی غزلیں نہیں کہتے تھے

ہر گام پر کرے ہے وہ گم ہوش نقش پا — ہو خاک عاشقان ہم آغوش نقش پا
رکھتے تھے جو کشور کسریٰ و قیصر زیر پا — ہے انھیں کا آج سر با تاج و افسر زیر پا
بلبل ہوں صحن باغ سے دور اور شکستہ پر — پروانہ ہوں چراغ سے دور اور شکستہ پر
لب شیریں کو ترے جان کے رس چشم مگس — میٹھی نظروں ہی پہ جاتی ہے بس چشم مگس
موئے سر یاران سیہ کا ایک سراسر لشکر ہے — مانگ جو ہے مار سفید اس لشکر کا سر لشکر ہے
سر نالے کہیں اس گنبد بے در سے اوپر ہیں — ہوا کیوں باندھتے بادل یونہیں اوپر سے اوپر ہیں

ظفر

تری ہے پازیب سر کا جھومر زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر
ہوئے ہیں جلوہ نما چمک کر زمیں پہ گوہر فلک پہ اختر

وہ آنکھوں کا ہے بیاں تلاطم ہیں دریا — کہ جز تنہا نہیں چشم مردم ہیں دریا
ادھر تو دست وحشت نے گریباں کھینچ کر پھاڑا — ادھر ہر خار صحرائی نے داماں کھینچ کر پھاڑا
کہو نہیں داستان غم اگر دو دن کی دو دن تک — نہ ہوا اک بات بھی پوری ظفر دو دن کی دو دن تک
واہ وا کے طالع معکوس ناکام حباب — دھوکے دریا میں بھی خالی جام معکوس حباب

کب آتا ابر سیہ نظر ہے زمیں سے اونچا فلک سے نیچا
یہ اپنا دود دل جگر ہے زمیں سے اونچا فلک سے نیچا

ترے آگے کہاں چشم قمر نیچے سے اونچی ہے
کہ وقت شرم کب ہوتی نظر نیچے سے اونچی ہے

تجھ بن جو میں نے کاٹے پہر تین چار پانچ — مجھ پر گئے برس وہ گزر تین چار پانچ
نشہ میں کس نے اتارا تھا طاق سے شیشہ — کہ گر کے ہاتھ سے ٹوٹا تڑاق سے شیشہ

کہوں کیا حال چشم و دل شکایت اس میں دو کی ہے
بیان عشق ہے مشکل شکایت اس میں دو کی ہے

جب کہ دریا میں تو چھینٹوں سے لڑے پانی کے
موج کیوں منہ پہ طمانچے نہ جڑے پانی کے

مومن

دل بیتاب کو گر باندھ کر رکھوں نہ ٹھہریگا — سوا آہن کی زنجیروں کے یہ مجنوں نہ ٹھہریگا
راز نہاں زبان اغیار تک نہ پہونچا — کیا ایک بھی ہمارا خط یار تک نہ پہونچا
گئے وہ خواب سے اٹھ غیر کے گھر آخر شب — اپنے نالے نے دکھایا یہ اثر آخر شب
نہ تن ہی کے ترے بسمل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں — ہے پاش پاش جگر دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

کون کہتا ہے دم عشق عدو بھرتے ہیں — کہ ہوا باندھنے کو آہ کبھو بھرتے ہیں
غنچہ ساں بیٹھے ہیں خاموش سخن کی فکر میں — قافیہ کیا تنگ ہے وصف دہن کی فکر میں

غالب

دل مرا سوز نہاں سے بے محابا جل گیا — آتش خاموش کے مانند گویا جل گیا
شمار سبحہ مرغوب بت مشکل پسند آیا — تماشائے بیک کف بردن صد دل پسند آیا
جب بتقریب سفر یار نے محمل باندھا — تپش شوق نے ہر ذرہ پہ اک دل باندھا
تو دوست کسی کا بھی ستمگر نہ ہوا تھا — اوروں پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا
پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موج شراب — دے بط مے کو دل و دست شنا موج شراب
بلا سے ہیں جو یہ پیش نظر در و دیوار — نگاہ شوق کو ہیں بال و پر در و دیوار
مزے جہان کے اپنی نظر میں خاک نہیں — سوائے خون جگر سو جگر میں خاک نہیں
رحم کر ظالم کہ کیا بود چراغ کشتہ ہے — نبض بیمار وفا دود چراغ کشتہ ہے
حضور شاہ میں اہل سخن کی آزمائش ہے — چمن میں خوش نوایان چمن کی آزمائش ہے
عرض ناز شوخی دنداں برائے خندہ ہے — دعوی جمعیت احباب جائے خندہ ہے
حسن بے پروا خریدار متاع جلوہ ہے — آئینہ زانوئے فکر اختراع جلوہ ہے

رعائت لفظی یہ بھی لکھنؤ کی ایک خاص خصوصیت سمجھی جاتی ہے اور جس کے شعر میں ذرا سی جھلک رعائت لفظی کی پائی جائے لوگ کہہ اٹھتے ہیں کہ یہ شعر کسی لکھنوی کا ہے اس خصوص میں امانت خاص طور پر بدنام ہیں اہل دہلی نے لکھنؤ کا یہ رنگ بھی اڑایا۔ ملاحظہ ہو۔

مومن

طلب وصل کس انداز سے ہم کرتے ہیں — شوق نامہ سے وصلی پہ رقم کرتے ہیں
بسکہ میں روتا رہا سارے برس غم میں ترے — جیٹھ اور بیساکھ کا بھی چاند ساون ہو گیا
لو ہے دم غضب لئے اسکی سمجھ تو دیکھو — بل جو پڑا جبیں پہ تمنا کو لب ہوا
ہمسری اس زلف سے اب یہ بھی ایسا ہو گیا — لو مرے بخت سیہ کو اور سودا ہو گیا
کیا ہو جو دل پہ ہاتھ دھرے سے گر رکھے — سینہ پہ وہ ہی عاشق ناشاد کے قدم
گیسو و خال و خط اپنا دین و ایمان لے گئے — لے کے اک دو کافر و دل کر دیا ہندو ہمیں
سینہ کوبی سے زمیں ساری ہلا کے اٹھے — کیا علم دھوم سے تیرے شہدا کے اٹھے

غالب

یک قلم کاغذ آتش زدہ ہے صفحہ دشت — نقش پا میں ہے تپ گرمی رفتار ہنوز

بیٹھے ہیں کشتی بادہ میں ہم لوگ — وائے وہ بادہ کہ افشردۂ انگور نہیں
ہم ملکوت سے جانتے ہیں کوہکن کے پانو — ہیہات کیوں ٹوٹ گئے پیرزن کے پانو
کسی کا ہو بھلا ہیں کے سب سے سرِ دست — نسبت اک گونہ مرے دل کو ترے ہاتھ سے ہے
زبان اہل زباں میں ہے مرگ خاموشی — یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانی شمع

ظفر

گھٹا نہ دل کو مرے جام مئے پلا ساقی — ہوا ہے اور یہ برسات ہے کیا موسم
کیا کہیں اے ہم نشیں ہیں آج کیوں بیکل سے ہم
جن سے کل تھی جان کو ان سے جدا ہیں کل سے ہم
پھر کا وعدہ کیا ہے اس بت بے پیر نے — اور بیٹھے شوق میں دن گنتے ہیں گل پیر کا
جان شیریں جائیگی اپنی مثال کوہکن — پر نہ تیرا شوق اے خسرو تمثال جائیگا
سینے نہ کان ملاحت اگر کہیں کچھ ہم — لگا کے کان ہمیشہ سنے رقیب کی بات
غنیمت آہ سمجھ لے تو وصل گل بلبل — نہ پھول باغ میں دن کی زندگانی ہے

ذوق

اب ان کو شش جہت میں ہفت دریا لوگ کہتے ہیں
گرے تھے اشک کے قطرے مرے دو چار دامن سے
تم بیٹھے بغل میں جو رقیب دنی کے — کی گرم بغل ہم نے بھی گور لبنی کے
بعد قاف عشق تھا جو درس مکتب خانہ کا — کاف کن کے ماسبق کیا جانے کیا تھا کیا نہ تھا
چاندنی رات نے تجھ بن روپ یہ دکھایا تھا
مجھکو مہتابی پر دھوپ میں بٹھایا تھا
جو دل قمار خانے میں بت سے لگا چکے — وہ کعبتین چھوڑ کے کعبہ کو جا چکے

الفاظ سے مضمون آفرینی

یہ بھی خاص لکھنؤ کی صنعت سمجھی جاتی ہے کسی شعر میں الفاظ سے مضمون آفرینی کی گئی ہو تو گویا اس پر لکھنؤ ساختہ ہونے کی مہر لگ گئی۔ ناسخ نے اس فن میں نہایت کمال دکھایا ہے جو ان کے دیوان کے مطالعہ سے ظاہر ہو سکتا ہے۔ اہل دہلی نے بھی اس اسلوب کو پسند کیا اور خود بھی اسی انداز میں کہنے لگے۔ **مومن**

کیسے ابروئے خوش خم کا کشتہ ہوں تعجب کیا — جو میری خاک سے تعمیر محراب عبادت ہو

اس رنگ میں امانت کا ایک شعر سن لیجئے ؎

طائر دل کو مرے کہہ صدقے — نیت بے پیر آج مشکل ہے

بجائے سبزہ نکلے خاک سے میری زبان ظالم — دل نالاں لب مردن جو سرگرم شکایت ہو
بسکہ ہے یار کی کمر کا خیال — شعر کی سوجھتی ہے باریکی
تیرے ابرو کی یاد میں ہم نے — ناخن غم سے دلفگاری کی
لاغری سے زندگی مشکل ہوئی — ہے گراں تر جسم جان زار سے
لاش کا ہمدم کفن لانا کہ بس میں گیا — چلونوں سے جلوۂ خورشید سا دیکھ کر
نہ کٹی ہم سے شب جدائی کی — کتنی ہی طاقت آزمائی کی

سوز دل کے ہاتھ سے ڈھونڈ دل جو امن آب میں
ہوئے سہرہ قطرہ داغ افزائے گلخن آب میں
گرد ہو دست حنائی عکس افگن آب میں
ہوئے سرچال جوں چنار آتش تن آب میں
دی دل سوزاں کو تسکیں سمندر میں نے اب
چھوڑ کر آتش کدہ ڈھونڈا ہے مسکن آب میں
دوستو مرتا ہوں میں لپٹے عرق آلود پر
لاش بھی میری بہانا بعد مردن آب میں
تشنہ کام آب تیغ یار ہوں گرمی تو دیکھ
بھر سکیں تیرتا ہوں تا بہ گردن آب میں

ذوق

نزع میں بھی دھیان تھا اس نرگس مخمور کا — مجھ کو شربت میں مزا آیا مئے انگور کا
باندھوں میں مضموں جو اپنی شور بختی کا کوئی — ہو زمین شعر میں عالم زمین شور کا
دفن ہے جس جا پہ کشتہ سرمہ گیں کا تری — بیشتر ہوتا ہے پیدا واں شجر کافور کا
میں جو شہید ہوں لب خندان یار کا — کیا کیا چراغ ہنستا ہے میرے مزار کا
قاصد لکھوں لفافہ کو خط غبار سے — تا جانے وہ یہ خط ہے کسی خاکسار کا
بجھنے کی دل کی خاک نہیں زیر خاک بھی — ہوگا درخت گور پہ میرے چنار کا
ہو جہاں کشتہ مژگاں کا ٹھکانہ دفن — عوض سبزہ ہو واں خاک سے نشتر پیدا
بیت ساقی نامہ کی لکھو کوئی جائے دعا — ہے پرستوں کے کفن پر کلک چوب تاک سے

ظفر

جو تیری یاد جلوۂ قامت میں سو گئے — گویا وہ عرصہ گاہ قیامت میں سو گئے
شوخ بدکیش ہے اخلاص سے تنا بیزار — نہ پڑھے سورۂ اخلاص کو قرآن کے بیچ

رف پیچیدہ سے مضمون لکھا پیچیدہ　　پیچ در پیچ ہے تو خط تری تحریر کا پیچ
صور زلف مشکیں کا ہے یہ کس کی بندھا مجھکو　　جہاں میں جو نظر آتا ہے اک اندھیر سا مجھکو

غالب

لا عارض سے لکھا ہے زلف کو الفت نے عہد　　یک قلم منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے
ان خم داراتی کو تھا موتی پرونے کا خیال　　یاں ہجوم اشک میں تار نگہ نایاب تھا
لیوں میں میری لاش کو کھینچے پھرو کہ میں　　جاں دادۂ ہوائے سر رہگزار تھا
شہد عاشق سے کوسوں تک جو اگتی ہے حنا　　کس قدر یارب ہلاک حسرت پابوس تھا

معشوق کے خارجی اوصاف کی تعریف

یہ بھی اہل لکھنؤ کے کمال کا خاص جزو بیان کیا جاتا ہے

بعض بلند پایہ وقائع نویس یہ لکھتے ہیں کہ اہل لکھنؤ کی شاعری میں سوائے کنگھی۔ چوٹی۔ سرمہ۔ مسی۔ مانگ۔ دوپٹہ۔ چولی۔ انگیا۔ لب و رخسار وغیرہ کی تعریف کے کچھ نہیں ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اہل دہلی ان کے اس رنگ سے بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

مومن

کیا روؤں خیرہ بختی چشم سیاہ کو　　واں شغل سرمہ ہے ابھی یاں نیل ڈھل گیا
پنجۂ شانہ سے تو زلف گرہ گیر نہ کھینچ　　دل سے دیوانہ کو مت چھیڑ یہ زنجیر نہ کھینچ
از خویش رفتگی ہے عیاں کشتن نہاں　　دکھلائیگی عدم ہی کہیں اس دہن کی یاد

مُوا ہوں عشق میں گل پیرہن کے لازم ہے
مرا کفن بھی ہو جوں جامۂ شہیداں سرخ
نوید مرگ انھیں جو ہیں زخمی لب یار
کہ رنگ پان سے ہوئے اور لعل خنداں سرخ

وصف لکھوں میں تری آنکھ کے ڈوروں کا اگر　　رنگ گل خامہ ہو اور نرگس شہلا کاغذ
دیکھ پیچ و تاب سنبل ہو گیا دل بیقرار　　اب نہاں سودائے زلف خم بخم کیونکر کریں

ذوق

جا چھپا شرم سے ظلمات میں جو آبحیات　　تجھکو دانتوں پہ مسی ہے کہیں ملتے دیکھا
زلف کستی ہے در گوش سے کھلا دے کوئی　　گر سر سینہ سے ناگن کو ہو ٹلتے دیکھا
کج ادائی گئی کب ہم سے ترے ابرو کی　　شاخ آہو سے ہی خم کس نے نکلتے دیکھا
اس رخ و زلف کے آگے نہ ہو اگر نور　　آگے کالے کے دیا کس نے ہے جلتے دیکھا

طاق ابرو کے تصور میں دلا کھینچ نہ آہ　　سمت کعبہ نہیں تیر گھٹا جاتا
خط ترے شعلۂ رخسار پہ ہے معجز حسن　　ورنہ ہو سبزہ بھلا آگ پہ کیونکر پیدا
رخ روشن پہ عیاں ہیں جو عرق کے قطرے　　کیا تماشا ہو کہ دن کو ہوئے اختر پیدا
درفشاں وقت سخن ہیں لب رنگیں تیرے　　ہوتے گویا ہیں یہاں لعل سے گوہر پیدا

ظفر

دل مرا الجھا ہوا ہے یار کے بالوں کے بیچ　　کیا تماشا ہے کہ اک طائر ہے سو جالوں کے بیچ
چشم بلبل دیکھ جس کو مائل حیرت ہوئی　　یہ چمن کے گل بنے ہیں تیرے دو گالوں کے بیچ

دُرِ دنداں سے ترے نسبت انھیں کیا رشک گل
گو دہان غنچہ میں ہوں گوہر شبنم کے دانت
مجب ہے مصحف رخ سے جو ہوا اخلاص گیسو کو
وہ ہندو اور یہ قرآں کام کیا ہندو کو قرآں سے
کہاں اس چشم وحشی پر ہے یہ تحریر کاجل کی ،
سیہ ریشم کے ڈورے سے کمر باندھا ہے آہو کو
دیکھو پھر کیا کیا پریشاں ہوتا ہے سنبل کا حال
اک ذرا گلشن میں دائم زلف دکھا کل تو کرد
حضرت دل اب کی گر جیتے چھٹو اس زلف سے
پھر نہ جیتے جی تم اس کالی بلا کا نام لو

غالب

تو اور سوئے غیر نظر ہائے تیز تیز　　میں اور دکھ تری مژہ ہائے دراز کا
یہ عمر بھر جو پریشانیاں اٹھائی ہیں ہم نے　　تمہارے آئیو اے طرہ ہائے خم بخم آگے
بھرم کھل جائے ظالم تیری قامت کی درازی کا　　اگر اس طرۂ پر پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے
مانگے ہے پھر کسی کو لب بام پر ہوس　　زلف سیاہ رخ پہ پریشاں کئے ہوئے
چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو　　سرمے سے تیز دشنۂ مژگاں کئے ہوئے
سایہ کی طرح ساتھ پھریں سرو صنوبر　　تو اس قد دلکش سے جو گلزار میں آئے
ہو رہا ہے جہان میں اندھیر　　زلف کی پھر [illegible] داری ہے

پست اور عامیانہ مضامین

اہل لکھنؤ کی شاعری پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہاں کا مذاق شاعری پست اور بازاری ہے اور عام سطح سے بلند نہیں۔ ان کی شاعری میں

ان [illegible] پاکیزہ جذبات نہیں پائے جاتے جن کو سن کر روح وجد کرنے لگے۔ ابتذال اور سوقیت ان کے کلام کا ایک غیر منفک جزو ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اہل دہلی کے کلام میں بھی اس قسم کی کثیر مثالیں پائی جاتی ہیں ملاحظہ ہو۔

مومن

وہ ہاتھ کو رکھ کے جوش انکار — وا کرنے نہ دینا بند شلوار
وہ ہاتھ کو دم بدم جھٹکنا — وہ تکیے کو سر پہ دے پٹکنا
آہستہ گالی آہ لاتیں — حیلہ کی وہ کیسی کیسی باتیں
وہ ہاتھ کو زور سے چھڑانا، — وہ ہو کے تنگ کاٹ کھانا
ہر جائے کی چٹکیاں وہ لینی — آزردہ ہو گالیاں وہ دینی

وہ جی سے تنگ ہونے لگنا — کچھ بس نہ چلے تو رونے لگنا
وہ چیں بجبیں ہو کے کہنا، — کن بیکسوں سے رو کے کہنا
ہے تم کو تو یہی شغل دن رات — اچھی نہیں لگتی مجھکو یہ بات
بھرتا ہی نہیں ہے تیرا جی بس — کرتا ہی نہیں ہے تو کبھی بس
اتنا تو نہ چاہیے ستانا، — ہر شام سے صبح تک جگانا،

ذوق

شیخ نے افطار یوں کی تر نوالے کھائے خوب — ہے گر روزوں کی گرمی سے چھوارہ ہو گیا
اچھلے ہے شیخ وجد میں اس طرح بار بار — جس طرح بدلگام ہو گھوڑا اچراغ پا
بھاگا مجنوں مری وحشت میں گھوڑے کی طرح — سامنے میرے فرس ابھی نہ بھگوڑا اٹکا
دختر رز نے وہ انداز دکھائے سر بزم — رات یاروں کے وہاں غسل و وضو ٹوٹ گئے

ظفر

لگایا دختر رز کو اگر کسی نے منہ — تو اس کو خوب ہی ان بے حیا نے بھنایا
اٹھا کرتی ہیں شربت پکھیاں بن بن — مریض غم کو طبیبو دوا نے بھنایا
ہوئی دیوانہ کہ مجنوں بھی دب سے بن میں
پوچھتا مجھ سے ہے بن کر مرا فرزند مزاج،

غالب

دھول دھپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہیں — ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایک دن
کیوں رد قدح کرے ہے زاہد — مے ہے یہ مگس کی قے نہیں ہے
دھوتا ہوں جب میں پینے کو اس سیم تن کے پاؤں — رکھتا ہے ضد سے کھینچ کے باہر لگن کے پاؤں

مندرجہ بالا بیان سے یہ واضح ہو گیا ہوگا کہ لکھنؤ کا خاص اسلوب ایسا نہیں جس سے اہل دہلی نے استفادہ کیا ہو اور اس رنگ میں طبع آزمائی نہ کی ہو۔ غدر کے بعد تو دہلی میں شعر و سخن کی محفلیں ٹھنڈی پڑ گئیں لیکن لکھنؤ میں میر انیس اور مرزا دبیر نیز دوسرے شعرا کی وجہ سے زبان برابر ترقی کرتی رہی۔ علاوہ ازیں ملک میں ڈرامے اور ناول سب سے پہلے یہیں سے شائع ہوئے جس سے لکھنؤ کے اثرات اور ہمہ گیر ہو گئے اور بقول ڈاکٹر زور[1] خود دہلی والے آخرکار لکھنؤ کی تقلید کرنے لگے تھے اور وہاں کی نئی نئی تحریکات اور مفید اصطلاحات معلوم کرنے کیلئے چشم براہ رہتے تھے اور لکھنؤ ہی کی اس عظیم الشان خدمت کا نتیجہ تھا کہ وسط انیسویں صدی میں اردو معراج کمال پر پہنچ گئی۔

[1] ہندوستانی لسانیات صفحہ ۱۲۴،

میخانۂ وفا

ابوالاعجاز جناب شیخ باقر حسین صاحب وفا اکونٹنٹ

خدا کا قرب حاصل ہے تجھے اے پیر میخانہ ، ملا ہے عرش کی زنجیر سے زنجیر میخانہ
کہیں مسجد سے ملحق چاہیئے تعمیر میخانہ نمازی بھی ذرا سنتے رہیں تکبیر میخانہ
قدم ہوں ساقئ مہوش کے میرے سر پہ آنکھوں پر مری قسمت رہے وابستۂ تقدیر میخانہ
نظر آتی ہے کیفیت وہی ساقی کی آنکھوں میں یہ اک چھوٹے سے پیمانے میں ہے تصویر میخانہ
نہ پایا ایک ساغر خاک ہم نے مدتوں چھانی خطا ہے اپنی قسمت کی نہیں تقصیر میخانہ
کھلا باب اجابت آرزو بر آئی رندوں کی ہلائی جب برجوعِ قلب سے زنجیر میخانہ
نظر کے سامنے رہتی ہے سوتے جاگتے ہر دم کبھی تصویر ساقی کی، کبھی تصویر میخانہ
مجھے بھی ایک ساغر مل گیا ان کے اشارے سے جناب شیخ ہیں قسمت سے میری پیر میخانہ
مقدر سے کسی کو ایسی دولت ہاتھ آتی ہے جسے تلچھٹ سمجھتے ہو یہ ہے اکسیر میخانہ
بگڑ کے بھی نکلتے ہیں یہیں سے بن کے کامل بھی بدل جاتی ہے قسمت کی طرح تاثیر میخانہ

وفا اُمید ہے اب کوئی ساغر مل ہی جائیگا
مرے ساقی کو دی اللہ نے جاگیر میخانہ

لیلاوتی

از:-
جناب ثمر صاحب صدیقی ردولوی

شام ہو چکی تھی۔ آفتاب اپنی آخری کرنیں پریم ساگر کی خاموش لہروں کے سپرد کر چکا تھا۔ فضائے بسیط میں ایک خوشگوار برودت سی پیدا ہو گئی تھی۔ موسم سرما کے آخری ایام تھے۔ جنگل خودرو پھولوں کی مہک سے بسا ہوا تھا۔ پریم ساگر کے گھاٹ کے سامنے راجکمار کا عالی شان محل تھا۔ ندی کا پانی محل کے کناروں سے ٹکرا ٹکرا کر سیمابی موجوں میں جذب ہو رہا تھا۔ تھوڑی دور پر ایک ٹیلہ تھا جس پر ایک سادھو کی کٹی تھی۔ رات کے پچھلے پہر کٹی سے بانسری کے دلآویز نغموں کی پرکیف صدائیں بلند ہوتیں اور صبح ہوتے ہی پانی کی بےچین لہروں میں غائب ہو جاتیں۔ تمام جانور سادھو کو گھیر لیتے۔ گرد و پیش کی تمام مادی چیزیں نے نواز کی دلکش تانوں سے معمور ہو جاتیں۔ ہر چیز پر ایک وجد کا عالم طاری ہو جاتا۔ سادھو خود بھی مست ہو جاتا اور صبح تک اپنی بانسری کے نغموں میں کھویا رہتا۔ جس وقت وہ بانسری بجانا شروع کرتا راج محل کی کھڑکی کھل جاتی جبتک وہ سلسلہ ختم نہ کرتا کھڑکی بدستور کھلی رہتی۔

اس واقعہ کو کئی سال گذر گئے، سادھو اس بات سے بالکل بیخبر تھا کہ اس کی بانسری کے ہوشربا نغموں سے کوئی دیگر ہستی بھی مسحور ہو رہی ہے۔ حسب معمول اس نے آج بھی بانسری بجانا شروع کی۔ فضا نغموں کے زیر و بم سے معمور ہو گئی ـــــ تمام چرند و پرند اس کے گرد جمع ہو گئے۔ کٹی کے در و دیوار پر سکوت کا عالم طاری ہو گیا۔ سادھو کی انگلیاں سرعت کے ساتھ بانسری پر چلنے لگیں۔ نغمے بانسری سے نکل نکل کر فضا میں منتشر ہو گئے۔ اس کی روح فردوسی نغموں کے اتار چڑھاؤ میں حلول ہوتی گئی۔ وہ بجاتا رہا۔ ندی کا پانی خاموش ہو گیا ـــــ جنگلی درخت جھومنے لگے اس اثنا میں راج محل کی کھڑکی سے ایک عورت نکل کر سادھو کے قریب آئی لیکن اس کے انہماک میں کوئی خلل واقع نہ ہوا۔

وہ بانسری بجاتا رہا ـــــ عورت اس کے سحر انگیں نغموں میں مسحور ہوتی رہی ـــــ سادھو نے جب آخری تان لگائی تو سپیدہ سحر نمود ہو چکا تھا۔ آج سادھو اپنے نغموں کی دلکشی میں دیر تک کھویا رہا۔ اس کی بانسری کے آخری بول بازگشت کرتے ہوئے پریم ساگر کی سکون افزا لہروں میں تحلیل ہو چکے تھے۔ سادھو ہوش میں آ چکا تھا لیکن اس روح موسیقی کی سحر آفرینیوں میں اب بھی گرفتار تھی اور اس پر ایک وجد آفریں کیف چھایا ہوا تھا۔

عورت نے بڑھ کر سادھو کو پرنام کیا ـــــ سادھو کا چہرہ استعجاب سے تمتما اٹھا اس نے حیرت آمیز نگاہوں سے عورت کو دیکھ اور ایک جماہی لیتے ہوئے کہا۔ "دیوی تم کون ہو؟"

عورت نے کانپتے ہوئے دل کو سنبھالا اور بولی۔ "میں راجکما کرشنا دیوی کی ایک بدنصیب سہیلی لیلاوتی ہوں! مہاراج تمھا بانسری کی دلکش صداؤں نے میرے جیون میں آگ لگا رکھی ہے ـــــ میر حال پر رحم کرو ـــــ میرے ہردے کا پھول بغیر تمھارے نغموں کی ہو کے شاداب نہیں ہو سکتا" ـــــ سادھو یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ اس پریشانی بڑھ گئی۔ سارا اسنسار اس کی نگاہوں میں گھومنے لگا۔ اس روح ایک لطیف احساس سے مسرور ہو گئی۔ ایک حسین و دلکش عور کے منہ سے رحم و کرم کی التجا نے سادھو کے دل کو پاش پاش کر دیا اس نے ایک بار لیلاوتی کو محبت کی نظروں سے دیکھا۔ کچھ دیر تک مغموم و بدحوا بیٹھا رہا۔ آخر ایک ارتعاش انگیز لہجہ میں بولا ـــــ "دیوی! محل کی ایک رہنے والی کے لئے ایک نادار و بدنصیب سادھو کا خیال کتنا مضحکہ خیز میں نہیں سمجھتا کہ میری بانسری کے نغموں نے ـــــ تمھارے دل کو کیسے موہ لیا؟"

"مہاراج تمھاری بانسری کے رس بھرے گیت میرے جیون میں گھُسے
ہے ہیں" لیلانے کہا "میں تمھاری ہوچکی ہوں۔ مجھے جو آرام اس کُٹی
حاصل ہوسکتا ہے محل کے نرم گدوں اور عالیشان ایوانوں میں رہ کر
نہیں ہوسکتا ——— تمھاری بانسری کی ایک تان میرے جذبات میں
پیدا کرسکتی ہے۔ میرے دیوتا۔ میں نے اپنے سینے کا بیش قیمت نگینہ
محبت کی نذر کردیا ہے۔ زندگی کا سکون تیرے قدموں پر نچھاور کرچکی
ں ——— تیری محبت کی جلوہ ریزیوں سے میرا سینہ معمور ہے ———
تیری ہوں ——— سادھو دیوتا دنیا پلٹ جائے لیکن لیلاوتی اپنے
سے منحرف نہیں ہوسکتی ———"

لیلاوتی یہاں تک کہنے پائی تھی کہ سادھو نے للچائی ہوئی نظروں
اس کو دیکھا اور غمگیں لہجے میں کہا "لیلاوتی جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو راج
کا پھاٹک کھل چکا ہو اور تمھارے یہاں آنے کی خبر راجکماری کو ہوجائے
مرتبہ اور سوچ لو۔ مجھے اندیشہ ہے کہ تمھارا یہ عاجلانہ جوش کہیں تمھارے
استقامت کو متزلزل نہ کردے۔"

سامنے الاؤ لگا ہوا تھا۔ سادھو نے چلم پر آگ رکھی اور ایک زور
لگایا۔ گرد و پیش کی ساری فضا دھوئیں سے کچھ دیر کے لئے دھواں دھار
ں۔ راج محل کا پھاٹک کھل چکا تھا۔ لیلاوتی مغموم و پریشان گھاٹ کی طرف
ں اور جنگلی پھولوں کے شاداب کنج کے درمیان اپنے کو چھپاتی محل کی
یواری میں غایب ہوگئی۔

—— ۲ ——

راجکماری کرشنا دیوی کی سہیلیوں میں یوں تو سب ہی نہایت
خوبصورت و حسین و جمیل تھیں۔ لیکن لیلاوتی دست قدرت کی مصوری
لی نمونہ تھی ——— اس کے نازک لبوں کی ایک خفیف مسکراہٹ
ن کو دیوانہ بنادیتی۔ اس کی نرگسی آنکھوں میں قیامت کی کشش
جو ایک آن میں دلوں کو مسخر کرلیتی اس کے عطر بیز سیاہ لانبے بال جب
ت اس کے شانوں پر لہراتے دیکھنے والوں کے دل قابو میں نہ رہتے۔
وتی حسن و شباب کا زندہ مجسمہ تھی۔ راجکماری کی نظروں میں اس کی
عزت و توقیر تھی۔ لیلاوتی جب محل میں آتی ——— راجکمار کی

مشتاق نگاہیں اس کے خوبصورت چہرے کا طواف کرنے لگتیں۔ راجکمار
کا دل ہر وقت اس کے لئے بیقرار رہتا لیکن راجکماری کے خوف سے
اظہار محبت کی جرات نہ پڑتی ——— بعض اوقات اس کی آنکھیں اور
والہانہ انداز اس کے جذبات اور دلی کیفیات کو ظاہر کردیتے۔

راجکمار، لیلاوتی کی محبت میں اندھا ہو رہا تھا۔ اس کو لیلاوتی
کی محبت کے آگے تخت و تاج کی بھی پروا نہ تھی۔ وہ اس کے معمولی اشاروں
پر اپنی جان قربان کرنے کو تیار تھا۔ لیلاوتی، راجکمار کے تاثرات محبت
سے بیخبر تھی۔ اس کا ناآشنائے محبت دل اب سادھو کی محبت میں
بیچین تھا۔ وہ آنکھ اٹھا کر بھی راجکمار کو نہ دیکھتی۔

سادھو بھی نوجوان تھا۔ اس کا دلاویز حسن دیکھنے والوں کی
نظروں کو ایک مرتبہ ضرور اپنی طرف متوجہ کرلیتا۔ بانسری کے نغموں سے
کہیں زیادہ اس کی محبت لیلاوتی کے دل میں گھر کرچکی تھی ——— وہ برابر
سادھو سے ملتی رہی۔ محبت کے پینگ بتدریج بڑھنے لگے۔ کچھ دنوں کے
بعد تمام محل میں راجکمار کی محبت کا ڈھنڈورہ پٹ گیا۔ راجکمار کے اس رویہ
سے راجکماری ہی نہیں بلکہ راج محل کے تمام لوگ مضطرب و پریشان ہوگئے
راجکمار کی حالت روز بروز لیلاوتی کی محبت میں خراب ہوتی گئی جب
راجکماری نے دیکھا کہ راجکمار کی بیکلی حد سے تجاوز کرتی جارہی ہے اور
اس کے دل کا کنول کمھلایا جارہا ہے تو ایک دن لیلاوتی کو سمجھایا۔

"دیکھو لیلاوتی! تمھاری محبت کے تیروں نے راجکمار کے دل کو
چھلنی کردیا ہے۔ تمھاری پریم کی ایک نظر میں راجکمار کی زندگی کا راز
مضمر ہے۔ پریم نگر کی راجدھانی تمھاری حکومت کی منتظر ہے۔ مجھے راجکمار
کی سلامتی کے سوا تخت و تاج کی پروا نہیں ——— میری جان بھی اگر راجکمار
کے کام آسکے تو مجھے اس کے دینے میں عار نہ ہوگا میرے جسم میں ایک
شریف خون ہے جس کو میں راجکمار کی راہ میں بہانا فخر سمجھتی ہوں ———
لیلاوتی! تم خود سوچو جبکہ ایشور نے خلاف توقع تمھارے آرام و آسائش
کا اتنا زبردست انتظام کردیا ہے پھر کیا وجہ ہے کہ ... تم ...
قدرت کے عظیم عطیہ کو ٹھکرا رہی ہو۔ یہ کتنی زبردست ... کی ...
ایک سادھو کی محبت نے تمھاری آنکھوں پر ...

"یہ سب صحیح ہے راجکماری" لیلاوتی نے انتہائی جوش کے ساتھ کہا "لیکن جس کی قسمت کا قدرت نے فیصلہ کر دیا ہو اس کو دنیا کی کوئی طاقت پلٹ نہیں سکتی - یہ قانون قدرت کا اٹل فیصلہ ہے - بھلا راجکماری جو ہستی خود اسیر محبت ہو وہ دوسروں کو دام محبت سے آزاد کیسے کرا سکتی ہے نہیں ہرگز نہیں" یہ سن کر راجکماری خاموش ہو گئی اور اسی دن سے اس نے اس بات کا بیڑہ اٹھایا کہ جس طرح ممکن ہوگا راجکماری کی جان بچا دوں گی"

—— ۳ ——

جب لیلاوتی راہ راست پر نہ آئی تو خفیہ کارروائیوں کے بعد اسے محل کے ایک تاریک تہ خانے میں قید کر دیا گیا - راج محل کے تمام لوگ اس کی محبت کو حقارت کی نظروں سے دیکھنے لگے - راجکمار نے ارادہ کیا کہ سادھو کی زندگی کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل کر دیا جائے لیکن راجدھانی کے چند لوگوں نے اس کو اس ارادہ سے باز رکھا اور کہا - مہاراج رہتی دنیا تک آپ کی پیشانی پر پاپ اور بدنامی کا ٹیکہ لگا رہے گا - بہتر یہی ہے کہ لیلاوتی کو اس وقت تک قید رکھا جائے جب تک وہ سادھو کا خیال اپنے دل سے علیحدہ نہ کر دے"

—— ۴ ——

موسم خزاں کی ایک دلفریب صبح تھی - جنگلی درختوں کے پتے ہوا میں اڑ اڑ کر منتشر ہو رہے تھے - ٹیسو کے آتشیں پھولوں پر رات کی شبنم کے قطرے درخشاں آفتاب کی ضیا بار کرنوں سے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے - تمام وادی خود رو پھولوں کی مہک سے بسی ہوئی تھی - دنیائے حیات سے متحرک ہو گئے تھے - لیکن آہ! اب تک لیلاوتی کا پتہ نہ تھا --- سادھو نے محسوس کیا --- بانسری اس کے ہاتھ سے گر گئی - نغمے خاموش ہو گئے کسی باطنی اذیت نے اس کا چہرہ پژمردہ کر دیا - جنگل کی پرسکون خاموشی پتوں کی کھڑکھڑاہٹ سے گونج اٹھی --- سادھو کی روح لیلاوتی کیلئے بیچین ہو گئی --- مفارقت کے لمحے دنوں میں اور دن برسوں میں تبدیل ہوتے گئے لیکن لیلاوتی کی شکل اسے نظر نہ آئی - اس کا سینہ ایک غیر معمولی

اضطراب اور ایک بہجت آگیں خلش کا مرکز بن کر رہ گیا۔

۵

لیلاوتی کو قید ہوئے دو سال کا طویل عرصہ گذر گیا۔ ایک دن کرشنا کماری راجکمار کی خوابگاہ میں داخل ہوئی۔ وہ مُنہ لپیٹے لیلاوتی کے خیال میں پڑا ہوا تھا۔ راجکماری نے فرط محبت سے اپنی پیشانی راجکمار کے قدموں پر رکھدی اور بولی "پران ناتھ! کس لئے اتنا بیکل ہیں۔ جبکہ آپ کی یہ پرستار داسی آپ کے لئے بڑے سے بڑا کام کرنے کو موجود ہے۔ راجکمار کی اس تشویشناک علالت سے پریم نگر کی تمام رعایا میں ایک غم انگیز بے چینی سی پیدا ہوگئی ہے ——— میں نہیں سمجھتی کہ لیلاوتی میں وہ کون سی کشش ہے جس نے راجکمار کے دل کو بری طرح اسیر کر لیا ہے۔"

"آہ راجکماری تم کو ایک مایوس محبت دل کی کیا خبر۔ میں دیکھتا ہوں کہ میری زندگی لیلاوتی کے بغیر دشوار ہی نہیں بلکہ اب ناممکن ہوتی جاتی ہے۔ اس کے بغیر مجھے ایک لمحہ چین نہیں آتا ——— اے کاش تمہارے سینہ میں میرا ایسا دل ہوتا ——— لیلاوتی کے ساحرانہ حسن نے مجھے بے طرح مسحور کر لیا ہے ——— مجھے نہیں معلوم کہ اتنے مصائب برداشت کرنے کے بعد بھی وہ راہ راست پر نہ آئیگی" راجکمار نے مغموم لہجے میں کہا۔

کچھ دیر تک خوابگاہ میں خاموشی چھائی رہی۔ آخر راجکماری نے چند تسلی آمیز جملوں سے راجکمار کی تشفی کی اور فکرمندانہ نگاہوں سے راجکمار کو دیکھا۔ آج راجکماری بھی کچھ مضطرب و پریشان تھی وہ کسی اندرونی جذبے کو راجکمار سے پوشیدہ رکھنا چاہتی تھی مگر مصلحت وقت سے مجبور تھی آخر بولی۔ "راجکمار کو اب اپنی عزت و حرمت کا خیال کرنا چاہئے۔ یہ وقت عشق و محبت کی دنیا میں گم ہونے کا نہیں ہے۔ ابھی ابھی آپ کے وزیر کنور دلیپ سنگھ کو رتن سین کی فوج کا پتہ ملا ہے۔ دشمنوں نے راجکمار کی حالت معلوم کر کے فوج کشی کا ارادہ کیا ہے۔ سنا ہے کہ دشمن زبردست سیلاب کے مانند راجدھانی کی طرف بڑھتے چلے آرہے ہیں۔"

یہ سننا تھا کہ راجکمار کا چہرہ آفتاب کے مانند سرخ ہوگیا۔ چھتری خون نے بے پایاں سمندر کی طرح اس کی رگوں میں جوش مارنا شروع کیا وہ فرط غضب سے بیتاب ہو کر بولا۔ "جبتک چھتریوں کے جسم میں ایک قطرہ بھی خون کا باقی ہے۔ دشمن اس کے امن و امان میں کوئی خلل نہیں پیدا کر سکتے کیا رتن سین کو اس کی خبر نہیں کہ پریم نگر کی راجدھانی اس کی سرکوبی کیلئے ہر وقت تیار ہے۔" راجکمار نے آخری جملے انتہائی غیظ و غضب سے کہے۔ اس کے الفاظ تمام محل میں گونج اٹھے۔ ایک بجلی تھی جو اس کی رگ رگ میں سرایت کر گئی اس نے کہا۔

"راجکماری ابھی جاؤ اور کنور دلیپ کو محل میں حاضر ہونے کا حکم دو" راجکمار نے غصہ میں کہا۔ راجکماری اٹھی اور اس کے طیش آگیں چہرے پر نظر ڈالتی ہوئی خوابگاہ سے باہر چلی گئی۔ اس وقت راجکمار کے دل میں لیلاوتی کی محبت کا وہ جذبہ جو مدتوں سے بھڑک رہا تھا ٹھنڈا پڑ گیا اور محبت فرض کی صورت میں تبدیل ہوگئی۔

۶

سنہ ۱۳۱۰ء میں جب چتوڑ کا راجہ رتن سین قید سے بھاگ کر اپنے کوہستانی علاقہ میں روپوش ہوگیا تو علاؤ الدین نے اس کے بھانجے کو چتوڑ سپرد کر دیا۔ اس وقت رتن سین نے تاراجی پر کمر باندھی اور چھوٹے چھوٹے راجہ جو شاہی مطیع تھے ان پر فوج کشی کرنا شروع کی۔ جس وقت رتن سین راجکمار کے علاقہ میں داخل ہوا تمام راجدھانی کے لوگ مقابلے کے لئے گھروں سے نکل پڑے۔ رتن سین کئی دن تک محاصرہ کئے پڑا رہا۔ راجکمار کی فوج نے راج محل سے نکل کر زبردست حملہ کیا آخر محاصرین کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ اور رتن سین کو شکست فاش ہوئی۔ دوسرے روز تمام راجدھانی میں خوشی و مسرت کے شادیانے بجائے گئے انعام و اکرام تقسیم ہوئے۔ ہر شخص ناؤنوش میں مشغول تھا ——— لیکن کسی نے غریب لیلاوتی کی خبر نہ لی کہ وہ کس حال میں ہے۔ آہ وہ صرف اس خطا پر قید تھی کہ ——— راجکمار کے نفس کا شکار اپنے کو نہ بنا سکی۔

۷

صبح و شام لیلاوتی کو کھانا اسی قید خانے میں بھجوا دیا جاتا۔ ایک دن جب ایک سہیلی کھانا لیکر گئی تو دیکھا لیلاوتی بے حس و حرکت پڑی ہوئی ہے۔ اس کا سارا جسم بخار کی شدت سے آگ کی طرح جل رہا ہے۔ کچھ دیر تک وہ بیٹھی اس کے ہاتھ پیر سہلاتی رہی مگر اس کی طبیعت [illegible]

لیلاوتی کی حالت اس سے دیکھی نہ گئی۔ بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ کچھ دیر تک وہ بیٹھی لیلاوتی کی حالت پر متاثر ہوتی رہی آخر جس نے اس بات کا فیصلہ کر لیا کہ ہر امکانی کوشش لیلاوتی کو آزاد کرانے میں صرف کر دیگی۔ تیسرے دن رات کی تاریکی میں جب سب کے سب مصروف عیش و نشاط تھے اس نے لیلاوتی کو قید خانے سے آزاد کر دیا تاریک قید خانہ سے نکل کر اس نے اطمینان کی سانس لی۔ دو قدم چلنے کی سکت باقی نہ تھی مگر آزادی کی ہوا نے اس کے نحیف پیروں میں زبردست قوت پیدا کر دی۔۔۔ وہ جلدی جلدی راج محل کی چار دیواری سے باہر ہو گئی۔

اس عرصہ میں لیلاوتی کو ایک لمحہ کے لئے بھی سکون میسر نہیں ہوا تھا۔ اس کی شکل میں نمایاں تغیر پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے چہرے کی شگفتگی قید کی اذیت دہ زندگی سے حزن و ملال میں تبدیل ہو گئی تھی۔۔۔ لیکن اب بھی۔۔۔ وہ اس قدر مصائب برداشت کرنے کے بعد بھی سادھو کی محبت میں ثابت قدم تھی۔۔۔ اس کے دماغ میں ایک خیال۔۔۔ جاں نواز خیال، طوفان بن کر موجیں مار رہا تھا اور وہ سادھو کی محبت میں دیوانی ہو رہی تھی۔ اب بھی اس کی پرستش میں کوئی فرق اور اس کے عزم میں کوئی خلل واقع نہ ہوا تھا۔

لیلاوتی چلتے چلتے تھک کر نواڑی کے پھولوں کے ایک شاداب کنج میں بیٹھ گئی۔۔۔ فضا پھولوں کی مہک سے بسی ہوئی تھی۔ لیلاوتی نے کچھ پھول توڑے اور ایک ہار۔۔۔ بڑی تمناؤں کے ساتھ سادھو کے لئے تیار کیا۔ جس وقت وہ سادھو کی کٹی میں داخل ہوئی رات کافی گذر چکی تھی، سہانی رات کا دلفریب چاند۔۔۔ تاروں کے جلو میں آسمان پر روشن ہو گیا تھا۔ ساری کائنات اس کی ضیا باریوں سے منور تھی۔ پریم ساگر کا صاف و شفاف پانی خاموشی کے ساتھ بہ رہا تھا۔۔۔ ہوا جنگلی درختوں کے درخشاں پتوں سے آہستہ آہستہ سرگوشیاں کر رہی تھی۔ تمام جنگل نواڑی کے خوشنما پھولوں کی مہک سے بسا ہوا تھا۔۔۔ ہر طرف سکون و اطمینان کی بارش ہو رہی تھی۔

اس وقت لیلاوتی کے دل میں سادھو کی لافانی محبت انتہائی

عروج کے ساتھ جلوہ گر تھی ـــــ وہ سمجھتی تھی کہ اس کا غنچہ دل سادھو کی عطر بیز قربت کے بغیر شاداب نہیں ہو سکتا ـــــ اس کے دماغ میں سادھو کی محبت رنگ بن کر سما چکی تھی ـــــ وہ اسیر محبت تھی اس کے سینے میں لطیف ترین تخیلات کا ہجوم تھا۔

سادھو کچھ دیر تک مبہوت بیٹھا رہا۔ لیلاوتی کی موجودگی اس کے لئے خواب سے زیادہ اہمیت نہ رکھتی تھی۔ اس کی آنکھیں لیلاوتی کے نظارہ حسن و جمال میں محو تھیں۔ وہ کچھ دیر تک لیلاوتی کو حیرت و استعجاب کی نظروں سے دیکھتا رہا۔ وہ کچھ معلوم کرنا چاہتا تھا مگر ـــــ معلوم نہ کر سکتا تھا۔ لیلاوتی کی رائحہ قربت سے اس کی فضائے حیات معطر تھی ـــــ اس وقت اس کو ایک روحانی اطمینان حاصل تھا ـــــ وہ لیلاوتی کے حسن کی ادا کاریوں میں مصروف تھا بلکہ ـــــ مدہوش تھا ـــــ اس کی محبت کی کیف باریوں میں ـــــ

لیلاوتی نے اپنے دست سیمیں بڑھائے اور نواڑی کے پھولوں کا ہار سادھو کے گلے میں ڈالدیا ـــــ اس کے قلب میں مسرت کی لہریں اٹھنے لگیں اور اس پر وجدانی کیفیت طاری ہو گئی ـــــ انتہائی محبت سے بیتاب ہو کر اس نے لیلاوتی کو اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ لیلاوتی نے اپنی بانہیں اس کے گلے میں ڈالدیں ـــــ سادھو نے پہلی بار اس کی خوبصورت پیشانی کا ایک بوسہ لیا جو اس کی محبت کی ـــــ پہلی اور آخری تکمیل تھی۔

واقعات اب حقیقت کا رنگ اختیار کر چکے تھے۔ لیلاوتی نے آخری بار بانسری بجانے کی آرزو ظاہر کی۔ سادھو نے بانسری بجانا شروع کی ـــــ آخری نغمے فضا میں گونجے ـــــ ندی کا پانی خاموش ہو گیا۔ جنگلی درخت جھومنے لگے ـــــ در و دیوار پر سکوت کا عالم طاری ہو گیا ـــــ اس کے نغموں کی دنیا بدل گئی ـــــ بانسری اچانک ہاتھوں سے گر پڑی۔ اس کی روح آخری تانوں کے ساتھ فضا میں پرواز کر گئی۔

اب لیلاوتی کی آغوش میں سادھو کا بیجان جسم تھا ـــــ اس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں ـــــ حیات عشق کا سرمایہ ـــــ یعنی سادھو کی لاش ندی کی پرسکون موجوں کے سپرد کر دی گئی ـــــ پریم ساگر کا پانی لہریں لینے لگا ـــــ تھوڑی دیر کے بعد تشنہ کام محبت لیلاوتی بے اختیار ندی میں کود پڑی ـــــ ایک زور کا دھماکا ہوا ـــــ پانی میں چند بلبلے تیرتے ہوئے نظر آئے ـــــ پرخطر موجوں نے بڑھ کر اس کا ـــــ استقبال کیا۔

اور پھر ـــــ ناکام محبت لیلاوتی ـــــ ہمیشہ کے لئے ہر قریب دنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہو گئی ـــــ،

ثمر صدیقی ردولوی

ادب لطیف

اے موت! شاعروں کا خیال ہے کہ تو باوفا اور رحمدل ہے پر آہ میرے لئے تو بھی بے رحم و بے وفا بن گئی کہ میں بلاتی ہوں تو نہیں آتی۔ میں خوشامد کرتی ہوں تو منہ موڑتی ہے۔ پیاری موت! آ میرے ساتھ ہمدردی کر مجھ سے عہد وفا باندھ۔ آہ میں تغیرات زمانہ سے پریشان زندگی سے بیزار صرف تیری منتظر ہوں۔ نازک دل انسان ڈراتے ہیں کہ قضا بڑی ہی خوفناک چیز ہے پر میں یقین نہیں کرتی اور تجھکو بلاتی ہوں لیکن تو نہیں آتی۔ اے موت! میں لوگ کہتے ہیں کہ تو بہت بدصورت اور غیر خلیق ہے مگر میں یہ بھی نہیں مانتی کیونکہ برسوں کی دلی کاوش کے بعد جو نورانی صورت تخیلی نقشہ میں لے بنایا تھا وہ بہت خوبصورت نہایت شاعرانہ مزاج ہے۔ پھر اس تصور ہی سے پتہ چلتا ہے کہ تو انتہائی رحمدل بہت باوفا ہے لیکن تجھ میں یاد کرنے والے کو بھول جانے کی بُری عادت ہے۔ بزدل اشخاص کہتے ہیں کہ موت ہمیں بلائے قیامت برپا کرتی ہوئی آتی ہے مجھے اس میں بھی شک ہے کیونکہ برسیں گذریں میں ہر لمحہ تیری راہ دیکھتی ہوں لیکن تو کبھی نہیں آتی۔ میں روزانہ ایسے سہانے وقت میں تیری منتظر ہوتی ہوں جو شاعرانہ لمحے کہلاتے ہیں یعنی نورانی ٹھنڈ میں جب اچھوتی ہوائیں متبسم کلیوں کو منہایا کرتی ہوں اور چاندنی کھلی ہوتی ہے تو میں فرط خوشی سے مسکراتی ہوئی زرد گلاب کی روش پر، نرگس کے پھولوں کے قریب سبزے پر۔ ہارسنگھار کی گھنی ڈالیوں کے تلے بیٹھی ہوتی آنسوؤں کے موتیوں کی لڑیاں پروتی ہوں لیکن آہ تو جب بھی نہیں آتی میرے ارمان و انتظام خاک میں مل جاتے ہیں اور میں نڈھال ہو کر سبزہ پر بیہوش ہو جاتی ہوں لیکن افسوس تو اس وقت بھی نہیں آتی۔ میری پیاری موت اب رحم کر اور آجا۔ میری منتظر بیمار آنکھوں کو اپنے تبسم سے بند کر دے میرے دل کی آتشیں آہوں کو اپنی پھونک سے ٹھنڈا کر دے اور

[illegible]

جمالیات!

(از جناب سید شاہ انتظام الدین صاحب جمالی ایم ایس سی علیگ)

حُسن کو پھر غرور ہوتا ہے
سچ کہا ہے ضرور ہوتا ہے

بتکدہ ہیں ہو یا کہ مسجد میں
ذکر تیرا ضرور ہوتا ہے

جس قدر پہونچتا ہوں اس کی طرف
اُس قدر مجھ سے دُور ہوتا ہے

جان دیتا ہوں اُس کے قدموں پر
کتنا سنگیں قصور ہوتا ہے

تیرا جلوہ! ارے معاذ اللہ
اک مجسّم سا نور ہوتا ہے

لاکھ چاہوں کہ چھوڑ دوں تجھکو
تو کہاں مجھ سے دُور ہوتا ہے

دل میں ہوتا ہے تیرا ہی جلوہ
روح میں بھی ظہور ہوتا ہے

دیکھتا ہوں جب اس کی نظروں کو
کیف سا اک سُرور ہوتا ہے

پتّے پتّے میں ذرّہ ذرّہ میں
سب تیرا ہی ظہور ہوتا ہے

ہائے ساقی کی وہ نشیلی نگاہ
بے پئے ہی سُرور ہوتا ہے

کیوں جمالی کوئی کسی پہ مرے
سارا دل کا قصور ہوتا ہے

صوفیہ

چیخوف کا ایک نفسیاتی افسانہ

(جناب راجہ مہدی علی خاں صاحب جائنٹ ایڈیٹر خیام لاہور)

فن معماری کے ماہر سٹیٹ کونسلر زیکاف کو قبرستان کے گرجے کی
...ت کے لئے واپس وطن بلایا گیا۔ وہ اسی شہر میں پیدا ہوا۔ اسی
...جوان ہوا۔ اور یہیں اس کی شادی ہوئی تھی۔ لیکن جب وہ
...ن سے اترا۔ تو مشکل ہی اپنے وطن کو پہچان سکا۔ یہاں کی ہر چیز
...گئی تھی۔ مثلاً آج سے اٹھارہ سال پہلے جب اس نے پیٹرسبرگ
...نے وقت اپنے وطن کو خیرباد کہی تھی۔ جہاں آج کل موجودہ ریلوے
...ن واقع ہے۔ وہاں لڑکے گلہریوں کا شکار کیا کرتے تھے۔
...اگر تم ہائی سٹریٹ میں پہنچو تو وہاں تمہیں "ہوٹل وانا" کی
...ت چند اور کمروں کے ساتھ نظر آئے گی۔ حالانکہ پہلے اس جگہ
...پرانا بدشکل سا جنگلا موجود تھا۔ لیکن جنگلا مکانات اور دوسری
...یں اتنی نہیں بدلی تھیں۔ جتنا یہاں کے لوگ ہوٹل کے بڑے
...کے بیرے سے پوچھنے پر زیکاف کو معلوم ہوا کہ یہاں کے جن
...لوگوں کو وہ جانتا تھا۔ ان میں نصف کے قریب یا تو مر چکے
...یا مفلسی کا شکار ہو رہے ہیں۔ یا لوگوں کے دلوں سے
...کی یاد محو ہو چکی ہے۔

زیکاف نے بیرے سے پوچھا "تمہیں زیکاف یاد ہے؟
...معمار زیکاف جس نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی تھی......
...بیت سٹریٹ میں اس کا مکان تھا...... یقیناً تم زیکاف کو
...بھولے ہو گے؟"

بیرا کہنے لگا۔ "نہیں مجھے تو یاد نہیں کہ اس نام کا بھی کوئی
یہاں رہتا تھا۔"

زیکاف نے جواب دیا۔ "واہ یہ کیسے ممکن ہے۔ اسے جو حادثہ پیش آیا تھا اس نے تو بڑا جوش پھیلایا تھا۔ تمام گھیسوں والے بھی اس سے واقف ہیں۔ ذرا دماغ پر زور ڈال کر سوچو تو مشہور اُچکے اور دھوکے باز مختار عدالت شیپکن نے طلاق کا بندوبست کیا تھا۔ وہی شیپکن جسے کلب میں پیٹا گیا تھا......

بیرا کہنے لگا۔ "تمہارا مطلب افانَن نکو لیچ سے ہے؟"

ہاں "کیا وہ زندہ ہے؟ یا مر گیا؟"

"خدا کا شکر ہے۔ وہ تو بڑا عزت والا ہے۔ اس نے ہنڈیاں لکھنے کا دفتر کھول رکھا ہے۔ خوب مزے کی بسر ہو رہی ہے۔ کرپچینی سٹریٹ میں اس کے دو مکان بھی ہیں۔ حال ہی میں اس نے اپنی لڑکی کی شادی کی ہے۔

زیکاف کمرے کے ایک گوشے سے دوسرے کی طرف چلا گیا۔ اس کے دماغ میں بجلی کی طرح ایک خیال چمک کر پیدا ہوا۔ اس نے ارادہ کیا کہ میں جا کر شیپکن سے کیوں نہ مل آؤں۔

دوپہر کے وقت وہ ہوٹل سے کرپچینی سٹریٹ کی طرف روانہ ہوا۔ شیپکن اپنے دفتر میں موجود تھا۔ زیکاف نے اسے بمشکل پہچانا۔ ایک چست و چالاک اور مضبوط جسم والا آدمی جس کے شوخ و بیباک چہرے پر مسلسل مستی کی بھی ایک جھلک نظر آتی تھی۔ سفید بالوں والا ایک حلیم الطبع انسان نظر آ رہا تھا۔ جس کے اعضا بڑھاپے کی وجہ سے سکڑے ہوئے نظر آتے تھے۔

زیکاف نے اسے دیکھ کر کہا۔ "تم نے مجھے پہچانا نہیں؟"......

مجھے بھول گئے ہو؟ .... میں تمہارا پرانا مؤکل زیکاف ہوں"۔

شیکن نے جواب دیا۔ "میں؟ زیکاف؟ کون سا زیکاف؟"

اب شیکن کو زیکاف کا چہرہ مانوس معلوم ہونے لگا۔ اس نے اسے پہچان لیا۔ اور کچھ گھبرا سا گیا۔ اس نے چلا چلا کر باتیں کرنی شروع کیں۔ زیکاف سے کئی سوالات پوچھ ڈالے۔ اور گذرے ہوئے واقعات اس کے دماغ میں چکر لگانے لگے۔

"مجھے تو تمہارے آنے کی کوئی امید ہی نہ تھی ——— میرے خواب و خیال میں [illegible] بات [illegible]۔ تم کیا کھاؤ گے؟ تمہیں شمپین پسند ہے؟ مچھلی [illegible] نا۔ [illegible] آدمی کی زمانے میں میں تم سے کسقدر [illegible] حاصل کر چکا ہوں ——— اتنا روپیہ کہ میں نہیں جانتا کہ تم سے کیونکر [illegible] ادا کروں"۔

زیکاف نے کہا "چھوڑو ان باتوں کو۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں۔ اب [illegible] [illegible] کرتا ہے۔ میں یہاں [illegible] آیا ہوں"۔

"بہت خوب۔ [illegible] چلیں [illegible] میرے پاس بڑے شاندار گھوڑے ہیں۔ میں تمہیں خود وہاں لیجاؤں گا اور گرجے کے مہتمم سے تمہارا تعارف کرا دوں گا .... میں ہر بات کا انتظام کر لوں گا .... لیکن بات کیا ہے اچھے دوست؟ تم میرے پاس نہیں بیٹھنا چاہتے؟ مجھ سے خوف تو نہیں کھا رہے ہو؟ ذرا نزدیک آ بیٹھو۔ اب مجھ سے خوف کھانے کی کوئی ضرورت نہیں .... آج سے مدتوں پہلے میں ضرور ایک خوبصورت اور چالاک [illegible] غنڈا بھی تھا .... لیکن اب میں پانی سے زیادہ خاموش اور گھاس سے زیادہ عاجز ہو چکا ہوں۔ میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ اب تو بیوی بھی ہے بچے بھی .... موت کا انتظار [illegible]"۔

شیکن برف گاڑی میں بیٹھا گذرے ہوئے زمانے کو یاد کر رہا تھا۔ آخر بولا "کیا [illegible] زمانہ تھا وہ! مجھے اب تک ایک ایک بات یاد ہے۔ اگرچہ اس زمانے [illegible] مجھے محض خواب معلوم ہوتا ہے۔ تمہیں یاد ہے کس طرح تم نے اپنی بیوی کو طلا[ق] دی؟ آج سے کم و بیش بیس سال پہلے کی بات ہے۔ شاید تم تو [اس] زمانے کی ہر بات کو بھلا بیٹھے ہو۔ لیکن مجھے سب کچھ اس طرح [یاد] ہے گویا میں نے کل ہی طلاق کی درخواست لکھی تھی۔ آہ میر[ے] خدا! میں کس قدر بدقماش آدمی تھا۔ ان دنوں۔ میں ابلیس [کی] شیطنت اور شہد اپنے میں اسالک عظیم! .... جب کوئی ایسا معاملہ پیش آتا۔ اور مجھے دال میں کالا نظر آتا۔ میں [...] رشوت لے کر اس میں دخل انداز ہوتا۔ مثلاً اس وقت [...] تمہارا قصہ یاد آ رہا ہے۔ تم نے مجھے اس وقت کیا ادا کیا تھا؟ پانچسو ——— چھ سو روپے اور یہ رقم کسی کو پھسلانے کے لئے [...] کافی ہوتی ہے! اس وقت تم بہتر سہرگ گئے سارا معاملہ تم نے میر[ے] [سپرد] کر دیا۔ [اور] کہا "جو چاہے سو کرنا!" تمہاری سابق بی[وی] [...] اگرچہ ایک تجارت پیشہ خاندان سے تعلق رکھتی تھی [...] مغرور [اور] خود نمائش تھی [illegible] [illegible] لیتے [illegible] لئے [illegible] رشوت [illegible] بات تھی ——— بہت ہی م[...] میں [illegible] کاروباری [illegible] آیا کرتا تھا۔ جب [illegible] دیکھا کرتی تو اپنی خادمہ سے کہتی۔ "ماشاء اللہ تمہیں پہلے بھی [...] ہوں تاکہ میں بدمعاشوں سے مل کر خوش نہیں ہو سکتی"۔ میر[ا] مقصد برآری کے لئے پہلے ایک راہ اختیار کی پھر دوسری میں نے اسے خط لکھے۔ اس سے اتفاقیہ ملاقاتیں کرنے کی کو[شش] کرتا رہا ——— لیکن بے سود۔ اب میں نے ایک [illegible] خدمات حاصل کیں بڑی مدت تک میں اس کی خاطر [...] کوفت اٹھاتا رہا اور آخر اس وقت اس نے ہار مانی جب اسے دس ہزار روپیہ دینے کا وعدہ کر لیا۔ وہ مغلوب ہو گئی وہ رونے لگی۔ اس نے میرے چہرے پر تھوک دیا۔ لیکن گن[اہ کا] الزام اپنے سر لے لیا"۔

زیکاف نے جواب دیا۔ "جہاں تک میرے حافظ[ہ کا] تعلق ہے۔ میں نے دس ہزار نہیں [illegible] ہزار روپیہ د[یا]"۔

شیکن نے کہا "غالباً تم ٹھیک کہہ رہے ہو ....."

، دس کہا ہے۔ بہرحال یہ سب گذرے ہوئے زمانے کی
ں اور انہیں بھلا دینا چاہئے۔ اب مجھے فراخ حوصلگی کا
یتے ہوئے اعترافِ جرم کر لینا چاہئے۔ دس ہزار میں نے
ئے اور باقی پانچ ہزار اپنے لئے رکھ لئے۔ میں نے
ں کو دھوکا دیا۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ سب گذرے ہوئے
باتیں ہیں۔ ان پر شرم محسوس کرنے کی ضرورت نہیں؟
یں تم سے روپیہ نہ لیتا تو اور کس سے لیتا؟ آخر تم ہی
۔ ۔ ۔ ۔ تم امیر اور خوشحال تھے۔ اوندھی مت نے
شادی کرائی۔ اور اوندھی مت ہی نے تم سے طلاق
۔ تم ان دنوں بہت روپیہ کما رہے تھے۔ تمہیں یاد ہے کہ
ٹھیکے میں تم نے بیس ہزار کی رقم کمائی تھی۔ اگر میں نہیں
وکسے لینا۔ آج مجھے اس امر کا اعتراف ہے کہ سدے
میدان میں آگ لگا رکھی تھی۔ تمہارے پاس روپیہ تھا
لک جھک کر انہیں سلام کرتے تھے۔ لیکن انہی لوگوں نے
ں مجھے محض چند روپوں کے لئے بیچا اور میرے عقیدے لگایا
ن باتوں کو یاد کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ انہیں
بھلانے کا وقت ہے۔"

زیکاف بولا۔ "اچھا ذرا یہ تو بتاؤ میرے بعد صوفیہ
ندگی بسر کرتی رہی؟"

شیپکن کہنے لگا۔ دس ہزار کی رقم ہے؟ بہت بڑی
! معلوم نہیں اسکی دیوانگی۔ اس کا غرور یا خود اس کا
ا سے اس لئے تباہ کرنے کے درپے ہو گیا کہ اس نے
ب کو روپے کے عوض کیوں فروخت کیا ہے۔ یا شاید
لئے تباہ حال ہو رہی تھی کہ اسے تم سے محبت تھی۔
اس نے شراب پینی شروع کر دی۔ روپیہ ہو گیا کہ
افسروں کے ہمراہ آوارہ پھرنا شروع کر دیا۔۔۔۔۔۔
طرح اس نے بے اندازہ شراب نوشی اور عیش و عشرت کی
زندگی بسر کرنی شروع کی۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ کئی برس تک
افسر کے ہمراہ نمودار ہوتی اور ہلکی شراب پینے کی بجائے

زیادہ سے زیادہ طاقت والی شراب پی کر نشے میں کھو جایا کرتی۔"

زیکاف کہنے لگا "ہاں۔ وہ بڑی بے قاعدہ عورت
تھی۔ مجھے اس نے بڑی اذیت پہنچائی ہے۔ وہ کسی معمولی سی
بات پر ناراض ہو کر بہت آزردہ حال ہو جایا کرتی۔۔۔۔۔۔ ہاں
تو اس کے بعد کیا ہوا؟"

ایک ہفتہ گذر گیا۔۔۔۔۔۔۔۔ اور دوسرا بھی۔ یکایک
میرے کمرے کا دروازہ کھلا اور وہ اندر آ گئی چلا کر بولی۔ "واپس
لے لو اپنا ملعون روپیہ!" اور اس نے ایک بارسل میرے منہ پر
دے مارا۔۔۔۔۔۔۔ وہ ایسا کئے بغیر نہ رہ سکی۔۔۔۔۔۔۔ ان میں
سے پانچ ہزار کم تھے۔ اس نے صرف پانچ ہزار سے نجات پائی
تھی۔"

"اور پھر تم نے اس روپے کو کیا کیا؟"

"یہ گذرے زمانے کی باتیں ہیں۔ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا
حقیقت کو چھپانے سے کیا فائدہ؟ یقیناً اسے میں نے اپنے پاس
رکھ لیا۔ لیکن تم مجھے اس طرح گھور کیوں رہے ہو؟ اس کا
انجام تو سن لو۔ یہ تو ایک پورے کا پورا ناول ہے۔ ایک
بیمار روح کا قصہ! آخر دو ماہ گذر گئے۔ ایک شب میں شراب
پی کر نہایت مضحکہ خیز انداز میں اپنے مکان کے اندر داخل
ہوا۔۔۔۔۔۔۔ میرے روشن کمرے میں ایک صوفے پر
صوفیہ بیٹھی تھی۔ وہ شراب سے بدمست اور کچھ آوارہ حال
سی نظر آتی تھی۔ اس کے چہرے سے وحشت کے آثار نمایاں
تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ کوئی پاگل خانے سے بھاگی
ہوئی عورت ہے۔ کہنے لگی۔

"مجھے میرا روپیہ واپس دے دو۔ میں نے اپنا ارادہ
بدل دیا ہے۔ اگر مجھے کتوں ہی سے پالا پڑا ہے تو میں کیوں
نہ ان کے پاس جاؤں۔ جلدی کرو
او بدمعاش! اور فوراً روپیہ واپس دے دے!" ——
وہ کس قدر غیر شریفانہ لہجے میں گفتگو کر رہی تھی۔

"اور تم۔۔۔ تم نے اسے واپس دے دیا؟"

مجھے یاد ہے کہ میں نے.......میں نے اسے دس روبل منے دیئے تھے"۔

زیکاف خفا ہو کر بولا" اوہ.......کیا تم سے ایسے سلوک کی بھی توقع کی جاسکتی ہے؟ اگر تم خود اُسے یہ رقم نہیں دے سکتے تھے یا نہیں دینا چاہتے تھے تو کم از کم مجھ ہی کو لکھ دیتے....... مجھے تو اس کا علم ہی نہ ہُوا.......مجھے بالکل معلوم نہیں"۔ میرے دوست میں تمہیں کیسے لکھ سکتا تھا۔ درانحالیکہ لعدازاں جب وہ ہسپتال میں تھی وہ خود تمہیں خط لکھتی رہی؟"

"میں تو نئی شادی کے دھندے میں کچھ ایسا مستغرق تھا کہ اس کے خطوں کی طرف توجہ ہی نہ دے سکا.....لیکن تمہاری حیثیت تو ایک تیسرے آدمی کی سی تھی۔ تمہیں صوفیہ سے دشمنی تو نہیں تھی..........تم نے اس کی مدد کیوں نہ کی؟

"زیکاف ہمیں پرانی باتوں کو اپنے احساسات کے موجودہ معیار پر نہیں پرکھنا چاہئے۔ ہمارے خیالات میں تو اب تبدیلی واقع ہوئی ہے نا..........اب شاید میں اُسے ایک ہزار روبل بھی دینے پر تیار ہو جاؤں۔ لیکن اس وقت دس روبل ....آہ دس روبل بھی وہ مجھ سے بلا"معاوضہ" حاصل نہ کر سکی لیکن اب ان قصوں کو دل سے بھلا دینا چاہئے.....لو منزل مقصود آ پہنچی"۔

گاڑی قبرستان کے دروازے کے سامنے آکر رُک گئی زیکاف اور شیپکن نے اُتر کر قبرستان کی راہ لی۔ وہ درختوں کی ایک بہت لمبی اور چوڑی دو رویہ قطار میں سے گذر رہے تھے چیری کے درخت جن کے پتے جھڑ چکے تھے۔ کیکر۔ بھورے رنگ کی صلیبیں اور قبروں کے سرہانے گڑے ہوئے پتھر گہر میں چمک رہے تھے۔ زمین پر گری ہوئی برف کی ہر پپڑی میں چمکیلا اور روشن دن انعکاس پیدا کر رہا تھا۔ اور ہر طرف نئی کھدی ہوئی مٹی کی ایسی خوشبو اور مہک پھیلی تھی جو عام قبرستانوں کا ایک خاصہ ہے زیکاف کہنے لگا۔"تمہارا قبرستان کسقدر خوبصورت ہے۔ یہ تو ایک چھوٹا سا باغ ہے"

"ہاں ٹھیک ہے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ چور یہاں سے کتبے چرالے جاتے ہیں۔ دیکھو دائیں طرف! لوہے کو ڈھال کر بنائے ہوئے کتبے کے پیچھے! یہاں صوفیہ دفن ہے۔ آؤ اس کے پاس چلو گے؟

دونوں دوست دائیں طرف مڑ گئے۔ ڈھلے ہوئے لوہے کے کتبے کی طرف بڑھے۔

شیپکن نے سنگِ مرمر کے ایک چھوٹے سے پتھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔" فوج کے کسی صوبیدار یا سپاہی نے اسکی قبر کے سرہانے یہ پتھر نصب کیا ہے"۔

زیکاف نے آہستہ سے تعظیماً اپنی ہیٹ اتار لی اور اس کی بے بال چندیا نظر آنے لگی۔ اسے دیکھ کر شیپکن نے بھی ہیٹ اتار لی اور اب ایک کی بجائے دو گنجے سر دھوپ میں چمکنے لگے۔ ہر طرف موت کا سا سکوت طاری تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا۔ جیسے ہوا تک مر چکی ہیں۔ دونوں دو منٹ خاموشی سے پتھر کی طرف دیکھتے رہے۔ وہ کچھ سوچ رہے تھے۔

آخر شیپکن خموشی کو توڑتے ہوئے بولا۔

"وہ سو رہی ہے! اب اسے اس بات کی مطلق پروا نہیں کہ اس نے گناہ اپنے سر لے لیا تھا۔ اور اس کے بعد تیز تند شراب پیتی رہی۔ مان لو! زیکاف مان لو!"

"کیا؟" زیکاف نے ذرا درشتی سے پوچھا۔

"یہی کہ ہمارے گذرے ہوئے دن خواہ کتنے ہی گھناؤنے تھے۔ موجودہ زندگی سے بدرجہا بہتر تھے"۔ شیپکن نے اپنے سفید بالوں کی طرف اشارہ کیا۔

"گذرے دنوں میں کبھی مجھے موت کا خیال تک نہ آتا تھا۔ اگر میں کبھی اس سے ملتا تو اُسے ٹھگ لیتا۔ دھوکا دیکر اُسے لوٹ لیتا۔ لیکن اب.........آہ۔ اب!......"

زیکاف کی روح پر افسردگی طاری ہو گئی۔ یکایک اس کا جی چاہنے لگا۔ کہ وہ روئے۔ خوب روئے۔ جی بھر کے! اسی شدت سے جس شدت سے وہ کبھی محبت کرنے کی خواہش کیا کرتا تھا.....

......اور اس نے محسوس کیا کہ اس وقت اس کے آنسو دل خوش کن ہوں گے اور اس کی روح کو تازگی بخش دیں گے۔ اس کی آنکھیں نمناک ہو گئیں اور گلا خشک ہو گیا۔ لیکن...... شیپکن اس کے پاس کھڑا تھا۔ وہ کسی کے سامنے رو کر اپنی کمزوری کا ثبوت دینے سے شرماتا تھا۔ وہ فوراً واپس مڑا اور گرجے کی طرف چل دیا۔

گرجے کے مہتمم سے ملنے اور گرجے کا معائنہ کرنے کے کوئی دو گھنٹہ بعد اسے وہاں سے کھسک آنے کا موقعہ مل گیا۔ اس وقت شیپکن پادری سے باتیں کر رہا تھا۔ زیکاف صوفیہ کی قبر پر دو آنسو بہانے کے لئے وہاں سے بھاگ نکلا۔ وہ ایک چور کی طرح ڈرتے ڈرتے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا چاروں طرف مڑ مڑ کر دیکھتا

....

ہوا قبر کے پتھر کے نزدیک پہنچا۔ پتھر کا ننھا سا مجسمہ اس کی طرف کھوئی کھوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا — ایسی معصوم نظروں سے جن میں غم کی جھلک نمایاں تھی۔ زیکاف کو محسوس ہونے لگا کہ اس قبر میں کوئی مطلقہ اوباش عورت نہیں بلکہ ایک لڑکی دفن ہے۔

زیکاف نے دل میں سوچا۔ میں یہاں رونا چاہتا ہوں۔ جی بھر کے رونا چاہتا ہوں۔

لیکن اس کے غم کا لمحہ گذر چکا تھا۔ گو بوڑھے آدمی نے اپنی آنکھوں میں چمک پیدا کر لی۔ لیکن رو نہ سکا۔ اس نے رونے کی پوری پوری کوشش کی۔ کوئی چیز اس کے گلے میں اٹک کر رہ جاتی تھی۔

دس منٹ تک انتظار کرنے کے بعد زیکاف نے اپنا بازو ہلایا اور شیپکن کو تلاش کرنے کے لئے یہاں سے چل دیا۔

انطون چیخوف

غزل

(از جناب محمد عبد السلام۔ ذکیؔ۔ بی۔ اے (عثمانیہ) حیدرآباد دکن)

ہے گفتگو میں کام وہاں اختصار کا
کہہ دو بُرا ہے حال ترے جاں نثار کا

باقی نہیں نشان کسی کے مزار کا
انجام ہے یہ زندگیٔ مستعار کا

گلزارِ دہر میں گُلِ خنداں ہے جس کا نام
اک خندۂ جمیل ہے اس گلعذار کا

کیا جانے کوئی جنبشِ ابروئے یار پر
ہے انحصار گردشِ لیل و نہار کا

اُڑ کر رکاب تھام لی اس شہسوار کی
بعدِ فنا یہ اوج ہے میرے غبار کا

گلزار میں نسیم کی یہ عطر بیزیاں
ہے فیضِ عام نافۂ گیسوئے یار کا

یہ میری دشت گردیوں کے نقش ثبت ہیں
آغشتہ خونِ دل سے جو دامن ہے خار کا

زاہد سے پہلے رند ہوئے داخلِ بہشت
کیا حوصلہ ہے بخششِ پروردگار کا

جس روز سے بندھی ہے امیدِ وصالِ دوست
عالم نہ پوچھیے دلِ امیدوار کا

ہم تھے وہ گل تھا اور گلستاں میں دورِ جام
کیونکر نہ یاد آئے وہ عالم بہار کا

فُرقت کے داغ اشکوں سے دھوتا ہوں میں ذکیؔ
طوفاں بپا ہے دیدۂ خونابہ بار کا

چاندنی رات کی رومانی فضاؤں میں

(از جناب جلال ملیح آبادی)

گھنے جنگلوں کے سائے سبزے پر رینگ رہے تھے۔ چودھویں رات کا چاند نیلگوں آسمان پر ہلکی ہلکی شفق کے آوارہ ٹکڑوں کے پس پشت تیرتا ہوا بلند ہو رہا تھا۔ دریا کی موجوں پر چاندنی چھٹکی ہوئی تھی۔ ہوا کی روح پرور سنسناہٹ میں خاموشی کا ماحول تربیت پا رہا تھا۔ گلستاں جھک رہے تھے۔ اور بوستاں لہک رہے تھے۔ سرو کی بلند شاخوں سے چاند جھانک رہا تھا۔ موہن جوان تھا۔ قوی تھا۔ اس کے رخ پر چاند کی کرنیں ایسی معلوم ہوتی تھیں جیسے پکے ہوئے گیہوں کی بالی پر سورج کی پہلی شعاع ——— اس کا گندمی چہرہ دمک رہا تھا ——— اور اس کی چمکدار پیشانی سے مردانہ وقار ٹپک رہا تھا۔ اس وقت وہ آسمان کی طرف تک رہا تھا ——— اس نے مسکراتے ہوئے سوشیلا سے کہا" سوشیلا دیکھ چاند کے ہالے کے گرد یہ کون جانور رقص کر رہا ہے۔

سوشیلا جو موہن کے قریب ہی ایک چٹان پر بیٹھی تھی آسمان پر نظریں ڈال کر بولی ———

"کوئی چڑیا ہے"

آخر کون چڑیا ہے۔ اتنی بلند اور رات کے وقت....

سوشیلا نے مسکرا کر کہا" مجھے یاد آگیا ——— یہ چکور ہے ——— چاند کو دیکھ کر رقص کر رہا ہے"......

"آؤ۔ سوشیلا میں بھی تم سے چکور کی طرح محبت کروں" موہن نے کہا۔" آؤ موہن تم بھی چکور کی طرح مجھے پانے کی کوشش کرو" یہ کہکر سوشیلا اٹھی اور مخمور آنکھیں موہن کی آنکھوں میں ڈال کر پھر کہا" آؤ مجھے پانے کی کوشش کرو"

دوسری چٹان پر جست کر گئی۔ موہن نے بھی جست کی لیکن وہ کوہسار کے نشیب پر دوڑ رہی تھی ——— وہ دونوں اب سبزہ زار میں تھے ——— موہن مسلسل اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ اور وہ اس کو ملتی نہ تھی ———

سبزے پر شبنم کے موتی جگمگا رہے تھے۔ کوہساروں کے درختوں پر ایک سکر چھایا ہوا تھا۔ افق پر ایک رومان تھا موہن کا جی محبت کرنے کے لئے تڑپ رہا تھا۔ اس نے سوشیلا سے (جو اب موہن کے رکجانے کے بعد خود بھی ٹھہر گئی تھی) کہا......" مجھے محبت کرنے دو ———"

"...... مجھے پانے کی کوشش کرو" سوشیلا نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

......" مگر میں تھک رہا ہوں۔ موہن بولا"۔

"کیا تم محبت میں اپنے اوپر اتنی سختی بھی برداشت کر سکتے نہیں کرتے" سوشیلا نے جواب دیا۔

موہن یہ سنکر بے تحاشا دوڑا۔ مگر سوشیلا گھنے جنگل کے ... میں اوجھل ہو گئی ——— موہن نے پریشانی میں سوشیلا کو پکار ... کیا ——— مگر بار بار پکارنے کے جواب میں صرف ایک ... ایک شیریں قہقہہ کی آواز آئی ——— موہن خاموشی ... گھنے جنگل میں آہستہ آہستہ جھک کر چلنے لگا ——— ... ——— قدم احتیاط سے رکھتا ہوا ——— ... چل کر موہن نے سوشیلا کو ایک جھاڑی میں ...

...نے موہن کو دیکھ کر مفتوحانہ انداز سے ایک ... ــــــ موہن نے خوبصورت سوشیلا کے نرم و نازک بدن کو اپنے مضبوط بازوؤں سے دبوچ لیا ــــــ سوشیلا کی ایک موسیقی نواز چیخ نکل گئی۔

دنیا سو رہی تھی ــــــ فضا میں یہ چیخ تیرتی ہوئی دور تک چلی گئی اور آخر جذب ہو کر غائب ہو گئی۔

"اب میں تم سے محبت کروں گا۔" موہن نے کہا۔

سوشیلا نے موہن کی آغوش میں کسمساتے ہوئے کہا۔

"نہیں موہن محبت نہیں کرو ــــــ مجھے دیکھو ــــــ خالی چکور کی طرح ــــــ یہ تم سے کس نے کہا" کہ چکور چاند سے محبت کرتا ہے" تم مجھے دیکھو ــــــ تم تو کہتے تھے میں تمہارا پجاری ہوں۔

موہن ــــــ "مگر تم مجھے چھو کیوں رہے ہو۔ مجھے ایک دیوی کی طرح پوجو ــــــ میرا جسم کیوں چھوتے ہو"

موہن نے سوشیلا کو بھینچتے ہوئے کہا ــــــ "مجھے تم سے محبت ہے۔ میں تم سے محبت کروں گا ــــــ میں اب تم کو پا گیا"۔

سوشیلا کا چہرہ موہن کے چہرے کے بالکل سامنے تھا موہن نے اپنی محبوبہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ وہ خاموش تھی ــــــ اب سوشیلا کے سینے کا زیر و بم ابھار موہن کے سینے میں گویا جذب ہو رہا تھا۔

موہن نے سانس کی رفتار ٹھیک کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "کیا تم کو مجھ سے محبت نہیں سوشیلا"۔

سوشیلا بدستور خاموش تھی۔ مگر اس کے ہونٹوں پر ایک ہلکا سا تبسم کھیل رہا تھا۔ جو موہن کو دعوتِ محبت دے رہا تھا۔ موہن نے اپنے ہونٹ سوشیلا کے ہونٹوں میں پیوست کر دیئے۔

موہن اور سوشیلا کی سانس تیز ہو گئی ــــــ تنفس میں گرمی آ چکی تھی۔ سوشیلا کی پلکیں اب اُس کے نازک رخساروں پر سایہ ڈال رہی تھیں ــــــ سوشیلا کا سر موہن کے کاندھوں پر آہستہ آہستہ ڈھلک گیا۔ اور پھر فضا میں دو دلوں کے دھڑکنے کی آواز کے سوا دوسری آواز نہ سنی گئی ــــــ ٭

. . . .




Delicate

ایک نفیس مزاج مہارانی

نے

اپنے صدر اعظم سے کہا دنیا کے ہر چہار جانب قاصد روانہ کرو کہ وہ ہر قسم کے پھول لائیں تاکہ میں اپنے لئے بہترین خوشبو منتخب کرسکوں۔ تعمیل حکم کیلئے فردوس شمال کشمیر۔ جنت نظیر سوئزرلینڈ، شباب انگیز تسمانیہ کے گلپاش مرغزاروں میں گل چینی کی گئی جب سب پھول دور دراز سفر کے بعد مہارانی کے حضور میں پیش کئے گئے تو بیشتر اپنی خوشبو کھو چکے تھے اور باقی اس قدر مرجھائے ہوئے تھے کہ مہارانی کی حسن شناس نگاہوں کو تکلیف ہوئی۔ مہارانی اس خواہش کے پورا نہ ہونے سے ملول رہنے لگی کھانا پینا ترک کردیا۔ مہاراجہ کو فکر دامنگیر ہوا اور وزرا سے مشورہ طلب کیا، مہتمم توشہ خانہ نے اصغر علی محمد علی سے عطر منگوانے کو کہا رائے معقول تھی فوراً عمل کیا گیا جب عطر آیا تو مہارانی کا شباب رفتہ ایک بار پھر اپنی پوری بہاریں ساتھ لئے واپس آگیا

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ

دنیائے سائنس

گراموفون ریکارڈوں کی کتنی عمر ہوتی ہے!

پندرہ سو مرتبہ بجنے کے بعد گراموفون ریکارڈ گھس جاتے ہیں۔ اور ان کی عمر ختم ہو جاتی ہے لیکن سائنسدانوں نے حال ہی میں ایک مسالہ دریافت کیا ہے جو ریکارڈوں کے اجزائے ترکیبی کو نرم کر دیتا ہے۔ جس کے باعث ریکارڈوں کی گھسی ہوئی لکیریں گہری ہو جاتی ہیں۔ آواز تیز ہو جاتی ہے اور وہ دلکش [illegible] گھسنے اور پرانے ہونے کے باعث ماند پڑ گئے ہوں پھر عود کر آتے ہیں۔ اور اتنی ہی تیزی سے سنائی دینے لگتے ہیں جتنے نئی حالت میں سامعہ نواز ہوتے تھے۔

نئے ریکارڈ اور پرانے ریکارڈ

یہ مسالہ نئے ریکارڈ اور پرانے ریکارڈ دونوں پر یکساں کارآمد ثابت ہوا ہے۔ نئے ریکارڈوں [illegible] کی لکیریں چونکہ گہری ہو جاتی ہیں۔ اسلئے ان کی عمر بڑھ جاتی ہے۔ اور وہ بجائے [illegible] مرتبہ بجو بھی بج سکتے ہیں۔ اور پرانے ریکارڈوں پر لگانے سے ان میں نئی زندگی آ جاتی ہے۔ کھرکھراہٹ بالکل ہٹ جاتی ہے۔ اور آواز بالکل [illegible] کا نام "زیڈ" ہے جو سائنسدانوں کو بعض اجزا کے کیمیاوی اثرات کا تجربہ کرتے ہوئے اتفاق سے معلوم ہوا ہے۔ اگر آپ کے پاس نئے یا پرانے [illegible] ان پر ضرور "زیڈ" لگائیے۔

ایک شیشی زیڈ کی قیمت دو روپے (جس سے چالیس ریکارڈ درست ہوتے ہیں) محصول ڈاک گیارہ آنے کل [illegible]

ZED

مسز گرین فیلڈز اینڈ انڈسٹری [illegible]

زرّین پیشکش!

قسمت کی آزمائش کا سنہری موقعہ

موٹر کار کا انعام مفت حاصل کریں!

صوفی اینڈ کو رجسٹرڈ راولپنڈی نے بارہ سال کی انتھک محنت اور جدوجہد کے بعد پانی کی طرح روپیہ بہا کر جوہر وسمہ مہندی کو تیل کی شکل میں تیار کرلیا ہے اس عظیم الشان کامیابی کی خوشی میں فرم مذکور نے اپنی ایک عمدہ موٹر کار جو اس وقت تمام پنجاب کا چکر لگا رہی ہے بطور انعام مفت پیش کرنے کا اعلان کر دیا ہے جوہر وسمہ مہندی رجسٹرڈ۔ ممسک گولیاں رجسٹرڈ۔ طلائے اعظم رجسٹرڈ تینوں ادویہ کے ہر ایک بکس میں انعامی ٹکٹ موجود ہونگے نتیجہ ماہ مئی ۱۹۳۸ء بمقام راولپنڈی کارخانہ صوفی اینڈ کو رجسٹرڈ میں نکالا جائیگا آپ بھی اپنی قسمت کو مفت آزمائیں ممکن ہے موٹر آپکے نام ہی نکل آئے اس زرین پیشکش کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ یہ سنہری موقع پھر ہاتھ نہیں آئیگا۔

جوہر وسمہ مہندی رجسٹرڈ نہایت قیمتی اجزاء سے مرکب ہے اور تیل کی شکل میں تیار ہو چکا ہے سفید بالوں کو بغیر تکلیف کے قدرتی سیاہ کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ دنیا بھر کے معززین نے اس پیر کو پسند فرما کر سندات عطا فرمائی ہیں جو اخبارات میں شایع ہو رہی ہیں اس بے بہا تحفہ کے تعارف کی زیادہ ضرورت نہیں یہ بکس کافی عرصہ تک کام دے سکتا ہے قیمت فی بکس ایک روپیہ عہ محصولڈاک بذمہ خریدار

ممسک گولیاں رجسٹرڈ ہر ایک مواد امراض میں خواہ وہ کسی وجہ سے ہوں اس کے استعمال سے شفا حاصل ہوتی ہے اور متواتر استعمال سے انسان ضرورت کے وقت ہمیشہ کامیاب بامراد رہتا ہے خصوصاً نوجوانوں کیلئے اکسیر اعظم ہے بغیر ضرورت کے آبحیات ضائع نہیں ہوتا اور پاکیزہ زندگی حاصل ہوتی ہے بیماری کی حالت میں ان گولیوں کا استعمال بیحد مفید ہے بارہ گولیوں کی شیشی صرف ایک روپیہ میں فروخت کی جا رہی ہے محصولڈاک بذمہ خریدار

طلاء اعظم رجسٹرڈ مردہ اور بےحس رگوں میں دوران خون کو تیز کرکے جوش جوانی پیش کرتا ہے۔ بجلی کی طرح اثر پیدا کرنے میں لاثانی ہے جملہ شکایات اس کے چند روزہ استعمال سے دور ہو جاتی ہیں صحت کی حالت میں طلاء کا استعمال سونے پر سہاگے کا کام دیتا ہے۔ فائدہ نہ ہونے کی صورت میں قیمت واپس ایک شیشی چالیس دن تک کام دیتی ہے قیمت فی شیشی ایک روپیہ علاوہ محصولڈاک

ضروری نوٹ: تینوں اشتہار کے خریدار کو محصولڈاک معاف پتہ صاف اور خوشخط ہونا چاہیے جواب طلب امور کیلئے جوابی پوسٹ کارڈ بھیجیں

ملنے کا پتہ: صوفی اینڈ کو رجسٹرڈ آزاد منزل بنا کٹرہ راجہ بازار راولپنڈی شہر — برانچ آفس صوفی اینڈ کو رجسٹرڈ کرنال شاپ بلڈنگ محمد انارکلی

ہمالیہ پہاڑ جہاں کہ چاندی ... [illegible]

ایسے دشوار گذار مقامات ... [illegible]

[illegible]

اصلی سلاجیت

حکیم وید اور ڈاکٹر ... [illegible]

جس کے استعمال سے ... [illegible]

غائب ہو جاتی ہے ... [illegible]

ہمیشہ کے لئے ... [illegible]

[illegible]

ورم نزلہ ... [illegible]

اس کے ... [illegible]

[illegible]

بہر حال ... [illegible]

ترکیب استعمال ہمراہ زبانوں ... [illegible]

کی قیمت ... چار روپے ... [illegible]

Himaliya Depot

P.O. Hardwar [illegible]

ملنے کا پتہ — ہمالیہ ڈپو ہردوار ... [illegible]

تصدیق ہماری سلاجیت کی صداقت ... [illegible]

میں نے ذاتی طور پر ... [illegible]

بہت مفید اور بہتر ہے ... [illegible]

عالمگیر بکڈپو کی مشہور و معروف کتابیں

شروع سے آخر تک بغور ملاحظہ فرمائیں

اردو زبان کی ادبی و پاکیزہ کتابیں

ہندوستان کے مشہور مزاح نگار حضرت ملا رموزی صاحب کی

شادی شادی کے دلچسپ واقعات خود ملا صاحب کے قلم ظرافت سے لکھے ہوئے حالات خیال فرمائیے کہ یہ کتاب کسقدر دلچسپ ہوگی۔ ہمارا خیال ہے کہ اسی شادی میں محرومانیت نہیں پائی جاتی ہے۔ بس پڑھتے جائیے اور ہنستے جائیے۔ حجم ۲۵۰ صفحات قیمت دو روپے آٹھ آنے ۲؍۸

ضیاء الملک ملا رموزی کے بہترین مزاحیہ مضامین کا

صبح لطافت گرانقدر مجموعہ۔ کتاب کا ہر ورق زعفران زار کشمیر کی کیاریوں سے کم نہیں۔ حجم ۲۰۰ صفحات قیمت صرف دو روپے ۲؍

نوٹ:۔ شادی اور صبح لطافت یکجا خریدنے پر ناظرین عظام کو صرف تین روپے چار آنہ میں علاوہ محصول ڈاک ارسال ہوں گی۔

علامہ جرجی زیدان کا بلند پایہ تاریخی ناول جسے عالمگیر

محبوبۂ قیرواں بکڈپو نے بصرف زر کثیر عربی سے اردو میں ترجمہ کروا کر ایک نئی کتاب کا اضافہ کیا ہے۔ حجم ۵۰۰ صفحات قیمت ۱۲؍ علاوہ محصول ڈاک

ادبیات، نفسیات اور مزاحیات کا شاندار مجموعہ اور اپنے طرز

روزنامچے کی بہترین تصنیف بیحد دلچسپ کتاب۔ چند روزنامچوں کے عنوان ملاحظہ ہوں۔ بادشاہ کا روزنامچہ، فقیر کا روزنامچہ، ممبر اسمبلی کا روزنامچہ، ایکٹرس کا روزنامچہ، شاعر کا روزنامچہ، شوہر کا روزنامچہ، غرض ہر ایک انسان کا روزنامچہ اس کتاب میں موجود ہے۔ آپ کی معلومات میں اضافہ کرنے والی یہ کتاب ... قیمت صرف ایک روپیہ ... آنے

وکیل ایبٹ آبادی کے مزاحیہ مضامین کا مجموعہ نہایت دلچسپ کتاب

مشہور آفاق ادیب ...

سیب کا درخت بیحد دلچسپ ... بلبل ہزار افسانہ جو انگریزی کے ناول پر ... اردو ترجمہ ہے۔ قیمت صرف بارہ آنے ۱۲؍

سرزمین مصر کی ایک نہایت ہی رنگین داستان

مہدی جنگ مصری اور برطانوی سیاست ... مصریوں کی حب الوطنی اور بیچارگی، حسن و عشق کی ... دلگداز افسانہ۔ پنجاب کے ... مصنف ایم اسلم ... تصاویر۔ قیمت صرف تین روپے۔

عظیم بیگ چغتائی کی بہترین تصنیف ...

کمزوری ...

چار سہیلیاں ...

لیلیٰ کے خطوط ...

...تہذیب و تمدن ہمارے ضمیر کو کس طرح مردہ ... کا ایک عکس مجنوں کی ڈائری میں دیکھئے اور اندازہ ... رہا تو سو سال کے بعد ہماری کیا حالت ہو گی بیحد دلچسپ کتاب۔ قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

تین پیسے کی چھوکری

از قاضی عبد الغفار مصنف "لیلیٰ کے خطوط" یہ افسانے قاضی صاحب کی دماغی کاوش کا نتیجہ ہیں۔ وثوق سے کہا جاتا ہے کہ یہ افسانے اردو لٹریچر میں ایک حسین اضافہ ثابت ہوں گے جو حضرات افسانہ نگاری کے شائق ہیں اور افسانوں میں حقیقی روح دیکھنا چاہتے ہیں ان کو جلد از جلد آرڈر بھیجنا چاہئے۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔ علاوہ محصول ڈاک۔

لمحات رنگین

مس زبیدہ سلطانہ کے حسین افسانوں کا مجموعہ ہے جسے مصنفہ نے نہایت کاوش اور محنت سے لکھا ہے۔ قیمت دو روپے عہ۔

ناظمہ کی آپ بیتی

ایک شہزادی کی عبرتناک آپ بیتی، یہ نہ کوئی افسانہ ہے نہ کہانی بلکہ ایک سچا واقعہ ہے جس کے پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کتاب تین حصوں میں تقسیم ہے۔ دوشیزگی، ازدواجی زندگی اور ایکٹرس۔ مصنف کی یہ ادبی کاوش ایک قومی و ملکی خدمت تصور ہو رہی ہے۔ پریس اور پبلک نے نہایت زوردار الفاظ میں اس کا خیر مقدم کیا ہے۔ کتاب بیحد دلچسپ اور واقعات سچے ہیں ... قیمت عہ

گھر پا بہادر

مشہور مزاح نگار حضرت مرزا عظیم بیگ چغتائی کے تازہ ترین طرز تحریر کا شاہکار افسانہ ناول۔ نہایت ہی پُر مذاق و ظرافت آمیز پلاٹ ہے مصنف نے اپنے شوخ اور مزاحیہ طرز بیان کے ساتھ لنکا ان اعظم کے بنگالے کے کمرے میں عشق و محبت سوز و گداز کے کرشمے اور خوفناک و ... سین دکھائے گئے ہیں۔ قیمت ایک روپیہ محصول ڈاک ٥ر

خطوط کی ستم ظریفی

خطوط کی ستم ظریفی مرزا عظیم بیگ چغتائی کا ایک ایسا ہنسنے ہنسانے والا ناول ہے جس کی ... میں ملنی مشکل ہے۔ قیمت بارہ آنے ۱۲ر۔

...

ترکستان کی بہت دلچسپ کہانی ہے ہمارا دعویٰ ہے کہ ایسی دلچسپ کہانی آپ نے کبھی نہیں پڑھی ہوگی واقعات اتنے ہوشربا ہیں کہ محو حیرت ہو کر رہ جائیں گے۔ قابل مصنف کے نرالے انداز بیان پر بے ساختہ تعریف نکلتی ہے۔ قیمت صرف دس آنے علاوہ محصول ڈاک۔

سلامبو

آج سے دو ہزار سال قبل کی قرطاجنہ قدیم کی حسین و جمیل داستان مترجمہ مولینا عنایت اللہ صاحب بی اے دہلوی۔ "سلامبو" میں مصنف نے آج سے دو ہزار سال پہلے کے واقعات کی تفصیل پیش کی ہے اور اس خوش اسلوبی کے ساتھ کہ تہذیب و معاشرت حاکم و محکوم، رزم، بزم، امور دنیا، مذہب اور سیر عقیدے اور رسمیں سب کی تصویر دیکھ لیجئے۔ اس تاریخی منظر پر حسین سلامبو اور شہزادہ ماتو کی داستان عشق مرتب کی ہے۔ حسن و عشق کی آویزش، وحشی سپاہ کی بغاوت، جنگ کے بھیانک مناظر، قتل و غارتگری کی دل ہلا دینے والی روئداد، غرضیکہ اس زمانہ کی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس پر فاضل مصنف نے روشنی نہ ڈالی ہو۔ ترجمہ دو جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ ضخامت ... صفحات ہر دو جلد قیمت تین روپے۔

شاخ نبات

مشہور مجموعہ کلام حضرت طالب باغپتی۔ حضرت طالب باغپتی ملک کے مشہور اور دقیقہ رس شعراء میں سے ہیں۔ جن کی ذات علمی و ادبی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں ہے۔ آپ کی تازہ ترین تصنیف شائع ہو چکی ہے جو شاخ نبات کے نام سے بالکل اسم بامسمیٰ ثابت ہو رہی ہے۔ شاخ نبات اس سال کی بہترین تصنیف ہے ضخامت ... صفحات متعدد رنگین تصویریں قیمت عہ

طلسم سامری

ملک روس کی ایک نہایت دلچسپ داستان۔ سائبیریا اور انارکسٹوں کے خوفناک حالات اسقدر دلچسپ ہیں کہ شروع کر کے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ تاریخی حقائق کو ایسے رنگین و ہوشربا پیرایہ میں بیان کرنا میاں اسلم کی جادو نگاری ہی کا کام ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ چھ آنے عہ۔

عجیب

مشہور زمانہ ادیب قاضی عبد الغفار مصنف لیلیٰ کے خطوط کی نہایت دلچسپ تصنیف قیمت ایک روپیہ (عہ)۔

آرائش جمال با تصویر

اردو زبان میں زنانہ سنگھار سے متعلق پہلی کتاب جو ایک معزز خاتون نے لکھی ہے۔ اس سے پہلے اس قسم کی دوسری کتاب موجود نہیں تھی جو بہو بیٹیوں کے ہاتھ میں دی جاسکے۔ کتاب کی خوبیاں پڑھنے سے واضح ہوں گی۔ متعدد بلاک کی تصاویر حجم ۲۷۲ صفحات مجلد قیمت صرف دو روپے آٹھ آنے عہ

طلسمات

جوانی کی تلخیوں ... رنگینیوں ... قصے قیمت ...

تفسیر حیات ادبی ذوق رکھنے والوں کی نظر میں ایم۔ اسلم صاحب کا ہر ایک افسانہ شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے یہ چالیس افسانوں کا مجموعہ ہے جن میں ہر ایک افسانہ اپنے اندر سیکڑوں رومان انگیز واقعات کا صحیح نقشہ پیش کرتا ہے کتاب کا حجم ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ عمدہ کاغذ دیدہ زیب کتابت قیمت مجلد کتاب دو روپے آٹھ آنے ؏۸

آشوب زمانہ اس کتاب میں حضرت مصنف نے اپنی وسعت نظری سے ان تمام واقعات کا ذکر نہایت ہی عمدہ پیرایہ میں کر دیا ہے جو کہ ہر انسان کو آئے دن پیش آتے رہتے ہیں۔ معلومات نفسیات انسانی کے مطابق نہ صرف مرد و عورت کے ربط و ضوابط جذبات محبت کا فلسفہ بیان کیا ہے بلکہ اخلاق و ادب، تمدن و معاشرت پر بھی جامع و مکمل بحث کی گئی ہے کتاب کو پڑھکر پتھر دل انسان بھی موم ہو جاتا ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ عہ

ثمر گناہ ایک نہایت ہی دلچسپ اور سبق آموز کتاب ہے۔ اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ سوسائٹی نہ ہونے کی وجہ سے کون کون سے گناہ انسان سے سرزد ہو جاتے ہیں کتاب میں مختلف پہلوؤں سے روشنی ڈالی گئی ہے کہ سوسائٹی کے رکن کس طرح من مانی کارروائیوں سے بے لوث اور نرم دل انسانوں کو اپنا تختہ مشق بنائے رکھتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ غرض کہ یہ کتاب لکھ کر حضرت مصنف نے اردو زبان کی بہترین کتابوں میں ایک نئی کتاب کا اضافہ کیا ہے قیمت صرف ایک روپیہ عہ

کارزار حیات اردو داں حضرات کو ہمیشہ یہی شکایت رہتی تھی کہ اردو زبان میں بہترین کتابیں نہیں ملتیں خدا کا شکر ہے کہ ملک کی سب سے اہم اور بڑی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ایم۔ اسلم صاحب نے کارزار حیات کے نام نامی سے ایک بہترین کتاب تصنیف فرمائی ہے جو کہ قابل مصنف کی دماغی کاوشوں کا بہترین ثمرہ ہے۔ اس کتاب کو آپ شروع سے لیکر اخیر تک پڑھتے جائیں آپ کہیں بھی پڑھتے ہوئے نہیں اکتائیں گے اور بار بار پڑھنے کو جی چاہیگا گویا کتاب کیا ہے مونس تنہائی ہے حجم ۵۰۰ صفحات مجلد ؏

مرلی اجی حصہ اوّل دوبارہ تیار ہو گیا ہے۔ اس مرتبہ کتابت کی تمام غلطیوں کو درست کر کے از سر نو کتاب کو مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب بارہ برس سے ملک میں مقبول ہو رہی ہے اس کتاب کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے آپ کتاب منگوا کر ملاحظہ فرمائیں یہ کتاب دس ہزار کے قریب فروخت ہو چکی ہے اور ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی ہے نہایت دیدہ زیب ٹائیٹل اور بہترین آرٹ کی تصویر قیمت ؏

اُن نے کہا مصنف "لیلیٰ کے خطوط" کی آخری تصنیف اس سے بڑھ کر کوئی رومان انگیز کتاب آج تک طبع نہیں ہوئی۔ کتاب مصنف کی اپنی زباندانی کا بہترین مرقع ہے۔ ہر افسانہ زندگی کے الجھے ہوئے مسائل کا ایک حل ہے۔ پڑھئے اور بار بار پڑھئے قیمت صرف ؏

قلوپطرہ عشق و محبت کی سب سے بڑی اور مشہور داستان مصر کی سرزمین کا حسن خون آشام حسن و عشق کا دیوتا قلوپطرہ کے عشق میں سب کچھ بھول جاتا ہے اور اس سیلاب عظیم کو روکنے کے لئے اہل مصر کے پاس کیا ہے ایک عورت کا دلربا اور حسین جسم جو اپنے آپ کو ملک کے امن و امان پر قربان کرنے کو تلا ہوا ہے اور ملک کو جنگ کی ہولناک تباہی سے بچانے کے لئے بیتاب ہے مگر عشق کی آگ میں قلوپطرہ کو کامیابی نصیب نہیں ہوتی کتاب کا ہر ورق داستان عشق سے معمور ہے۔ ۴۰۰ صفحات مجلد ؏

حاجت روا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ ہر قسم کی مشکل آسان بار بار کی آزمودہ دعائیں اور تعویذات۔ ایک بار کے عمل سے تمام عمر نجات۔ ہر کام میں فتح و کامیابی۔ کسی عمل کو غلط ثابت کرنے کو مبلغ ایک ہزار روپیہ انعام۔ قیمت مجلد ؏

بہارستان مولانا ظفر علی خاں مدیر روزنامہ "زمیندار" لاہور کی سابقہ و تازہ ترین نظموں کا مجموعہ جو لحاظ کتابت و طباعت ہندوستان میں اپنی نظیر آپ ہے ۲۸۰ صفحات قیمت [illegible]

رباعیات عمر خیام وہ خاص وصف جس نے ان رباعیات کی [illegible] کمال پر پہونچا دیا ہے طرز ادا کی جدت [illegible] کی ندرت ہے۔ قیمت ۶ ر

رباعیات عمر خیام مترجم جلال الدین احمد صاحب قیمت [illegible]

رباعیات عمر خیام ترجمہ میر ولی اللہ صاحب ایڈووکیٹ [illegible]

خمکدہ خیام یعنی رباعیات عمر خیام [illegible] آغا شاعر قزلباش آرٹ پیپر بہترین کتابت و طباعت [illegible]

ملنے کا پتہ:- عالمگیر بکڈپو۔ سید مٹھا بازار۔ لاہور



عالمگیر ہندوستان بھر کے علمی ادبی باتصویر رسائل میں سب سے زیادہ مقبول

جلد ۲۸ — فہرست مضامین ماہ فروری ۱۹۳۸ء — نمبر ۳

عالمگیر عید قربان نمبر کے اعلانات رسالہ ہذا بغور ملاحظہ فرمائیے

جناب حافظ محمد عالم صاحب ایڈیٹر، پرنٹر و پبلشر نے عالمگیر الیکٹرک پریس لاہور میں چھپوا کر دفتر رسالہ عالمگیر بازار رسید مٹھا لاہور سے شایع کیا۔

ملاحظات

"اُردو زبان ہی ہندوستان کی حقیقی قومی زبان بننے کی صلاحیت رکھتی ہے"

یہ الفاظ ہیں جو ایک مشہور و معروف ماہر لسانیات لیڈر کی زبان سے نکل کر سامعین کے کانوں تک پہونچ چکے ہیں لیکن اس کے بعد بھی ہندی کے حامیوں کا اُردو کے مٹانے کی کوششیں کرنا اور دور از کار اور پیش پا افتادہ دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرنا کہ ہندی، اُردو کا کسی لحاظ سے بھی مقابلہ کر سکتی ہے بالکل چاند پر خاک ڈالنے والی مثل کے مطابق ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اُردو کو گورنمنٹوں اور والیان ملک مہاراجوں کی سرپرستی حاصل نہیں ہے۔ لے دے کے صرف اعلیٰ حضرت حضور نظام ہی اسکی سرپرستی فرما رہے ہیں

اُردو کی عالمگیر مقبولیت کا کیا یہ کھلا ہوا ثبوت نہیں ہے کہ اسے عوام و خواص میں یکساں ہر دلعزیزی حاصل ہے اور ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ جب سے بعض لوگوں نے ہندی کی حمایت اور اُردو کی مخالفت شروع کر دی ہے اُردو پہلے سے کہیں زیادہ تیزی کے ساتھ ترقی کے منازل طے کر رہی ہے۔

اُردو کی حمایت و ترقی کے سلسلہ میں حضرات ادباء کرام اور شعرائے عظام کی مساعی جمیلہ یقیناً قابل تحسین و آفرین ہیں لیکن وہ رسائل و اخبارات بھی کافی ستائش و حوصلہ افزائی کے مستحق ہیں جنھوں نے کسی حالت میں بھی اس کی حمایت سے ہاتھ نہیں اٹھایا اور بیش از بیش ادبی خدمات انجام دیتے رہے۔ اگرچہ اُردو جرنلزم کا معیار بہت پستی کی حالت میں تھا مالی دشواریاں الگ سدراہ تھیں مگر ان اخبارات و رسائل کے مالکوں اور سرپرستوں کے دل میں اُردو کی ترقی کا حقیقی درد موجود تھا جس نے ہمیشہ انھیں اس راہ میں ثابت قدم رکھا۔ الحمدللہ کہ ان کی کوششیں بارآور ثابت ہوئیں اور آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح اُردو زبان تمام ہمسایہ زبانوں سے بازی لے گئی ہے اس کے بعض اخبارات و رسائل کس قدر جاذب نظر خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں اور ان کے خاص نمبر اور سالنامے کس طرح انگریزی رسائل کے خاص نمبروں کا مقابلہ کر رہے ہیں

عالمگیر چودہ سال سے پابندی وقت کے ساتھ جاری ہے۔ اس عرصہ میں اس نے اُردو ادب و زبان کی جو کچھ خدمات انجام دی ہیں اس کا اعتراف ملک کے مایہ ناز ادباء اور سربرآوردہ اخبارات و رسائل ہمیشہ سے کرتے آئے ہیں۔ اس کے خاص نمبروں کی تعریف انگریزی کے معیاری اخبارات تک کر چکے ہیں اور ناظرین کرام کو اس امر کے معلوم ہونے سے مسرت بے اندازہ حاصل ہوگی کہ اس نازک دور اور اقتصادی بدحالی کے زمانہ میں بھی خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے عالمگیر کی مالی حیثیت نہایت مستحکم ہے اور اگر حسن عنوان سے معاونین عالمگیر اب تک ہمارا ہاتھ بٹاتے رہے ہیں۔ اسی پر استقلال سے قائم رہیں تو ہم عالمگیر کو موجودہ صورت سے بھی کہیں زیادہ شاندار شکل و صورت میں پیش کر سکیں گے۔

مثال کے لئے ہم موجودہ زیر اشاعت عید قربان نمبر جو عید سے تین چار روز قبل آپ کی خدمت میں پہونچے گا پیش کرنا چاہتے ہیں آپ اسے بغور ملاحظہ فرما کر خود اعتراف فرمائینگے کہ عالمگیر کس تیزی کے ساتھ منزل ترقی کی طرف گامزن ہے اور یہ سب جو کچھ ہے وہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم کے بعد معاونین عالمگیر ہی کی توجہات خصوصی کا نتیجہ ہے ورنہ ہم کیا ہیں؟ کچھ بھی نہیں۔ مثل مشہور ہے "جتنی شکر ڈالو اتنا ہی میٹھا ہوگا" جتنا زیادہ عالمگیر کی ترقی و بہی خواہی میں آپ کوشاں رہینگے۔ توسیع اشاعت میں حصہ لیکر اس کے دائرہ عمل کو وسیع سے وسیع تر بنائیں گے اتنی ہی جاذب نظر صوری و معنوی خوبیوں سے آپ عالمگیر کو آراستہ پائیں گے

عالمگیر کا ادبی و علمی معیار کتنا بلند ہے۔ اس سوال کا جواب آپ کو ہندوستان بھر کے مقتدر اہل قلم کے ان مضامین سے ہو سکتا ہے جو از راہ لطف و توجہ ہمیشہ عالمگیر میں بغرض اشاعت ارسال فرماتے ہیں۔ زیر اشاعت عید قرباں نمبر میں ہم چند ایسے بلند پایہ ادباء کے مضامین عالیہ پیش کر رہے ہیں جو اگرچہ دنیائے علم و ادب میں عرصے سے بلند درجہ رکھتے ہیں لیکن بزم عالمگیر میں پہلی مرتبہ شامل ہوئے ہیں مثلاً

پروفیسر سید عابد علی عابد ایم۔اے ایل ایل۔بی۔ مولانا علم الدین سالک ایم اے پروفیسر۔ مولانا محمود شیرانی لکچرار فارسی و اردو پنجاب یونیورسٹی۔ ڈاکٹر تصدق حسین خالد ایم۔اے۔پی۔ایچ ڈی۔ مسٹر کرشن چندر ایم۔اے۔ حضرت اختر شیرانی۔ مسٹر محمد رفیق خاور ایم۔اے۔ محترمہ ح۔ب۔ صاحبہ محترمہ کنیز فاطمہ خاتون صاحبہ حیا۔ حاجی لق لق مدیر "احسان" مسٹر اوپندر ناتھ صاحب اشک بی۔اے ایل ایل۔بی۔ مولانا طاہر قریشی بی اے مولانا انعام اللہ خاں ناصر وغیرہ وغیرہ

ہم ان حضرات کے بدل مشکور ہیں اور یقین کامل رکھتے ہیں کہ آئندہ بھی وہ اسی طرح عالمگیر نوازی کا ثبوت دیتے رہینگے مولانا عبدالمجید سالک مدیر روزنامہ "انقلاب" ہمارے دلی شکریہ کے مستحق ہیں کہ آپ نے فرصت عدیم الفرصتی کے باوجود "ہر ڈ پو پو" کے عنوان سے ایک بہترین مضمون عید قربان (نمبر) کے لئے تحریر فرمایا۔

ہمارا یہ کبھی شیوہ نہیں رہا ہے کہ ہم اپنی ناچیز کوششوں اور ہمت شکن مالی قربانیوں کو مبالغہ آرائی کے ساتھ ناظرین کے سامنے پیش کریں اس لئے کہ ہمارا اصول یہ ہے کہ "کہو کم اور کرو زیادہ"۔ ہم بلند بانگ دعاوی نہیں کرتے اور نہ لفاظی اور اشتہار بازی پر اپنا اور ناظرین کا وقت ضایع کرتے ہیں بلکہ ہم نہایت خاموشی سے صرف اس حد تک اپنے خاص نمبروں کا اعلان کرتے جس حد تک کہ ہم اسپر پورا اتر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عید قربان نمبر کے متعلق ہم نے فروری کے پرچہ میں قبل کوئی اعلان نہیں کیا۔ حالانکہ بعض رسائل اپنے خصوصی نمبروں کا پروپیگنڈا چار چار چھ چھ مہینے پہلے سے کرتے ہیں اس لئے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ جب ہمارے ناظرین کو ہم پر اعتماد ہے اور ہم نے آج تک صرف معیاری مضامین ہی خاص نمبروں کی صورت میں ان کے سامنے پیش کئے ہیں تو ہمیں اس ناروا پروپیگنڈے کی کیا ضرورت ہے؟

عید قربان نمبر کے متعلق ناظرین کے اشتیاق کا یہ عالم ہے کہ بعض حضرات نے کئی دن پہلے ہی سے دفتر کو خط لکھنے شروع کر دیئے ہیں کہ ہم عید قربان نمبر کے بے چینی سے منتظر ہیں۔ بعض کرمفرما دریافت فرماتے ہیں کہ عید قرباں نمبر کی اشاعت میں ابھی کتنی دیر ہے؟ ظاہر ہے کہ کثرت کار کی وجہ سے ہم ان تمام حضرات کے گرامی ناموں کا جواب نہیں دے سکتے البتہ صرف اسی قدر اطلاع دینی کافی سمجھتے ہیں کہ عید کے تین چار روز قبل انشاء اللہ العزیز یہ قابل رشک عید قربان نمبر آپ کی خدمت میں پہونچ جائے گا۔ اور اسے ملاحظہ فرماکر آپ کی عید کی مسرتیں یقیناً دوچند اور سہ چند ہو جائینگی۔

عالمگیر کے تمام پرانے خریداروں کو اس بات کا علم ہے کہ عید قربان نمبر سال کے بارہ پرچوں کے علاوہ **زائد یعنی،**

تیرہواں پرچہ

ہوتا ہے اس لئے تمام خریداروں کو قیمتاً ملتا ہے لیکن جو حضرات عالمگیر کے نئے خریدار ہوئے ہیں ان کی اطلاع کے لئے لکھا جاتا ہے کہ عالمگیر کا عید قربان نمبر حسب معمول تمام خریدار حضرات کی خدمت میں بذریعہ وی۔پی قیمتی ایک روپیہ چار آنے مع محصول ڈاک ارسال ہے ہمیں امید ہے کہ وہ اس مجموعہ رنگ و بو کو ملاحظہ فرماکر بہت زیادہ مسرور ہونگے۔

جو حضرات عالمگیر کے خریدار نہیں ہیں انھیں یہ قابل رشک عید قربان نمبر ایک روپیہ آٹھ آنے میں ملیگا۔

عالمگیر کے جن خریدار حضرات کو اپنے دوستوں میں تقسیم کرنے کے لئے ایک سے زائد کاپیاں درکار ہوں وہ دفتر کو جلد اطلاع دیں۔

(ادارہ)

سانحہ ارتحال

قارئین عالمگیر کو یہ خبر وحشت اثر سن کر انتہائی رنج و ملال ہوگا کہ حافظ محمد عالم صاحب قبلہ مالک و مدیر "عالمگیر" کا دوسرا فرزند بھی جسے اس دنیائے فانی میں آئے ہوئے ابھی تھوڑی ہی مدت گذری تھی ۱۶ اور ۱۷ جنوری کی درمیانی شب میں قضا و قدر کے ہاتھوں والدین کے آغوش محبت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھن گیا انا للہ و انا الیہ راجعون

ابھی پہلے بچے کی وفات کا صدمہ نہیں بھولا تھا کہ قضا کے بیرحم ہاتھوں نے والدین کے مغموم دلوں پر ایک اور چرکا لگا دیا لیکن خدا کی مرضی کے آگے بندہ مجبور و لاچار ہے اور ہم سوائے اس کے اور کیا کر سکتے ہیں کہ خدائے عزوجل کے حضور میں دعا کریں کہ وہ اس روح فرسا صدمے پر حافظ صاحب قبلہ کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (ادارہ)

جرمنی کا آمر اڈولف ہٹلر [1]

از جناب عبدالرحیم صاحب شبلی بی۔کام

ہر ہٹلر آسٹریا اور جرمنی کی سرحد پر ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوا۔ شروع ہی سے اس کے خیالات قوم پرستانہ تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ چونکہ جرمنی اور آسٹریا والوں کی نسل ایک ہی ہے اس لئے وہ شیر و شکر کی طرح باہم گھل مل کر رہیں۔

ابتدائی جد وجہد

بچپن میں ہر شخص اپنے مستقبل کا تصور کرتا ہے۔ ہر ہٹلر کو کارکن بننے سے سخت نفرت تھی کیونکہ وہ دفتر میں بیٹھ کر اپنی آزادی کو سلب نہیں کرنا چاہتا تھا اور نہ وہ اپنی ذاتی رائے کو ضائع ہوتے دیکھ سکتا تھا۔

جب وہ جوان ہوا تو اس کا باپ فوت ہو چکا تھا اور گھر میں جو پنشن کے روپے آتے تھے وہ سارے خاندان کے گزارے کے لئے قطعی ناکافی تھے۔ اس لئے ہر ہٹلر کو روزی کمانے کی فکر ہوئی۔ وہ ایک رذر کپڑوں کا ٹرنک لے کر وائنا کی طرف قسمت آزمائی کرنے کے لئے چل پڑا۔ لیکن جب وہ شہر میں پہنچا تو یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی کوئی حد نہ رہی کہ امارت کے دوش بدوش غربت بھی سسکیاں لے رہی ہے اور ایک طرف اگر امراء عالیشان محلات میں عیش کر رہے ہیں تو دوسری طرف غربا نان جویں کو بھی ترستے ہیں۔

اس نے یہ بھی دیکھا کہ امیر زیادہ تر صرف یہودی ہیں۔ جو نہ صرف غربا کا خون چوستے ہیں بلکہ قومیت کے بھی سخت دشمن ہیں۔ چونکہ یہی لوگ پریس کی بھی مالی امداد کرتے تھے اس لئے اخبار والے بھی قدرتی طور پر ان کی پشت پر تھے اور ان کی حمایت کرتے تھے۔

ہر ہٹلر ان حالات کی وجہ سے معاشرتی معاملات میں دلچسپی لینے لگا۔ وہ دن رات انہیں کے مطالعہ میں مستغرق رہتا۔ اس کے خیال میں معاشیات کا مطالعہ امراء نہیں کر سکتے کیونکہ جو لوگ خود سونے کے سنہرے جنجال میں پھنسے ہوئے ہوں وہ اس کے پہلو کو کیسے دیکھ سکتے ہیں۔ ہر ہٹلر خود غریب تھا اس سے وہ غربت اور افلاس کی تکلیف کو خوب سمجھ سکتا تھا۔ اور تب سے وہ معاشرتی معاملات کا مطالعہ کرنے کیلئے موزوں انسان تھا۔

اپنی جد وجہد کے ابتدائی زمانے میں اس نے واضح طور پر سمجھ لیا تھا کہ معاشرتی اصلاح مثلاً [illegible] کے کاموں کے ذریعہ ہرگز نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ طریقہ نہ صرف مضحکہ خیز ہے بلکہ لاحاصل بھی ہے۔ وہ اپنے اقتصادی اور تمدنی نظام کی موجودہ غلطیوں کو دور کرنا چاہتا تھا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ انہیں کی بدولت انسان کی ذلت و گمراہی ہوئی ہے۔

جمہوریت کی مخالفت

ہر ہٹلر کے خیال میں ارتقاء اکثریت کے غور و فکر کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ جیسا کہ ہر ایک کو علم ہے انفرادی ذہانت کے نتیجہ میں مترتب ہوتا ہے اور اگر انفرادی ذہانت میں تعمیری خصوصیت بھی موجود ہو تو وہ سونے پر سہاگہ کا کام کرتی ہے۔ جمہوریت میں ضروری نہیں کہ حکومت کی باگ ڈور ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہو جو اپنے ذہن رسا کے ذریعہ ملک کے لئے قربانی کریں۔ بلکہ ہر ہٹلر کے الفاظ میں "اکثریت" کبھی "حقیقی آدمی" کا بدل نہیں ہو سکتی اور کونسلوں اور پارلیمنٹوں میں ایسے آدمیوں کا بکثرت اجتماع ہوتا ہے جن کے سامنے ایک مفکر اور مدبر کا بولنا بھینس کے آگے بین بجانے کا مترادف ہے، کونسلوں میں اکثر پرجوش اور دلی خیر خواہ قائدین کو صرف اس لئے مستعفی

[1] اس مضمون کا بیشتر حصہ ہر ہٹلر کی اپنی کتاب "جد وجہد" سے مستفاد ہے (شبلی)

ہونا پڑتا ہے کہ وہ اکثریت کو اپنی پر دماغ باتیں ذہن نشین نہیں کرا سکتے - کونسل کے ممبر نہ صرف حماقت کا پتلا ہوتے ہیں بلکہ بزدلانہ باتوں کو بھی پیش کرتے ہوئے شرم محسوس نہیں کرتے اور جس طرح "سو بیوقوفوں کا گروہ" ایک عقلمند آدمی نہیں بن سکتا - اسی طرح ایسے سو بزدلوں سے کسی دلیرانہ فیصلہ کی توقع رکھنا بھی عبث ہے - اکثر لوگ پارلیمنٹ اور کونسلوں کے ممبر صرف اس لئے بنتے ہیں کہ ان کو ماہانہ تنخواہ ملتی رہے اور ان کا دوزخ شکم پر ہوتا رہے -

آمریت کی حمایت

"ڈکٹیٹر شپ" یا آمریت کی ضرورت ثابت کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ اصل "ڈیماکریسی" یا جمہوریت یہ ہے کہ ایک ایسا لیڈر منتخب کر لیا جائے جو اپنے اچھے یا برے کاموں کا ذمہ دار خود ہو اور کوئی اس کے طریق کار میں مداخلت نہ کرے - ایسی طرز حکومت میں اس کا خیال ہے کہ کوئی نالائق یا ناقابل شخص لیڈر یا سردہ حکومت نہیں بن سکتا بلکہ جو شخص ذمہ داری اپنے کاندھے پر اٹھائیگا وہ قدرتاً بیوقوفوں کی باتیں ماننے سے احتراز کریگا اور ان کا ساتھ چھوڑ دیگا -

جنگ عظیم کے بعد ہر ہٹلر "حزب العمال قومیہ اشتراکیہ جرمن" کا ایک سرگرم رکن بن گیا جس کا مقصد اعلیٰ یہ تھا کہ وہ عامۃ الناس میں جذبہ قومیت کے ذریعہ بیداری پیدا کرے - اس کا یقین ہے کہ بیداری محض ایک منزل مقصود مقرر کرنے سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ اس مقصد کے حصول کے لئے شبانہ روز مصروفیت کی ضرورت ہے - اور اس منزل تک پہونچنے کے لئے جو لوگ راستہ میں رکاوٹ ڈالتے ہیں ان کا قلع قمع کرنا ضروری ہے - یہ فتح کمزوری سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ مضبوطی اور طاقت دکھانے سے حاصل ہوتی ہے

الغرض ہٹلر کی پارٹی کا مدعا یہ ہے کہ "مشاورت" کے خلاف ایک زبردست جنگ آزمائی کی جائے اور جو کوئی بھی اس کی مخالفت کرے اس کو سختی سے دبا دیا جائے - وہ یقین رکھتا ہے کہ اس نظام کے قیام کے لئے "مذہبی خبط کی روح" پیدا کرنا ضروری ہے اور ہمیں تمام تر کوششیں یہی ثابت کرنے پر مرتکز کر دینی چاہئیں کہ ہمارا عندیہ اور لائحہ عمل عین راہ نجات ہے اور مخالفین اس تحریک کیلئے محض کھاد کا کام دیتے ہیں - جو شخص اس نظریہ کی مخالفت کریگا اس کو اس نظریہ کی چکی میں پیس دیا جائیگا -

اس تحریک کا مطمح نظر شخصیت کو مضبوط کرنا ہے اور اسی کی تعظیم وتکریم کو دنیا میں قائم کرنا ہے - اس کی رو سے انسانیت کی قیمت یہی ہے کہ شخصیت کا اقتدار منوایا جائے اور یہ ثابت کر دیا جائے کہ جو بھی تعمیری کام ہوتے ہیں وہ ایک متبع الشان کی رہنمائی کے مرہون منت ہیں -

ایک دفعہ ہٹلر نے اپنی قوم کو جمع کیا اور ان کو یوں مخاطب کیا کہ - "اے لوگو! اگر تم عزت اور بڑائی کے خواہاں ہو تو آؤ میں تمہیں ایک ترقی کا راز بتاؤں" سب لوگ قریب قریب سمٹ گئے اور اس راز کو سننے کے لئے بیقراری سے ہمہ تن گوش بن گئے کہ ہٹلر کی بم آسا آواز نے جرمنی کی وسیع فضا میں یہ گونج پیدا کی "ہٹلر! ہٹلر!! ہٹلر!!!" - جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر قوم ترقی کی خواہشمند ہے تو اس کو ہٹلر کی شخصیت مضبوط کرنے کیلئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرنا چاہئے اور اسی کا اقتدار دنیا میں قائم کرنا چاہئے

صالح اولاد

ہٹلر کے خیال میں حکومت کا پہلا فرض یہ ہے کہ شادی کو ایک "ابدی لعنت" کی بجائے ایک ایسا ادارہ بنایا جائے جو "خدا کے بروز" دنیا میں پیدا کرے جب تک کہ ایک مرد اور ایک عورت صحیح الجسم اور صحیح العقل نہیں ہیں ان کو اولاد جننے کا کوئی استحقاق نہیں ہونا چاہئے پھر جو باصحت اور باہوش انسان ہیں ان کو ضبط تولید یا مانع حمل اصولوں پر عمل نہیں کرنا چاہئے -

اسی نظریہ کی بنا پر ہر ہٹلر نے برسر اقتدار ہوتے ہی یہ حکم دیا کہ جو کوڑھ اور مجنون ہیں ان کو خصی کر کے اولاد پیدا کرنے کے ناقابل بنا دیا جائے اور جو صحیح الجسم اور صحیح الدماغ اشخاص ہیں ان کو زیادہ اولاد پیدا کرنے کے صلہ میں انعام واکرام دیا جائے -

بچوں کی تربیت

پھر ہٹلر کے خیال میں حکومت کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ بچوں کے اندر محض کتابیں اور تھیوریاں نہ ٹھونسے بلکہ ان کی جسمانی اور اخلاقی ترقی کی طرف بھی توجہ کرے تاکہ وہ صرف کتابوں کے کیڑے ہو کر نہ رہ جائیں بلکہ ان کے اندر قوت فیصلہ، قوت ارادی اور قوت ضبط وغیرہ کی خصوصیات

پیدا کی جائیں۔ تاکہ بڑے ہو کر وہ احساسِ ذمہ داری کے بوجھ کو سنبھال سکیں

الغرض حکومت یہ سمجھ کر کام کرے کہ ایک معمولی تعلیم والا لیکن اخلاق اور جسم کا مضبوط انسان قوم کے لئے ایک نہایت اعلیٰ تعلیم یافتہ کمزور سے بدرجہا بہتر ہے۔ چونکہ جسم اور اخلاق کی تربیت صرف ماں باپ یا اس لڑکے پر اثر انداز نہیں ہوتی بلکہ اس کا اثر حکومت اور قوم پر بھی پڑتا ہے اس لئے حکومت کو تمام تر کوششیں اسی کی حفاظت اور ترقی کے لئے لگا دینی چاہئیں

ہٹلر کا خیال ہے کہ سکول میں زیادہ وقت صرف جسمانی ترقی کے لئے وقف رکھنا چاہئے اور کوئی دن ایسا خالی نہ رہے جب لڑکا کم از کم ایک گھنٹہ جسم کی ورزش نہ کرے۔ سکولوں میں زیادہ تر سچائی۔ قربانی کے لئے آمادگی، خاموشی اور دیگر ایسی ہی خصوصیات حسنہ پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور نوجوان دماغوں میں ایسے علوم نہ ٹھونسنے چاہئیں جن کا نوے فیصدی حصہ بیفائدہ اور بیسود ہوتا ہے اور سوائے اس کے کہ وہ بعد میں اکثر بھول جائیں ان کا کوئی عملی فائدہ مترتب نہیں ہوتا۔

عورتوں کا اصلی مقام

ہٹلر کے خیال میں عورتوں کی اصل جگہ اپنے گھروں میں ہے جہاں وہ بال بچوں کی پرورش اور خانگی کام کاج کر سکتی ہیں اس لئے ہٹلر نے آتے ہی تمام عورتوں کو دفاتر اور تجارتی شعبہ جات میں سے نکال دیا اور حکم دیا کہ وہ گھر جا کر اپنے مقررہ فریضہ (تربیت اولاد) کو سرانجام دیں۔

یہودیوں کا اخراج

ہٹلر اپنے ملک میں کسی خارجی اثر کو برداشت نہیں کر سکتا اس لئے اس نے حکم دیا کہ تمام خارجی لوگ جو زیادہ تر یہودی ہیں اور قومیت کے سخت دشمن فوراً ملک سے باہر نکل جائیں۔ اس تحریک کے سلسلے میں ہزاروں لاکھوں یہودی ملک بدر کر دیئے گئے۔ جن میں بڑے بڑے مدبر، آئین ساز اور سائنس ایسے سائنسدان بھی موجود تھے۔

ہٹلر کے خیال میں یہودی نہ صرف قومیت کے دشمن تھے بلکہ ملک کے تمام شعبہ مالیات کے بھی وہی کارپرداز تھے۔ جس کی وجہ سے تمام ملک کی تنظیم متزلزل تھی۔ اس لئے ملک کو ان کے پنجے سے رہائی دینے کے لئے بہتر یہی تھا کہ ان کو نہایت بے عزتی سے باہر نکال دیا جائے چنانچہ ان سے مخلصی پاتے ہی ملک کے ہزارہا نوجوانوں کے لئے مسئلہ بیکاری حل ہو گیا۔ اور اب قومیت فروغ پا رہی ہے جس کے ذریعہ ملک دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔

عہد نامہ ورسائی کی تنقیص

ہٹلر کی سیاسی پالیسی یہ ہے کہ وہ "عہد نامہ ورسائی" پر عمل کرنا ملک کی ترقی کے لئے زہر قاتل تصور کرتا ہے اس نے اسلحہ کے متعلق جمعیۃ اقوام کی تجاویز کو خاک میں ملا دیا ہے اور وہ کسی قسم کی تخفیف کرنے کیلئے تیار نہیں عہد نامہ ورسائی کی رو سے جرمنی کو اپنے جنگی بیڑوں اور آبدوز کشتیوں کو ایک مقررہ حد کے اندر رکھنا ضروری تھا لیکن ہٹلر کا یقین ہے کہ اس طرح سے جمعیت جرمنی کو دیگر اقوام میں ذلیل کرنا چاہتی ہے۔ اور تخفیف اسلحہ کی مدد سے ان کو ایک ابدی کمزوری اور غلامی کے قعر مذلت میں گرا دینا چاہتی ہے اور جرمنی یہ برداشت کرنے کیلئے ہرگز تیار نہیں اس لئے وہ اپنی فضائی اور بحری طاقت کو دیگر اقوام کے دوش بدوش لانے کیلئے تیاری کر رہا ہے اور فوجی تربیت ہر ایک کے لئے لازمی قرار دی گئی ہے ہر ہٹلر اپنی چھینی ہوئی نو آبادیاں بھی واپس لینا چاہتا ہے چنانچہ اس کے لئے اس نے کئی مرتبہ دول عالم کو چیلنج دیئے ہیں اور وہ ان کے لئے لڑائی بھی کرنے کو تیار ہے اسی غرض سے اس نے دیگر فسطائیہ طاقتوں سے اتحاد و ارتباط کا رشتہ جوڑنا شروع کیا ہے اس نے اسپین کی باغی طاقتوں کو امداد دی اور اب جاپان کی چین کے خلاف مدد کر رہا ہے اس کی غرض محض یہ ہے کہ نو آبادیاں واپس لینے کے لئے اس کے پاس کافی حلیف ہو جائیں۔

ضروری اعلان

عالمگیر عید قربان نمبر سنہ ۱۹۳۸ء

ایک عرصہ سے ادارہ "عالمگیر" کی طرف سے عید الضحیٰ کے موقع پر عالمگیر کا عید قربان نمبر شایع کیا جاتا ہے چونکہ یہ سال کے بارہ ۱۲ پرچوں کے علاوہ تیرھواں اور زائد پرچہ ہوتا ہے اس لئے تمام سالانہ خریدار حضرات کو قیمتاً دیا جاتا ہے اور ہمیں مسرّت ہے کہ ہمیشہ عالمگیر کے تمام معاونین کرام اسے بصد شوق خریدتے ہیں۔ عالمگیر کے تمام تمام پُرانے خریداروں کو اس کا علم ہے۔ یہ اعلان صرف ان اصحاب کیلئے ہے جو عالمگیر کے نئے خریدار ہیں۔

اس سال آپ کے عالمگیر کا عید قربان نمبر اپنی تمام صوری و معنوی خوبیوں اور رنگا رنگ خصوصیتوں کے ساتھ عید سے تین چار روز قبل شایع ہو جائیگا اور تمام خریدار حضرات کی خدمت میں بذریعہ وی۔پی۔ قیمتی عہر ایک روپیہ چار آنے معہ محصولڈاک ارسال ہوگا۔

عید قربان نمبر کی دلکش خصوصیات، بلند پایہ مضامین، دلگداز افسانوں، کیف بار نظموں اور نظر فریب تصاویر کے متعلق اجمالاً بھی کچھ عرض کرنے کے لئے نہ وقت ہے اور نہ ضرورت کیونکہ عالمگیر کے تمام ناظرین کرام اس حقیقت صحیحہ سے بخوبی واقف ہیں کہ عالمگیر کا ہر ایک خاص نمبر اپنی نظیر آپ ہوتا ہے اور ادارہ عالمگیر کی طرف سے جو اعلانات شایع ہوتے ہیں وہ حرف بحرف صحیح ثابت ہوتے ہیں۔

جو حضرات عالمگیر کے سالانہ خریدار نہیں ہیں انھیں یہ عدیم النظیر عید قربان نمبر ایک روپیہ آٹھ آنے معہ محصولڈاک میں ملیگا۔

نیازمند:- مینجر عالمگیر لاہور

لمعات!

از جناب نیّر امرتسری

زمانے کی جو رفعت ہے یہاں معلوم ہوتی ہے
زمینِ کوئے جاناں آسماں معلوم ہوتی ہے

زبانِ حال دل کی ترجماں معلوم ہوتی ہے
محبت میں خموشی داستاں معلوم ہوتی ہے

نہاں ہونے پہ بھی الفت عیاں معلوم ہوتی ہے
یہ شرمیلی نظر کچھ رازداں معلوم ہوتی ہے

کبھی نیچی نگاہوں سے مجھے بھی دیکھ لیتے ہیں
مری تقدیر کچھ کچھ مہرباں معلوم ہوتی ہے

الٰہی وصل کی شب ہجر کا کھٹکا نہیں جاتا
کہ مجھکو ہر صدا بانگِ اذاں معلوم ہوتی ہے

مٹایا امتیاز ایسا مرے سجدوں کی کثرت نے
جبینِ شوق سنگِ آستاں معلوم ہوتی ہے

مزیّن جب سے افشاں نے کیا ہے زلفِ شبگوں کو
تمھاری مانگ بالکل کہکشاں معلوم ہوتی ہے

محبت میں مجھے فکرِ دو عالم سے ہے آزادی
تمھاری یاد گنجِ شائگاں معلوم ہوتی ہے

سُن اے زاہد یہ دخترِ رز کبھی بوڑھی نہیں ہوتی
کہن سالہ ہو جتنی بھی جواں معلوم ہوتی ہے

نہیں معلوم کس انداز کا قاتل ہے وہ ظالم
کہ جس کی تیغ برقِ بے اماں معلوم ہوتی ہے

میں ہوں اس عالمِ لاہوت کے دشت و بیاباں میں
جہاں منزل بھی گردِ کارواں معلوم ہوتی ہے

جو بربادِ محبت ہو جو پابوسِ تمنا ہو
اُسے ہر سانس مرگِ ناگہاں معلوم ہوتی ہے

کسی کے عشق میں نیّر یہ حالت ہو گئی دل کی
حدیثِ قیس اپنی داستاں معلوم ہوتی ہے

پروفیسر

از جناب مرزا عاشق علی بیگ صاحب خیال مُرادآبادی

پروفیسر صاحب کے غصہ کا درجہ حرارت کھولاؤ کے درجہ تک پہونچ رہا تھا۔ کیونکہ جب میں ان کے مطالعہ کے کمرے کے دروازے پر پہونچا تو اندر سے ان کے بے طرح خفا ہونے اور گرجنے کی آواز آرہی تھی اور آس پاس کے در و دیوار پہ لرزہ طاری تھا۔ میں ٹھٹک کر رہ گیا۔

آپ فرما رہے تھے۔ "جی ہاں! ٹیلیفون پر مجھ سے یہ دوبارہ مذاق کیا گیا ہے۔ غضب خدا کا۔ مجھ جیسے سائنسدان اور معروف تجربات انسان کی مصروفیت میں کوئی خبیث خلل انداز ہو رہا ہے۔ بار بار فون پر بلاتا ہے۔ میں یہ برداشت نہیں کرسکتا۔ آپ منیجر کو بلائیے! اچھا!! منیجر صاحب آپ خود ہیں۔ جناب من! یہ کیا حماقت ہے۔ آپ کو اپنے فرائض کا احساس ہونا چاہئے۔ یہ کون ہے جو مجھے فون پر بار بار بلا کر تنگ کر رہا ہے۔ آپ اس مداخلت کا سدباب کیجئے۔ آپ جیسی ذہنیتیں میری حکیمانہ مصروفیتوں کا اندازہ نہیں کرسکتیں۔ مہربانی فرما کر آپ سپرنٹنڈنٹ صاحب کو بھیجئے کیا وہ موجود نہیں؛ خوب! آپ معافی چاہتے ہیں۔ بہتر، تحریری معافی! خیر میں غور کرونگا۔ خدا حافظ"

اس مرحلہ پر میں بھی "یا حافظ یا حفیظ" کا ورد کرتا ہوا کمرہ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا کیونکہ اس کے مقصد کے لئے پروفیسر صاحب کی اس وقت کی حالت نیک شگون نہ تھی۔ پروفیسر صاحب "رسیور" کو میز پر پٹک کر پلٹے ہی تھے کہ میں ان کے سامنے دروازے پر قائل سا کھڑا تھا۔ آپ کی ہیئت کذائی اس وقت نہایت ہول انگیز تھی "جھاڑی داڑھی" کے بال شدت غضب سے ساہی کے کانٹوں کی طرح کھڑے تھے۔ چوڑا چکلا سینہ وفور طیش سے ایک خوفناک مدوجزر کا منظر پیش کر رہا تھا آتش غضب کی وجہ سے دہکتی آنکھوں سے انھوں نے مجھے سر سے لیکر پاؤں تک گھورا اور پھر رہا سہا غصہ گویا مجھ ہی پر اترنے لگا۔

"اوباش! مفت خورے! بدمعاش! میں اپنی جائز شکایت اور ناقابل برداشت تکلیف ان سے بیان کرتا ہوں اور وہ ٹھٹھے اڑاتے ہیں ٹیلیفون لگوا کر جان عذاب میں آگئی۔ نکمے لوگ بار بار بلاتے ہیں بمقصد اور مطلب خاک نہیں۔ مجھے تنگ کرنا مقصود ہے دشمنوں نے میرے خلاف کوئی متفقہ سازش کر رکھی ہے"۔

"اچھا! جناب! آپ ہیں۔ خوب۔ آج کا دن ہی منحوس ہے۔ کوئی کام نہیں ہوسکے گا۔ صبح سے ٹیلیفون، اور اب آپ، تشریف رکھئے، فرمائیے آپ کا شان نزول ـــــ بھئی سچ تو یہ ہے کہ اگر آپ دوست کی حیثیت سے تشریف لائے ہیں تو بسر و چشم۔ لیکن اخباری نمائندہ کی حیثیت سے میرا دماغ چاٹنا ہے تو ٹھنڈے ٹھنڈے سدھاریے کیونکہ مجھے فرصت نہیں ہے"۔

میرے لئے بڑی دقت درپیش تھی۔ میں اپنے اخبار کے ایڈیٹر کا ایک خط لیکر واقعی نمائندگی کا فرض انجام دینے آیا تھا اور اس حیثیت سے مجھے شرف باریابی بخشنے سے صاف انکار کر دیا گیا تھا۔ میں تذبذب کی حالت میں اپنے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالکر وہ خط تلاش کر رہا تھا کہ اتنے میں پروفیسر صاحب کو مجھ پر برسنے کا ایک اور موقع ہاتھ آگیا یعنی آپ اپنے بڑے بڑے اور بھورے بالوں سے ڈھکے ہاتھوں سے جو بن مانسوں کے پنجے سے بہت مشابہ تھے میز کے کاغذوں کو الٹنے پلٹنے لگے اور جلدی ہی اخبار کا ایک تراشا (Cutting) نکالکر میری طرف پھینک کر بولے۔

"شکر گذار ہوں کہ جناب نے اپنے ایک تازہ مقالہ میں خاکسار کا ذکر فرمایا ہے۔ آپ کے مقالے کا پارہ جو میرے متعلق ہے یہاں [illegible]

"عہد حاضر کے سائنسدانوں میں پروفیسر ..... بھی ..."

کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس زمانے میں میرے سوا کوئی اور بھی سائنسدان ہے جو لفظ "بھی" کا استعمال آپ نے کیا؟ اگر یہ حقیقت ہے تو آپ کا فرض تھا کہ ان کا بھی ذکر کیا جاتا۔ ورنہ آپ کا یہ انداز تحریر سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں تک معقول کہا جاسکتا ہے۔"

میں نے زمانہ حال کے زندہ سائنسدانوں کے متعلق ایک مضمون لکھا تھا اور اس میں پروفیسر ممدوح کا بھی ذکر کیا تھا اور لکھا تھا کہ "عہد حاضر کے سائنسدانوں میں پروفیسر صاحب بھی ایک زندہ جاوید مستقبل کی تعمیر میں مصروف ہے پروفیسر کا اعتراض یہ تھا کہ جب اس زمانہ میں کوئی حقیقی سائنسدان ان کے پایہ کا موجود نہیں تو ان کی یکتائی اور انفرادیت کو لفظ "بھی" لگا کر کیوں معرض خطر میں ڈالا گیا۔ چنانچہ میں نے اعتراف ہو کرتے ہوئے کہا۔

"حقیقت یہ ہے کہ میں اپنے مفہوم کو موزوں الفاظ میں ادا نہیں کرسکا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ "دنیائے سائنس کے اس آخری دور کے سائنسدانوں میں پروفیسر صاحب بھی ..... "یعنی زندہ سائنسدان بزرگ و یکتا فرد آپ ہی ہیں۔" اور یہ امر واقعہ ہے کہ اس وقت میں نے جو کچھ کہا وہ ازراہ تملق و خوشامد نہیں تھا بلکہ پروفیسر کے متعلق میرا یہی عقیدہ ہے۔ غرض میرے اس جواب سے ان کا غصہ کافور ہوگیا اور ارشاد ہوا۔

"عزیزمن! مجھے خوشامد نہیں پسند ہے۔ خودستا اور خودنما نہ سمجھنا، آج کی ناقدر شناس اور حقیقت سے بے بہرہ دنیا میں ہر کس و ناکس حکمت و طبیعات کا ماہر بن بیٹھتا ہے اور عوام کو علم جہالت انگیز سے دھوکا دے رہا ہے ایسی حالت میں کسی حقیقی سائنسدان کو اپنی خودداری کی حفاظت کرنا پڑتی ہے ویسا خود پرستی میری فطرت سے بعید ہے مگر جہالت کی اس اندھیر نگری میں تھوڑی سی خودنمائی اپنی شہرت کی حفاظت کیلئے ازحد ضروری ہے۔ خیر! یہ کہو کہ اس وقت کیسے تکلیف فرمائی ہے؟"

پروفیسر صاحب کی افتاد طبع کا لحاظ رکھتے ہوئے مجھے اس وقت انتہائی احتیاط کے ساتھ اپنا مقصد پیش کرنے کی ضرورت تھی ورنہ ذرا سی لغزش ان کو برافروختہ کرنے کے لئے کافی تھی۔ چنانچہ میں نے ایڈیٹر کا خط کھولتے ہوئے کہا "..... میں آپ کی خیریت مزاج معلوم کرنے کیلئے عرصے سے حاضری کی کوشش کر رہا تھا مگر آج ایڈیٹر صاحب نے مجھے بلا بھیجا اور یہ خط دیکر زور دیا کہ سب کام چھوڑ کر میں آپ کا قیمتی وقت ضائع کرنے کی جرأت کروں۔ یہی وجہ ہے کہ میں آپ کی انتہائی مصروفیت کے وقت مخل ہو رہا ہوں۔ مگر اجازت ہو تو خط پڑھ کر سنا دوں۔"

"خوب! تمہارے ایڈیٹر صاحب جہاں تک میں سمجھتا ہوں اپنے معاصرین میں نہایت معقول آدمی ہیں۔"

"بجا ارشاد ہوا۔ وہ آپ کے بیحد مداح ہیں۔ آپ کی غیر معمولی علمیت اور تجربہ کے اس درجہ معتقد ہیں کہ جب کبھی ان کو کسی دقیق طبیعاتی مسئلہ میں استصواب رائے کرنا ہوتا ہے وہ آپ کی رائے حاصل کرنے کے لئے آپ کی طرف رجوع فرماتے ہیں چنانچہ اسی قسم کا ایک معاملہ اس وقت بھی درپیش ہے اور وہ آپ کی گرانقدر توجہ کے متمنی ہیں۔"

پروفیسر ضرورت سے زیادہ خوشامد پسند واقع ہوئے تھے۔ میری اس گفتگو سے بہت مسرور ہوئے اور اپنی دونوں کہنیاں میز پر ٹیک کر بیٹھ گئے اور ہمہ تن توجہ بن کر میری طرف دیکھنے لگے۔

اس وقت آپ اگرچہ پوری انسانیت اور خوش مزاجی کی دماغی کیفیت میں تھے مگر اپنی جھاڑ سی ڈاڑھی۔ سرخ سرخ غلافی آنکھیں بھورے بالوں سے قریب قریب ڈھکے ہوئے بڑے بڑے ہاتھ اور فیلانہ ڈیل ڈول کی ہیئت ترکیبی کے ساتھ حالت غضب سے بھی بڑھکر ابوالہول نظر آرہے تھے۔ ایک علمی اور طبیعاتی انسان ہوتے ہوئے موصوف کی جسمانی قوت اور طاقت حقیقتاً غیر معمولی چیز تھی۔ بہرحال میں نے خط پڑھنا شروع کیا۔

"جناب من!

ایک ملکی سائنسدان نے ایک نہایت عجیب و غریب مشین ایجاد کی ہے اس کا دعویٰ ہے کہ جو چیز بھی اس مشین کے حلقہ اثر میں آجائے گی اس کے عمل منفی سے اس چیز کے عناصر ترکیبی چشم زدن میں تحلیل ہو کر فضا میں غائب ہوسکیں گے۔ یہاں تک تو چنداں حیرت انگیز بات نہ تھی مگر اس کا یہ ادعا کہ اس مشین کے عمل مثبت سے غائب شدہ چیز پھر اپنی اصلی شکل و صورت میں یا حال کی حسب مرضی تغیر و تبدل کے ساتھ معرض وجود میں آجائیگی یہ امر کس قدر حیرت انگیز و معجز نما ہے۔ بظاہر اس کا یہ دعویٰ مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہے مگر جب اس اختراع و ایجاد کے زمانے کی نیرنگیوں پر غور کیا جاتا ہے تو کچھ مستبعد نہیں کہ موجد مذکور نے ممکن ہے کہ ناموس فطرت کا کوئی ایسا

از معلوم کر لیا ہو جس سے وہ سلب وجود اور اعادۂ وجود پر قادر ہو سکتا ہے
اس انقلاب انگیز ایجاد کے متعلق صرف اتنا اور عرض کرنا ہے کہ اگر یہ امر
واقعہ ہے تو دنیا اپنی خون آشام ذہنیت کے لحاظ سے ایک ایسے ہلاکت
انگیز آلہ حرب کی مالک ہونے والی ہے جو آہن پوش جنگی جہازوں کو معہ
اس کے تمام سامان حرب اور سپاہیوں کے فنا کے گھاٹ اتار دیگی اور پھر
لطف یہ کہ اس کے شکار کا کوئی مادی نشان سطح آب پر نظر نہیں آئے گا۔
فوج کے بڑے سے بڑے دستہ کو چٹکی بجاتے میں گرد و غبار کر کے اڑا دیگی اور
کسی کو خبر بھی نہ ہوگی۔ اس سے موجودہ دنیا کی سیاسی اور تمدنی زندگی میں
جو قیامت صغریٰ نمودار ہونے والی ہے اس کی اہمیت کا اندازہ کرتے ہوئے
میری تمنا ہے کہ آپ بذات خاص اس کو ملاحظہ فرما کر اپنی رائے سے اطلاع
دیجئے تاکہ اسے اخبار میں شایع کیا جا سکے۔ چونکہ موجد اپنی ایجاد کو فروخت
کرنا چاہتا ہے اس لئے وہ خواہشمند حضرات کو اس کا معاینہ کرائیگا۔ حامل عریضہ
ہذا آپ کی خدمت میں پہونچ رہے ہیں وہ آپ کے لے جانے اور معاینہ کرانے
کے معاملات میں آپ کی پوری خدمت بجا لائینگے امید کہ اس عجوبہ روزگار ایجاد
کے متعلق پوری روئیداد مع آپ کی قیمتی رائے کے کل کے اخبار کے لئے مہیا ہوگی"
خط ختم کرنے کے بعد میں نے کہا۔ "واقعی معاملہ اس قدر اہم ہے کہ بغیر
آپ کی تکلیف فرمائی کے ہم صحیح معلومات حاصل نہیں کر سکتے اب تو آپ کو
تھوڑا سا وقت دینا ہی پڑیگا۔ پبلک اس کے لئے آپ کی بڑی شکر گذار ہوگی۔"
پروفیسر صاحب نے ایک شان بے نیازی اور ذرا تمکنت سے کہا۔
"فضول اہمیت دی جا رہی ہے۔ کوئی شعبدہ باز مکار ہوگا یہ موجد بھی۔ دنیا
ہیجان انگیزی کو پسند کرتی ہے۔ متمدن انسان مجھے افسوس ہے وحشی انسانوں
سے بھی بڑھکر توہم پرست بنتے چلے جا رہے ہیں۔ تم خود ماشاء اللہ ذہین اور
تجربہ کار ہو۔ جاؤ۔ جو دیکھو گے لکھ لکھا لینا۔ چلو اخبار کی ضرورت پوری ہو جائیگی"
(کچھ سوچکر) "مگر ذرا ٹھہرو! اگر تمہیں اس مشین کی سائنس اور نظریہ کی تفصیل
درکار ہے تو واقعی تم کو دشواری ہوگی ـــــ آج خدا جانے صبح ہی صبح کس منحوس
کا منہ دیکھا تھا کہ کچھ کام نہ ہو سکا۔ ٹیلیفون پر لوگ بیکار بیکار کر تنگ کرتے رہے
اور سارا کام کا وقت تباہ ہو گیا۔ اب اس تباہی کی تکمیل اگر آپ کی خدمت سے
ہونی ہے تو مجھے اس میں مضائقہ نہیں۔ چلئے میں حاضر ہوں۔"
اس کے بعد میرے ہاتھ میں اسی ٹیلیفون کا رسید تھا جس نے پروفیسر صاحب

کو صبح سے بیزار رکھا تھا۔ میں نے نمبر ملا کر مشین کے موجد کو اپنی آمد کی اطلاع دی
اور پھر ہم دونوں زمین دوز ریل گاڑی سے منزل مقصود کی طرف روانہ
ہو گئے۔ مجھے معلوم نہیں کہ پروفیسر صاحب کس دھن میں تھے مگر میں محسوس
کر رہا تھا کہ آنے والا واقعہ میری زندگی کا کوئی عجیب و غریب سانحہ ہے جب
ہم منزل مقصود پر پہونچے تو میں نے دیکھا کہ ہمارے میزبان کا مکان نہایت
آرام دہ اور آراستہ تھا۔ وہ اس وقت ملاقات کے کمرہ میں دوسرے لوگوں سے
مصروف گفتگو تھا۔ اس لئے ہمیں ایک اور کمرہ میں تقریباً آدھ گھنٹے تک اس
کے انتظار میں بیٹھنا پڑا۔ جس کمرہ میں ہم بیٹھے تھے اس کے سامنے سے چند آدمی
گذرے جو اپنے حلیہ اور لباس سے رئیس شرفا معلوم ہوتے تھے اور یقیناً ہمارا
میزبان انہیں لوگوں سے مصروف گفتگو تھا۔
قیاس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ لوگ بھی اسی حیرت انگیز ایجاد کے
متعلق اس سے ملنے آئے تھے۔ غرض ان کے جانے کے بعد ہمارا میزبان ہاتھ
ملتا ہوا کمرہ میں داخل ہوا۔ اس کے ہونٹوں پر دلکش تبسم کی لہریں کھیل رہی
تھیں۔ مگر اس کی آنکھوں میں کچھ ایسی کیفیت تھی جس کو میں بے اختیار شرارت
سے منسوب کرنے پر مجبور تھا۔ اس کا قد چھوٹا اور جسم بھاری تھا اور فربہی کی وجہ
سے متناسب اعضا مفقود معلوم ہوتے تھے مگر اسی کے ساتھ یہ امتیاز کرنا مشکل تھا
کہ اس کے جسم کا کون سا حصہ غیر متناسب اور ناموزوں ہے۔ بہر حال اس کی
چال ڈھال اور خصوصاً اس کی آنکھوں کو دیکھکر بحیثیت مجموعی جو رائے قایم
کی جا سکتی تھی وہ یہی تھی کہ وہ خطرناک انسان تھا مگر اس کا بڑا سا شاندار سر
اس کو ایک مفکر فلاسفر اور غیر معمولی انسان ثابت کر رہا تھا۔ آتے ہی اس نے
شیریں آواز میں کہا۔
"اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو آپ وہی حضرات ہیں جن کی تشریف آوری
کی اطلاع مجھے ٹیلیفون پر مل چکی ہے کیا آپ اپنی حکومت کی طرف سے نمایندہ بنکر
میری مشین کا معاینہ کرنے تشریف لائے ہیں؟"
"جی نہیں، میں تو اخبار کا نمائندہ ہوں اور آپ پروفیسر۔۔۔"
اس نے میری بات کاٹ کر کہا۔ "اخاہ! پروفیسر صاحب بخیر و خوبی
آمدید! مجھے آپ سے نیاز حاصل کر کے بڑی خوشی ہوئی۔ یوں تو غائبانہ میں آپ کے
اوصاف و کمالات کا معترف ہوں مگر آج ہی کی ملاقات۔۔۔ مگر پروفیسر صاحب
مجھے افسوس ہے کہ آپ کی حکومت میری مشین کی

[illegible] کی جنگ چھڑی ہوئی ہے۔ اس کا جو دا ہو رہا ہے اور اب میں اس کو [illegible] کے ہاتھوں فروخت کر رہا ہوں جو مجھ کو منہ مانگی قیمت دیگی۔ اگر یہ مشین [illegible] کسی ایسی طاقت کے قبضہ میں آگئی جس سے آپ کی حکومت کے تعلقات ناخوشگوار ہیں تو اس کی تمام تر ذمہ داری آپ ہی لوگوں پر عاید ہوگی۔"

"[illegible] آپ مشین فروخت کر رہے ہیں یا اس کا راز بھی؟" — پروفیسر صاحب نے سوال کیا۔

"نہیں صرف مشین! اس کا راز کسی قیمت پر بھی فروخت نہیں کرونگا۔"

"جو لوگ اس کو خریدینگے کیا وہ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکینگے؟"

"جی ہاں یقیناً۔"

"کیا کوئی آپ کے علاوہ اس کے راز کو معلوم کر سکتا ہے؟"

"نہیں صاحب۔"

اس نے اپنی بلند پیشانی پر انگلی مار کر کہا۔ "یہ میرا دماغ آہنی صندوق ہے جس میں اس کا راز مقفل ہے میرے ارادے کی کنجی کے سوا اس کو کوئی نہیں کھول سکتا۔ یہ ممکن ہے کہ میں اس راز کا ایک حصہ ایک شخص کو تبلا دوں اور دوسرا کسی دوسرے آدمی کو لیکن دنیا میں پورے راز کا علم سوائے میرے اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔"

"جو لوگ اس مشین کو خرید رہے ہیں ان کو آپ نے اس کے راز کا کوئی حصہ بتایا ہے یا نہیں؟"

"جی نہیں، میں ایسا احمق نہیں ہوں کہ قیمت کی ادائیگی سے قبل ان کو راز افشا کر دوں۔ ادائگی قیمت کے بعد بھی وہ میرے راز کی بجائے میرے دماغ کو اس کی تمام قابلیتوں کے ساتھ خرید لینگے اور پھر دنیا کی تاریخ نئے انداز سے شروع ہوگی۔"

یہ کہہ کر اس نے پھر ہاتھوں کو ملنا شروع کر دیا اور اس کے ہونٹوں کا مستقل تبسم ایک قسم کی زہر خند مسکراہٹ میں تبدیل ہو گیا۔ ہمارے پروفیسر صاحب جو بیشک خاموشی سے اس کی تقریر سن رہے تھے مگر چہرے کے اتار چڑھاؤ سے انتہائی بیزاری اور نفرت کا اظہار کر رہے تھے جھنجھلا کر بولے۔

"[illegible] معاف کیجئے۔ ہم کو اس مسئلہ پر بحث کرنے سے قبل یہ اطمینان ہونا [illegible] کہ آپ کے متعلق یا [illegible] آیا ہاں اور یہی [illegible] وہ [illegible] نہیں ہیں جو آج کل لوگ دنیا کو بیوقوف بنانے کے لئے عجیب و غریب کارروائیاں کرتے ہیں۔ مگر جب تحقیقات کی جاتی ہے تو سوائے تضیع اوقات کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ میرے دوست تو نمائندہ اخبار ہیں وہ تو آپ کی گفتگو سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں مگر میں نہایت کم فرصت اور مشہور سائنسدان ہوں جس کا اعتراف آپ بھی ابھی اپنی گفتگو کے آغاز میں کر چکے ہیں۔ حالانکہ میری عالمگیر شہرت کو آپ میرے ملک اور قوم ہی تک محدود کرنے کی غلطی کر چکے ہیں۔ خیر! احتیاط یا عامیانہ الفاظ میں بدگمانی علمی تحقیقات میں اہل الاصول ہے۔ ہم لوگ باتوں سے زیادہ تجربات پر بھروسہ کرنے کے عادی ہیں۔ بہرحال آپ کو سب سے پہلے اپنی ایجاد کا تجربہ اور مشاہدہ کرانا چاہئے تاکہ مجھے کوئی رائے قائم کرنے کا موقع مل سکے۔"

موجد کے چہرہ پر اس نشتر اور معاملانی گفتگو سے ناگواری سی ظاہر ہوئی مگر اس نے اپنی شگفتہ مزاجی کو دوبارہ اپنے اوپر طاری کرتے ہوئے کہا۔

"پروفیسر صاحب! آپ جیسی شہرت اور قابلیت کے مالک ہیں دنیا اس کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتی۔ میں سن چکا ہوں کہ سائنس کی دنیا میں شہرت آپ کی ہی ایک ایسی ہستی ہے کہ جس کو کوئی مغالطہ نہیں دے سکتا اور میں خوش ہوں کہ اپنی غیر معمولی ایجاد کی آج آپ سے داد حاصل کر کے رہونگا۔ میں ابھی اس کو جناب کے عملی مشاہدے کے لئے پیش کرونگا۔ بشرطیکہ آپ اس کے دیکھنے سے قبل مجھے چند امور بطور تعارف و تمہید عرض کرنے کی اجازت دیں۔"

پروفیسر صاحب کے کڑے تیوروں سے غریب موجد کچھ مرعوب سا ہو گیا تھا اور اس کی گفتگو میں کافی نرمی اور لجاجت پیدا ہو چکی تھی۔ تعلی اور شوخی غایب تھی۔ ان کو خاموش اور راضی دیکھ کر اس نے سلسلہ کلام پھر شروع کیا۔

"آپ یقین کیجئے کہ میری موجودہ ایجاد نمونہ اور ایک کھلونے کی حیثیت رکھتی ہے لیکن باینہمہ وہ اپنی قوت و اثر کے لحاظ سے پورا کام کر سکتی ہے۔ جو چیز بھی اس کے حلقۂ اثر میں رکھی جائیگی اور اس کو عمل منفی کے لحاظ سے استعمال کیا جائیگا تو وہ اس کو اجزائے لایتجزیٰ میں تبدیل کر کے غائب کر دے گی۔ اور اپنے عمل مثبت سے پھر اسی شکل و صورت میں واپس کر دیگی۔ گستاخی معاف آپ پر اس کا تجربہ کیا جائے تو چشم زدن میں آپ غائب ہو جائینگے اور آپ کے اجزائے ترکیبی اپنے اپنے عناصر میں گھل مل جائینگے۔ اور پھر اسی طرح واپس بھی لا کر آپ کو پھر زندہ پیش کر دیا جا سکتا ہے

مگر یہ سائنٹفک ایجاد محض اسی لئے نہیں کیونکہ یہ تو صرف ایک قسم کی شعبدہ بازی ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ اس نمونہ کی بہت بڑی مشین بنائی جائے اور اس سے بڑے بڑے کام لئے جائیں۔ دنیا کی تخریب و تعمیر کا مستقبل صرف اسی کے اوپر بھروسہ کر سکے۔"

پروفیسر صاحب اس کی ایک حد تک طویل اور بے ربط گفتگو سے پھر بے صبر ہو گئے اور بات کاٹ کر بولے۔ "خیر مجھے اس شاعری سے معاف فرمایئے اور اُسے جلد دکھایئے۔"

"جناب میں اسے صرف دکھاؤنگا ہی نہیں بلکہ اگر آپ میں ہمت ہوئی تو آپ ہی کو اس کا پہلا معمول بناؤنگا۔" موجد نے ذرا چڑ کر پھر شوخ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔

پروفیسر صاحب ایک دم بھڑک اٹھے اور گرج کر کہا۔ "بس جناب بس آپ کا انداز گفتگو نہایت ذلت خیز ہے۔ آپ مجھے بزدل سمجھتے ہیں آپ میری جرأت کو معرض بحث میں لا کر مجھے برافروختہ کر رہے ہیں۔"

"نہیں نہیں، میرا منشا یہ نہیں تھا۔ غلط فہمی ہو رہی ہے جناب کو۔ اگر آپ کو میرے ان الفاظ سے تکلیف پہونچی ہے تو میں ان کو واپس لیتا ہوں۔ مقصد یہ ہے کہ میں اپنی مشین کا کام آپ کو اس طرح دکھانا چاہتا ہوں کہ کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہ رہے اور آپ اس کا معمول بن کر ان کیفیات کا اندازہ کر سکیں جو اس سے پیدا ہوتی ہیں بعد ازاں آپ نہایت صحیح رائے قائم کر سکیں گے اور میں آپ سے آپ کی گرانقدر داد اور حوصلہ افزائی کا فخر حاصل کرونگا۔ براہ کرم مجھے اپنا نظریہ بیان کر لینے دیجئے۔ جس پر اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔"

"بہتر مگر ذرا اختصار سے کام لیجئے۔" پروفیسر صاحب نے ذرا ٹھنڈے ہو کر کہا۔

"دنیا جانتی ہے کہ نمک اور شکر وغیرہ کو اگر پانی میں ڈالدیا جاتا ہے تو وہ اس میں حل کر غایب ہو جاتا ہے گویا اس کا کبھی وجود ہی نہیں تھا۔ لیکن عمل تبخیر یا کسی اور ذریعے سے اگر اس پانی کو اڑا دیا جائے۔ تو شکر یا نمک کا جسم بعینہٖ پھر وجود میں آ جائیگا۔ لہذا عقل یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ ایک نظام عضوی جسم کا بھی تحلیل کیا جا سکتا ہے اور اس کو پھر خاص حکمت عملی سے اس کی سابقہ صورت و حالت میں لوٹایا جا سکتا ہے۔"

پروفیسر۔ مگر آپ کا یہ استدلال نامعقول ہے۔ میں مانتا ہوں کہ زندہ جسم کے اجزاء کسی عمل تجزیہ سے تحلیل ہو سکتے ہوں یہ شیشہ زرد [illegible] جا سکتے ہوں مگر یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ پھر وہی سابقہ صورت [illegible] کرے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ مصری کا ایک مربع ٹکڑا پانی میں حل ہو کر [illegible] عمل تبخیر سے اڑائے جانے کے بعد معرض وجود میں آ جائیگا۔ مگر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کی شکل اب بھی مربع ہوگی۔ میں مانتا ہوں کہ مادہ غیر فانی ہے لیکن صورت و شکل جو اس کو عارض ہوتی ہے وہ عارضی اور فانی ہے دنیا کی کوئی ہستی ایک شکل و صورت پر قائم نہیں ہر ایک انقلاب صوری و جسمی میں مبتلا ہے۔

موجد :۔ آپ کا اعتراض بجا ہے لیکن میں بہانگ دہل دعویٰ کرتا ہوں کہ میں نے اس راز کو پا لیا ہے اور میں اپنی مشین سے ہر قسم کے اجسام کو فضائے آسمانی میں غایب کر کے پھر ان کے ہر ہر ذرہ کو جو ہوا، پانی، خاک و باد میں آوارہ پھر رہا ہوگا دوبارہ اس کی سابقہ جگہ پر لا کر جسم معمول کو اصلی شکل و صورت میں پیش کر دونگا۔ یہی تو اس مشین کا کمال ہے میں مفت میں اس کی قیمت ایک کروڑ پونڈ نہیں مانگ رہا ہوں۔ آپ چونکہ فلسفی آدمی ہیں میرے اس استدلال پر غور فرمایئے کہ دنیا میں چاروں عناصر موجود ہیں کہ ایک عضوی جسم میں وہ سب کے سب اپنی جگہ پر ایک ناقابل فہم مشاہدہ و تنظیم کے ساتھ جمع ہو کر پھر تحلیل ہو جاتے ہیں۔ وہ کون سا نظام ہے اس کا علم کسی کو نہ تھا مگر آج میں اس علم کا دعویٰ کر رہا ہوں۔ (پروفیسر صاحب کو متبسم دیکھکر) آپ اس کا تمسخر اڑا سکتے ہیں کہ یہ بات نہایت عجیب اور ناقابل فہم ہے مگر تجربہ آپ کو سب کچھ بتا دیگا۔

پروفیسر :۔ میں تجربہ کے لئے تیار ہوں لیکن امر واقع یہ ہے کہ یقین نہیں آتا۔ میرا وقت نہایت قیمتی ہے اگر آپ بلا تمہید تاخیر اپنا شعبدہ دکھانا چاہتے ہیں تو بسم اللہ کیجئے۔

موجد ہمیں ہمراہ لے کر اپنے کل میں پہونچا جو اس کے مکان کے سب سے نچلے حصہ میں تھا ایک مختصر سا کمرہ تھا جس میں تانبے کے بہت سے باریک اور موٹے موٹے تار چھت سے لیکر زمین تک [illegible] کی طرح لٹک رہے تھے کمرہ کے وسط میں ایک تپائی پر ایک بڑا سا حقاق رکھا ہوا تھا اس کے بالمقابل تقریباً تین فٹ لمبا اور ایک فٹ چوڑا ایک قسم کا منشور شیشہ نصب تھا۔ اس کی داہنی جانب [illegible] اس کے اوپر تانبے کی [illegible]

[illegible] بانکیت اسدن کا تعلق تھا۔ اس کرسی کے ایک طرف لکڑی [illegible] لگے ہوئے تھے جن پر مختلف نمبر کھدے ہوئے تھے ایک دستہ [illegible] کا نشان بنا ہوا تھا۔

موجد نے مشین کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ یہی وہ کھلونا ہے جو دنیا میں انقلاب پیدا کرنے والا ہے۔ اقوام عالم میں سے جس کے پاس اس کا راز ہوگا وہ کرہ ارض کا مالک الیوم بن جائیگی۔ پروفیسر صاحب اس کے متعلق آپ کی تمام گفتگو شبہ انگیز اور ایک حد تک درشت رہی ہے اب متوقع ہے کہ آپ بہی اس کے متعلق صحیح رائے قائم کریں۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو اس کرسی پر بیٹھنے کی زحمت گوارہ کیجئے اور مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کا تجربہ آپ پر کرکے اس کا عمل دکھاؤں۔"

پروفیسر صاحب شیرانہ جرأت و دلیری کے مالک تھے اور جب کوئی شخص ان کے کسی اخلاقی پہلو پر حملہ آور ہوتے تھے تو وہ مارے طیش کے توازن دماغی کھو بیٹھتے تھے چنانچہ وہ موجد کی تعریض آمیز باتیں سن کر کرسی کی طرف لپکے مگر میں نے انکا بازو پکڑ کر کہا۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ خواہ مخواہ خطرہ میں نہ پڑیئے آپ کی زندگی بہت قیمتی ہے۔ یہ تجربہ ہلاکت انگیز معلوم ہوتا ہے۔ آپ کی جان کی حفاظت کی کیا ضمانت ہے خدا نخواستہ ۔۔۔۔۔"

پروفیسر صاحب نے بات کاٹ کر کہا۔ "بس یہ کہ آپ گواہ موجود ہیں اگر میں ہلاک ہوگیا تو ان پر قتل عمد کا مقدمہ چلیگا اور آپ کی گواہی پر ان کو تختہ دار پر لٹکا دیا جائیگا۔"

میں نے کہا۔ "حضرت یہ کوئی معقول بات نہیں فرمائی آپنے۔ آپ کی زندگی قوم کی ملکیت ہے یہ اقدام آپ کا خودکشی کے مرادف ہے جس کے لئے آپ اخلاقی حیثیت سے مجرم گردانے جائینگے۔ اگر آپکی زندگی اس حماقت کی نذر ہوگئی تو آپکا وہ غیر مختتم کام جو سوائے آپکے کوئی انجام نہیں دے سکتا کون کریگا۔ لہذا سب سے پہلے مجھے آپ اسکا معمول بننے دیجئے اگر تجربہ بے ضرر ثابت ہوا تو پھر آپ کو بھی اختیار ہے۔"

پروفیسر صاحب ذاتی خطرات سے ڈر کر پیچھے ہٹنے والے نہ تھے [illegible] سائنٹفک کام کے نامکمل رہ جانے کا تصور دلایا تو وہ بھی [illegible] میں نے فوراً موقع سے فائدہ اٹھایا اور اچک کر

کرسی پر جا بیٹھا۔ میں نے دیکھا کہ موجد نے آگے بڑھکر ایک دستہ کو گھمایا اور کھٹکنے کی سی ایک آواز پیدا ہوئی۔ پھر ایک لمحہ کیلئے مجھے اپنے جسم میں سنسنی اور سر میں چکر سا محسوس ہوا۔ آنکھوں میں اندھیرا آگیا ۔۔۔۔۔۔۔

جس وقت یہ کیفیت دور ہوئی تو میں نے دیکھا کہ موجد سامنے کھڑا مسکرا رہا ہے۔ پروفیسر صاحب منہ پھاڑے مجھے گھور رہے ہیں ان کا چہرہ سرخ اور آنکھیں پھٹی پھٹی تھیں۔ غرض وہ سراپا تصویر حیرت تھے۔ میں نے موجد سے کہا کہ "آپ اپنا کام کیجئے۔"

"کام تو ہو بھی چکا۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "آپنے خوب پامردی دکھائی" پھر اس نے پروفیسر صاحب کی طرف مڑ کر کہا۔ "اب آپ کی باری ہے پروفیسر صاحب وقت بڑا قیمتی ہے اس کی قدر کیجئے۔"

میں نے اپنے محترم دوست کو کبھی اس قدر سراسیمہ نہیں دیکھا تھا۔ معلوم ہوتا تھا ان کے آہنی اعصاب معطل ہوچکے ہیں کیونکہ لرزتے ہوئے ہاتھوں سے میرا بازو تھام کر کہنے لگے۔ "خدا کا شکر ہے کہ تم زندہ ہو۔ کیا سچ مچ تم غائب ہو گئے تھے جب مشین چلائی گئی ہے تو پہلے تو ایک دھواں سا اٹھا اور پھر تم غایب تھے اور کرسی خالی تھی۔"

"میں کتنے عرصہ تک غایب رہا۔" میں نے پروفیسر سے پوچھا۔

"دو یا تین منٹ تک۔ حقیقتاً میں تو خوفزدہ ہوگیا تھا۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ تم پھر واپس آجاؤ گے۔ انھوں نے دستہ کو گھمایا اور ایک نئے نمبر پر قائم کیا تم پھر کرسی پر نظر آنے لگے۔ البتہ تمہارا چہرہ ذرا اترا ہوا تھا۔ بہر حال خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تم زندہ ہو۔"

پروفیسر صاحب نے یہ کہکر اپنا بڑا سا سرخ رومال نکال کر پیشانی کا پسینہ پونچھا۔ مگر ادھر موجد نے پھر تقاضا کیا۔ "جناب والا! کیا دیر ہے۔ اگر آپ کو ہمت نہیں پڑتی تو چھوڑیئے اس کو۔ آپکے دوست پر اس کا تجربہ کافی ہے۔"

یہ سن کر پروفیسر صاحب کچھ چونک سے پڑے اور میرے ہاتھ کو ایک طرف جھٹک کر فوراً کرسی پر جا بیٹھے۔ دستہ گھوما اور ایک چٹخنے کی سی آواز آئی اور پھر وہ نمبر ۳ پر جا کر رکا اور پروفیسر غایب۔ مارے خوف کے میرا یہ حال کہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ موجد کی مطمئن صورت دیکھکر میرے ہوش و حواس ذرا ٹھکانے آنے لگے اور شاید اس نے مجھے بدحواسی سے بچانے اور اپنے دل کا بخار نکالنے کے لئے کہنا شروع کیا۔

"کیوں صاحب! دیکھا تماشہ آپ نے؟ پروفیسر صاحب دھواں بن کر اڑ چکے ہیں جو لوگ ان کی عظیم شخصیت اور گرانمائگی کے معتقد ہیں ان کے لئے یہ کس قدر حیرت انگیزی اور عبرت کا مقام ہے کہ وہ اس وقت میرے کل کے کسی گوشہ میں دھوئیں کی طرح گھوم رہے ہیں۔ اس وقت قطعی طور پر وہ میرے رحم و کرم پر ہیں۔ اگر میں چاہوں تو قیامت تک ان کو اسی حالت میں رکھ سکتا ہوں۔ بھلا میرا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے؟"

"آپ خام خیالی میں مبتلا ہیں اگر ایسا ہوا تو میں آپ کو سیدھا جہنم میں پہونچا دونگا" میں نے برہم ہو کر جواب دیا۔

موجد کے چہرہ کا مستقل تبسم حقارت سے تبدیل ہو گیا اور بولا "میں اس قدر وحشی اور بد اخلاق نہیں ہوں۔ میرے دل میں کوئی مجرمانہ خیال نہیں ہے مگر ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ پروفیسر کس قدر کامیاب طریقہ پر اجزائے لاتیجزیٰ میں تبدیل ہو چکے ہیں اور ان کے جسم کے عناصر اپنے اپنے کل میں مل چکے ہیں کیا یہ منظر حد درجہ عبرت انگیز نہیں ہے۔ یہ وہی ذات شریف ہیں جو اپنے طرز عمل کے لحاظ سے میرے حق میں ابھی چند منٹ پہلے کس قدر ناقابل برداشت تھے آپ کو اس سے کوئی اچھا سبق لینا چاہیئے"

میں اس وقت دم بخود تھا۔ اس کی بن آئی تھی وہ اپنے حریف یعنی پروفیسر کو موت کے گھاٹ اتار ہی چکا تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ اگر وہ شرارت پر آمادہ ہو جاتا تو اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا میں اگر اس کو قتل بھی کر دیتا تو تو اس سے پروفیسر صاحب کو واپس نہیں لایا جا سکتا تھا۔ غرض جو کچھ اس نے کہا میں مجبوراً سنتا رہا۔

"اچھا اب میں ایک اور تماشہ آپ کو دکھاؤنگا اور آپ کے اخبار کے لئے دلچسپ مواد مہیا کروں گا۔ دیکھئے میں نے یہ انکشاف بھی کیا ہے کہ اس مشین کے ذریعہ انسانی جسم کے بال بھی اڑا کر پھر واپس لائے جا سکتے ہیں۔ آپ اس خرس نما انسان کو "فارغ البال" دیکھکر ضرور محظوظ ہونگے اس کی لمبی چوڑی داڑھی اور ہاتھوں کے بھورے بھورے بال سب غایب ہو جائینگے"

اس نے دستہ کو حرکت دی اور واقعی میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ پروفیسر صاحب کرسی پر تھے اور سخت گھبرائے ہوئے حالانکہ موجد کی طنز آمیز گفتگو سے میں بھی برہم تھا مگر پروفیسر صاحب کی ہیئت کذائی دیکھ کر میرے منہ سے بھی قہقہہ نکل گیا۔ ان کے سر پر بالوں کا نام نہ تھا داڑھی مونچھ غایب تھی خاصے قلندر نظر آ رہے تھے ان کو اس شکل میں دیکھ کر موجد تو ہنسی سے لوٹا جا رہا تھا۔ پروفیسر صاحب نے ہم دونوں کو بلاوجہ ہنستے دیکھ کر غالباً کیا سوچا اور فوراً اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرنے کی ناکام کوشش کی اور آن واحد میں معاملہ کی تہ کو پہونچ گئے وہیں سے ایک جست لگائی اور موجد کو لپٹ گئے اور اڑنگا مار زمین پر دے مارا پھر چھاتی پر سوار ہو کر لگے اس کا گلا گھونٹنے غریب موجد ہمارے پہلوان پروفیسر کا جوڑ کسی طرح بھی نہیں تھا اور پھر اچانک وہ اس پر بلا کی طرح نازل ہو کر سینہ پر سوار بھی ہو گئے اور تاؤ میں اس زور سے گلا دبایا کہ بیچارہ کی آنکھیں اور زبان نکل پڑی۔ میں نے جب یہ غیر متوقع کشتی دیکھی اور پروفیسر کی شہ زوری کا خیال آیا تو میں ڈرا کہ یہ حضرت کہیں اس کو مار ہی نہ ڈالیں پھر تو بڑی قباحت ہوگی اس لئے میں نے چیخکر کہا۔

"خدا کے واسطے ہاتھ روکو۔ یہ کیا کر رہے ہو۔ اگر مار ڈالوگے تو قتل عمد میں دھر لئے جاؤگے۔ پروفیسر صاحب چھوڑ دا سے۔ اٹھو اس کے سینہ پر سے" اور پھر میں نے پروفیسر صاحب کو پکڑ کر اس کے اوپر سے گھسیٹا۔ میرا بیچ بچاؤ کامیاب ثابت ہوا۔ پروفیسر صاحب میں یہ کمال تھا کہ انتہائی غصے کے دورے کے وقت بھی وہ معقول بات کو سن کر اس پر عمل کر لیا کرتے تھے۔ خیر ادھر تو آپ اس بھوکے شیر کی طرح غراتے ہوئے علیحدہ ہوئے جس کے منہ سے اس کا شکار چھین لیا گیا ہو۔ ادھر موجد بیچارہ ہانپتا کانپتا میرا ہاتھ پکڑ کر زمین سے اٹھ کر کھڑا ہوا۔

"اس پاجی کو میں صرف پانچ منٹ کی مہلت دیتا ہوں اگر اس اثناء میں اپنی گستاخی کی تلافی نہ کی تو میں اس کی ہڈیاں چبا ڈالونگا"

پروفیسر صاحب غصہ کی حالت میں نہایت خوفناک انسان بن جایا کرتے تھے اور اس حالت میں ان کے سامنے کسی کو دم مارنے کی جرات نہیں ہوتی تھی اور اچھے اچھے مضبوط دل والے ان کے سامنے زبان نہیں ہلا سکتے تھے۔ موجد بیچارے کی تو ہستی کیا تھی کہ ان سے مقابلہ کا ارادہ کرتا یا سرتابی کی جرات کر سکتا مارے خوف کے غریب کا برا حال تھا۔ سر سے پاؤں تک کانپ رہا تھا۔ آخرکار اس نے اپنی گردن کو سہلا کر ہکلاتے ہوئے کہا۔

"پروفیسر صاحب! ہاتھا پائی کی سند نہیں۔ [illegible] بے مزہ مذاق تو احباب میں ہوا ہی کرتے ہیں [illegible]

...بتا دینا چاہتا ہوں گر آپ ہیں کہ فوراً گل خپ ہو گئے یقین کیجئے ... کسی ارتکاب جرم کی ہرگز نہیں"۔

اس کا کوئی جواب دینے کی بجائے پروفیسر صاحب کرسی پر جا بیٹھے ... اس کی کارروائیوں پر نظر رکھو اگر نیت میں ذرا ... اس کی گردن ناپو۔ پھر موجد کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے "چلو کام ... ورنہ پھر اپنی نباشت کا مزہ چکھنے کو تیار رہو"۔

خوفزدہ موجد مشین کے پاس گیا اور دستہ کو حرکت دی۔ پروفیسر صاحب پھر اپنی سابقہ شکل و صورت میں نمودار ہو گئے۔ آپ نے سب سے پہلے اپنی ریش مبارک پہ خوب ہاتھ پھیرا اور بعد ازاں اپنے سر کے بالوں کا جائزہ لیا، اور اطمینان فرمانے کے بعد نہایت تمکنت کے ساتھ کرسی سے اٹھے اور موجد کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں آپ کی گستاخانہ حرکتوں کو معاف کرتا ہوں۔ شکر کیجئے کہ آپ اس کے تلخ نتائج بھگتنے نہ پڑے۔ اسی کے ساتھ میں آپ کی اس ایجاد کی داد دیئے بغیر بھی نہیں رہ سکتا۔ بہتر ہوگا کہ آپ اب اس مشین کے متعلق چند سوالات کا جواب دینے کی زحمت گوارا فرمائیں؟"

"مشین کے راز کے علاوہ میں ہر ایک سوال کا جواب دے سکتا ہوں"۔

پروفیسر:۔ کیا آپ حتمی طور پر یہ یقین دلا سکتے ہیں کہ اس کا راز سوائے آپ کے دنیا میں کسی اور کو معلوم نہیں۔

موجد:۔ جی نہیں۔

پروفیسر:۔ آپ نے جب اس کو بنایا ہے تو کسی کو اپنی امداد کیلئے شریک کار کیا ہے یا نہیں؟۔

موجد:۔ نہیں میں نے خود ہی سب کچھ بنایا ہے۔

پروفیسر:۔ واقعی حیرت انگیز چیز ہے۔ لیکن اب تک مجھے یقین نہیں آتا کہ آیا بڑے پیمانے پر بھی اس سے اسی قسم کا کام لیا جا سکیگا یا نہیں۔

موجد:۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ یہ تو صرف کھلونا ہے اگر اسی طرح کی بڑی قوت کی مشین بنائی جائیگی تو وہ اپنی بڑائی کے اعتبار سے اس سے زیادہ کام دے سکیگی۔

پروفیسر:۔ مثلاً ؟

موجد:۔ فرض کیجئے کہ کھلے سمندر میں ایک کشتی پر اس کا ایک پول نصب ہو اور دوسری پر دوسرا اور یہ دونوں کشتیاں ایک دوسرے سے بعید ترین فاصلہ پر موجود ہوں ان کے بیچ میں سے جو جنگی جہاز بھی گذریگا اپنی تمام فوج اور تمام سامان کے غائب ہو جائیگا۔ اسی طرح اگر فوج کی ... اس مشین کے حلقہ اثر میں آ جائیگی تو وہ بھی فنا کے گھاٹ اتر جائیگی اور ... کو خبر بھی نہ ہوگی۔

پروفیسر:۔ تو کیا آپ کسی حکومت کے ہاتھ اس کا سودا کر چکے ہیں؟

موجد:۔ بات چیت تو طے ہے۔ ابھی تک قیمت ادا نہیں کی گئی ہے۔ بہرحال اس مشین کی مالک حکومت ایک ایسی مافوق العادت چیز کی قابض ہو جائیگی کہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی اس سے ٹکر نہ لے سکیگی۔ اگر یہ مشین ان لوگوں کے قبضہ میں آ جائے جو جنگ جوئی سے کام لے سکتے ہوں تو چمن ریگستانوں اور شہر ویرانوں میں تبدیل کئے جا سکتے ہیں۔ گنجان آبادیاں چشم زدن میں شہر خموشاں کا منظر پیش کر سکتی ہیں۔ آج کی یہ زہریلی گیسیں۔ ہوائی جہاز۔ بڑی بڑی آتش فشاں توپیں اس کے مقابلہ میں دھری کی دھری رہ جائینگی۔

موجد کے ان الفاظ نے مجھ پر بڑا اثر کیا اور اب چند منٹ پہلے اس کی جو باتیں "طلسم ہوشربا" معلوم ہو رہی تھیں اب حقیقت نظر آنے لگیں میں خوفزدہ ہوا جا رہا تھا مگر پروفیسر صاحب ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قطعی متاثر نہیں ہوئے انھوں نے مسکرا کر بڑے تپاک سے اس سے ہاتھ ملایا اور کہا۔

"میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں واقعی آپ نے ناموس فطرت کا ایک بڑا ہی قیمتی راز معلوم کر لیا ہے۔ اگرچہ اس کا وجود نوع انسان کے ہلاکت کا باعث ہے مگر سائنس کو نفع نقصان سے کیا کام؟ اس کا مقصد تو صرف حصول علم ہے اگر آپ اجازت دیں تو میں اس مشین کے پرزوں کو قریب سے جا کر دیکھوں"۔

موجد:۔ شوق سے۔ مشین تو صرف جسم ہے اس کی روح یعنی راز وہ دیکھنے بھالنے سے معلوم نہیں ہو سکتا۔

پروفیسر:۔ (دیکھ بھال کر) واقعی مشین بڑی ذہانت سے بنائی گئی ہے" (پھر اس کو دوبارہ دیکھنا شروع کر دیا) اور اس کی کرسی پر بیٹھ کر کچھ دیر سوچتے رہے۔ اس پر موجد نے کہا کہ "کیا آپ دوبارہ اس کا تجربہ اپنے اوپر کرنا چاہتے ہیں؟

پروفیسر:۔ ہاں کچھ خیال تو ہے۔ مگر یہ تو دیکھئے کہ اس کا ...

...میں سے برقی رو نکل رہی ہے میرا خیال ہے کہ یہ پہلے نہیں نکل رہی تھی۔ اب مجھے اپنے جسم میں اس کا اثر محسوس ہو رہا ہے۔

موجد۔ (گھبرا گیا) یہ کیسے ہو سکتا ہے مشین تو مکمل طور پر فٹ ہے

پروفیسر۔ یقین کیجئے۔ مجھے تو ایسا ہی محسوس ہوتا ہے۔

یہ کہکر وہ تو کرسی پر سے اتر آئے اور موجد ان کی بات کی تصدیق کیلئے ...جلدی سے کرسی پر جا بیٹھا۔

موجد۔ آپ کا خیال غلط ہے۔ مجھے کچھ محسوس نہیں ہوتا۔

پروفیسر۔ (مشین کے دستہ کے قریب ہو کر) کیا آپ کو ریڑھ کی ...میں کچھ سنسنی سی محسوس نہیں ہوتی۔

موجد۔ قطعی نہیں۔

اتنے میں دستے کو حرکت ہوئی اور کھٹکے کی آواز کے ساتھ موجد غائب... نے گھبرا کر پروفیسر صاحب کی طرف دیکھا اور کہا۔

"کیا آپ نے دستہ گھمایا ہے؟"

پروفیسر صاحب حیرت اور کامیابی کے مخلوط جذبہ کے ماتحت مسکرا کر ..."میں نے دستہ کو ہاتھ لگایا تھا وہ کمبخت گھوم گیا اس قسم کی خطرناک مشین ...رنا بھی خطرے سے خالی نہیں۔ احمق کو اس کے دستہ میں کوئی ایسی ترکیب رکھنی ...ئے تھی کہ ہر کس و ناکس اس کو نہ گھما سکتا۔"

"پروفیسر صاحب یہ دستہ نمبر ۳ پر ہے نا کہ جس سے عمل منفی ظاہر ہوتا ہے؟"

"ہاں یہ وہی نمبر ہے۔"

"جب اس نے آپ کو غائب کیا تھا تو اسی نمبر پر دستہ رکھا تھا لیکن ...واپس لانے کے لئے دستہ گھمایا تو میں اس وقت ایسا گھبرایا ہوا تھا کہ دیکھا ...ہیں کہ اس نے کون سے نمبر پر دستہ رکھا تھا" میں نے پریشان ہو کر کہا۔

"عزیز من! عمل مثبت کو میں بھی نظر میں رکھ سکتا تھا مگر اتنی ذرا سی ...کے لئے کون دماغ کو صرف کرے۔ یہاں پر بہت سے نمبر پڑے ہیں اب ...تو یہ معلوم کہ ہر نمبر کس کام اور کس مقصد کیلئے ہے۔ اگر ہم لاعلمی کی حالت ...ان کا تجربہ شروع کر دیں تو ممکن ہے کہ ہم کو کوئی نقصان پہنچ جائے اس لئے

ع چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی، اس کو اسی حال ...چھوڑ دینا ہی مناسب ہے۔"

"تو کیا آپ موجد کو دوبارہ واپس لانا نہیں چاہتے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

پروفیسر۔ ارادہ تو یہی ہے کیونکہ موجد نے خود اپنی ہستی کو ...لاتجزیٰ میں تحلیل کر لیا ہے اب اس کی مشین بیکار محض ہے اس کی ...حکومت بھی اس کے ہلاکت خیز فوائد سے محروم ہو چکی ہے۔ عزیز من آج صبح کا کام میرے قیاس کے برخلاف خاصا دلچسپ اور مفید رہا۔ ...اخبار کے لئے یہ خبر کافی ہنگامہ خیز ہوگی کہ حیرت انگیز مشین کا موجد۔ ...کی ملاقات کے بعد خود بخود پر اسرار طریقہ پر غایب ہو گیا۔ اور اس کی مشین پڑی رہ گئی۔ پیارے دوست! سخت مطالعہ کے بعد اس کی کوفت کو دور کرنے کے لئے اس قسم کے دلچسپ واقعات کافی تفریح بخش ہوا کرتے ہیں۔ زندگی اپنے خشک روزانہ کے فرائض کے بعد لمحات فرصت کی خوشگوار... بھی چاہتی ہے۔ چلئے مجھے اب کچھ کام بھی کرنا ہے۔

جب میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو مجھے کرسی کے چاروں طرف کچھ غبار سا اڑتا نظر آیا۔ یہ موجد کے جسم کے عناصر تھے اور شاید اس کی روح بیقرار ہو کر ہم سے رحم کی التجا کر رہی تھی اور ان ذرات کو مجتمع کرنے کی ناکام کوشش میں لگی تھی۔

مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے پروفیسر صاحب سے التجا کی۔ "مگر غریب موجد کی زندگی تو بچا لیجئے۔"

پروفیسر۔ صاحبزادے صاحب! آگے بڑھئے۔ ایک قانون کے احترام کرنے والے مہذب شہری کا فرض ہے کہ وہ قتل عمد اور سنگین جرموں کے انسداد کا فرض ادا کرے جس کو میں ادا کر چکا ہوں۔

میں کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ وہ بگڑ کر بولے۔ "بس بس! اس مضمون کی نزاکت کسی بحث کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ میرا بہت سا وقت خرچ ہو چکا ہے مجھے کچھ کام بھی کرنے دو گے یا نہیں؟"

رنگ تغزل!

افصح الفصحا حضرت علامہ شفق رضوی عماد پوری

اک ذرا جھپکی پلک آنکھوں سے پنہاں ہو گئیں — کیسی کیسی صورتیں خوابِ پریشاں ہو گئیں
وحشت افزائے بہارِ فتنہ ساماں ہو گئیں — کھل کے کلیاں میرے دامن کی گریباں ہو گئیں
روح افزا تھیں نکیلی پلکیں اُس کی اس قدر — دل میں نشتر بن کے ڈوبیں اور رگِ جاں ہو گئیں
مر کے چھوٹے قید سے دیوانگانِ زندگی — آخری سانسیں کلیدِ بابِ زنداں ہو گئیں
آستاں پر اُس کے سر رکھنے کا ارماں رہ گیا — حسرتیں سجدوں کی نذرِ پائے درباں ہو گئیں
ضعف سے میں صفحۂ مسطر کشیدہ بن گیا — اس طرح اُبھریں رگیں تن پر نمایاں ہو گئیں
انقلابِ دہر نے دُنیا کے جب پلٹے ورق — بستیاں صحرا ہوئیں گلیاں بیاباں ہو گئیں
چشمِ رحمت نے تری اوروں کو شرمندہ کیا — جو نگاہیں شرمِ عصیاں سے پشیماں ہو گئیں
تیری رنگینی کے صدقے اے نگاہِ مے فروش — چشمِ بد دور آج آنکھیں گلُ بداماں ہو گئیں
اللہ اللہ دیکھ کر میرا سکوتِ بیخودی — آئنے کی شکل تصویریں بھی حیراں ہو گئیں

آتے ہی پیری، جوانی کی شفق رنگینیاں
یکقلم نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں!

فلسفۂ تقدیر

جناب ملک سلمان الارشد صاحب فاروقی

ہمیشہ پراسیدہ یا تقدیر پر لوگوں کو یقین چلا آتا ہے یعنی کوئی ایسی لازوال طاقت ہے جو قوموں اور انسانوں کی حالت میں اپنی مرضی سے ردو بدل کرتی ہے۔ اور یہ عقیدہ ہزارہا سال کے مشاہدات سے پیدا ہوا ہے لوگ جانتے ہیں کہ بعض اوقات دنیا میں ایسے واقعات ہوتے ہیں جن پر ان کا قابو نہیں ہے۔ مثلاً مرنا اور پیدا ہونا کسی کے اپنے اختیار سے باہر ہے۔ اور نہ یہ اختیار میں ہے کہ کہاں اور کس مقام پر پیدا ہو اور نہ یہ اپنے اختیار کی بات ہے کہ کب اور کس مقام پر مرے۔ بعض دفعہ انسان کسی حصول مقصد کے لئے اپنی تمام کوشش اور عقل خرچ کرتا ہے لیکن کامیابی نہیں ہوتی اور اُسے ماننا پڑتا ہے کہ کوئی ایسی زبردست طاقت ہے جو ہمیشہ اپنی مرضی پوری کرتی ہے اور اس کی کوششوں پر غالب رہتی ہے۔ جس قدر انسان کی عمر بڑھتی جاتی ہے وہ اس زبردست طاقت کا زیادہ معتقد ہوتا جاتا ہے جس کو وہ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتا مگر اس کی انتہائی طاقت کو محسوس کرتا ہے اور وہ اس کو مختلف ناموں سے قدرت الٰہی مشیت ایزدی، (پراسیدہ) یا تقدیر کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ غور کرنے والے دماغ۔ شاعر اور فلاسفر گوشۂ تنہائی میں اس مخفی طاقت کے کاموں کو بڑے غور سے دیکھتے ہیں کہ وہ کسی کو اپنی مہربانی سے نہال اور کسی کو اپنے عتاب سے پامال کرتی ہے۔ اور اسے پہچاننے کی کوشش میں بھی لگے رہتے ہیں۔

شاعروں اور ادیبوں نے ہمیشہ اس اٹل طاقت کی تصاویر اپنی تصانیف میں کھینچی ہیں اور جس کو انھوں نے ہمیشہ نیچر میں کام کرتے دیکھا ہے عمر خیامؒ لکھتے ہیں کہ تو کتنا ہی عابد و زاہد کیوں نہ ہو مگر خط تقدیر کو نہیں مٹا سکتا۔ غرض کہ ہر قوم اور ہر زمانہ کے انسانوں نے اس کا لوہا ماننے اور قدرت کی اس سب سے بڑی طاقت کا اعتراف کیا ہے لیکن بخلاف اس کے تعجب یہ ہے کہ انسان کے فعل خود مختاری اور ذمہ داری کا بھی دُنیا مستحکم یقین رکھتی ہے تمام مذہبی اور اخلاقی تعلیم کا منشا بجز اس کے کیا ہے کہ انسان اپنا رویہ بدلنے میں آزاد ہے اور جب کہ لاکھوں آدمی سچے عقیدے سے ارکان مذہب ادا کرتے ہیں تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ ان کو یقین کامل ہے کہ اپنی کوشش اور اپنی نیکیوں سے اپنی آئندہ حالت کو درست کریں لیکن ان دونوں حدود کے درمیان نقطۂ اعتدال یہی ہے جو فعل خود مختاری اور تقدیر کے رشتہ کو پیوست کرتی ہے اور وہ سبب یا سبب و علت اور معلول کا قدرتی قانون ہے۔ انسان اپنے تئیں سلسلۂ اسباب میں جکڑا ہوا پاتا ہے اس کی زندگی سبب اور سبب کا نتیجہ ہے یعنی تخم ریزی اور فصل کاٹنے کا سلسلہ غیر متناہی طور پر جاری ہے اس کا ہر ایک فعل ایک سبب ہے اور جس کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ وہ سبب کو اختیار کرتا ہے اور اس وقت وہ مختار ہے لیکن وہ اس کے نتیجہ کو تبدیل کرنے میں یا پیدا نہ ہونے دینے میں قاصر ہے۔ پس فعل مختاری اسباب پیدا کرنے والی اور مسبب تقدیر ہے یہ سچ ہے کہ انسان اپنا بویا ہوا کاٹتا ہے اس نے خود اپنی خرابی کا بیج ڈالا ہے۔ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ انسان سے اپنے افعال عادتاً سرزد ہوتے ہیں اور وہ اپنے اچھے یا بُرے کریکٹر کا خود ذمہ دار نہیں ہے لیکن کریکٹر اگر پیدائش کے ساتھ ملا ہوتا تو اس پر کوئی اخلاقی ذمہ داری نہ تھی اور نہ پھر اخلاقی تعلیم و تربیت کی کچھ ضرورت تھی لیکن کریکٹر کسی فرد بشر کو بنا بنایا نہیں دیا جاتا۔ کریکٹر خود افعال حمیدہ کا ایک نتیجہ ہے جو اس نے زندگی میں جمع کئے ہیں۔ پس انسان اپنی قسمت کا خود ذمہ دار ہے۔ جو کچھ اس نے کیا اس کا پھل ملتا ہے اس کو اختیار ہے کہ اچھا یا بُرا [illegible] اور اس کا نتیجہ اٹھائے۔ اس کو اختیار ہے کہ [illegible]

سمائی تقدیر کو آئندہ کے لئے اچھا بنالے اگر وہ چاہے تو اپنی زندگی کے لئے خوش نصیبی، فارغ البالی اور ناموری کی بنیاد ڈالے یا مصیبتوں، بدنامیوں اور تکالیف کا ذخیرہ جمع کرلے۔ کرکیٹر خود تقدیر ہے کیونکہ وہ بہت سے اعمال کا نچوڑ ہے اور وہ ان افعال کا نتیجہ اپنے درمیان رکھتا ہے افعال کے نتائج بطور بیجوں کے کرکیٹر میں چھپے رہتے ہیں۔ پس جو واقعات انسان کو پیش آتے ہیں جن کو وہ ناگہانی مصیبت کا خیال کرتا ہے، جن سے بچنے میں وہ اپنے کو عاجز پاتا ہے اور تدبیریں کرنے، چیخنے چلانے اور دعائیں مانگنے سے بھی اس کا چھٹکارہ نہیں ہوتا۔ وہ خود اسی کے افعال تو ہیں جو اب نتیجہ بن کر اس کے سامنے آئے ہیں۔ یہ مصیبتیں اور راحتیں بغیر مانگے بغیر مانگے اس کو نہیں ملی، یہ ان آرزوؤں کی گونج ہے جو اس گنبد نیلی کے نیچے خود اس نے کسی وقت میں نکالی تھیں جب کسی شخص کو حقیقت کے اس راز پر آگاہی ہوجائے جو دنیا کی تمام چیزوں پر عمل کر رہا ہے اور جو

تمام انسانی معاملات میں کامل انصاف کا برتاؤ کر رہا ہے تو نیک مرد انسان کسی کو دشمن نہ سمجھے اور نہ کسی سے نفرت کرے ــــــ اور نہ حرف شکایت زبان پر لائے ــــــ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ صرف اس کا کیا ہوا اس کے سامنے آسکتا ہے اور خواہ اس کے کتنے ہی دشمن ہوں ــــ لیکن وہ ان پر الزام نہیں لگائیگا ــــــ بلکہ صبر کے ساتھ اپنے اخلاقی فریضے کو ادا کریگا ــــ اس مسئلہ پر یقین کامل ہوجانے سے وہ آئندہ افعال نتیجہ سے محترز رہنے کی کوشش کریگا ــــ اور آئندہ کے لئے اپنا حساب صاف رکھے گا ــــــ اس طرح اپنا پچھلا تقایا بھی صاف کریگا ــــــ اس ترکیب سے گذشتہ گناہوں کا خاتمہ کرکے وہ آئندہ مصیبتوں کے اسباب مہیا نہیں کریگا۔

(ترجمہ) سلمان الارشد فاروقی

چینی شاعری

از راجہ مہاری علی خان صاحب جائنٹ ایڈیٹر خیام

اپنے محبوب سے

تم سے جدا ہونے کے بعد
مجھ پر خواب کی سی کیفیت طاری ہوگئی
نہیں معلوم ہم کہاں کہاں پھرتے رہے
اس کے بعد ہم دونوں آکر برآمدے میں بیٹھ گئے
تمہاری میٹھی سانس کی آواز
مجھے سحر آفریں گیتوں کی طرح محسوس ہورہی تھی
یکایک میں اس خواب سے چونک اٹھا۔
میرے قریب تم موجود نہیں تھیں صرف چاند چمک رہا تھا۔
جس کی روشنی پھولوں کی گری ہوئی پتیوں پر پڑ رہی تھی
جو تمہاری طرح بہار سے خفا ہوکر پھولوں سے جدا ہوگئی تھیں۔

کشمکش

اوپر کے حسین پھولوں کا عکس
میرے پیمانے میں چمک رہا ہے۔
اس سے میری شراب کا ذائقہ بڑھ گیا ہے
دو پشتوں سے میں سرور زندگی بسر کر رہا ہوں
چار پر رعب حکمراں خاک میں سوچکے ہیں
میری صحت میں کوئی فرق نہیں آیا
میرا وقت نہایت ہی عیش سے گذر رہا ہے
یہ پھول اور یہ شراب اب تو مجھے
لطف دے رہے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ
میں کیسے ہوش میں رہ کر بستر پر لیٹنے کیلئے گھر پہونچوں گا۔

غزل

از جناب پروفیسر قاضی محمد تشکیل صاحب عباسی حمدی

وفورِ کیف میں محرومِ اختیار ہوں میں! — شرابِ شوق کا مجبور بادہ خوار ہوں میں
دیارِ عشق کا اُڑتا ہوا غبار ہوں میں — غبار بھی نہیں خاک پئے غبار ہوں میں
غم و الم میں بھی راحت سے ہمکنار ہوں میں — خزاں کی گود میں پروردۂ بہار ہوں میں
وفا ہے کشتِ ابد اس کا برگ و بار ہوں میں — وفا بہشت ہے باغ سدا بہار ہوں میں
مری اُمید کا ہر جام بن کے ٹوٹ گیا — حبابِ وارِ شکستِ سپردِ کار ہوں میں
کوئی کلی نہ کھلی گلشنِ تمنا کی، — طلسمِ دہر کی لوٹی ہوئی بہار ہوں میں
ہزار سنگِ جفا میں بھی جذب ہو نہ سکا — وہ قطرۂ سرِ مژگانِ چشمِ یار ہوں میں
مجھے بھی دامنِ الفت سے کرلو وابستہ — کہ جس چمن کے ہو تم پھول اُس کا خار ہوں میں
درِ وفا پہ پڑا ہوں پڑا رہوں گا یہیں! — وفا پرست، وفا جو، وفا شعار ہوں میں
کہاں وہ برقِ نگہ اور کہاں وہ خرمنِ دل — قصور وار ہو تم یا قصور وار ہوں میں؟
جواب آگیا حمدی کہ وہ نہ آئیں گے — یہ پھر خیال میں کیوں محوِ انتظار ہوں میں

رُومانی خطوط

جناب سید حامد حسن صاحب ذوقی

کوئی حد ہی نہیں شاید محبت کے فسانے کی
سُناتا جا رہا ہے جس قدر بھی یاد ہے جس کو

۔۔۔۔۔۔ ۱ ۔۔۔۔۔۔

"ماتاجی! دیکھو رادھا سونے نہیں دیتی۔ ہمیں چھیڑتی ہے۔ کبھی گدگداتی ہے۔ کبھی بار بار رضائی کو مُنہ پر سے ہٹا دیتی ہے۔" لیلا نے مسکراتے ہوئے شکایت کی۔

"رادھا تم بہت شریر ہو۔ استانیاں بھی تمھاری شکایت کرتی ہیں۔ اپنی چھوٹی بہن کو پریشان کیوں کرتی ہو۔" سوشیلا نے رادھا کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"ماتاجی! لیلا بڑی شریر ہے چپکے سے میرے چٹکی بھر کر کہتی ہے بھوت آ گیا۔ کبھی زور سے میرے اوپر پیر پٹک کر کہتی ہے کون ہے میرے اوپر پیر پٹک رہا ہے۔" رادھا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اچھا اس وقت سو جاؤ۔ کل رات کو علیحدہ علیحدہ سلاؤنگی اور پھر دونوں کو اُڑیں یا ایک ساتھ سونے کی التجا کی تو ایک نہیں سنونگی۔" سوشیلا نے سمجھا کر سلا دیا۔

رادھا اور لیلا دونوں توام پیدا ہوئی تھیں۔ لیکن رادھا پہلے پیدا ہوئی تھی اس لئے وہ بڑی کہلاتی تھی۔ یہ دونوں بہنیں نہ صرف قد و قامت اور خد و خال میں ایک دوسرے کے مثل تھیں بلکہ حسن و شمائل میں بھی یکساں تھیں اور جس وقت وہ ایک ہی قسم کا لباس پہن لیتیں تو کوئی شخص یہ تمیز نہیں کر سکتا تھا کہ رادھا کون سی ہے اور لیلا کون سی؟ وہ دونوں عادات میں بھی اپنی نظیر آپ تھیں۔ شرارت تو بچوں کا کام ہی ہے، جب یہ دونوں علیحدہ سوتیں تو ایک کو دوسری کی جدائی شاق گذرتی لہٰذا ساتھ سوتیں اور جب ساتھ سوتیں تو شرارتیں کرتیں۔ لیلا بہت شریر تھی اور ہونا بھی چاہیئے تھا کیونکہ وہ رادھا سے چھوٹی تھی۔ چھوٹے بچے یا بچیاں فطرتاً شریر ہوتے ہی ہیں۔ دونوں بہنیں سکول میں پڑھتی تھیں اور ہر سال اعزازی امتیاز کے ساتھ کامیاب ہوتیں۔

ان کا باپ معمولی شخصیت کا آدمی تھا۔ اور صرف تیس روپیہ ماہانہ پر پوسٹ آفس میں کلرک تھا۔ سوشیلا اس کی بیوی اور وہ خود نہایت احتیاط سے قدم رکھتے اور انتہائی کفایت شعاری سے کام لیتے اور جس قدر رقم پس انداز کرتے وہ سب رادھا اور لیلا کی تعلیم پر صرف ہوتی۔ منوہر کا خیال تھا کہ ان دونوں بچیوں کی تعلیم میں کوئی کمی نہ ہونی چاہیئے اور جس طرح بھی ہو سکے انھیں اعلیٰ مدارج تک پہونچا دیا جائے مگر سوشیلا کا خیال تھا کہ لڑکیاں زیادہ پڑھ لکھ کر گھر کے کام سے جی چرانے لگتی ہیں اس لئے وہ اکثر منوہر سے کہا کرتی تھی کہ بس اب بچیوں کا تعلیمی سلسلہ منقطع کر دو کہاں تک پڑھاؤ گے آٹھویں جماعت پاس کر چکی ہیں کسی نہ کسی سکول میں ملازمت مل ہی جائیگی۔ روز بروز مقروض ہوتے جا رہے ہو گھر میں کوئی ایسا ساز و سامان بھی نہیں ہے جو مصیبت کے وقت کام آئے۔ میرا سارا زیور بھی رہن کر چکے ہو جس کے چھڑانے کی کوئی صورت ممکن نہیں۔

۔۔۔۔۔۔ ۲ ۔۔۔۔۔۔

جب رادھا اور لیلا میٹرک میں داخل ہوئیں تو اُردو نظم و نثر پر

کافی تبصرہ کرنے لگیں۔ محبت کی کوئی حد ہی نہ تھی دونوں ایک ہی کمرے میں رہتیں اور ایک ہی میز پر پڑھتی لکھتی تھیں۔

ایک روز لیلانے کہا۔ "رادھا آج کے سبق پر بھی تم نے کچھ غور کیا۔ رادھانے کہا ہاں یہی میں بھی کہنا چاہتی تھی کتاب لاؤ تاکہ اس پر تبصرہ کیا جائے۔ لیلا کتاب لے آئی اور غالب کی حسب ذیل غزل پر دونوں نے اس طرح شرارت کرنی شروع کی۔ شعر پڑھا گیا ؎

کہتے ہو نہ دینگے ہم دل اگر پڑا پایا ۔۔۔ دل کہاں کہ گم کیجیے ہم نے مدعا پایا

مطلب بیان کیا گیا کہ ہم نے مدعا پایا یعنی ہم آپ کا مطلب سمجھ گئے کہ آپ نے ہمارا دل پالیا ہے اور یہ باتیں" اگر ہم تیرا دل پائینگے تو نہ دینگے" دل پالینے کے بعد کی ہیں۔

لیلانے متبسمانہ انداز سے کہا۔ اور کملانے کلاس میں عاشق و معشوق کا نام بھی تو لیا تھا۔ رادھانے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ کملانے اس کا مطلب بتایا تھا کہ معشوق کو عاشق کا دل کہیں پڑا ہوا مل گیا اس نے چپکے سے اُسے رکھ لیا۔ اس کے بعد کہیں اپنے عاشق بیدل سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ چاہئے یہ تھا کہ خاموش رہتے لیکن اپنی معشوقیت کیونکر ظاہر ہوتی فوراً ہی مسکراتے ہوئے یوں گہرافشانی فرمائی۔

"جناب اگر آپ کا دل کہیں پڑا ہوا مل گیا تو ہم اسے ہرگز نہ دینگے" بس اب کیا تھا عاشق صاحب ہیں کہ پھولے نہیں سماتے اور بہت خوش خوش اپنی عقلمندی کا سکہ بٹھاتے ہوئے یوں گویا ہوئے:۔ "بجا ہے۔ ہم آپ کا مطلب سمجھ گئے۔ ہمارا دل آپ ہی کے پاس ہے اس لئے کہ عرصہ ہوا وہ ہمارے پاس سے گم ہوچکا ہے جو جناب نے پالیا ہے۔ اگر وہ آپ کو نہ ملتا تو خواہ مخواہ آپ اس کا ذکر کیوں کرتے؟"

لیلانے متحیر ہوکر رادھا سے کہا:۔ رادھا کہیں دل بھی آدمی کے پہلو سے غایب ہوکر گم ہوجاتا ہے اور وہ کسی دوسرے کو مل بھی جاتا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ آدمی دل چلے جانے کے بعد زندہ بھی رہتا ہے:" رادھانے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ لیلانے کہا:" اچھا اب میں سمجھی کملانے جو عاشق و معشوق کا نام لیا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ جس کے پاس دل چلا گیا ہو وہ معشوق ہے اور جس کے پاس سے دل گیا ہو وہ عاشق ہے۔ رادھا بولی:" مگر سوال تو یہ ہے کہ عاشق کسے کہتے ہیں اور معشوق کیا ہے۔ اور وہ کہاں ہیں؟"

دونوں نے زور زور سے قہقہہ لگایا:" لیلانے کہا۔ مجھے تو شعراء پر ہنسی آتی ہے کہ وہ بے سروپا باتیں لکھ کر خیالی پلاؤ پکاتے ہیں۔ رادھانے جواب دیا۔" ابھی کیا دیکھا ہے دوسرا شعر تو پڑھو وہ اس شعر سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ چنانچہ شعر پڑھا گیا ؎

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا ۔۔۔ درد کی دوا پائی درد لادوا پایا

عشق کی بدولت زندگی کا مزا طبیعت نے پایا یعنی درد کی دوا پائی لیکن درد عشق ایک ایسا درد ہے جو لادوا ہے۔ گویا باعتبار زیست عشق سے درد کی دوا مل گئی لیکن عشق خود ایک ایسا درد ملا جس کی دوا ہی دنیا میں نہیں ہے۔ رادھانے مطلب بیان کرکے لیلا کی طرف دیکھا اور بیساختہ ہنس پڑی۔

اس پر لیلانے کہا:" جی ہاں! اب عشق کو ڈھونڈنے چلیں تاکہ زندگی کی دوا ہاتھ آئے یا کسی رسالہ میں اشتہار دیدیں کہ کسی دواخانہ میں اگر عشق ہو تو براہ کرم مطلع فرمایا جائے تاکہ بذریعہ وی پی طلب کیا جائے اور طریق استعمال بھی معلوم ہونا چاہئے کہ کس مقدار میں اور کس وقت استعمال کیا جائے:"

اب تو رادھا ضبط نہ کرسکی اور اس قدر ہنسی کہ اس کے پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے۔ لیلانے پھر کہا:" اور بھی سنا کملا کیا کہہ رہی تھی۔ بڑی شریر ہے چپکے سے میرے کان میں کہنے لگی اگر زندگی کا مزا چاہتی ہو تو عشق پیدا کرو۔ میں نے یہ سن کر اس کا خوب مذاق اڑایا اور کہا عشق اگر کوئی خوبصورت چڑیا ہے تو پکڑ لاؤ میں ضرور اسے پالونگی۔ اور اگر کتے کے مانند کوئی بدصورت طائر ہے تو اس کی گردن مروڑ کر اس قدر گہرائی میں دفن کردونگی کہ پھر وہ تاقیامت نہ نکل سکے۔

رادھانے ایک شعر اور پڑھا ؎

سادگی و پرکاری بیخودی و ہشیاری ۔۔۔ حسن کو تغافل میں جرأت آزما پایا

اس پر لیلانے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا:" لیجئے یہ تو اچھی مصیبت آئی ابھی تو عشق و عاشقی تھی۔ اب غریب حسن کو تختۂ مشق بنایا۔ بھلا کوئی پوچھے کہ حسن غریب نے کیا قصور کیا تھا کہ اس کو جرأت آزما بنادیا۔ شاعروں کے دماغ سے خدا بچائے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دماغ [illegible] الفاظات تقسیم ہو رہے تھے شعراء کی [illegible]

[illegible] ہو چکے تھے مگر چونکہ دربار الٰہی سے محروم کون آسکتا تھا اس لئے اللہ میاں نے ان لوگوں کو مبلغ شاعری عطا فرمادیا تاکہ یہ لوگ اسی دھن میں [illegible] اور رات دن زمین آسمان کے قلابے ملاتے رہیں۔

۳

وقت گذرتے دیر ہی کیا لگتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے سینما کی مشین۔ فلم ساز نے کس قدر دقت و دشواری سے فلم کی تدوین و تکمیل کی اور ہفتوں کی محنت سے فلم کو تیار کیا لیکن جب مشین پر اس کو چڑھایا گیا تو چند گھنٹوں میں پورا ڈرامہ حاضرین کی نظر سے گزر گیا۔

کل کی بات ہے کہ مس لیلا اور رادھا میٹرک میں تعلیم پا رہی تھیں اور آج بی۔اے کا امتحان پاس کر کے گرلس ہائی سکول کی ہیڈ مسٹریس مقرر ہوئیں۔ دونوں کو سو سو روپیہ ماہوار تنخواہ ملنے لگی۔

مس لیلا علیگڈھ ہی میں بہار زندگی کا لطف اٹھانے میں محو ہو گئیں اور مس رادھا آگرہ میں چمنستان حیات کے مہکتے ہوئے پھولوں سے لطف اندوز ہونے لگیں۔ ان کی زندگیاں اب وہ زندگیاں نہ تھیں جو چند سال قبل اسکول یا کالج کی فضائے معصوم میں رقص کناں تھیں بلکہ امتداد زمانہ سے ان کے اندر ایک خاص لطیف شئے پیدا ہو چکی تھی جسے شعریت کا جزو لاینفک کہنا چاہئے اور اس کو احساس و ادراک سے معنون کرنا چاہئے دونوں کے دل کسی چیز کے متلاشی تھے۔ انہیں خود بھی معلوم نہ تھا مگر وہ یہ ضرور محسوس کرتی تھیں کہ ان کے اندر کسی ایسی چیز کی کمی ہے جس کے بغیر ان کو زندگی کے پر لطف اور روح افزا لمحات نہیں مل سکتے۔ دونوں اسی فکر میں منہمک رہتیں اور بسا اوقات عالم سکوت میں غور کرتی رہتی تھیں

حسن اتفاق سے لیلا کو چمنستان آرزو کا ایک خوشرنگ پھول مل ہی گیا۔ لیکن رادھا کا غنچہ مراد ابھی کھلا ہی نہ تھا کہ باد سموم کے تیز و تند جھونکوں نے اس کو خاکستر بنا کر بے نام و نشان کر دیا۔ لیلا نے تاب مفارقت نہ لاکر اپنی داستان عشق کی ابتدا، اس طرح بیان کرنی شروع کی۔

ازعلیگڈھ۔ مورخہ......

پیاری کملا، خوش رہو۔ اور اپنی لیلا کا سلام شوق قبول فرماؤ۔

[illegible] کے درمیان ایک عرصہ سے مراسلت جاری ہے اور تم بہا سا ز [illegible] لیکن تم ہمیشہ تغافل شعار بنی رہی۔ اب کئی ماہ سے تمہارا خط نہیں آیا اور نہ مجھے اتنی فرصت مل سکی کہ تمہیں خط لکھ سکتی۔ اس عرصہ میں مجھ پر کیا گذری نہ پوچھو، کملا ایک دوسرا ہی عالم میری حیات آرزو کا روح رواں بنا ہوا ہے۔ اُس ناگہانی واقعہ کا اظہار کرتی ہوں جس کی بدولت آج تک بستر مرگ پر آتش فراق سے تڑپ رہی ہوں۔

سنو اور غور سے سنو۔ میں ایک روز شام کے وقت اپنے گھر کے پائیں باغیچہ میں محو گلگشت تھی۔ تھوڑی دیر بعد شہنشاہ مشرق نے اپنی زریں خوابگاہ میں استراحت فرمائی۔ شفق آج ضرورت سے زیادہ شوخ ہوگئی تھی اور ہر شئے کو بیتابانہ جگمگا رہی تھی۔ میں ہلکی گلابی ساری زیب بدن کئے ہوئے۔ گلاب کے تختہ میں کھڑی ہوئی حوض کا نظارہ کر رہی تھی کچھ پھول میرے ہاتھ میں تھے اور کچھ سطح آب پر تیر رہے تھے جنہیں میں نے خود ہی چادر آب پر بکھیر رکھا تھا۔

باغیچہ کے قریب ہی سے ایک سڑک بازار کی طرف جاتی ہے لیکن وہ اس قدر خاموش ہے کہ شاید ہی کوئی شخص ادھر سے گذرتا ہو۔ میں ابھی اس دلچسپ اور روح پرور نظارہ سے سیر نہیں ہوئی تھی کہ سائیکل کے گرنے کی آواز آئی۔ میں نے پلٹ کر کیا دیکھا؟ آہ نہ پوچھو کملا ایک بہت ہی خوبصورت نوجوان جو گر کر اٹھ چکا تھا اور سائیکل پکڑے ہوئے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ جوں ہی کہ میری اور اس کی نظریں چار ہوئیں رعب حسن سے میرا جسم لرز اٹھا اور میں بیخود ہوگئی۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ نوجوان کتنی دیر تک مجھے دیکھتا رہا آخر میں نے اپنی حالت کو سنبھالا اور فوراً گھر کی طرف چلدی دروازے پر پہونچکر یکایک میرے دل نے ایک مرتبہ پھر مجھے اس کے دیکھنے کے لئے مجبور کیا اور ایک خاص انداز سے میں نے اس کی طرف دیکھا اس وقت اس کی شرمائی ہوئی نظروں نے میرے دل کا گہرا جائزہ لے لیا۔ میں جلدی سے اندر داخل ہوگئی۔ آہ، وہ کتنا حسین و خوبصورت نوجوان تھا۔ میرے دل میں اب تک اس کی تصویر کھنچی ہوئی ہے۔ میرا دل ہر وقت بیچین رہتا ہے اور میں نہیں سمجھ سکتی کہ مجھے کیا ہوگیا ہے بس یہی دل چاہتا ہے کہ وہ نوجوان میرے سامنے ہو اور میں آنکھوں بھر اسے دیکھا کروں ایک ہفتہ گذر گیا میں دونوں وقت باغ کی سیر کرنے جاتی ہوں اور ناکام و نامراد واپس آتی ہوں۔ آج جب باغ میں گئی تو کیاری میں ایک شکستہ ورق پڑا ہوا دکھائی دیا۔ میں نے اسے اٹھا لیا اور پڑھا تو ہم دیکھا

کملا تم کہوگی کہ پھر اسی سبق کو دہرانا شروع کردیا جسے بار بار پڑھ چکے ہیں گر میں سچ کہتی ہوں اب اس غزل میں ایک خاص قسم کی لذت پاتی ہوں جس کو بیان نہیں کرسکتی۔ اس غزل کا ہر ہر شعر میرے دل ہی کو نہیں بلکہ میری روح کو تسکین پہونچاتا ہے۔ میں نہایت شوق کے ساتھ اس غزل کو اپنے ساز دل کے تاروں کے ساتھ گاتی ہوں۔ کملا تم کہوگی کہ لیلا اپنی ہی تعریف آپ کرتی ہے گر میں سچ کہتی ہوں میری موسیقی کی تکمیل اب ہوئی ہے۔ پہلے تم میرے گانے کی تعریف کرتی تھیں اور میرے ساز کی آواز پر رشک کیا کرتی تھیں۔ لیکن یقین جانو کملا اس وقت میرا ساز اور میری موسیقی حقیقی نغموں سے محروم تھی۔ اب میں یہ محسوس کررہی ہوں کہ میری آواز میں حقیقی درد اور نغمہ ہے۔ میرا ساز ساز ہے، جب میں بیخودی کے عالم میں اس غزل کو گاتی ہوں تو خوبصورت پرندے جمع ہوجاتے ہیں اور اپنا سر دھننے لگتے ہیں ؎

کہتے ہو نہ دینگے ہم دل اگر پڑا پایا، دل کہاں کہ گم کیجئے ہم نے مدعا پایا
عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا، درد کی دوا پائی درد لا دوا پایا
دوستدار دشمن ہے اعتماد دل معلوم آہ بے اثر دیکھی نالہ نارسا پایا
سادگی و پرکاری بیخودی و ہشیاری حسن کو تغافل میں جرأت آزما پایا
غنچہ پھر لگا کھلنے آج ہم نے اپنا دل خوں کیا ہوا دیکھا، گم کیا ہوا پایا
حال دل نہیں معلوم لیکن اس قدر یعنی ہم نے بارہا ڈھونڈھا تم نے بارہا پایا

یہ غزل میری مونس و غمخوار ہے اور یہی میرے ساز دل کی صدائے درد انگیز ہے۔ کملا تم سچ کہتی تھیں کہ زندگی کا مزا چاہو تو عشق پیدا کرو۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ حسن کسے کہتے ہیں اور عشق کیا ہے۔ دل میں ایک ہیجان پیدا ہورہا ہے۔ ہاتھ کانپ رہا ہے سر چکرانے لگا۔ قلم ہاتھ سے گرا چاہتا ہے اب کچھ نہیں لکھ سکتی۔ والسلام ستم زدۂ عشق تمہاری لیلا۔

۴

از علی گڈھ۔ مورخہ ……

میری پیاری کملا! آہ رادھا کی ناگہانی موت کی اطلاع بذریعہ تار تمہارے پاس پہونچی ہوگی۔ مجھے کتنا صدمہ ہوا کملا تم اس کا اندازہ نہیں کرسکتیں آہ میری عزیز بہن ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگئی جس کی محبت میں میں دیوانی بنی رہی۔ پیدائش سے لیکر ملازمت تک ہم ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوئے کملا تمہیں تعجب ہوگا۔ ہم دونوں میں کبھی شکر رنجی تک پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اس کی آخری صورت مجھے دکھلائی گئی تو میں روتے روتے بیہوش ہوگئی تھی۔ بہرحال صبر کرنا پڑا۔

خط یہیں ختم کردیتی لیکن تم نے کئی مرتبہ تباکید یہ لکھا کہ میں اپنے مفصل حالات تمہیں لکھوں گر چونکہ رادھا کی دائمی مفارقت نے میرا دل پاش پاش کردیا ہے اس لئے اپنے حالات زندگی اجمالاً لکھتی ہوں۔

"وہ کس طرح میرے پتی بنے یہ ایک طویل داستان ہے جس کا اعادہ اس وقت غیر ضروری ہے لیکن اگر تم نے ضد کی اور مجھے مجبور کیا تو آئندہ کسی خط میں لکھونگی۔ مگر یہ ضرور کہونگی کہ اس ساز کو اب مت چھیڑو کیونکہ اس میں دل خوش کن نغمات بہت کم ہیں اور سینہ کی طرح آنکھوں سے آنسو بہانے والے زیادہ۔ بہرحال، میں اپنی خوش قسمتی پر جس قدر بھی ناز کروں کم ہے کیونکہ میرے پتی مجھ سے بیحد پریم کرتے ہیں وہ ایک ہائی سکول میں ہیڈ ماسٹر ہیں۔ ہم دونوں اس قدر بہترین زندگی بسر کررہے ہیں کہ دنیا جس کی نظیر پیش نہیں کرسکتی وہ دل سے میری عزت کرتے ہیں اور میں بھی ان کو ہر وقت خوش رکھتی ہوں سالانہ امتحان میں اکثر وہ بھی ممتحن بنتے ہیں اور میں بھی کاپیاں جانچنے میں ہم دونوں نہایت دلچسپ طریقوں سے ایک دوسرے کو مدد دیتے ہیں۔

پیاری کملا! میرا یہ دعویٰ ہے کہ عورت سخت سے سخت مرد کو رام بنا سکتی ہے اگر وہ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آئے اور یہ حقیقت ہے کہ عورت کے لئے یہ دنیا حقیقی معنی میں فردوس بریں ہے اگر اس کا شوہر اس سے خوش ہو۔ باپوجی اور ماتاجی اچھے ہیں اور ہم دونوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں گر آہ پیاری کملا! رادھا کا خیال میرے دل سے کبھی نہیں مٹے گا۔ جب اس کی تصویر سامنے آجاتی ہے تو میری آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ایشور نے مجھے ایسی بہن دی تھی کہ اس کی نظیر ملنی تو کل ہی نہیں ناممکن ہے۔ خدا ہر ایک کو ایسی ہی بہن دے جو خود بھی محبت کرے اور سب کے ساتھ محبت سے پیش آئے۔ اچھا بہن کملا خوش و خرم رہو تم بھی اپنے پتی کے ساتھ جیسی کہ میں تمہیں نصیحت کر چکی ہوں

فقط والسلام تمہاری لیلا، ذوقی

غزل

جناب راغب صاحب ہاشمی برہانپوری

ذرا پردہ اٹھا ہی تھا حریمِ نازِ سبحاں کا
رہا حیرت میں برسوں آئینہ مہرِ درخشاں کا

اگر زخمِ جگر کو دے ترا تیرِ نظر ٹانکا
نہیں ممکن کہ منہ کھلجائے میرے زخمِ خنداں کا

کبھی شاداں کبھی پتلا بنایا یاس و حرماں کا
بشر ہے ایک مجموعہ خیالاتِ پریشاں کا

نسیم آکر جو منہ قطراتِ شبنم سے دھلاتی ہے
کہیں حسن اور چمکے شاہدِ فصلِ گلستاں کا

ہوائے جوشِ وحشت کی نئی ہی کارپردازی
بنا ہے آلۂ پرواز ہر ٹکڑا گریباں کا

جلائے آتشِ الفت نہ میرا خرمنِ ہستی
کوئی شعلہ بھڑک اٹھے نہ سوزش ہائے پنہاں کا

کوئی دیکھے تو فیاضی بہارِ جوشِ وحشت کی
مجھے بخشا ہے گلدستہ مرے چاکِ گریباں کا

نہ دیکھا نیرِ صبحِ مسرت کا کبھی جلوہ
لبوں پر آگیا دم مبتلائے شامِ ہجراں کا

مرا داغِ محبت قبر میں خود روشنی دیگا
غرض کیا مجھکو کیوں احسان لوں شمعِ فروزاں کا

سوا تیرے کسی پر عمر بھر ظاہر نہیں ہوگا
یہی ہے وہ راز سربستہ ہمارے عشقِ پنہاں کا

[illegible] وحشت [illegible]
غبارِ خانماں برباد ہوں میں اس بیاباں کا

چکبست لکھنوی

جناب آل احمد صاحب سرور علیگ

اُردو ادب کا لہلہاتا ہوا باغ ایک باغبان کی محنت کا ثمرہ نہیں۔ اس کی آبیاری مختلف جماعتوں، مذاہب اور ممالک نے مل کر کی ہے۔ اس کی تعمیر میں بہت سے لوگوں نے اپنا خون پسینہ ایک کیا ہے۔ فقیروں اور درویشوں نے اس پر برکت کا ہاتھ رکھا ہے۔ بادشاہوں نے اسے مُنہ لگایا ہے۔ سپاہیوں نے زبان تیغ اور تیغ زبان دونوں کے جوہر دکھلائے ہیں لیکن ان سب باتوں کے باوجود یہ جمہور کی زبان اور جمہور کا ادب ہے۔ جمہور نے اسے گویائی بخشی اور جمہور نے اسے پروان چڑھایا۔ اُردو ادب کی تاریخ میں مسلمانوں کے دوش بدوش صدہا نام ہندوؤں کے ملیں گے جنھوں نے اپنی گرانقدر کوششوں سے ادب کے مختلف اصناف کو مالامال کیا اور ہمارا جدید ادب جو انیسویں صدی کے اواخر کی پیداوار ہے اس زمرۂ خاص میں اور بھی ممتاز ہے۔

مگر ہندوؤں میں سے "پنڈتانِ کشمیر" جو نہ صرف جنت ارضی کے حور و غلمان ہونے کا فخر کر سکتے ہیں بلکہ تاریخ ہند میں اپنی فطری ذہانت اور طباعی کے لیے مشہور ہیں اُردو ادب کی خدمت کے لئے کم مشہور نہیں۔ یہ خادم نہیں مخدوم ہیں۔ شعر و سخن کا جو مذاق مسلمانوں کے عہد حکومت میں برابر جاری تھا ان بزرگوں میں بھی پایا جاتا تھا۔ جب تک اُردو زبان اپنے عہد طفولیت میں تھی اور فارسی کا رنگ چھایا ہوا تھا اس قوم میں بھی فارسی کا مذاق رچا ہوا تھا۔ مگر جب فارسی کا چراغ جھلملایا اور اُردو نے پر و بال نکالے تو ان حضرات نے بھی اُردو کی طرف توجہ کی اس ممتاز خدمت میں دیا شنکر نسیم۔ رتن ناتھ سرشار۔ تربھون ناتھ ہجر، بشن نرائن در، برج نرائن چکبست اور تیج بہادر سپرو جیسے ادیب، شاعر اور صاحب ذوق ملتے ہیں۔ آج کی صحبت میں ہمیں چکبست کے کمالات پر ایک نظر ڈالنی ہے۔

چکبست ۱۸۸۲ء میں بمقام فیض آباد پیدا ہوئے۔ ان کا وطن لکھنؤ تھا اس لئے وہیں چلے گئے اور تعلیم پائی ... کی شہرت ... ذوق شعر میں پڑا تھا اور لکھنوی مذاق ... رنگ میں ... [illegible] میں کیننگ کالج سے بی۔ اے کرنے کے بعد آپ نے وکالت شروع کی اس پیشہ میں آپ کو خاص کامیابی حاصل ہوئی ۱۹۲۶ء میں جب آپ کی عمر تقریباً ۴۵ سال کی تھی اچانک انتقال کیا اور کاظم حسین محشر ... کے مصرع سے تاریخ نکالی ؎

ان کے ہی مصرعے سے تاریخ ہے ہمراہ عزا
موت کیا ہے انہیں اجزا کا پریشاں ہونا

چکبست نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہ ... تھا ایک طرف قدامت کا رنگ تھا جو ابھی سطح پر چھایا ہوا تھا اور دوسری طرف نئی تہذیب کی بڑھتی اور چڑھتی ہوئی روشنی تھی جو آہستہ آہستہ اپنا عروج ... تھی۔ اس ماحول میں طبائع زیادہ مستقل یا دو ... مختلف تھے۔ یا کوئی شخص قدامت پسند یا جدیدیت کا پیرو ... جماعت جو قدیم بنیاد پر جدید عمارت تیار کرنا چاہتی تھی۔ اس کا ... جدیدیت کے ساتھ ... چکبست اس آخری طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ ... قلب ... اور دماغ کا فرق تھا۔ وہ لکھنؤ کی تہذیب و تمدن ... اخلاق کے دلدادہ تھے مگر ان کے ساتھ ... اور تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے اصلاح اور ترمیم کے بھی حامی تھے۔ ان کا ... وہی پرانا خذ ما صفا و دع ما کدر ... اصل میں کوئی ... گو مشکل یہ ہے کہ اچھائی اور برائی کا معیار ... [illegible]

...نہیں ہوتا بلکہ قوم کی بہبود اور بہتری کے لئے نہایت نیک خیالات
...دل میں رکھتا ہے۔ یہ نیک خیالات قدرتی طور پر معتدل اور صلح پسند
...لات ہوتے ہیں۔

چکبست جدید دور کے شعرا میں نہایت ممتاز درجہ رکھتے ہیں ان کا
...کلام "صبح وطن" کے نام سے شایع ہو چکا ہے۔ ہمارے شعرا اپنے دواوین
...نام رکھنے میں اس قدر مجبور رہتے ہیں کہ کلام سے اُسے کوئی علاقہ نہیں
...۔ ایک صاحب اپنے دیوان کو "بیاض فطرت" کہتے ہیں حالانکہ صحیح نام
...دعا بازی" ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ اس میں بسم اللہ سے تمت تک
...جلوہ گر ہیں۔ خیر تو صبح وطن چکبست کے رجحان کا صحیح پتہ دیتی ہے۔ کیونکہ
...ن کی محبت چکبست کے کلام کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔ کتاب کے
...حصہ میں جو نظمیں ہیں وہ تمام تر وطن اور حب وطن سے متعلق ہیں ان میں
...نظمیں جو سیدھی، صاف اور سہل زبان میں لکھی گئی ہیں اور نہایت
...اثر ہیں کافی مشہور ہو چکی ہیں"۔ ہمارا وطن دل سے پیارا وطن"۔ اور "وطن کو
...وطن ہم کو مبارک" سے شاید ہی کوئی شخص نا آشنا ہو۔ ایک دوسری نظم
...خاک ہند" میں ہندوستان کی قدیم عظمت اور اس کے مشاہیر کا ذکر
...محبت سے کرتے ہیں ؎

...سے لبک ان کا ارمان ہے · اپنی رگوں میں اب تک ان کا لہو رواں ہے
...اثر میں گونجی نالوں کی فغاں ہے · فردوس گوش اب تک کیفیت اذاں ہے

کشمیر سے عیاں ہے جنت کا رنگ اب تک
شوکت سے بہ رہا ہے دریائے گنگ اب تک

قوم کی آزادی کے متعلق چکبست کا نظریہ ہمارے لبرل سیاستدانوں
...ملتا جلتا ہے۔ "آزادی کا قدم" میں فرماتے ہیں ؎

...مٹ کر مہر و وفا سے کام ہے · وطن کے باغ میں اپنا ہی انتظام ہے
...کی اگر یہ کچھ ہیں صبح و شام ہے · دکھی کہاں خوش الحان اسیر دام ہے

...مرے بشرکا اقبال ہو بہار چمن
...سے چمن کا محافظ ہو تا جہاں بہار چمن

...ہندوستانی سپاہیوں کی فوج دولت برطانیہ کی جانب سے یورپ کی
...جاتی ہے۔ چکبست انہیں یوں بڑھاوا دیتے ہیں خدا
...سلطنت کے بعد بھی ان کی ملک کے نام رہا باقی رہے

ساحل ہند سے جرار وطن جاتے ہیں · کچھ نئی شان سے جانباز کہن جاتے ہیں
رن میں باندھے ہوئے شمشیر وکفن جاتے ہیں · تیغ زن، برق فگن، قلعہ شکن جاتے ہیں

سامنے ان کے ظفر برہنہ پا چلتی ہے
ان کی تلوار کے سائے میں قضا چلتی ہے

صبح وطن کے دوسرے حصہ میں زیادہ تر اصلاحی و مذہبی نظمیں ہیں اس
میں بھی زیادہ تر مسدس لکھے گئے ہیں اور چکبست نے ان سنف سخن کو خاص
کامیابی سے نبا ہا ہے ایک جگہ نوجوانوں سے خطاب ہوتا ہے ؎

یہ چمن عمر ہمیشہ نہ رہے گا شاداب · خم میں باقی نہ رہے گی یہ جوانی کی شراب
نشۂ علم میں ہر وقت رہو تم غرقاب · شان تعلیم یہی ہے یہی تہذیب شباب

لے اُڑے دل کو طبیعت کی روانی وہ ہے
بے پیئے نشہ رہے جس میں جوانی وہ ہے

"گنگا" پر ایک اچھی نظم لکھی ہے اپنی عقیدت کی وجہ بیان کرتے
ہیں کہ دودھ سے تیرے لڑکپن میں زباں دھوئی ہے۔ ایک بند ملاحظہ ہو ؎

صاحب دل تجھے تصویر وفا کہتے ہیں · چشمۂ فیض خدا مرد خدا کہتے ہیں
دردمندوں کی مسیحا شعرا کہتے ہیں · ماں تجھے کہتے ہیں ہندو تو بجا کہتے ہیں

کون ہے جس نے ترے دودھ سے منہ پھیرا ہے
آج اس قوم کی رگ رگ میں لہو تیرا ہے

سب سے دلچسپ نظم "لڑکیوں سے خطاب" کر کے لکھی گئی ہے چکبست
عورتوں کی آزادی کے بارے میں "حد ادب" کے قائل تھے۔ بچپن میں جو کہانیاں
سنتے تھے ان سب میں ایک چیز مشترک ہوتی تھی۔ ہیرو کو اس کی بہن یا بیوی
یا ماں تین طرف جانے کی اجازت دیتی تھی اور چوتھی طرف کے لئے منع کرتی تھی نتیجہ
ہمیشہ یکساں نکلتا تھا۔ ہر شخص چوتھی سمت کو دوڑتا تھا۔ کہیں ہماری لڑکیوں
اور عورتوں کا بھی یہی حشر نہ ہو۔ بہرحال نظم کے چند شعر ملاحظہ فرمایئے ؎

روشِ خام پہ مردوں کی نہ جانا ہرگز · داغ تعلیم میں اپنی نہ لگانا ہرگز
رنگ ہے جن میں مگر بوئے وفا کچھ بھی نہیں · ایسے پھولوں سے نہ گھر اپنا سجانا ہرگز
رخ سے پردہ کو اٹھایا تو بہت خوب کیا · پردۂ شرم کو دل سے نہ اٹھانا ہرگز
دل تمہارا ہے وفاؤں کی پرستش کیلئے · اس محبت کے شوالے کو نہ ڈھانا ہرگز
اپنے بچوں کی خبر قوم کے مردوں کو نہیں · یہ ہیں معصوم انہیں بھول نہ جانا ہرگز
ہم تمہیں بھول گئے اس کی سزا پاتے ہیں · تم ذرا اپنے تئیں بھول نہ جانا ہرگز

کسی زبان کی شاعری صرف نسخات سے مالامال نہیں ہوتی اس میں قدیم مذہبی اور نیم مذہبی داستانوں کی بھی ضرورت ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ رامائن اور مہابھارت کی داستانیں نظم نہیں ہوئیں چکبست نے "رامائن کا ایک سین" کھینچا ہے جس کو پڑھ کر ان کی قادر الکلامی معلوم ہوتی ہے۔ وہ اس کام کے لئے نہایت موزوں تھے۔ ماں کے دل کا اضطراب اور رامچندر جی کے بن باس پر پریشانی کا حال یوں بیان ہوتا ہے ؎

ایسے بھی نامراد بہت آئینگے نظر — گھر جن کے بےچراغ رہے آہ عمر بھر
رہتا مرا بھی نخل تمنا جو بے ثمر — یہ جائے صبر تھی کہ دعا میں نہیں اثر
لیکن یہاں تو بن کے مقدر بگڑ گیا
پھل پھول لاکے باغ تمنا اُجڑ گیا

رام چندر جی کا جواب بھی ان کی بلند سیرت اور رضا کے شایان شان ہے ایک بند ملاحظہ ہو ؎

اپنی نگاہ بھی ہے کسی کارساز پر — صحرا چمن بنے گا وہ ہے مہرباں اگر
جنگل ہو یا پہاڑ سفر ہو کہ ہو حضر — رہتا نہیں وہ حال سے بندے کے بےخبر
اس کا کرم شریک اگر ہے تو غم نہیں
دامان دشت دامن مادر سے کم نہیں

تیسرے حصے میں بیشتر مراثی ہیں اور ان میں بھی رسمی ماتم کے بعد ریفر کی سیرت کی بلندی دکھائی ہے اور اس کے کارناموں پر روشنی ڈالی ہے اس طرح یہ نظمیں صرف وقتی نہیں رہتیں بلکہ لازوال ہو جاتی ہیں۔ ایک رہنمائے قوم کے ماتم میں لکھتے ہیں ؎

وطن کو تو نے سنوارا کس آب و تاب کے ساتھ — سحر کا نور بڑھے جیسے آفتاب کے ساتھ
چنے رفاہ کے گل حسن انتخاب کے ساتھ — شباب قوم کا چمکا ترے شباب کے ساتھ
جو آج نشو و نما کا نیا زمانہ ہے
یہ انقلاب تری عمر کا فسانہ ہے

چکبست کی غزلوں میں بھی ان کا پیامی رنگ جھلکتا ہے۔ بعض تنگ نظر ممکن ہے انہیں غزل کے حدود سے خارج کر دیں کیونکہ انہیں مشکل سے کوئی شعر معاملہ بندی اور زلف گرہ گیر کی مدح میں ملیگا۔ ہاں بادہ، ساغر اور دشنہ قسم کے بہت سے شعر نظر آئینگے ؎

فنا نہیں ہے محبت کے رنگ و بو کے لئے — ہمارا عالم فانی رہے رہے نہ رہے
جنون حب وطن کا مزا شباب میں ہے — لہو میں پھر یہ روانی رہے رہے نہ رہے
جو مانگنا ہے ابھی مانگ لو وطن کے لئے — یہ آرزو کی جوانی رہے رہے نہ رہے

مٹنے والوں کی وفا کا یہ سبق یاد رہے — بیڑیاں پاؤں میں ہوں اور دل آزاد رہے
ایک ساغر بھی عنایت نہ ہوا یاد رہے — ساقیا جاتے ہیں محفل تری آباد رہے

زباں کو بند کریں یا مجھے اسیر کریں — مرے خیال کو بیڑی پنہا نہیں سکتے
یہ کیسی بزم ہے اور کیسے اس کے ساقی ہیں — شراب ہاتھ میں ہے اور پلا نہیں سکتے

نفاق گبر و مسلماں کا یوں مٹا آخر — یہ بت کو بھول گئے وہ خدا کو بھول گئے

فنا کا ہوش آنا زندگی کا درد سر جانا — اجل کیا ہے خمار بادۂ ہستی اتر جانا
وہی قطرہ لہو کا اشک بن کر گر گیا رسوا — جسے ہم نے نمک پروردۂ زخم جگر جانا

نہ کوئی دوست دشمن ہو شریک درد و غم میرا — سلامت میری گردن پر رہے بار الم میرا
لکھا یہ داور محشر نے میری فرد عصیاں پر — یہ وہ بندہ ہے جس پر ناز کرتا ہے کرم میرا

[اس شعر کی داد دینے کیلئے اقبال کا ہم مضمون شعر سنئے ؎
موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے — قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے
اور اصغر بھی اس میدان میں کسی سے پیچھے نہیں ؎
سنا ہے حشر میں شان کرم بیتاب نکلے گی — لگا رکھا ہے سینے سے متاع ذوق عصیاں کو

جس کی قفس میں آنکھ کھلی ہو مری طرح — اس کے لئے چمن کی خزاں کیا بہار کیا

ہو گیا ہوں ساری دنیا کے گناہوں میں شریک — جب سے میں نے یہ سنا ہے تیری رحمت عام ہے

ہمارے اساتذہ کے نزدیک کلام کی خوبی کا معیار مشق کی کثرت اور سلسلہ کی عظمت تھا چنانچہ ایک صاحب کا یہ شعر آپ نے سنا ہوگا ؎

شاعری کھیل نہیں ہے جسے لڑکا کھیلے — ہم نے پچپن برس اس فن میں [illegible]

غریب چکبست اس معیار کے مطابق شاید مشق [illegible]

چکبست میں اس حیثیت سے نصیحت ہو اور اس نے زیادہ تر اپنی طبع رسا کو پیش ہی جیسا یا ۔ ہو دیتوال طرد تخلص کو بھی دنیا میں گنہ گار نہ تھا۔ ہاں اس میں فطری استعداد شاعری تھا۔ ایک حساس طبیعت تھی اور اس کے انداز بیان میں ایک رنگینی و رعنائی تھی ۔ ہمارا جدید اردو ادب اسی رنگینی سے مالا مال ہوا ہے۔

چکبست کی شاعری ہر معنی میں جدید شاعری ہے ۔ اس میں کہیں تجربات ہیں اور قدامت کی روح جو چکبست کی روح رواں تھی، رہا معروف صحت زبان، حسن بندش اور روانی و شگفتگی میں صرف ہوئی ہے، جس سے کلام کو چار چاند لگ گئے ہیں۔ چکبست کے معیار میں وطن تدرائی تھا اور خاک وطن کا ہر ذرہ دیوتا۔ وطن کی یہ محبت محض اس کے خوبصورت مناظر تک محدود نہ تھی۔ (چکبست مناظر فطرت کے شیدائی ضرور ہیں مگر اوپری دل سے انہیں انسانوں کی محفل میں زیادہ حظ ملتا ہے۔ ان کے کلام کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دیرہ دون سے آگے نہیں بڑھے اور یہیں سے بہت جلد معرفت کردگار کے مظاہر دیکھنے لگے۔)

ہاں تو وطن کی محبت محض اس کے مناظر کی وجہ سے نہیں اس کی مخصوص ہندوستانی تہذیب و معاشرت کی وجہ سے ہے جس کی تعمیر میں بقول یک بزرگ کے ویدک دھرم اور خلافت راشدہ دونوں نے حصہ لیا ہے وطن کی آزادی کی جو جد و جہد جنگ عظیم سے قبل ہو رہی تھی اس میں چکبست دل و جان سے شریک تھے۔ مگر وہ اُس طبقے سے تعلق رکھتے تھے جسے آج ہم لبرل اور ریفارمسٹ کہتے ہیں۔

چکبست انیس و آتش کے صرف قائل ہی نہیں مقلد بھی تھے ان کی نظموں اور غزلوں میں ہر دو اساتذہ کا رنگ جھلکتا ہے ۔ ان کے کلام میں رنگینی و درد ہے۔ صبر و جذبات، صدق جذبات اور سوز و گداز نے کلام میں تاثیر پیدا کی ہے اور روانی و صفائی نے اسے دلنشین بنایا ہے۔ اس میں گہرائی ضرور کم ہے اور چونکہ وقتی مسائل سے زیادہ بحث ہے اس لئے اس کی ابدیت کو ٹھیس لگتی ہے۔

چکبست کے مضامین کا ایک مجموعہ مضامین چکبست کے نام سے شایع ہو چکا ہے اس میں زیادہ تر ادبی مقالات ہیں اور ان میں سے بعض

گلزار نسیم، داغ، اودھ پنچ، رتن ناتھ سرشار، مستقل حیثیت رکھتے
ید اور ان کے رفقانے، جہاں جدید شاعری کی داغ بیل ڈالی وہاں
ی نئی نئی راہیں نکالیں۔ اس سے پہلے ہماری تنقید کا معیار شخصی
ا۔ شاعر کو اس کے ماحول سے بیگانہ عالم بالا میں پرواز کرتے ہوئے
انتھا اور اس کے کلام کی اچھائی یا برائی اساتذہ کے اسنادے
جاتی تھی۔ ان بزرگوں نے تنقید کا دوسرا رنگ نکالا جس میں شاعر
کا خود اس کے ماحول میں تلاش کیا جاتا ہے۔ اس کی سیرت کو
ہے اور کلام سے مطابقت کی جاتی ہے۔ اس کے خیالات کی
ر گہرائی پر نظر ڈالی جاتی ہے اور تب اس کا درجہ مقرر کیا جاتا ہے
اس میدان میں قدامت پسند کی حیثیت سے رونق افروز ہیں
نوی مذاق انھیں صفتی اور شخصی معیار سے بالکل نکلنے نہیں دیتا
ن اس پر بھی قناعت نہیں کرتے۔ چونکہ وہ انگریزی، اُردو اور
لے فاضل تھے اور اپنی زبان پر انھیں غیر معمولی قدرت تھی اس لئے
طرز تحریر میں ایک خاص شگفتگی و روانی ہوتی ہے اور وہ محض
یا محض تنقیص پر قناعت نہیں کرتے۔ مثلاً داغ پر ان کا مضمون

بہت دنوں تک دوسرے نقادوں کا مشعل راہ بنا رہا۔ اگرچہ یہ احساس تو
اب جاکر ہوا ہے کہ شاعری میں اخلاقی اور صرف اخلاقی قدروں کی حکومت نہیں ہو سکتی

افسوس ہے کہ وہ نسل جس سے چکبست تعلق رکھتے تھے، شمالی
ہند سے اٹھتی جاتی ہے اور اب اس کی جگہ لینے والے نظر نہیں آتے۔
یہ وہ نسل تھی جو اپنی تہذیب و معاشرت، اور اُردو ادب سے رسمی محبت رکھتے ہوئے
ترقی پسند اور آزاد خیال بھی تھی۔ آپ حضرات اس کے یہ معنی نہ سمجھیں
کہ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ یہ لوگ قدیم اور جدید سلسلہ
کی درمیانی کڑی تھے اور دونوں کی شدت کو کم کرتے تھے۔
بہت زیادہ نہ سوچ سکتے تھے۔ بہت اونچا اڑ نہ سکتے تھے۔
بہت دور دیکھنا ان کے بس کا نہ تھا کیونکہ تاریکی سے ابھی ابھی نکلے
تھے مگر ان کا دل زیادہ فراخ ان کی طبیعت زیادہ صلح پسند اور ان
کی محبت کے قانون زیادہ وسیع تھے۔

بعض لوگ جب اس طبقہ کی نارسائی پر اعتراض کرتے ہیں تو
یہ بھول جاتے ہیں کہ کیسی کیسی مشکلات اسے دامنگیر تھیں اور ان سے
وہ کس طرح عہدہ برآ ہوتے تھے۔

عشقِ و محبت

شعرا کی زبان سے!

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ — اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی (شیفتہ)
عشق سنتے تھے جسے ہم وہ یہی ہے شاید — خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا — حالی
آدمی ہو تو کبھی پاسِ محبت کیے نہ جائے — اب بھی کہتے ہیں کہ ہم غیر کے نقصان میں نہیں
عشق میں تڑ ملتا گیا جوں جوں رُکے اس شوخ سے ہم — یہ سبق وہ ہے کہ بھولے سے سوا یاد رہے
عشق کی آنچ اس میں پاتا ہوں — دل فدا دیکھتا ہوں جس کا گداز

زنیش عشق ہنوز ارنے بری ذوقے — بباش تا قدرے آشنائے جاں گردد — شبلی
با ما بہ ہر معاملہ اُمید گمان بود — خوش بود آنکہ باز محبت میان نبود

[illegible]

تجلّیات

از جناب حیران صاحب خیر آبادی

عجب شان سے جلوہ فرمائیاں ہیں — کہ ہر بار کچھ ہمت افزائیاں ہیں
محبت میں شکر کرم اللہ اللہ — قدمبوسیاں ہیں جبیں سائیاں ہیں
وہی وہ کہ دن رات نظروں سے اوجھل — وہی ہم، وہی دشت پیمائیاں ہیں
یہی اپنی خلوت یہی اپنی جلوت — تری یاد ہے اور تنہائیاں ہیں
ازل سے ابد تک کے اسرار روشن — عجب دیدۂ دل کی بینائیاں ہیں
یہ نغمے ہیں یا آتش دل پہ روغن — یہ مژدے ہیں، یا روح فرسائیاں ہیں
محبّت کے احساس کی لذّتیں ہیں — یہ نادانیاں ہیں نہ دانائیاں ہیں
مجھی پر جمی ہیں نگاہیں جہاں کی، — ترے تذکرے ہیں کہ رسوائیاں ہیں

نہ دل ہے نہ اب گرمیٔ دل ہے حیراںؔ
نہ ہم وہ، نہ وہ بزم آرائیاں ہیں

آپ بیتی!

از حضرت ثمر صدیقی ردولوی

"آپ بیتی" کی تین قسطیں رسالہ "عالمگیر" میں اس سے قبل شایع ہو چکی ہیں۔ میں نے حتی الامکان آخری قسط لکھ کر مضمون ختم کر دیا تھا۔ لیکن "آپ بیتی" کچھ اس درجہ مقبول ہوئی کہ دوستوں نے مجھے مجبور کیا۔ ارباب ذوق نے میری ہمت افزائی کی علم نواز حضرات نے خطوط لکھے کہ میں "آپ بیتی" کا سلسلہ کچھ دنوں اور جاری رکھوں مجبوراً مجھے یہ سلسلہ پھر شروع کرنا پڑا چنانچہ آپ بیتی کی یہ سب سے آخری قسط ہے جو عالمگیر میں شایع کی جا رہی ہے۔ ثمر صدیقی ردولوی۔

(۴۴)

شاد نہ وہ دیدار پرستی اور نہ وہ بے نشہ کی مستی
تجھکو کہاں سے ڈھونڈھ کے لائیں اف ری جوانی ہائے زمانے

رنگین خیال اختر! —— معبود تمھیں اپنی جمال کی ضیا باریوں سے
کھے۔ نامہ دلفروز کی ضوفشانیاں۔ دل و دماغ کو انوار حسن سے بے قابو
دیتی ہیں —— متاع صبر کوئی لوٹے لیتا ہے —— نہ تم پر زور نہ دل بس میں
۔ وائے مجبوری۔ ٹمٹماتی ہوئی شمع تمنا بھڑک اٹھی —— محبت کی پرسوز
ں نے حیات کی تاریکیاں مٹا دیں —— زندگی کی تلخیاں ایک لمحہ کے لئے
زینی تحریر کی حلاوتوں میں گم ہو گئیں، جان حسرت! خوش رہو کبھی کبھی ایک
م کو بھی خوشی سے دوچار کر دیتے ہو لیکن آہ —— یہ عارضی سکون ایک
ے خوشگوار جھونکے کی طرح آیا اور سانس کی رفتار تیز کے مانند فنا ہو گیا

ں فانی ؎

ہر نفس عمر گذشتہ کی ہے میت فانی — زندگی نام ہے مر مر کے جئے جانے کا

دل —— آہ کسی ہوش کے لئے مچلا —— پھل کر رد دیا۔ اب تشنہ
بت ہیں اور بارش غم! —— سرمستیوں کے لبریز جام زمانہ کے سفاک
ں نے چھین لئے۔ بات شباب کی سنہری منزیں رسم ..... ختم ہو گئیں

پر سینٹ چڑھا دی گئیں۔ مجھے خبر نہیں —— جوانی کے سرور آگیں۔ زرین لمحات کب آئے اور کب ختم ہو گئے۔ جو کلی شگفتہ ہونے سے قبل مسل ڈالی جائے وہ غنچوں کے جھرمٹ میں کھلکھلا کر ہنسنا کیا جانے —— پھولوں کی شادمانیوں کی اسے کیا خبر؟ —— ہاں اتنا یاد ہے کہ زندگی کا پہلا سرور آفریں لمحہ تھا جب میں نے پہلی بار تمہاری دلکش نگاہوں —— متوالی آنکھوں کے تیر اپنے قلب میں چبھتے ہوئے محسوس کئے تھے۔

اُف وہ اجنبیت کا لطف آگیں دور —— پھر پہلے پہل کی مہنت بدوش ملاقات؟ "آہ محبت کی ضو باریاں، دل کی دنیا میں کیف آگیں جگمگاہٹ۔ حیات کی چودھویں منزل کی معصومانہ ضدیں۔ بے خبر انجام دل کی سرشاریاں —— ہائے ہائے یاد نہیں —— وہ متوالے لمحات مجھے کب تک حسن و عشق کے گہوارہ میں۔ سرشاری و بیخودی کے ترانے سناتے رہے اور میں کب تک —— "بارگاہ حسن" میں سربسجود ہو کر مست الست بنی رہی —— ہاں یہی دلکش خواب جان حیات ہے۔ اب اسے خواب کی رنگینیاں کہو یا جوانی کی ولولہ انگیزیاں؟ —— ہوش آنے تک عصر بہار" —— آغوش خزاں" میں مستور ہو چکی تھی —— اُف —— جوانی اور شباب کی کہانی ......

شاید تم بھی ان سنہری وادیوں کو دیکھا ہو — اب تو ایک حسین، سرور آگیں مجموعہ خیالات "سرمایۂ حیات" بنی ہوئی ہے۔ "زمانہ ماضی" کی کیف سامانیاں اب تک پیش نگاہ ہیں — تصور میں قلب اب بھی وہی تازگی محسوس کرتا ہے آہ — وہی شادابی محسوس کرتا ہے — ہاں ہاں! — آغوش محبت اکثر مجھے جوانی کی جلوہ ریزیوں میں گم کر دیتی ہے۔ دل مسرت کے بے پایاں سمندر میں ڈوب جانا چاہتا ہے — مگر زمانہ کا دست ظلم — آہ — "ساغر عشرت" میرے لبوں تک آنے سے پہلے چھلکا دیتا ہے۔ چند لمحے زندگی کی لذت آفریں خلش کا باعث بن کر کیف و سرشاری کا خوبصورت خواب دکھا دیتے ہیں لیکن رفتار زمانہ کے گرم چھینٹے اتنا بھی گوارہ نہیں کرتے — مسرتوں کا خزانہ لٹ چکا — "شمع امید" بھی جھلملا جھلملا کر بجھنے پر تلی ہوئی ہے — ناکامی اور — محبت کی ناکامی! کچھ نہ پوچھو کیسی روح فرسا ہوتی ہے — اب تو کشتی حیات ہے اور غم و یاس کی ذخار موجیں۔ ناخدا بھی زمانہ کی طرح آنکھیں چراتا ہے — اف! کوئی اتنا بھی نہیں جو ساحل مراد تک پہونچا سکے — راستہ ہی تمام ہے۔ زمانہ میری بے بسی پر ہنستا ہے، نہ کوئی غمخوار ہے نہ مونس — اب زندگی کا وجود ہر نفس پر بار مصیبت ہے ہر سانس دنیا کی بیوفائی پر آنسو بہاتی ہے۔ زمانہ ایک حالت پر نہیں رہتا لوگ کہتے ہیں تغیر و تبدل کا نام دنیا ہے — مگر ہائے مجھے تو اپنے لئے سوائے مصیبتوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ دنیاوی زنجیریں روز بروز سخت ہوتی جا رہی ہیں — جس قدر نکلنے کی کوشش کرتی ہوں اسی قدر زیادہ گرفتار مجبوری بنا جاتا ہے — آہ! یاس و الم کی دھواں دھار بارش ہو رہی ہے مگر — میں اپنی حالت پر جی بھر کر رونے بھی نہیں پاتی۔ میری ساری مسرتیں چھین لی گئیں — سراپا غم بن کر رہ گئی ہوں۔ یہ مبالغہ ہے نہ بناوٹ میری صورت دیکھ لو۔ غم کی شعاعیں آنکھوں سے ابلی پڑتی ہیں — ہاں ابلاغ کے لئے حسین و دلکش الفاظ نہیں ملتے۔ فریاد کا صحیح طریقہ نہیں آتا، ورنہ دنیا الٹ جاتی — اب تو شاید موت کی آخری سرد آہ کسی کو متاثر کر سکے ورنہ دنیا ابھی تو مضحکہ خیزیوں میں مبتلا ہے۔ اف! درد نواز اختر! زندگی کی گھڑیاں طویل ہوتی جا رہی ہیں۔ پیارے! تمہیں آؤ — اور مجھے راہ محبت میں بھٹکنے سے بچا لو! —

دلفگار — نرگس

(۴۴)

کام خزاں سے کیا مجھے میرے لئے بہار کیا
اپنی ہی جب خبر نہیں گردش روزگار کیا

مجسمۂ رعنائی! — آج کئی روز ہو گئے تم سے تحریری ملاقات بھی نصیب نہیں ہوئی۔ آہ! یہ حصہ بھی کیا قسمت نے نصیب دشمناں کر دیا۔ تم وہاں پہاڑی مناظر میں محو ہو گئے۔ تمہیں بھلا کسی دور افتادہ کا خیال کیوں ہونے لگا — نہ جانے اس وقت تم سوتے ہو یا جاگتے۔ تخیل کی دنیا میں تو تم بستر پر مسکراتے نظر آتے ہو — شاید کوئی نشاط آگیں تصور تمہارے خانہ دل کی زینت ہو — اف نہ جانے آج کل وہاں تمہاری دلچسپیوں کا مرکز کون ہے —؟ کسی کشمیری دوشیزہ کی خرد سوز ادائیں تمہیں مسحور کر رہی ہونگی اور تم اپنے فسانہ کا پلاٹ مرتب کر رہے ہوگے — یہ کاش مجھ پر واضح ہو جاتا اور میں تمہارے دل کی گہرائیوں تک پہونچ سکتی، جان آرزو! — تم یہ قصہ پارینہ سنتے سنتے عاجز آ گئے ہوگے لیکن یہ رونا میری زندگی کے ساتھ ختم ہوگا — آجکل موسم کی خوشگواری — یہ دلکش سردی۔ آہ! دل کی آگ بھڑکائے دیتی ہے ہوا کے جھونکے کلیجہ کو برمائے دیتے ہیں — کاش یہ موج ہوا مجھے تمہارے قدموں تک پہونچا دے اور — میں تمہاری بیخبری میں تم تک پہونچ جاؤں — دوسرے کی موجودگی کا احساس، گھبرا کر آنکھیں کھولنا، خواب کی راحت میں خلل، سنبھل کر انگڑائی لے کر مسکرانا — اف یہ منظر ایک بار دیکھ لیتی، تڑپ جاتی۔ کیسا کیف اور سماں ہوتا . . . . .

جان تمنا! میری دنیائے آرزو کی وسعت تمہارے خیال میں نہیں آسکتی۔ کچھ نہ پوچھو میں تم کو کس کس انداز سے دیکھنا چاہتی ہوں صنم دل پر تمناؤں کے ستارے فلک اخضر کے تاروں سے زیادہ روشن اور بیشمار نظر آتے ہیں — ہائے تم اپنے شبہائے شباب کا صدقہ بھی تو نہیں دیتے تمہاری ایک رات میرے لئے "شب معراج" تھی تمہیں یہ کب گوارہ ہو سکتا ہے کہ تم کسی کے امین ہو کر خائن بنو — نہ جانے تم کس کے ہو اور یہ کیف آور راتیں کس کے لئے وقف ہیں۔ لیکن اتنا یاد رکھو۔ میرا اتنا سرور و انبساط شاید ہی کسی کو تمہاری قربت سے حاصل ہو سکے — تم تو میرے رہبر حیات ہو — مجھے الفاظ نہیں ملتے، میں کیا لکھوں کہ تم میرے کون ہو — تصور کی دلکشی کے قربان — تم مجھ سے کوسوں دور ہو

پر بھی مجھے تمھارے تنفس کی گرمی کا احساس ہو رہا ہے ـــ میں اپنے
تمھارا سر دیکھ رہی ہوں ـــ خوشبوئے محبت کہہ رہی ہے کہ تم میرے
ہو ـــ جان نرگس! بولو ـــ یہ خاموشی اچھی نہیں ـــ آؤ مجھے
ب کی جنت میں لے چلو۔ جہاں ـــ غنچے چٹک چٹک کر آواز دیتے
ہیں؟ ـــ بتاؤ کیسے مجبوری کی زنجیریں توڑ ڈالوں۔ یہ لاچار
کیونکر عبور کروں ـــ اپنی بدبختی کا احساس شعلہ بداماں ہے ـــ یہ
سہانی رنگینیاں اور یہ تنہائی! کاش کوئی ہمدرد ہی مل جاتا جو تمھارا
کر کے میری روح کو سرور کے دریا میں ڈبو دیتا۔ اف کوئی شریک
نہیں؟ ـــ تمھارا تصور دل و دماغ پر چھایا ہوا ہے ـــ سرور
ـــ کیف ہے لیکن ـــ غم آگیں! سنو یہ آواز کیسی آرہی ہے۔ ہائے
دئی چپکے چپکے دل سے کہہ رہا ہے کہ وہ ملاقات ـــ آخری ملاقات تھی
آرزوئیں یاس کے دریا میں ڈوبی جاتی ہیں۔ شمع امید کو باد مخالف
پر تلی ہوئی ہے ـــ دل یاس آگیں خیالات کا مرقع بن گیا ہے
پیارے کیونکر ان "حیات سوز" خیالات کی زد سے اپنے کو بچاؤں؟

وہی نرگس بیمار

(۳۵)

....

....

میرے بیمار اختر! ـــ رب العزت تمہیں جلد صحت عطا کرے تمھاری
تہ تحریر ملی۔ تمھاری ناسازیٔ طبع سے میری روح نڈھال ہوتی جا رہی ہے
یت کی ترجمانی میرے امکان سے باہر ہے۔ ہائے اختر ـــ ؏

فضائے درد میں طوفاں اٹھا دیئے تو نے

میری جان! خدا کے لئے اپنے دل سے یہ روح فرسا خیالات نکال
ـــ کوئی دوا اس وقت تک اثر نہیں کرتی جب تک مریض کسی کی قوت
لا رہے۔ ہٹاؤ ان منحوس خیالوں کو جو تمھاری صحت میں گھن لگا رہے
مجھ پر ـــ اپنی ـــ پر رحم کرو ـــ اپنے کو خوش رکھنے کی کوشش
میرے پیارے کبھی تنہا جام فنا پینے کی آرزو نہ کرنا ـــ آہ کیا تم ہما
اس آرزو کو نصیب دشمناں اپنا بناؤ گے ـــ میری جان! بس بس!
ہو الٰہی فراق کی تاب نہیں ـــ قدرت کا یہ ظلم میں نہیں برداشت

کر سکتی ـــ میرے جان سے زیادہ عزیز پیارے! میرے دامن کو غم کے
شعلوں سے بچاؤ ـــ راحت جان! اب بھی خیالات کی دنیا کو بہتر
بنانے کی سعی کرو۔ تمھیں صحت ہوگی اور یقیناً ہوگی ـــ سکون قلب
ـــ یعنی موت کے سکون آفریں خواب کی تمنا۔ آہ میرے لئے ہلاکت
آفریں ثابت ہوگی ـــ اگر دل میں یہی ٹھانی ہے تو اپنے پہلو میں میرے
لئے بھی جگہ رکھنا۔ تمھارا صاحب فراش ہونا میرے لئے موت کا پیش خیمہ
ہوگا۔ کیا میری موت بھی زندگی کیلئے عبرت خیز ہوگی ـــ میرے دل نواز
اختر! خدا کے واسطے اندوہگیں خیالات کو اپنے نازک دل سے دور کر دو علاج
کا سارا انہماک خیالی دنیا پر منحصر ہے ـــ کاش میں تمھاری خدمت کیلئے
تمھارے قدموں پر موجود ہوتی اور اپنی ساری قوت صرف کر کے تمھیں بحال
کر سکتی ـــ لے لو! میں تمھارے قدرتی حسین تحفے کی رسید کن لفظوں
پر اظہار مسرت کرنا بھول گئی ـــ میری جان فصل گل آتے ہی میرا محبوب
پھول پہلے پہل تمھارے ہاتھوں سے مجھ کو ملے ـــ پھر میری خوشی کا کیا
پوچھنا۔ یہ پھول میری جان کے ساتھ رہینگے۔ میں نے بڑی احتیاط اور مسرت
سے اس تحفہ کو دل میں جگہ دی ہے ـــ اللہ کرے تم اچھے ہو ـــ
تمھاری افزونیٔ علالت سے میرا جی نڈھال ہے۔

طالب صحت تمھاری نرگس

(۳۶)

پھول میں باس پھل میں رس دیتا ہے جو وہ اور کیا
آس تو ز جی نہ چھوڑ جتنی پیئوں پلائے جا

جادوگر اختر! ـــ آج چھٹا روز ہے لیکن تم نے اب تک میرے
خط کا جواب نہیں لکھا۔ تمھیں قسم ہے اپنی محبوب ترین ہستی کی ـــ اب
زیادہ نہ تڑپاؤ ـــ تمھارا یہ جملہ میرے لئے خلش آفریں بنتا جا رہا ہے
اف! تم لکھتے ہو کہ طبیعت کسی طرح مائل نہ ہوئی ـــ باوجود سعی و کوشش
کے بھی جواب نہ لکھ سکا۔ ہائے جب تمھارے دل میں میرا درد نہیں اور تمھاری
طبیعت جواب خط کی طرف مائل نہیں ہوتی تو بھلا ـــ تم میرے لئے کیا
کر سکتے ہو؟ تمھارے ان لفظوں نے میری امیدوں کا قلعہ [illegible]
ڈھا دیا۔ جب میری محبت میں اتنی بھی کشش نہیں جو تمھیں [illegible]
کر سکوں تو پھر خاک ہے اس دل پر جس نے محبت [illegible]

بہت تمہیں کچھ بھی میرا خیال نہیں۔ تمہاری یہ ادا مجھے از خود رفتہ کئے دیتی ہے۔ بولو! بولو یہ خاموشی اچھی نہیں ــــ سنا! بہت کچھ سہہ چکی ہوں۔ طاقت برداشت ختم ہو گئی، صبر کا پیمانہ بھر چکا۔ تمہیں انصاف کرو ــــ انتظار ــــ کبھی نہ ختم ہونے والا انتظار ــــ آخر کہاں تک؟ اس کٹھن جوکھم کی کوئی انتہا بھی ہے ــــ جانتی ہوں تم ناسازی طبع کا عذر کرو گے، مگر جانے دو ــــ تم نے انہیں ہاتھوں سے مجھے اس عالم میں بھی خط لکھا ہے جب تم اب سے بھی زیادہ علیل تھے ــــ دیکھو دیکھو میرا کلیجہ نکلا پڑتا ہے۔ میں سراپا فریاد بن کر رہ گئی ہوں۔ قیامت ہے کہ تم میری فریاد خاموشی کے ساتھ سن رہے ہو ــــ میں تڑپ رہی ہوں اور تم دیکھ رہے ہو ــــ میں آتش غم میں جل رہی ہوں اور تم ہنس ہنس کر شعلوں کی لپٹ سے کھیل رہے ہو ــــ میری زندگی تو شروع سے ایک ویران صحرا ہے اُف خطرناک اژدہاؤں سے پُر ــــ پھر تم اس وحشت کدہ میں قدم رکھتے کیوں نہ گھبراؤ آہ ــــ کانٹوں کو پھول سمجھ کر تم کیوں اپنے سینہ میں جگہ دو ــــ ہاں ہاں میں خود خیال ہوں۔ کہیں کانٹوں کی زہریلی نوک تمہارے دل میں نہ چبھ جائے ــــ اچھا ہے کہ تم میری طرف مائل نہ ہو۔ تم اپنی آغوش میں مجھے تڑپتا دیکھ چکے ہو اب اپنے خیال کی رنگین وادیوں میں بھی مجھے تڑپتا دیکھ لو۔

لمحات زندگی بھاگے جا رہے ہیں پھر یہ غفلت کیسی؟ میرے حسین ساحر! میری مضمحل روح کو اپنی محبت کے فردوسی نغمات سے معمور کر دو۔ عورت کا دل توڑنا خدا سے بغاوت کرنا ہے ــــ یہ مقولہ ہے کسی ماہر فطرت ہستی کا؟ ــــ کاش تم نے اس پر غور کیا ہوتا میں محبت کی تمام منزلوں کو طے کر چکی اب شکستہ صحرا میں تنہا بھٹک رہی ہوں کیا اس وقت بھی تم میری رہنمائی نہ کرو گے؟

سوختہ سامان نرگس

ــــ (۳۷) ــــ

گریہ آلود ہوئی ہیں سبب چشم جمال
مجھ سا دنیائے محبت میں گنہگار نہیں

میرے روٹھے ہوئے محبوب! ــــ ہمیشہ سرسبز و شاداب رہو ــــ یہ رعنائی ــــ غصہ کی ادائیں بھی غضب ہیں ــــ برہمی کے انداز اور دلکش ہیں۔ بس اختر! جانے دو۔ غصہ کو تھوکو۔ کہیں لرزتا شمع کی شعاعوں سے اٹکھیلیاں نہ کرنے لگے ــــ واللہ تمہارے

پاک آنسوؤں کی قسم۔ مجھے سخت تکلیف ہوئی۔ بخدا شرمندہ ہوں۔ سخت مجرم ہوں گنہگار بھی؟ سر خجالت سے جھکا ہوا ہے جو چاہو سزا دو مجھے اپنی اس شرارت انگیز ادا پر غصہ آ رہا ہے ــــ تمہارے دشمن غصہ کی قربانگاہ پر بھینٹ چڑھیں۔ میں تو ابھی قربان ہونے کو موجود ہوں۔ اف میں نے جان بوجھ کر تمہیں تکلیف پہنچائی ــــ رقابت بھی محبت ہی کا ایک جذبہ ہے نہ جانے یہ شرارت آمیز چھیڑ مجھے کیوں سوجھی؟ ــــ تم شوق سے شکایت کرو مجھ کو۔ ڈانٹو۔ خزینہ محبت کے مالک ہو بے محل تصرف کی سزا دو مگر ــــ پیارے طنز کی تیز چھری نہ دکھاؤ۔ یہی ایک ہتھیار ایسا ہے جو رگ رگ میں نیش زنی کر کے مجھے مشتعل کر دیتا ہے۔ اور میں اپنی زندگی سے بیزار نظر آتی ہوں میں نے تم کو تو کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ بس اتنی سی بات کا تم نے اتنا اثر لیا جو میں نے کہا کہ ــــ "تمہارے خیالات میری طرف سے اچھے نہیں" مجھے تو تمہارے طنز آمیز لہجہ پر غصہ آ گیا کہ تم مجھ گنہگار کے ساتھ میرے سارے طبقے کو جس بُری نگاہ سے دیکھتے ہو اس کا پرتو تمہارے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ پھر تم ہی بتاؤ انصاف کرو کہ میں کیونکر مجروح نہ ہوں؟ ــــ خدا کے لئے معاف کرو۔ میں تمہیں رنج پہونچانا نہیں چاہتی۔ یہ معلوم کر کے مجھے بیحد صدمہ ہوا کہ تم میری وجہ سے ملول و دلگیر ہوئے ــــ تمہارے نازک آبگینہ دل کو ٹھیس لگی ــــ غضب خدا کا تم روئے، اللہ صبر سے کام لیا ہوتا۔ یہ بیش قیمت ہار مجھے اس وقت پہناتے جب میری روح ملتجی ہو گی کہ تم میری یاد میں آنسو بہاؤ۔ آہ تمہاری دلکش آنکھیں ساحری کے لئے ہیں گریہ کیلئے نہیں ــــ یہ الفاظ لکھتے ہوئے تم نے یہ نہ سوچا کہ محبت نامہ کی آخری تحریر ــــ موت کی آخری ہچکی کی طرح جان لیوا ثابت ہو گی ــــ اف! یہ قطع تعلق کا اظہار کیسا؟ ــــ گھبرا گئے کیا؟ اب وہ وقت بھی عنقریب آنیوالا ہے جبکہ تم مجھے خط لکھنا چاہو گے لیکن آہ ــــ لکھ سکو گے؟ اور تمہارے آنسو میری تاریکی قبر مٹانے کی سعی کرتے نظر آئینگے۔ ہائے پھر میں تمہیں کیونکر دیکھونگی۔ میری روح تمہارے اردگرد منڈلایا کریگی اور ہوا کی صورت میں ــــ میں تمہارے رنگین رخساروں سے کھیلا کروں گی۔ خدا کے لئے ایسے لفظوں سے میری سماعت کو مجروح نہ کرو میں نے کب تمہارے حصول کی کوشش کی جو فراموش کرنے کی سعی کروں۔ محبت کی متلاشی روح تمہاری تلاش میں سرگرداں تھی۔ اسی نے تم کو پایا۔ دو روحوں کا اتصال قابو میں نہیں ہوتا ــــ جی چاہتا ہے کہ

م آنکھوں کی بینائی چھین لوں — اے کاش! یہ الفاظ پڑھنے
نیتر نگاہیں کور ہو چکی ہوتیں۔ بھلا وہ تعلقات بھی کبھی مٹ سکتے ہیں۔
جیتی جاگتی تصویریں صفحۂ ہستی پر خدا رکھے موجود ہوں — سنا ہے جن
ں سے ترک محبت کا حکم نامہ لکھا ہے انہیں ہیں انگلیوں سے میری
ت" کے جھلملاتے ہوئے "ستارے" کو روشنی بخشو۔ یہ ہاتھ کبھی تمہارا
نہیں چھوڑ سکتے۔ خواہ زمانہ لاکھ بار جھٹکے۔ میں دنیا بھر کی ساری چیزیں
ربان کر سکتی ہوں مگر یہ کبھی نہیں گوارا کر سکتی کہ تم میری طرف سے منہ
— زمانہ خود مجھے آئینہ دکھا رہا ہے۔ دیکھو تمہاری محبت میں آہ
ے کیا کچھ نہیں جھیلا — اف! پھر بھی تمہارے خیالات میری طرف سے
ہیں۔ میرے لئے ڈوب مرنے کی جگہ ہے یا نہیں — بولو! بولو!
لیکن خیال سے پوچھو کہ کب اور کس ساعت اس نے میرا ساتھ چھوڑا
محبت کی تاریکیوں میں میرا — "شمع حیات" بنا رہا۔ میرے حریم
ں تمہارے سوا کون ہے جو پہنچ سکے۔ اپنی دلکشی، لطافت کی نرمی
ری نظر سے دیکھو۔ تم تو سب کچھ جانتے ہو۔ میری پرستش آہ —
ی پرستش پر کتنی رکاوٹیں نہیں کی گئیں؟

یہ تو اور ستم ہے کہ تمہارے قلم نے اب تک صحیح خیالات کا اظہار
لیا۔ خدا کے لئے ہمیشہ اپنا شعار خیالات کی صحیح ترجمانی رکھو — آ
ہ خیالوں کی جنت میں تمہیں کیونکر بتاؤں کہ میں تمہیں کتنا پیار کرتی
— اور میری تشنۂ محبت روح — تمہاری محبت کی
کتنا اثر لے رہی ہے — اف میرے سینے کی آگ جو ہر لمحہ، ہر ساعت
یز ہوتی جا رہی ہے — "میرے محبوب" میں اس کی آنچ سے تمہیں
نوس کروں۔ میں بہت کچھ کہنا چاہتی ہوں مگر اپنی حالت کا صحیح
ہیں پیش کر سکتی — اف! یہ سب لفظی لفظ تو ہیں جنہیں
ا جامہ پہنا کر میں تمہارے سامنے پیش کرتی ہوں۔

رات بھیگ چکی ہے۔ دنیا محو خواب ہے لیکن میں تمہارے خیال
ن وادیوں میں بھٹک رہی ہوں۔ مجھے کسی طرح چین نہیں آتا
شے میرے سینہ کو تراشتی ہوئی دل کے اندر اترتی جا رہی ہے۔
ں بھی — یہ سرد ہوا کی موجیں ہیں جو تمہارے جسم سے مس کر کے ہو
بیقراری کا پیغام دے رہی ہیں۔ آہ — ان کی خنک ادائیں

میرے نظام تنفس کو ٹھنڈی پر درد سانسوں میں تبدیل کئے [illegible]
اے کاش یہ مجھے اپنی طرح فضا میں لہرا سکتیں — مگر یہ بھی [illegible]
ہمدرد ہونے لگیں انہیں تو اپنی سرمستیوں سے کام ہے۔ میرے عزیز محبوب
سچ بتاؤ تمہارے یاقوتی ہونٹوں نے کونسا موہنی منتر پڑھ کر میری تمناؤں کا
تسخیر کر لیا ہے۔ اس وقت تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تمہاری محبت پہلے
سے بھی کچھ سوا ہو گئی ہے — ہائے یہ جان لیوا جدائی کے لمحے کب تک حقیقت
کو بھلائے رکھیں گے۔ کبھی نہ پوری ہونے والی حسین امیدیں کب تک دل
کو بہلایا کریں گی۔ میرے پیارے سنو! گھنٹے نے دو بجا دیئے۔ ستارے جھلملا
جھلملا کر سرگوشیاں کر رہے ہیں۔ ہوا اپنی تیز چھریاں چلاتی ہوئی چل رہی ہے
آہ! میرا قرار، تو تم نے چھین لیا۔ کسی پہلو کسی کروٹ چین نہیں ملتے۔
اف — نہ جانے تم سوچتے ہو یا جاگتے۔ اگر سو رہے ہو تو للہ میری
بھی خبر لے لو، ذرا سوچو تو یہ بھی کوئی آئین محبت ہے کہ میں تو تمہاری
جدائی میں تڑپوں اور تم راحت کی ملکہ سے بغلگیر رہو۔ ذرا آنکھیں کھول
کر تاروں سے پوچھو میں کس کرب میں مبتلا ہوں گاہ اٹھتی ہوں —
گاہ لیٹتی ہوں — نگاہیں چاروں طرف کا جائزہ بھی لے رہی ہیں کہ
شاید کوئی میری نقل و حرکت کا نگراں ہو — تم طوالت سے گھبراتے ہو
مگر میں کیا کروں کسی طرح بھی قلم رکنے سے نہیں رکتا — نہ جانے کیا کچھ لکھ
گئی — آخر تم نے عاجز آ کر خاموشی کا حکم صادر کر دیا۔ خیر جو تمہاری
مرضی، مگر سنو، اگر تم خواب میں آنے کا وعدہ کرو تو میں بھی تمہارے خیال سے
نیند کی خوشامد کروں۔ "نرگس شہلا" کا واسطہ دوں — بولو۔ ہاں تم کس
کروٹ لیٹے ہو — بتاؤ مغرب یا مشرق؟ دنیا کا کون گوشہ تمہارے چہرے
کی بلائیں لے رہا ہے۔ میری دیوانہ وار بکواس کا مفصل جواب لکھنا تحریر کی
خامیوں کو ہمیشہ نظر انداز کر دیا کرو۔ مجھے انشاپردازی سے کوئی واسطہ
نہیں مجھے تو اظہار خیال سے مطلب ہے۔ خدا حافظ۔

تمہاری بیقرار [illegible]

—— (۳۸) ——

وفا خطا تھی خطا میں نے زندگی بھر کی
اب اس کے سوا کیا ہے جو سزا ہے عمر بھر کی
[illegible]

محبت میں جھلتے ہوئے جس طرح تمھاری یہ جھولنے والی صورت دل میں بسی ہے — جبکہ ان اور تمھاری زبان سے نکلے ہوئے بہت سے الفاظ — آخییں الفاظ کندہ ہیں وہیں اس تحریر نے جگہ پائی — میں اپنے ناشد اعمال کی فردِ مذمت ہوں — ہاں مجھے اس کا اعتراف ہے کہ میں — محبت اور شرافت کی بھوکی ہوں۔ مگر یاد کرو کہ یہ الفاظ بھی تو اسی فقرہ میں شامل تھے کہ "تمھاری محبت کی بھوکی ہوں" — تم نے میرے نظریۂ محبت کا خوب اندازہ لگایا جو وقت پر خوابیدہ جذبات کو بیدار کر دینے — وہی محبت ہے — کیا خوب! میں نے ہمیشہ — "بلبل" کی محبت پر بھونرے کی الفت کو ترجیح دی۔ ہاں مجھے خوف ہے کہ کہیں میری زبان قلم سے کوئی ایسے الفاظ نہ نکل جائیں جن سے خود مجھے اذیت پہونچے — ہاں ہاں! آج ہی پر کیا منحصر ہے تم نے ہمیشہ مجھے انھیں نظروں سے دیکھا تم ہمیشہ مجھکو........ بدتر سمجھتے رہے جس کی گواہی خود تمھارا قلم دیتا ہوا نظر آرہا ہے۔ مگر مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں — میں اس سے بھی زیادہ ملامت کی مستحق ہوں — تمھیں قسم ہے اس شے کی جسے تم دنیا میں زیادہ عزیز سمجھتے ہو — خواہ وہ تمھارا ایمان ہو یا کسی کی جان؟ — آج ہی میرے وہ سارے خطوط پرزے پرزے کر ڈالو جن میں میں نے تم سے محبت کا اظہار کیا ہے — وہ ہستی جس کی محبت صرف ہوس پرستی پر مبنی ہو — ہرگز یادگار زمانہ نہیں بن سکتی — بھونرا جس طرح گلشن کے ہر پھول کے رنگ و بو پر فدا اور منہ چومتا ہوا اڑ جاتا ہے بس جانتے ہو — اسی طرح بالکل اسی طرح — میں نے "تمھارے عارضِ قدسی کو چوما اور تمھارے شباب کے اولیں پھول چرائے — دیکھو زیادہ برہم نہ ہو — میں ابھی زندہ موجود ہوں — ایک بار نہیں کئی بار میں نے تمھارے یاقوتی ہونٹوں کے لمس میں اپنے کو کھو دیا — اب تم میرے اس جرم کو جس قدر سنگین سمجھتے ہو اتنی ہی سخت سزا دو۔ یا اگر تمھارا جی چاہے تو عفو کر دو — نہیں نہیں مجھے سزا دو کیونکہ اسی کی میں مستحق ہوں — تم نے دوستی کا فرض ضرور ادا کیا — مگر طنز کے زہر میں بجھے ہوئے الفاظ کا استعمال میری قلبی چنگاریاں بھڑکانے میں کامیاب ہوا — سچی بات ہمیشہ کڑوی ہوتی ہے مگر جو — تلخیوں کے پیالے پینے کا عرصہ سے عادی ہو چکا ہو اس پر کیا خاک اثر ہوگا۔ میں اب کچھ نہ کہونگی — جو تمھارا جی چاہے میری طرف سے خیالات قائم کر لو — میں اور تمھیں عتاب نامہ لکھوں۔ اب انتہا ہو گئی۔ میں نے تمھارے عذر کو جھوٹ نہیں سمجھا تھا۔ ہاں مجھے جن الفاظ سے خلش محسوس ہوئی تھی — میں نے اپنی سادہ مزاجی سے اس کا اظہار کر دیا تھا — خبر نہ تھی کہ تم مجھ سے روٹھ کر دوسری دنیا بساؤگے — میں تو اپنے قلب کی گہرائیوں میں تمھیں دیکھنے کی عادی تھی۔ تمھاری نگاہوں میں میری فطرت بھی "رفتارِ زمانہ" کی طرح بدلا کرتی ہے — جو کچھ کہنا ہو اکرے صرف مجھے مخاطب کر کے کہا کرو۔ یہ تمھارا رویہ تو اچھا نہیں کہ — تم سارے طبقے کو برا کہو۔ آج تک — شروع سے، سوا میری ہستی کے اور کون عورت ہے جو تمھارے تجربوں کی تختۂ مشق بنی ہو؟ — مجھے سخت صدمہ ہوتا ہے جب تم ساری عورتوں کی توہین کرتے ہو۔ اور جانتے ہو کہ تم خدا کی مخلوقات یکساں نکمہ

ر جو کچھ کہو۔ اسی کو کہو ——— جس نے محبت کے نام پر بٹہ لگایا۔ ساری صنف
ل نے تمہارا کیا بگاڑا ہے ——— جب تمہارے خیالات ایسے ہیں پھر
میں ——— اس ہستی سے بھی انتہائی تنفر چاہیے ——— اپنے دل میں اب
پرفریب ہستی کا خیال ہرگز نہ آنے دینا ——— اگر اس کے ہاتھوں میں اپنا
ن الجھتا ہوا دیکھو تو کہے دیتی ہوں فوراً ادائے غضب کے ساتھ جھڑک کر
نکار دو۔ سنا؟ پھر تو فریب کی دیوی اپنا منہ دیکھ کر رہ جائیگی اور تم بھی دست
ں سے محفوظ رہوگے ——— ہاں تمہیں اس کا غم کیوں ہونے لگا جبکہ تم جانتے
یں محبت سے حقیقت میں ناآشنا ہوں ——— بھونرا یکے بعد دیگرے سب کو
ا کرتا ہے ——— پھر کسی کو اس کی اس ادا کا غم کیوں ہونے لگا۔

"تم ہمیشہ اپنے الفاظ پر قائم رہوگے"۔ یہی نا کہ تمہارے خیالات کبھی
ی طرف سے اچھے نہ ہونگے۔ بہرحال میں اپنے کو خوش نصیب تصور کرتی ہوں
مجھے یاد تو کرتے رہوگے ——— خواہ کسی جذبہ کے ماتحت سہی؟ ———
دا کے لئے یہ نہ کہو ——— تم اور معافی خواہ؟ ——— محبت کا واسطہ بیکار

دیتے ہو۔ یہاں کس کافر نے محبت کی اور کب اس [illegible]
خیر ——— اگر تمہاری یہی خوشی ہے تو میں تمہاری ہر بات کا اقرار کئے لیتی
ہوں۔ لیکن ——— اسی طرح جس طرح تم کہہ رہے ہو۔

وفا کا عہد وہ کرتے ہیں اور میں چپ ہوں
نگاہ یاس یہ کہتی ہے کہ اعتبار نہیں

تمہارے ابرو کی جنبش مجھے محسوس ہو رہی ہے۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ
تمہارے مے گوں لب کانپ رہے ہیں ——— میں خوب طرح جانتی ہوں کہ جو کچھ تم کہنے
والے ہو ——— الفاظ کا طوفان تمہارے ہونٹوں سے ابلا پڑ رہا ہے۔ دیکھو
اپنی ساحرانہ نظروں کو ——— جو نہ جانے ملامت کے کتنے تیر میرے پہلو میں لگا چکی ہیں
ہاں ہاں! تم بیدھڑک جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو! ——— بات کا بتنگڑ ہوگا۔ منہ کیا
دیکھتے ہو؟ کہو کہو تمہاری تلخ کلامی بھی میرے لئے شیریں گفتاری سے کم نہیں

دشنام یار طبع حزیں پر گراں نہیں — اے ہم نفس نزاکت آواز دیکھنا

خطاوار نرگس

نغمۂ شاعر

لارڈ الفریڈ ٹینیسن کی نظم کا آزاد ترجمہ

از عبدالجلیل دہلوی

مینہ برس چکا تو شاعر اٹھا
وہ راستوں میں سے گذرتا ہوا گاؤں سے باہر جا نکلا
مشرقی دروں سے باد صبا اٹھلاتی ہوئی چل رہی تھی
اور ——— بادلوں کا سایہ گیہوں کے کھیت پر مست خرامیاں کر رہا تھا۔
وہ جا کر ایک تنہا گوشہ میں بیٹھ گیا
اور بآواز بلند ایک شیریں نغمہ گانے لگا
جس نے جنگلی ہنس کو بادل میں ٹھہرا دیا
ابابیل شہد کی مکھی کے شکار سے رک گئی
سانپ شاخ کے نیچے سے رینگتا ہوا چلا گیا۔
صحرائی باز اپنی چونچ جھکائے بے طلب کھڑا ہو گیا
اور صید پیر ہلائے دیکھتا رہ گیا
بلبل نے خیال کیا میں نے آج تک بہت نغمہ سرائی کی
مگر ——— ایسی خوش نوائی سے کبھی نہ کی
کیونکہ شاعر نغمہ سرا ہے
جب یہ دور گذر جائیگا۔ تو دنیا کیا کہے کیا گائیگی۔

جذباتِ مضطر!

از حضرت مضطر شاہجہانپوری

خودی سے مجھ کو بیگانہ بنا دے
بنا دے اب تو دیوانہ بنا دے

لُبھا کر دل کو فرزانہ بنا دے
نگاہِ شوخ! مستانہ بنا دے

یہ ایما ہے مرے سوزِ نہاں کا
مجھے ہمشکلِ پروانہ بنا دے

وفورِ بادۂ الفت سے دل کو
وہ اک سرجوش پیمانہ بنا دے

مجھے اک پیکرِ حیرت بنا کر
مکمّل غم کا افسانہ بنا دے

زہے قسمت! اگر حسن جفاکار
رہینِ نازِ تُرکانہ بنا دے

اُڑا کر خاکِ حسرتہائے پنہاں
فضائے دل کو ویرانہ بنا دے

جو وہ چاہے تو تُو ہر اک نقش پا کو
مری نظروں میں پیمانہ بنا دے

چمن میں ہر شجر ساغر بکف ہے
تقاضا ہے کہ مستانہ بنا دے

معاذ اللہ جوشِ گریۂ غم
کہیں یہ گھر نہ ویرانہ بنا دے

کہاں تک لب رہیں مرہونِ جنبش
خموشی ہی کو افسانہ بنا دے

دلِ صد چاک کو اے مستِ اُلفت
کسی کی زلف کا شانہ بنا دے

تصوّر حسن کی دیوی کا مضطرؔ
حریمِ دل کو بتخانہ بنا دے

امتحان محبت

جناب رشید اسحاقی صاحب آدھوی

وہ حسین تھی اور شریف۔ اس کے والدین اس کی صغرسنی ہی میں
جل ہو چکے تھے۔ اس کا چچا مسٹر ڈرنیک اس کی پرورش کا وسیلہ تھا۔ وہ
ر تھا اور یہ یتیم۔ دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ بے انتہا محبت اور
جہ کا پیار تھا۔ ڈرنیک اسے بیٹی کہہ کر پکارتا اور یہ ابا جان۔ مسٹر ڈرنیک
معزز شخص تھا اس کی مالی حیثیت کافی اچھی تھی۔ وہ شہر کے رئیسوں
شمار کیا جاتا تھا۔

مارسلز فرانس کا مشہور شہر ہے اگر پیرس اپنی رعنائیوں اور
ون رنگینیوں کے باعث رشک ارم کہلانے کا مستحق ہے تو مارسلز بھی اپنی
ں دلچسپیوں کی وجہ سے رشک جنت کہلانے کا بجا حق دار ہے بلکہ
ں سے کہیں زیادہ جاذب نظر بنا ہوا ہے۔ قدرت کی صناعی کا دلفریب
یعنی مس ڈرنیک بھی اپنے چچا کے ساتھ اسی شہر میں رہتی تھی اور اپنے
و جمال سے ایک عالم کو محو حیرت بنائے ہوئے تھی۔ حسن کے حقیقی پجاری
ی ایک جھلک دیکھ کر اپنی خوش قسمتی پر ناز کرتے تھے۔ جب وہ خوشنما
لباس پہن کر اپنے چچا کے ساتھ پارک کی سیر کو جاتی تو مخلوق خدا کا ہجوم
اور سب کی آنکھیں ایک ہی مرکز پر جمی ہوتیں وہ مرکز مس ڈرنیک
ن اور جاذب نظر تصویر ہوتا۔ شہر بھر میں اس کے حسن کا ہنگامہ آفریں چرچا
مارسلز کے نوجوان سب اسی کے جاذب نظر حسن سے مسحور تھے اور سب
ن پر اسی کا نام تھا۔

جس طرح آفتاب و ماہتاب کی روشنی کسی خاص سرزمین تک محدود
ہ سکتی اسی طرح مس ڈرنیک کے حسن و جمال کی شعاعیں بھی مارسلز
رود آبادی کے اندر نہ رہ سکیں بلکہ چاروں طرف منتشر ہو کر خراج تحسین
ل کرنے لگیں۔

فی الحقیقت وہ حسین تھی اور بے حد حسین۔ اس کے ملائم باریک اور
سنہرے بال اسیران گیسو کو یہ سبق دے رہے تھے کہ ان زنجیروں کی قید
آزادی سے بدرجہا بہتر ہے۔ اس کی مے فروش آنکھیں صاف بتا رہی
تھیں کہ شراب پینا حرام نہیں ہے۔ اس کے عارض گلگوں عندلیبان
چمن زار محبت کو یہ ترغیب دے رہے تھے کہ ان پھولوں کو چھیڑنے کے
بجائے تا حشر اپنی بیشمار بیتاب خواہشوں کا جائز و ناجائز خون کر کے
ان کی رنگت میں اضافہ کرنا محبت کی بہترین دلیل ہے۔ اس کے عارض کا
ہلکا سیاہ تل اس بات کا متقاضی تھا کہ سمرقند و بخارا جیسے ہزاروں شہر صدقے
کئے جائیں اور صدقہ کرنے والے کا نام حافظ شیرازی نہیں بلکہ شکسپیر یا
ملٹن ہو۔ وہ کیا تھی؟ —— ایک رعنائی بے نظیر، جس کو لوگ ایک بار
دیکھ کر دوبارہ دیکھنے کی ہوس کرتے تھے —— قدرت نے اس کے قد و
قامت۔ رفتار و گفتار۔ انداز تکلم، طرز ادا، سادگی و بیباکی۔ غرض ہر ہر بات
میں ایسی کشش بھر دی تھی کہ دنیا مسخر ہو سکتی تھی —— پھر اس کی شہرت
کس طرح نہ ہوتی۔ اس کا بے پناہ حسن اور والہانہ گفتگو انسان تو کیا فرشتوں
تک کو گرویدہ کرنے میں ید طولیٰ رکھتی تھی۔

مس ڈرنیک شباب کے اس دور سے گزر رہی تھی جس میں نظر بد
لگنے کا بے حد اندیشہ رہتا ہے اور ہر قدم پر لاتعداد ٹھوکر کھانے کا کافی سامان
ہوتا ہے۔ مگر وہ بے پناہ حسن۔ دلکش رفتار۔ متوالی آنکھیں [illegible]
میں ہزاروں دشمن در بغل رکھتے ہوئے بھی انتہائی متانت و [illegible]
ساتھ شباب کی پرخار وادی سے گزر رہی تھی [illegible]
عصمت و پاکدامنی کا جیتا جاگتا مجسمہ [illegible]
[illegible]

اس کا بچا اپنی قسمت پر بجا ناز کرتا تھا۔ وہ محسوس کرتا تھا کہ جنت نام ہے ان کیفیات کا جو اس کے دل میں اپنی بھتیجی کو دیکھ کر پیدا ہوتی ہیں اور طمانیت کہتے ہیں اس اطمینان کو جس سے صرف اس کا خاندان آسودہ ہے۔ محلہ کی لڑکیاں۔ بستی کی بوڑھیاں اور آس پاس کے بچے مس ڈرنیک سے خاص کر محبت کرتے اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کو فرض اولین سمجھتے تھے۔ مختصر یہ کہ وہ بزرگوں کی آنکھوں کا نور۔ بچوں کے دل کا سرور اور سہیلیوں کے جھرمٹ میں رشک حور تھی۔

(۲)

دنیائے محبت میں یہ خبر کس قدر حیرت کے ساتھ سنی جائیگی کہ اقلیم حسن کی ملکہ یعنی مس ڈرنیک ایک معمولی غریب کسان پر جان دیتی تھی۔ سچ ہے محبت میں امیر و غریب کی تمیز نہیں ہوتی ہے — جس طرح ایک خوشنما آبی پودا موجوں کے مسلسل تھپیڑے کھا کر بھی پانی ہی میں رہنے پر مجبور ہے اس لئے کہ اس کی زندگی کا انحصار اسی پر ہے اسی طرح مس ڈرنیک بھی موج حوادث کے بیشمار تھپیڑے کھا کھا کر بھی دنیائے محبت میں رہنے پر موجود تھی۔ کیونکہ اس کا راز حیات اسی میں مضمر تھا اور جس طرح ہوا کا ایک غیر معمولی جھونکا اس آبی پودے کو پانی پر لاتعداد ہچکولے کھلا دیتا ہے اسی طرح مس ڈرنیک بھی کسی غیر معمولی خیال کے آتے ہی لرزہ براندام ہوجاتی تھی۔

مارٹن ایک غریب کسان تھا۔ دن بھر کماتا تو مشکل سے پیٹ بھرتا تھا۔ اس کا لباس، اس کی وضع، اس کا طرز رہائش دنیا کے سامنے اس کی حالت کا صحیح نقشہ پیش کر رہا تھا مگر اس پر بھی وہ اپنے اسی لباس میں ہزاروں میں ایک معلوم ہوتا تھا۔ اگر ایک طرف اس کے لباس، اس کے ہیٹ اور اس کے جوتوں سے افلاس و نکبت کے آثار نمایاں تھے تو دوسری طرف اس کے چہرے سے شاہانہ سطوت اور مردانہ وجاہت ٹپکتی تھی۔ اہل دول اپنی دولت کے غرور میں اس جوان کو جیسا کچھ سمجھیں مگر درحقیقت مس ڈرنیک کے شوہر بننے کا حق مارٹن ہی کو تھا۔ مس ڈرنیک محبت کی دلسوز چنگاریوں کو کمال استقلال کے ساتھ دل کے محفوظ ترین گوشے میں چھپائے ہوئے تھی کائنات کا ایک متنفس بھی اس کے راز سے آگاہ نہ تھا۔ ہاں اگر تھا تو مارٹن جس کو وہ اپنا معبود سمجھ چکی تھی۔

[illegible] کائنات کی بہترین سے بہترین

لذتوں کو ٹھکرا سکتی تھی۔ عشق کی بارگاہ میں اہم ترین قربانی کر سکتی تھی۔ محبت کے آستانے پر اپنی تمام خواہشوں کو بھینٹ چڑھا سکتی تھی حتیٰ کہ اپنی لاتعداد حسرتوں اور بیشمار تمناؤں کا خون کر سکتی تھی مگر وہ یہ گوارہ نہیں کر سکتی تھی کہ اس کے راز سے اس کا چچا آگاہ ہو جائے اس نے انتہائی کوشش صرف کر دی۔ صرف اس لئے کہ مسٹر ڈرنیک کسی طرح اس کے راز سے آگاہ نہ ہو سکے۔ اور اپنی دانست میں وہ اس خیال میں کافی حد تک کامیاب رہی۔

(۳)

عام مقولہ ہے کہ "مصیبت تنہا نہیں آتی" پھر مس ڈرنیک کیوں اس سے مستثنیٰ رہتی۔ محبت کی بے پناہ اور ناقابل برداشت مصیبتوں کے ساتھ ساتھ اس پر دوسری آفت یہ ٹوٹ پڑی یعنی مسٹر ڈرنیک سخت بیمار ہو گیا اور اس کے جینے کے لالے پڑ گئے۔ وہ ایک مدت سے اختلاج قلب کے مرض میں مبتلا تھا۔ چار روز سے پھر دورہ شروع ہو گیا تھا اس کی حالت روز بروز خراب ہوتی جاتی تھی ضعیفی کا عالم اس پر اختلاج کا پیہم دورہ ایک ہمدرد انسان کو موت کی یاد دلانے کے لئے کافی تھا لہذا ڈرنیک یہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا کہ اب اس کی زندگی کے دن بہت تھوڑے رہ گئے ہیں اس کی بھتیجی دن اور رات کا بیشتر حصہ اس کی خدمت میں گذارتی تھی شہر کے لوگ کافی تعداد میں ڈرنیک کی عیادت کو آتے تھے مگر ڈاکٹروں نے کسی سے بات کرنے کی مطلق اجازت نہیں دی تھی۔ لہذا وہ لوگ صرف ایک نظر دیکھ کر واپس چلے جاتے تھے۔ مس ڈرنیک ہر شخص سے کشادہ پیشانی کے ساتھ ملتی اور اپنے چچا کی علالت کے خطرناک پہلو پر بحث کیا کرتی جب لوگ اسے یقین دلاتے کہ اس کے چچا کی حالت خطرناک نہیں ہے تو اس کا چہرہ بشاش ہو جاتا اور جب وہ کسی سے اس کے خلاف سنتی تو اس کا چہرہ مغموم ہو جاتا اور آنسوؤں کے بیشمار قطرے اس کی حسین آنکھوں سے نکل کر اس کے چہرے پر ڈھلک جاتے۔ وہ بیتاب ہو کر چچا کے پاس دوڑی ہوئی جاتی اور اس کا چہرہ بغور دیکھنے لگتی۔ ڈرنیک اس کو مضطرب دیکھ کر بڑی شفقت سے پاس بٹھلا کر پیار کرنے لگتا اور اپنی سنجیدہ اور ضعیف آواز سے یقین دلاتا کہ اس کی بیماری جان لیوا نہیں ہے۔ وہ خوش ہو جاتی اور اس کا چہرہ پھول کی طرح کھل جاتا۔ ڈرنیک اس کی سادگی اور بھولے پن پر مسکرا دیتا اور اس کی پیشانی کا بوسہ لے لیتا۔

مسٹر ڈرنیک کا دنیا میں سوائے ایک بھتیجی کے اور کوئی قریبی رشتہ دار نہ تھا۔ دنیا جانتی تھی کہ ڈرنیک اپنا سارا اثاثہ مس ڈرنیک کو دے کر اطمینان سے ابدی نیند سوئیگا۔ مگر لوگوں کے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی جب ایک روز انتہائی علالت میں بار بار چھیڑ کر پوچھنے کے باوجود اس نے اپنی بھتیجی کو اپنی ساری ملکیت کا حقدار بنا دیا ہے۔ لوگوں کے مکرر اصرار پر اکثر منہ پھیر لیا کرتا تھا۔ ہاں البتہ اس کی نگاہیں بار بار دروازے کی طرف دوڑ جاتی تھیں جس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کسی کا نہایت بے چینی کے ساتھ انتظار کر رہا ہے مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آخر وہ اس بے چینی کے ساتھ کس کا منتظر ہے۔ ڈاکٹر بار بار نبض اور دل کی حالت کا معاینہ کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر مایوسی کے آثار نمایاں تھے مگر کمال بے پروائی کے ساتھ وہ لوگوں سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا۔ اب ڈرنیک کی حالت زیادہ خراب ہونے لگی تھی۔ وہ بولنا چاہتا تھا مگر تنفس سے اس کا دم گھٹا جا رہا تھا اس نے دروازے پر پھر ایک نگاہ ڈالی اور حسرت بھری آنکھوں سے اپنی بھتیجی کو تکنے لگا۔ اس کا دل پھٹ گیا اور وہ رونے لگی۔ ڈرنیک نے ڈاکٹر کو اشارے سے پاس بلایا اور سرہانے سے کچھ نکال کر اسے دینے ہی کو تھا کہ دروازے کے کواڑ کو جنبش ہوئی اور لوگوں نے دیکھا کہ گرجا کا سب سے بڑا پادری بڑی تیزی سے کمرہ میں داخل ہوا۔ لوگ اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ پادری ایک لمبی سانس لے کر مریض کے نزدیک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے مسٹر ڈرنیک پر ایک معنی خیز نگاہ ڈالی اور ڈرنیک نے تمام لوگوں کے سامنے اپنے ہاتھ سے دو لفافے پادری کے ہاتھ میں دیکر بمشکل اتنا کہا کہ "یہ میرا وصیت نامہ ہے اس پر میرا دستخط اور مہر بھی ثبت ہے آپ ان دونوں لفافوں کو بحفاظت تمام گرجا کے محافظ خانہ میں رکھدیں۔ میری موت کے بعد میری بھتیجی مس ڈرنیک کے سامنے پہلے وصیت نامہ نمبر ا کو کھول کر اس کا مضمون اسے پڑھ کر سنا دیں۔ بعد ازاں اس وصیت نامہ کی ہدایت کے موافق اگر دوسرے لفافہ کو کھولنے کی ضرورت ہو تو کھول کر اس کا مضمون بھی سنا دیں ورنہ اس کو پھاڑ کر پھینکدیں"۔

پادری ان دونوں لفافوں کو جن پر مسٹر ڈرنیک نے کمال احتیاط سے مہر لگا دی تھی لیکر روانہ ہو گیا۔ اور مسٹر ڈرنیک ...

...ماٹن ہی بعد اپنی بھتیجی کو پاس بلا کر خوب خوب پیار کیا اس کی آنکھیں ... ڈرینک پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ اب کسی کی تلاش نہیں کر رہا تھا اس کا ضمیر مطمئن تھا۔ اس کے چہرے پر آسودگی کے آثار نمایاں تھے اس نے ایک بار اپنی بھتیجی کو سینے سے لگایا اور بھینچ بھینچ کر پیار کیا۔ وہ زبان سے کچھ بولنا چاہتا تھا مگر طاقت جواب دے چکی تھی۔ اس کے بدن کو ایک ہلکی سی جنبش ہوئی اور ایک ہچکی کے ساتھ روح قالب عنصری سے پرواز کر گئی اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں ——— اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنی بھتیجی کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہا ہے۔

چچا کے مرنے کے بعد مس ڈرینک کی دلجوئی کا واحد ذمہ دار مارٹن تھا۔ اس کو دیکھ کر اس کا سارا غم غلط ہو جاتا تھا اب مارٹن کے رات دن کا زیادہ حصہ مس ڈرینک ہی کے یہاں صرف ہوتا تھا ان دونوں کی راہ میں اب کوئی حائل نہ تھا مس ڈرینک کو دنیا کے لوگوں کی طعن وتشنیع کی کوئی پروا نہ تھی۔ اس کے دماغ میں مارٹن سے شادی کرنے کا خیال ایک ایسا جذبہ تھا جو اس کی جان سے تعلق رکھتا تھا۔ لوگ طرح طرح کے خیالات کا اظہار کرتے ہی رہے مگر وہ مارٹن کو ساتھ لے کر گرجا کے سب سے بڑے پادری کے یہاں شادی کی مقدس رسم کو ادا کرنے چلی ہی گئی۔ پادری نے مس ڈرینک اور مارٹن کو بغور دیکھا اور بڑی شفقت سے پاس کی کرسیوں پر بٹھلا کر کہا۔ میں مسٹر ڈرینک کے ملفوف وصیت نامہ کو آئندہ اتوار کے دن کھولنے کا اعلان کر چکا ہوں جس کی باضابطہ خبر تم لوگوں کو بھی ہے۔ لہذا میں پہلے وصیت نامہ والے فرض کو ادا کرونگا بعد ازاں اسی روز تم دونوں کی شادی کے نیک کام کو بھی انجام دونگا"۔

مس ڈرینک نے مارٹن کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھا جس کا جواب اس کے مطمئن چہرے سے پڑھ کر پادری سے اجازت کی خواہاں ہوئی اس نے خوشی سے اجازت دیدی اور دونوں نہایت ادب سے سلام کرنے کے بعد گرجا کے احاطے سے باہر چلے گئے۔

—— ۴ ——

اتوار کے دن گرجا میں غیر معمولی چہل پہل تھی۔ عبادت ختم ہو چکی ... وصیت نامہ کے الفاظ سننے کیلئے خاموش بیٹھے تھے۔ مس ڈرینک ... کے پاس کرسیوں پر بیٹھے ہوئے وصیت نامہ کی تحریر کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کیلئے بیتاب تھے۔ پادری نے چند معزز اشخاص کے سامنے وصیت نامہ نمبر ا کو مس ڈرینک کے حوالے کیا اس نے دستخط اور مہر کے دیکھنے کے بعد اس کو واپس کر دیا۔ پادری نے لفافہ چاک کر کے وصیت نامہ کا مضمون زور سے پڑھکر لوگوں کو سنا دیا۔ پھر وصیت نامہ کو مسٹر ڈرینک کے ہاتھوں میں دیکر جواب کا منتظر رہا۔ مس ڈرینک نے وصیت نامہ کے الفاظ کو پڑھا اس میں لکھا تھا کہ۔

" دنیا جانتی ہے کہ میرے پاس آٹھ لاکھ فرانک ہیں
جو بنک میں محفوظ ہیں۔ میں اس رقم کا جائز حقدار
اپنی بھتیجی مس ڈرینک کو بناتا ہوں اس کو یہ حق حاصل
ہوگا کہ میری موت کے بعد اس رقم کو اپنے تصرف میں
لائے مگر اس شرط پر کہ وہ ہرگز ہرگز مارٹن سے شادی
نہ کرے .... اور اگر وہ آٹھ لاکھ فرانک
لات مار شادی کر ہی لے تو دوسرا وصیت نامہ کھول
کر اس کو سنا دیا جائے ورنہ پھاڑ کر پھینک دیا جائے"۔
" ڈرینک "

مس ڈرینک وصیت نامہ کے الفاظ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی مگر سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی۔ یہ تحریر اس کے لئے بجلی کا کام کر سکتی تھی۔ اسے عقل وہوش سے بیگانہ کرنے میں کامیاب ہو سکتی تھی اور اس کے خیالات کے اس عالی شان محل کو جس کی بنیادیں مارٹن کے ساتھ متاہل اور خوش وخرم زندگی گذارنے پر تھی قلع وقمع کرنے میں مدد کر سکتی تھی لوگ سمجھ رہے تھے کہ مس ڈرینک آٹھ لاکھ فرانک کے سامنے ایک غریب کسان کو یقیناً ٹھکرا دیگی۔ مگر وہی فرانس جو زر پرستی اور دولت کے نشہ جنون میں دنیا کے ہر خطہ سے زیادہ مدہوش ہے اور جس کے بارے میں خود فرانس والوں کا قول ہے کہ" ایک فرانسیسی دولت پر ہر چیز کو قربان کر سکتا ہے حتیٰ کہ وہ باپ کا خون بہا سکتا ہے مگر پائی نہیں چھوڑ سکتا"۔ ایک ایسی ہستی بھی پیش کرنے کو تیار تھا جو ساری لذتوں سے منہ موڑ کر لیلیٰ شیریں کا پارٹ ادا کرنے والی تھی۔ یعنی مس ڈرینک نے آٹھ لاکھ فرانک کو بے تامل ٹھکرا کر ایک غریب کسان یعنی مارٹن سے شادی کا اعلان بھرے مجمع میں کر دیا۔

اس کے چہرے پر خوشی اور اطمینان کے آثار نمایاں تھے۔ مارٹن
اعلان سے کانپ اٹھا اور جان سے زیادہ عزیز ہستی کے مستقبل کو اپنی
مفلسی اور ناداری کے سیاہ بادلوں میں چھپ جانے سے قبل اس
نجات کی کوششیں کرنے لگا۔ مگر مس ڈرنیک کی محبت کچے دھاگے سے
ی ہوئی نہیں تھی جو ٹوٹ جاتی۔ وہ کہتا ہی رہا کہ مجھ غریب کسان کیلئے
اپنا عیش برباد کرتی ہو۔ ابھی وقت ہے۔ اسی مجمع میں پہلے خیال کی
ید کرکے اپنی غلطی کا اعلان کردو۔ آٹھ لاکھ فرانک تمہارے قبضہ میں ہوگا۔
تم آرام کی زندگی بسر کر سکوگی۔

مس ڈرنیک اس کی باتیں سن رہی تھی مگر سمجھنے کی ادنیٰ سی
جنبش بھی نہیں کر رہی تھی۔ وہ نہایت اطمینان کے ساتھ کرسی سے
اٹھی ہوئی۔ لوگوں نے دیکھا کہ اس کے بدن کو ایک جنبش ہوئی اور وہ
ن ہوئی مارٹن سے لپٹ گئی۔

"میری زندگی کا لطف غریب مارٹن ہی ہے۔"

"سچ ہے عورت کا ارادہ ایک مستقل اور خوفناک ارادہ ہوتا ہے جس کا
جانا مشکل ہی نہیں غیر ممکن ہے۔"

اس نے لوگوں کو دکھلا دیا کہ محبت کی تشنہ کامیاں مال و دولت
نہیں بلکہ شراب وصل سے بجھائی جاتی ہیں اور بندۂ محبت کے سامنے
ی ساری نعمتیں اور دولتیں ہیچ ہیں۔ "مغرب کی لڑکیاں اس دیوی کو
کے مندر میں بٹھا کر پوجا کریں۔" پادری نے مجبوراً دونوں کی شادی کی
ادا کرنے کے بعد پہلے وصیت نامہ کی ہدایت کے مطابق دوسرا وصیت نامہ
ا اس میں لکھا ہوا تھا۔

"اگر مس ڈرنیک ان آٹھ لاکھ فرانک کو ٹھکرا کر شادی کرے تو یہ رقم
میری طرف سے مارٹن کے حوالے کردی جائے اور بس (ڈرنیک)

— اس قدر زبردست امتحان محبت شاید ہی کسی نے لیا ہو جیسا کہ مسٹر ڈرنیک
اگرآفریں اور صد آفریں ہے مس ڈرنیک کو جو اس امتحان میں پوری
اور عشق کی کسوٹی پر کھری نکلی —— اب اس کا فیصلہ ارباب ذوق
کہ یہ قسمت کی فتح تھی یا عشق و محبت کی ہے

غزل

مصنفہ قلم جناب ماسٹر باسط صاحب بسوانی

مجھکو فکر گردشِ ایام کیا
عاشقوں کی صبح کیا اور شام کیا

ہے کوئی جس سے محبت ہو گئی
آپ سے اس کا بتائیں نام کیا

ظرف عالی ہو تو دونوں ایک ہیں
خونِ دل کیا بادۂ گلفام کیا

دل کے آتے ہی گئی جانِ حزیں
عشق کا آغاز کیا انجام کیا

دلشکستہ۔ غمزدہ۔ ناکام ہوں!
آپ کی محفل میں میرا کام کیا

کیا نتیجہ آہ بے تاثیر سے
اس سے حاصل اے دلِ ناکام کیا

عشق میں ہوں حسن کا حلقہ بگوش
میرے آگے بندۂ بے دام کیا

تیرے قرباں۔ کہہ اسی انداز سے
"میری محفل میں تمھارا کام کیا"

ہو گیا باسط وہ اُن کا ہو گیا
اب ہمارے دل کو ہم سے کام کیا

افریقہ کے حبشیوں کی توہمات

ایک انگریز سیاح کے چشم دید حالات

ا افریقہ کے تمام اصلی باشندے اس بات کے قائل ہیں کہ عالم
ین کے مرکز پر واقع ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب کوئی آدمی مرجاتا ہے
ح ہوا یا زمین پر انتہائی خاموشی اور انتہائی اطمینان و سکون سے
ہتی ہے ایسی حالت میں نہ یہ خوش ہوتی ہے نہ رنجیدہ وجہ یہ کہ
نیا سے رہائی حاصل ہوجاتی ہے۔

، ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد روح یا قبر میں ایک غائبانہ
ہمیشہ موجود رہتا ہے اس لئے یہ لوگ مُردوں کی جا، دفن پر بہت
اور جاتے بھی ہیں تو کئی طرح کے منتر پڑھتے ہیں۔ اور گوناگوں
، پر چڑھاتے ہیں۔

) اگر کبھی کسی شخص کو عالم رویا میں کوئی مردہ رشتہ دار نظر آجائے
ہیں اتفاق ہوتا ہے) تو وہ اس کے یہ معنی سمجھتا ہے کہ وہ مُردہ
ن ہے اور اس کی تباہی اور ہلاکت عمل میں لانے کے لئے اپنا
ھاتا ہے۔ ایسی حالت میں اس کا فرض ہوجاتا ہے، کہ وہ ایک عمدہ
، کی قبر پر جاتا ہے اور اس کی قربانی کرتا ہے اور اپنے گناہوں کی
ں کی روح سے التجا کرتا ہے۔

ان کے خیال میں مُردوں کی روحیں جب اور جیسی شکل چاہیں اختیار
ہی باعث ہے کہ وہ بعض وقت معمولی جانوروں کو بھی دیکھ کر ڈر
نال اور موزمبیق کے درمیان جو حبشی اقوام رہتی ہیں کچھ عرصہ ہوا
ایک شخص "ڈنگن" نامی تھا۔ وہ نہایت ہی طاقتور۔ شجاع اور
ں کے ساتھ ہی بڑے درجہ کا ظالم اور بیرحم بھی تھا۔ اس نے اپنے
پکہ" کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر ڈالا اور اپنی قوم کا سردار بن گیا

اس کی نسبت مشہور ہے کہ وہ شام کے بعد اپنے گھر سے کبھی باہر نہیں جاتا تھا
اس کے دل میں یہ خوف تھا کہ مبادا بھائی کی روح کبھی جانور کی شکل میں
نظر آجائے۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ ایک گورخر اس کے مکان میں آگھسا
گورخر کی شکل دیکھتے ہی سردار غش کھا کر گر پڑا اور مر گیا۔

(۵) ارواح کے علاوہ ان پر بہت سے دیوتا بھی مسلط ہیں۔ وہ کہتے
ہیں کہ جس قدر تکالیف ہوتی ہیں وہ انھیں دیوتاؤں کی فرستادہ ہوتی ہیں
"لبوتو" قوم کے حبشی بالخصوص اس عقیدہ کے پابند ہیں ان میں جب کبھی
کوئی شخص بیمار ہوجاتا ہے تو یہ سب سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ بیمار
کون سی روح یا کون سے دیوتا کے زیر اثر تکلیف پا رہا ہے۔ یہ رسم ان کا مذہبی
پیشوا ادا کرتا ہے۔ اس کے پاس کچھ ہڈیاں ہوتی ہیں جن پر مختلف قسم کے
سیاہ نشان لگے ہوتے ہیں۔ وہ شخص ان ہڈیوں پر کچھ منتر پڑھتا ہے۔
اور پھر پانسہ کی طرح انھیں پھینکتا ہے ان میں سے ایک ہڈی جو کسی
خاص طرز میں گرتی ہے وہی اس قرعہ اندازی کا فیصلہ کرتی ہے۔ اس پر
جس روح یا دیوتا کا نام لکھا ہوتا ہے۔ بیمار اسی کے اثر بد کے زیر سمجھا جاتا
ہے۔ اس وقت بیمار کے رشتہ دار ایک بیل کی قربانی کرتے ہیں۔ ناچتے گاتے
گاتے ہیں اور دیوتا کے خوش کرنے کو کئی منتر پڑھتے ہیں۔ جب یہ رسوم عمل
میں آچکتی ہیں تو اس وقت "ڈاکٹر" کو بلایا جاتا ہے اور بیمار اور بیماری کی
کیفیت سے اسے مطلع کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر کے پاس بھی ہر ایک دیوتا کے [illegible]
کے موافق دوا ہوتی ہے وہ مناسب دوا اور ہدایات [illegible]
حبشی لوگ چونکہ فطرت کے مطابق زندگی بسر کرتے [illegible]
لئے بہت کم بیمار ہوتے ہیں۔ اگر وہ ہماری طرح [illegible]

...ان عقائد کے ہوتے ہوئے ان کی زندگی دشوار ہو جائے ہر مرتبہ مذہبی رسوم ادا کرنا اور اس کے ساتھ ایک بیل قربانی کرنا قطعاً ناممکن ہے۔

(۶) بُت پرستی اور بُت پرستی کے لوازم (توہمات) ہر قوم میں موجود ہیں۔ انسانی قربانی مغربی اقوام میں اب بھی اسی طرح رائج ہے جس طرح آج سے ایک سو سال پہلے تھی۔ دریائے بانی (Bonny) کے نواح میں بالخصوص انسانی قربانی کا رواج ہے۔ ان لوگوں کا ایک دیوتا ہے جسے وہ "جُوجُو" کے (Ju ju) نام سے پکارتے ہیں۔ یہ سب قربانیاں اسی کے نام پر کی جاتی ہیں۔ قربانی بالعموم ایک نوجوان دوشیزہ کی کی جاتی ہے۔ قوم میں جو لڑکی ان کے خیال میں سب سے زیادہ نوجوان اور خوبصورت ہو وہی جُوجُو کی نذر ہوتی ہے۔ قربانی کے لئے لڑکی کو اکثر ذبح نہیں کیا جاتا۔ بلکہ سمندر یا دریا ایک عمودی ستون کے ساتھ باندھ دی جاتی ہے۔ اگر سمندر ہو تو شارکوں کی ضیافت ہو جاتی ہے دریا ہو تو مگرمچھ ہڑپ کر جاتے ہیں یا گدھوں اور چیلوں کا کھاجا بن جاتی ہے۔

جُوجُو دیوتا کے مندر کی سیر

ایک انگریز سیاح ہیرز (Harries.) نامی اپنی کتاب "سیاحت افریقہ" یا "وانڈرنگز ان افریقہ" میں لکھتا ہے کہ میں ایک دفعہ جُوجُو دیوتا کے مندر کی سیر کو گیا۔ مندر یا معبد کی کیفیت یہ ہے۔

"معبد مستطیل شکل کا ایک پھوس کا مکان تھا۔ اس کی لمبائی غالباً چالیس فٹ ہوگی اس کے آخری حصہ میں ایک محراب اور اس کے آگے ایک قربانگاہ تھی۔ مکان کی دونوں دیواروں پر چھت سے ذرا نیچے دو قطاروں میں لاتعداد انسانی کھوپڑیاں لگی تھیں ان میں سے بعض کھوپڑیاں ایک نہایت بھیانک طریقہ سے منقش تھیں اور بعض ویسے ہی زیوروں سے آراستہ تھیں۔ ان انسانی کھوپڑیوں کی دو قطاروں کے درمیان ایک تیسری قطار بکریوں یا شاید ہرنوں کی کھوپڑیوں کی تھیں۔ ان میں سے بھی اکثر منقش یا زیور سے آراستہ تھیں۔

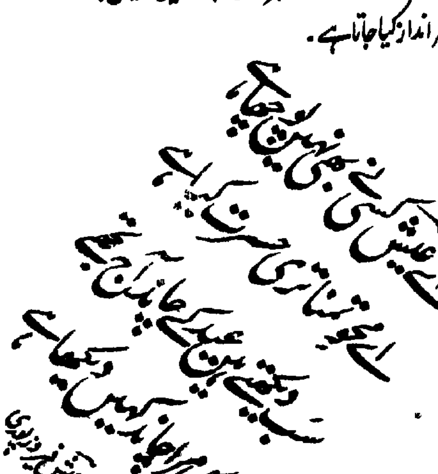
قربانگاہ کے سامنے ایک بھدا سا میز پڑا تھا اور وہ بھی انسانی ... سے لدا تھا۔ اس میز کے آگے زمین میں ایک مدور گڑھا تھا ... سے کچھ اونچے بنے تھے۔ غالباً اس گڑھے میں قربانی کا مقدس خون جمع کیا جاتا ہوگا۔ کیونکہ اس کے چاروں طرف دور دور تک منجمد خون کی ایک موٹی تہ چڑھی تھی۔ اس گڑھے کے گرد کھوپڑیوں کا ایک حلقہ بنا ہوا تھا اور انکے پاس دو ایک نیزے اور چند چاقو پڑے تھے۔

مکان کے ایک گوشے میں ایک چبوترہ بنا ہوا تھا اور اس پر چند بھدے سے پیالے پانی سے بھرے ہوئے رکھے تھے غالباً اس چبوترے پر قربانی سے پہلے کچھ مذہبی رسوم ادا ہوتی ہونگی۔"

۷۔ بسوتو قوم میں رواج ہے کہ جب کسی عورت کو حمل ہوتا ہے تو اس کے لواحق فوراً ایک بھیڑ ذبح کرتے ہیں اس کے خون پر منتر پڑھ کر حاملہ عورت کے جسم پر مل دیتے ہیں۔ اس کے بعد اس بھیڑ کے چمڑے سے ایک کرتی تیار کرتے ہیں اور اس عورت کو پہنا دیتے ہیں۔ یہ کرتی ان کے خیال میں عورت کو بُرے اثرات سے محفوظ رکھتی ہے۔

۸۔ ان لوگوں کے یہاں جو عورتیں شادی کے بعد عقر (بانجھ) ثابت ہوتی ہیں لیکن انھیں ماں بننے کی نہایت خواہش ہوتی ہے۔ وہ اپنے گاؤں کے باہر زمین پر ایک انسانی شکل بنا کر اسے اپنے خیال کے مطابق آراستہ کرتی ہیں اور اس سے وہی لاڈ پیار کرتی ہیں جو مائیں اپنے بچوں کا کرتی ہیں۔ یہ رسم وہ کئی کئی ماہ متواتر ادا کرتی ہیں آخر ایک دن اس مورت کو محو کر کے نہایت خوش خوش گھر آجاتی ہیں اور کچھ عرصہ اس کی یاد میں گاتی رہتی ہیں۔ اس کے بعد ان کے خیال میں وہ خیالی بچہ دیوتاؤں کے زمرہ میں شمار ہونے لگتا ہے۔

ان کے علاوہ اور ہزاروں توہمات ہیں جنھیں بخوف طوالت، نظر انداز کیا جاتا ہے۔



پریم پرستار

از جناب حافظ معین الدین خاں صاحب۔ بی۔ اے

برسات کی رُت، گھٹا کا اُمنڈ اُمنڈ کر آنا۔ فضا کی تری و تازگی ٹھنڈی ہوا کا جھکولوں کے ساتھ چلنا۔ ننھی ننھی بوندوں کا سبزہ پر موتی جڑنا۔ مناظر قدرت کی دلکشی۔ عروس فطرت کا بے نقاب ہو کر ناظر کی دقیق نگاہوں میں خلی زار قائم کرنا، ایک سماں دلکش و دلفریب روح پرور و جانفزا، فرحت بخش، دلربا، بے حس دلوں کو بھی متاثر کرنے والا۔ ایسے پر کیف و دلچسپ سماں سے سوشیلا اپنے پیاسے من کو تسکین دے رہی تھی۔ ہلکی پھوار اس کے روئے روشن پر سے موتی نچھاور کر کے اس کے دھڑکتے ہوئے دل کو ایک عجیب تسکین دے رہی تھی۔ یکایک ایک ٹھنڈی ہوا کا جھونکا جو اثرات کیف بہار سے مملو تھا آیا اور اس کے رخساروں اور زلفوں سے اٹکھیلیاں کرتا ہوا نکل گیا۔ سوشیلا پر اس کا ایسا اثر ہوا اور اس قدر کیف و سرور طاری ہوا کہ آنکھوں میں تراوٹ اور دل میں ٹھنڈک ہونے لگی بے اختیار ایک آہ سرد نکلی اور اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

سوشیلا چونک پڑی۔ اس کی محویت کسی نرم و گداز گرفت سے ٹوٹ گئی۔ گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ اپنے کو ایک اجنبی مرد کے آغوش میں دیکھ کر شرم سے عرق عرق ہو گئی۔ اور لجائے ہوئے انداز سے تڑپ کر الگ ہو گئی۔ ادھر سوشیلا شرم و حجاب سے آنکھیں نیچی کئے کھڑی تھی ادھر اجنبی بھی وارفتہ، نظریں نیچی کئے کھڑا تھا۔ سوشیلا کی گھبراہٹ اور حجاب کو محسوس کرتے ہوئے اس نے دبی زبان سے کہا۔ "میری اس جسارت کو معاف کیجئے۔ آپ گرنے کے قریب تھیں اور اگر میں آپ کو نہ سنبھال لیتا تو آپ کو یقیناً سخت چوٹ آجاتی"۔

ان الفاظ نے سوشیلا کی رگ و پے میں غصہ کی لہر دوڑا دی تھی اور اس نے جھنجھلا کر کہا۔ "آپ نے میری کمزوریوں سے خوب فائدہ اٹھایا۔ میں لطافت بہار میں گم تھی آپ نے . . . . شرم شرم"۔

اجنبی ندامت سے سر نیچے کئے کھڑا تھا۔ وہ محسوس کرنے لگا کہ اس نے غلطی کی۔ حالانکہ جو کچھ اس نے کیا وہ شرافت و انسانیت کے لطیف جذبہ کے تحت میں تھا۔ سوشیلا کے الفاظ سے اس کے شریف دل پر چوٹ سی لگی اور خود اسے اس کی نگاہوں میں ذلیل کر دیا۔ اس نے معذرت کے طور پر کچھ کہنا چاہا مگر سوشیلا نہ معلوم کس طرح اس کا ارادہ پہچان گئی تیور بدل کر بولی۔ "براہ کرم کچھ اور کہنے کا ارادہ نہ کیجئے بس یہاں سے تشریف لے جائیے"۔ اجنبی نے یہ الفاظ نے اس پر بجلی سی گری دل کو ناقابل برداشت صدمہ پہونچا۔ نہایت سست قدموں سے ایک طرف کو چلا گیا——،

برسات کا موسم، بھیگی ہوئی رات، دُھلی ہوئی صاف چاندنی [illegible] شے میں حلول ہو کر لمعات نور سے ایک عجیب پر لطف سماں پیدا کر رہی تھی۔ پھول پتی اس کے نورانی پر تو سے کسب نور کر کے [illegible] آرہے تھے۔ سماں ایسا دلفریب اور موسم ایسا [illegible] دلگداز کہ دل سیر باغ کیلئے بیقرار ہو جائے۔ [illegible] کی شیدائی تھی۔ وہ کیوں نہ ایسے [illegible] اپنے وسیع باغ میں چاندنی کا لطف [illegible] میں اس [illegible] تشریف چاندنی [illegible]

[illegible] نے گھیرا۔ بھوت پریت کے خیال سے رونگٹے [illegible] خوف و اضطراب کی زنجیریں پیروں میں پڑ گئیں۔ قدم آگے [illegible] سے دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ چپ بیٹھے [illegible] کیا ایک سرد [illegible] فرحت بخش جھونکا باغ سے آیا۔ خیالات [illegible] ہمت بندھی۔ قدم آگے بڑھایا۔ نزدیک پہونچنے پر دیکھا کہ نہ بھوت ہے نہ پریت بلکہ کوئی آدمی جھکے ہوئے سر کو ہاتھوں سے تھامے بیٹھا ہے۔ گو چہرہ نہ دکھائی دیتا تھا مگر [illegible] کچھ شناسا سا معلوم ہوتا تھا۔ پیروں کی چاپ سن کر آدمی نے سر اٹھایا۔ چاند کی روشنی اس کے چہرے پر پڑی۔ سوشیلا چونک پڑی [illegible] بگڑ گئی۔ سخت لہجہ میں بولی۔

"آپ انسان تو معلوم نہیں ہوتے۔ معلوم ہوتا ہے شرافت آپ کو چھو بھی نہیں گئی ہے۔ آپ کی صبح کی حرکت نے مجھے اب تک پریشان رکھا۔ اور اس وقت پھر آپ میری پریشانیوں میں اضافہ کرنے کو یہاں موجود ہیں"

اجنبی نے مایوسانہ لہجہ میں جواب دیا۔ "معزز خاتون! میرا منشاء آپ کو [illegible] یا پریشان کرنا نہیں ہے میں تو صرف اپنی صبح کی غلطی کی معافی کے واسطے حاضر ہوا تھا۔ ایک معزز خاتون کی نظروں میں ذلیل ہو کر زندہ رہنا عبث ہے"

سوشیلا کہنے لگی "آپ کی معذرت مجھے اور بھی بُری رائے قائم کرنے پر مجبور کر رہی ہے۔ بہتر ہوگا کہ یہاں سے تشریف لے جائیں ورنہ مجھے مجبوراً ملازم کو بلانا پڑیگا"

اجنبی نے لجاجت سے جواب دیا "معزز خاتون! بس بس! مجھے اور زیادہ ذلیل نہ کیجئے۔ اب میری صورت اس دنیا میں اور کوئی نہیں دیکھے گا اور شاید آپ بھی اپنے اس برتاؤ پر پشیمان ہوں" یہ کہہ کر اجنبی لڑکھڑاتا ہوا باغ سے باہر چلا گیا۔

سوشیلا بستر پر کروٹیں بدل رہی تھی۔ خود فراموشی کی دیوی نیند کوسوں دور تھی۔ خیالات کا ہجوم تھا جن کے باعث دل و دماغ دونوں ماؤف ہو رہے تھے۔ بار بار یہ سوچتی تھی کہ میں نے بُرا کیا جو اتنا سخت برتاؤ کیا۔۔۔۔ نہیں نہیں ٹھیک کیا۔ آج کل مرد عورتوں کو طرح طرح

سے ممنون احسان کرکے دوست بناتے ہیں اور پھر ان کو منجدھار میں چھوڑ کر الگ ہو جاتے ہیں (غصہ سے) کمبخت نے مجھے ہاتھ کیوں لگایا۔ میرا جسم کیوں چھوا۔ پرمیشور کرے اسکے ہاتھ گل جائیں۔ آنکھیں پھوٹ جائیں......"

انھیں خیالات میں منہمک تھی کہ نیند کی دیوی نے اسے اپنے آغوش میں لے لیا۔ سوشیلا کی آنکھ لگ گئی۔ دن بھر کے واقعات خواب میں عجیب و غریب ڈھنگ سے نظر آئے۔ آنکھ بند ہوتے ہی اس نے دیکھا کہ اپنی ہمجولیوں سمیت دریا کنارے اشنان کو گئی ہے۔ کوئی چیز دریا میں بہتے نظر آئی وہ ڈر گئی —— اس پر خوف غالب ہو گیا —— لہروں کے تھپیڑوں نے ایک لاش اس کے سامنے لاکر ڈال دی۔ وہ اسی اجنبی کی لاش تھی —— اس کا دل دھک سے ہو گیا —— آنکھیں بند کرلیں مگر اس منظر کی تصویر دماغ پر جم چکی تھی۔ اس نے مجبوراً آنکھ کھولی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ لہریں اس لاش کو بہائے گئی ہونگی —— مگر لہریں لاش کو اس کے اور نزدیک لے آئی تھیں جس کے چہرے پر موت کی زردی اور مایوسی چھائی ہوئی تھی —— اس کے منہ سے بیساختہ چیخ نکل گئی اس نے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لئے اور بھاگنا چاہا۔ یکایک اس نے محسوس کیا کہ فضا میں ایک ہیجان پیدا ہوا۔ ہر طرف اُجالا ہو گیا —— اس کی آنکھیں کھل گئیں —— اس نے دیکھا ایک نورانی مجسمہ دریا سے نکل کر سطح آب پر قائم ہوا۔ سوشیلا نے غور کیا تو دیکھا ایک دیوی مع ایک اندھے لڑکے کے کھڑی ہوئی ہے —— لڑکے کے کاندھے پر ترکش اور ہاتھ میں کمان تھی۔ دیوی نے غصہ سے سوشیلا کو یوں خطاب کیا ——،

"او مغرور لڑکی۔ تو نے ایک نیک انسان کا خون بہایا ہے اور اس کے شریفانہ جذبات کو ٹھکرا دیا۔ تجھے اس کی سزا ملنی چاہیئے" دیوی کے اتنا کہتے ہی لڑکے نے ایک تیر کمان میں جوڑ کر سوشیلا پر چلایا جو ٹھیک اس کے دل پر لگا۔ فضا میں ہیجان پیدا ہو گیا —— دیوی اور لڑکا، دونوں غائب ہو گئے —— اجنبی کی لاش اس کے سامنے تھی —— دل میں درد پیدا ہوا —— ہائے کہہ کر وہ اس لاش پر گر پڑی —— چیخ سے سوشیلا جاگ اٹھی۔ دیکھا تو اپنے کمرے میں تھی —— مگر خواب کے خوفناک تصور نے ایسا اثر کیا کہ چیخ چیخ کر رونے لگی۔

کیا [illegible] تھی مجھے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں [illegible] جس کے حسن [illegible] دل میں جگہ پیدا کی۔ مجھے کمینہ اور ذلیل [illegible] پر لعنت... صد لعنت.... ہاں مجھے مرجانا چاہیئے"

صبح کا سہانا وقت، دریا کا کنارہ، رات پریشانیوں اور رنج میں بسر کی دل و دماغ ماؤف حسرت و پریم کا مارا ہوا پرکاش مذکورہ بالا الفاظ [illegible] آواز میں کہہ رہا تھا۔ آس پاس کی جھاڑیوں سے پرندوں کی چہچہاہٹ سے اس کے خیالات اور بھی پریشان ہوتے جارہے تھے یکایک نسیم سحری کا ایک جھونکا خاموش لہروں سے اٹکھیلیاں کرتا ہوا آیا اور پرکاش کے زخمی دل پر تیر و نشتر کا کام کر گیا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ [illegible] کو کیف و سرور حاصل ہوا کسی چیز کے دریا میں گرنے کی آواز آئی پھر سناٹا ہو گیا لہروں کی چادر میں لپٹا ہوا پرکاش پلک جھپکتے ہی نگاہ سے اوجھل ہو گیا۔ لہروں کا شور اس کا نوحہ مرگ تھا —— جیتی جاگتی تصویر ایک [illegible] منفرد ہستی سے ناپید تھی کیوں —— ؟ غیرت عشق اس کا جواب دے سکتی ہے۔

سوشیلا کے رونے چلانے سے تمام گھر جاگ اٹھا اس کی حالت تنزل ہوتی جا رہی تھی سبب وہ بتاتی تھی نہ کوئی قیاس کر سکتا تھا۔ ڈاکٹر و حکیم بلائے گئے مگر سوشیلا کی حالت اصلاح پر نہ آئی کون جانتا تھا کہ یہ پریم کا بھوت سوار ہے۔ خواب کا [illegible] سامنے تھا مرنے والے کا زرد چہرہ اسے اپنی جانب کھینچ رہا تھا [illegible] پریشانیوں [illegible] دل میں خلش پیدا ہوئی۔ دریا کے اشنان کا ارادہ ظاہر کیا۔ اسے [illegible] ہوئے کہ نہانے سے طبیعت درست ہو جائیگی۔ وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ دریا کے [illegible] پر پہونچی۔ خواب کا منظر آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ قدم ڈگمگائے [illegible] میں درد کی چمک، جگر میں سوزش پیدا ہوئی۔ سر چکرایا —— پیر اکھڑ گئے اور دریا کی موجوں نے اسے اپنے آغوش میں لے لیا۔

دریا کنارے ایک عجیب ہنگامہ برپا تھا [illegible] کود پڑے بڑی تگ و دو کے بعد ایک نہیں بلکہ دو لاشیں ایک دوسرے [illegible] ایک تو سوشیلا کی لاش تھی اور دوسری [illegible] رہی۔ اپنے ویگانے سب [illegible] میں منہمک تھا کوئی کچھ کہتا کوئی کچھ۔ مگر کسی کو کیا معلوم [illegible] رہتا ہے [illegible] آغوش میں [illegible] زندہ [illegible]

[illegible]

شیخ چوگانی

از جناب سید الطاف مشہدی صاحب

شیخ چوگانی سپہرِ حُسن کا وہ آفتاب
شیخ چوگانی وہ سجدہ گاہ دریائے چناب

جس کی پیشانی پہ رقصاں ہے زمانے کا وقار
غازۂ روئے ثریا جس کے تلووں کا غبار

زمزموں کا زیر و بم جس کی رگوں میں تیز ہے
زلفِ موسیقی ہواؤں پر ترنم ریز ہے

نیند کی پریاں نقابِ بیخودی ڈالے ہوئے
حُسن کی تابانیوں کو قلب میں ڈھالے ہوئے

چاندکی کرنوں میں چھپ کر رات کو جاتی ہیں واں
اور ملائم خنکیاں بن بن کے چھپ جاتی ہیں واں

نور گرتا ہے فضا میں بن کے سیمیں آبشار
راگنی کی آنچ کرتی ہے دلوں کو بے قرار

مستیاں فطرت کی برساتی ہے چشمِ نیم باز
کھیلتا پانی کی موجوں پہ ہے نغموں کا گداز

بہہ رہا ہے مست دریا نیند میں کھویا ہوا،
اک ردائے نیلگوں کی گود میں سویا ہوا

بانسری کی لے وہ چرواہوں کا رازِ زندگی
وجد میں آتا ہے جس کے دم سے سازِ زندگی

گونجتی ہے دلکشا ٹیلوں سے ٹکراتی ہوئی
بربطِ ناہید کے نغموں کو شرماتی ہوئی

حُسن ہے یوں چادرِ افلاس میں لپٹا ہوا
چاند جیسے بادلوں کی گود میں سمٹا ہوا

الغرض الطاف بیخود سا ہوا جاتا تھا میں
فِتنے فِتنے کو وہاں کے دلربا پاتا تھا میں

[illegible] مرغزار گاؤں!

عشقِ ناتمام

جناب رشید احمد صاحب ارشد

"دیوانہ ہے، پاگل ہے۔" مغرور تعلقدار نے گزرتے ہوئے ضعیف بوڑھے کو کہا جو لڑکھڑاتا ہوا اپنی کُٹیا کو جارہا تھا اور گھور گھور کر تعلقدار کو دیکھ رہا تھا۔ بوڑھے کے دل میں مختلف قسم کے خیالات موجزن تھے۔ اس کشمکش حیات میں اس نے کیا حاصل کیا؟ کیا اس غمکدہ عالم میں کوئی بھی ملوکیت کے دستبرد سے بچا ہے؟ کیا ملوکیت نے ہمیشہ خوددار انسانوں کے جذبات کو ٹھیس نہیں لگائی؟ بیکسوں اور لاچاروں کو نشانۂ ظلم و ستم نہ بنایا؟ آہ! ایک غریب انسان اس لئے ذلیل تصور کیا جاتا ہے کہ وہ ایک غریب خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ ان دنیاوی نعمتوں سے مالامال ہیں جو درحقیقت فانی ہیں۔

گذشتہ واقعات ایک ایک کرکے اس کی نظروں میں پھرنے شروع ہوگئے۔ چمنستان طفلی کی خوشگوار فضا کی یاد نے بوڑھے کو بیچین کر دیا غم و اندوہ کا بحر بیکراں آنکھوں کے راستے امنڈ آیا۔ اور آنسوؤں کے شفاف قطرے اس کی سفید ڈاڑھی پر چمکنے لگے۔ ایک دلخراش آہ کے ساتھ اس کی زبان سے "میری زندگی سراپا غم ہے" کے الفاظ ادا ہوئے

کبھی وہ بھی ایک خوبصورت جوان تھا —— مگر ایک غریب باپ کی آنکھوں کا نور جس کی وجہ سے عوام کی نظروں میں خصوصاً اس مغرور تعلقدار کی نظروں میں تو کوئی قدر و وقعت نہ رکھتا تھا۔ جنگ کا زمانہ تھا اور سننے میں آتا تھا کہ سرکار جبراً بھرتی کر رہی ہے مگر ہنوز ہمارے گاؤں کا کوئی نوجوان لڑائی میں حصہ لینے کیلئے بھرتی نہ ہوا تھا۔

ایک روز حسب معمول اپنے بوڑھے باپ کے ساتھ کھیت میں بیج بکھیر رہا تھا کہ کمبخت تعلقدار چند فوجی سپاہیوں کی معیت میں ہمارے کھیت کی طرف آتا دکھائی دیا۔ میرا باپ تعلقدار کی خلاف معمول آمد سے قدرے خوفزدہ ہوگیا۔ تعلقدار نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فوجی افسر سے کچھ کہا۔ جو فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے میں نہ سمجھ سکا۔ فوجی افسر میرے پاس آیا اور مجھے اچھی طرح دیکھ بھال کر واپس چلا گیا۔ تعلقدار نے میرے باپ سے مجھے فوج میں بھرتی کرنے کو کہا۔ مگر میرے باپ نے یہ کہتے ہوئے کہ میرا یہی ایک لڑکا ہے اس کے بغیر میرا کام نہیں چل سکتا انکار کر دیا۔

تعلقدار نے گرجتے ہوئے کہا۔ "تم کو بحکم سرکار بھرتی کرانا پڑیگا" اور سپاہیوں سے کہا۔ "کل حاضر ہو جائے گا۔" میرا باپ اس کے آگے دم نہ مار سکا۔ مگر اس کا چہرہ نہایت غمگین تھا۔ اس واقعہ سے مجھے خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ کیونکہ ایک مرتبہ ہمارے گاؤں کے پاس ایک پلٹن پریڈ کے لئے اتری تھی تو ان کی خوبصورت وردیاں دیکھ کر میرے دل میں اکثر خیال پیدا ہوتا تھا کہ میں بھی اسی طرح سپاہی ہو جاؤں۔ مگر ساتھ ہی ساتھ اپنے بوڑھے باپ اور وطن کی سرزمین چھوڑنے کا خیال بھی ایک ایسی خلش تھی جس کا دور ہونا ناممکن تھا۔

شام کا وقت تھا آفتاب عالمتاب دن بھر کا سفر طے کرکے آغوش مغرب میں سویا چاہتا تھا۔ عروس مغرب اپنے حنائی ہاتھوں سے شہسوار شرق کو پیام ہمکناری دے رہی تھی۔ میں ایک [illegible] بیٹھا اس پہاڑی ندی کے نظارے سے لطف اندوز ہو رہا تھا [illegible] کھیت کو سیراب کرتی تھی [illegible]

[illegible]ل میں ننھیال پہنچا ہوا اور میں اُس کُٹیا کو روانہ ہو گیا اور
بوڑھے باپ کے ساتھ جو میرے بغیر کھانا بھی نہ کھا سکتا تھا کھانا
کھا کر سو گیا۔

صبح کے تقریباً چار بجے ہونگے کہ میری آنکھ کھل گئی۔ دیکھتا کیا ہوں
کہ میرا بوڑھا باپ اس قادرِ مطلق کے دربار میں سربسجود ہے۔ وہ لمبی لمبی
سانس لے رہا تھا شاید وہ رو رہا تھا۔ یہ جانکاہ منظر دیکھ کر میری آنکھوں
میں آنسو بھر آئے۔ بہت ضبط کی کوشش کی مگر ضبط نہ کر سکا۔ اور بے
اختیار میرے مُنہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر
بھلا کیونکر ضبط ہو سکتا تھا۔ بوڑھے باپ نے سجدہ سے سر اُٹھایا اور مجھے
کو آغوش میں لیکر خوب رویا۔

اُدھر شہسوارِ مشرق اپنی نورانی سپاہ کو لئے ظلمتِ شب کو نور میں
تبدیل کرتا ہوا نمودار ہوا اُدھر میں نے بھی اپنا رختِ سفر باندھا۔ تعلقدار
[illegible] کے سپاہیوں کے ساتھ مجھے مدنی پور چھاؤنی جو ہمارے گاؤں سے
پندرہ میل کے فاصلہ پر تھی بھیجدیا۔ اب میری زندگی ایک سپاہیانہ

زندگی تھی۔ نیا منتخب شدہ رسالہ زیادہ دیر مدنی پور نہ ٹھیرا بلکہ جلد ہی
فورٹ سنڈیمن میں ٹریننگ کے لئے بھیجدیا گیا۔ فورٹ سنڈیمن میں
تین مہینے تک ہم کو فوجی تعلیم دی گئی۔ ان ہی ایام میں علاقہ خاران
میں چند بلوچی قبائل نے بغاوت کی اور سرکاری چوکیوں پر حملہ کیا۔
ہمارے رسالہ کو ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا۔ پہاڑی علاقوں میں ان
قبائل کی بغاوت غیر معمولی وقعت رکھتی تھی اس لئے ہمارے رسالے
کے علاوہ دو مزید پلٹنیں منگائی گئیں۔ پہاڑی لوگ اکثر شبخون مارتے
اور جو کچھ ان کے ہاتھ آتا لوٹ کرلے جاتے۔ ہم کو حکم تھا کہ ہر وقت تیار رہیں
غرض بمشکل تمام اس بغاوت کا قلع قمع ہوا اور امن قائم ہو گیا مگر گورنمنٹ
ان لوگوں کی عادت سے خوب واقف تھی۔ اس لئے ہمارے رسالے
کو مزید چھ ماہ کے لئے یہاں رکھا گیا۔

ہمارے کیمپ سے تھوڑے فاصلے پر ایک گاؤں تھا جو گوٹھ
حبیب اللہ خاں کے نام سے موسوم تھا۔ گوٹھ بلوچی زبان میں گاؤں کو کہتے
ہیں۔ یہ گاؤں دریائے پرالی کے کنارے واقع تھا۔ میرا یہ معمول تھا کہ

م کو دریا کے کنارے دور تک نکل جاتا۔ حسب معمول ایک دن اپنے کیمپ سے
ریبا ایک میل تک دریا کے کنارے چلا گیا۔ موسم خوشگوار تھا اور دریا کا
رہ پر لطف۔ میں وہیں ایک خشک چٹان پر بیٹھ گیا سورج غروب ہو رہا
شفق پھوٹی پڑتی تھی۔ شاید کسی آنے والی جنگ کی خونیں یاد دل میں
ہ کر رہی تھی۔ قدرت کی نیرنگیوں سے مجھے فطرتاً دلچسپی ہے۔ میں انہیں
لات میں منہمک تھا کہ سامنے سے ایک بلوچی ماہ پارہ سر پر مٹی کا گھڑا رکھے
دار ہوئی۔ آہ، جب یہ واقعہ یاد آتا ہے دل میں ایک ہوک اٹھتی ہے اور
ھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ کیسا دلفریب موسم تھا اور کیسا سحر
حسن۔ اس کی معصوم صورت میں ایک ایسی کشش تھی جو مجھے خود بخود اپنی
ف کھینچ رہی تھی اور میرا سپاہیانہ دل بھی اعتراف شکست کرنے پر مجبور ہو گیا
ست خوردہ عموماً فاتح کے رحم پر ہوتا ہے مگر میرا فاتح ایسا بیرحم نہ تھا
مجھے تیر نظر سے گھائل کر کے چلا جاتا۔ اس کی غزالی آنکھیں اس شکست خوردہ
ل کو پیام محبت دے رہی تھیں۔ اس کی مسحور کن ادائیں میرے خرمن
ر کو جلا کر راکھ کر رہی تھیں۔ میں اس کے حسن خداداد کا نظارہ کر رہا تھا اور
میری طرف محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی —— لبوں پر
سکوت تھی اور آنکھیں افشائے راز کر رہی تھیں۔ وہ اس ناہموار راستہ
تیزی سے جا رہی تھی کہ اس کے پاؤں کو ٹھوکر لگی —— اور گھڑا سر سے
کر پاش پاش ہو گیا۔ بعینہ میرے دل کی طرح جو ......

میں اس کے قریب پہونچا اور متانت سے بولا۔ "میں اپنی اس
لی کی معافی چاہتا ہوں۔"

"لیکن آپ نے تو کوئی غلطی نہیں کی، غلطی تو میری ہے۔" اس نے
ریں نجی کئے ہوئے جواب دیا۔

"قصوروار تو یقیناً میں ہوں کیونکہ میری وجہ سے آپ کا پاؤں
پھسلا جو گھڑا الٹ جانے کا باعث ہوا۔"

"لیکن پاؤں تو راستہ کے ناہموار ہونے کی وجہ سے الجھا۔ اس میں
پ کا کیا قصور ہے؟"

مجھے اس کی حاضر جوابی اور شگفتہ گفتگو سے بڑی مسرت حاصل ہوئی
[illegible] سلسلۂ گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے اس سے دریافت کیا "کیا
پ کا نام پوچھنے کی جرأت کر سکتا ہوں؟"

اس کنیز کا نام جبین [illegible]
ہوئے جواب دیا۔

کنیز کا لفظ میرے دل کی گہرائیوں میں [illegible]
حسن میں اتنی خاکساری ہے —— میں نے کہا: "کتنا پیارا نام ہے ماہ جبین [illegible]
تم ماہ جبین ہو۔ ماہ جبین اگر تم میرے دل کی کیفیت معلوم کر سکتیں تو تم کو
اندازہ ہوتا کہ تمہیں پاکر مجھے کس قدر خوشی حاصل ہوئی ہے۔ آہ ایسا [illegible]
واقعہ تو میں نے اپنی گذشتہ زندگی میں خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔" سورج
غروب ہو رہا تھا اور رات کی سیاہی چاروں طرف پھیلنے لگی تھی۔ ماہ جبین
نے کہا۔ "مجھے اب جانا چاہئے۔ یہاں خطرہ ہے ....."

"میرے ہوتے ہوئے آپ کو کس بات کا ڈر ہے؟" میں نے قطع سخن
کرتے ہوئے کہا۔ مگر ماہ جبین ایک لفظ کہے بغیر تیر کی طرح بھاگ گئی اور تھوڑی
دیر میں نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

میں بھی با دل ناخواستہ اپنے مسکن کی طرف چلا آیا کیمپ میں پہونچتے
پہونچتے بالکل اندھیرا ہو گیا تھا۔ اب میرا یہ معمول ہو گیا کہ روز شام کو غروب آفتاب
کے وقت اس حسن کامل کی ضیا باریوں سے لطف اندوز ہوتا۔ عشق کی راہ پر
گامزن ہو کر ہم یہ سمجھے ہوئے تھے کہ یہ دلفریب ملاقاتیں کبھی ختم نہ ہونگی۔ مگر
تقدیر ہمارے جذبات کی ترجمانی دوسرے الفاظ میں کر رہی تھی۔

ایک روز حسب معمول میں اسی چٹان پر بیٹھا انتظار کی زحمت سے
دوچار ہو رہا تھا۔ آج کسی قدر دیر ہو گئی تھی۔ آفتاب عالمتاب آغوش مغرب
میں سویا چاہتا تھا۔ افق مغرب کسی آنے والی خونی جنگ کا نظارہ پیش کر
رہی تھی۔ اتنے میں پہاڑی راستے سے ماہ جبین آتی ہوئی دکھائی دی
آج اس کی مستانہ چال میں لغزش تھی وہ جلدی جلدی قدم اٹھا رہی تھی
نشیب و فراز کی وجہ سے اکثر اس کا پاؤں الجھ جاتا تھا [illegible]
پر مسکرا دیا کرتی تھی مگر آج اس کی جاذب نظر آنکھوں میں [illegible]
دو قطرے جھلک رہے تھے اور اس کے [illegible]
تھے۔ میں اپنے محبوب [illegible]
سے آگاہی حاصل کرنے کیلئے کچھ [illegible]
آواز آئی۔ ماہ جبین فوراً [illegible]
کوشش کی [illegible]

سنسناتی ہوئی ماہ جبین کے سینہ میں لگی۔ خون کا فوارہ پھوٹ نکلا اور وہ بیجان ہو کر گر پڑی۔ دوسری گولی میرے شانے میں لگی، تیسری ران میں۔ اس کے بعد کیا ہوا مجھے معلوم نہیں۔ تین دن بعد ہوش آیا تو دیکھا کہ ملٹری ہسپتال میں پڑا ہوں میں نے اٹھنے کی کوشش کی مگر خون زیادہ مقدار میں بہہ جانے کی وجہ سے سخت سخت کمزوری ہو گئی تھی۔ میرا دل مہ جبین کی یاد میں بیٹھا جا رہا تھا میں نے اسے پکارنے کی کوشش کی مگر قوت گویائی جواب دے چکی تھی۔ کامل ۲ ماہ کے بعد مجھے صحت ہوئی۔ زخم بھر چکے تھے اور قدرے توانائی بھی آ گئی تھی میرے دریافت کرنے پر میرے ایک ساتھی نے بتایا کہ ہمارے جنگی پارٹی نے تم کو دریا پرائی کے کنارے خون میں لت پت پایا اور اٹھا کر یہاں لے آئے۔ تمہارے پاس ہی ایک دوشیزہ بھی پڑی تھی جو بالکل مر چکی تھی۔ تحقیقات کرنے سے معلوم ہوا ہے کہ حبیب اللہ خان کی قوم نے تم پر گولیاں چلائیں۔ گورنمنٹ ان کا خاطر خواہ بندوبست کر رہی ہے۔"

ماہ جبین کی موت میرے دل پر ایسا چرکا تھا جس کو میں برداشت نہ کر سکتا تھا۔ میں رات دن ہسپتال کی چارپائی پر پڑا اپنی بدقسمتی پر آنسو بہاتا۔ ڈاکٹر نے ایک ماہ کے لئے مزید آرام کی تجویز کی۔

ایک دن بستر پڑا کروٹیں بدل رہا تھا طبیعت نہایت اداس تھی دل بیٹھا جا رہا تھا کہ پوسٹ مین نے ایک لفافہ میرے ہاتھ میں دیا۔ پاس ہی ایک پڑھا لکھا مریض بھی لیٹا ہوا اس کو میں نے پڑھنے کیلئے دیدیا۔ آہ اس نے پڑھ کر مجھے بتایا کہ میرا بوڑھا باپ میری طویل جدائی کے صدمات برداشت نہ کر سکا اور فوت ہو گیا — آہ! زندگی میرے لئے ایک لفظ بے معنی بن کر رہ گئی۔ موت کی خواہش کرتا تھا مگر موت کہاں تھی۔

نوکری سے ناقابل ہونے کی وجہ سے گورنمنٹ نے پانچ روپیہ ہوا میری پنشن مقرر کر دی اور مجھے اپنے گاؤں میں بھیج دیا گیا۔ اب میں اسی بوسیدہ جھونپڑی میں رہتا ہوں جو باپ کے مرنے کے بعد وراثت کے طور پر مجھے ملی ہے۔

رات دن کسی خیال میں غرق جھونپڑی کے دروازے بند کئے ہوئے بیٹھا رہتا ہوں۔ دنیا کے لوگ مجھے پاگل اور مخبوط الحواس کہتے ہیں مگر مجھے اس کی کچھ پروا نہیں ہے۔"

ارشد!

ہفتہ یادگار اجمل

حضرت مسیح الملک حکیم اجمل خاں مرحوم کے نام اور ان کی عدیم النظیر طبی خدمات سے کون واقف نہیں کروڑوں بندگان خدا نے اس مسیحائے علم و حکمت کے دست فیض رساں سے شفا حاصل پائی ہے اور آج بھی جبکہ آپ اس دنیا میں نہیں ہیں آپ کے قائم کردہ دو طبی ادارے طبیہ کالج اور ہندوستانی دواخانہ ملک کی بیش از بیش طبی خدمات انجام دے رہے ہیں

حضرت مسیح الملک نے ملک اور قوم کی جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں ان کے پیش نظر ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم سال میں کم از کم ایک بار تو اس محسن اعظم کی یاد میں چند گھنٹے گذاریں اور مرحوم کے کارناموں کی یاد تازہ کر کے ملک کے نوجوانوں کو درس عمل دیں اس سلسلہ میں دہلی میں ایک کمیٹی بنائی گئی ہے جو ماہ فروری میں ہفتہ یادگار اجمل منانے کی تیاریاں کر رہی ہے ہمیں امید ہے کہ ہر ہندوستانی و خصوصاً مکتب تمام اطبائے یونانی وویدک اپنے اپنے شہروں میں یوم اجمل منا کر ایک بہت بڑا اخلاقی فرض انجام دینگے دفتر کمیٹی ہفتہ یادگار اجمل کی طرف سے کوئی قطعی اعلان تاریخوں کے متعلق جلد شایع ہوگا۔

بہار

مولفہ جناب الیاس احمد صاحب ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی۔ منصف!

گلدستہ بہار فارسی اور اردو شعرا کے چوٹی کے کلام خصوصاً غزلوں کا بہترین اور نایاب مجموعہ ہے یا یوں سمجھئے کہ شعرا کی پاکیزہ زبان میں حسن و عشق کی مکمل داستان ہے اس داستان کے آغاز عشق سے لے کر انجام عشق تک جتنے عنوانات قائم ہو سکتے ہیں قائم کئے گئے ہیں اور ہر عنوان کے تحت میں چیدہ چیدہ متحد المضامین اشعار درج ہیں۔ عنوانات سیکڑوں ہیں اس گلدستے کے ہوتے ہوئے شاید ہی کسی دیوان کی ضرورت رہے علم و ادب میں یہ گلدستہ ایک قابل قدر و دلفریب اضافہ ہے کتاب دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ ع شنیدہ کے بود مانند دیدہ، اہل ذوق ملاحظہ فرمائیں قیمت مع محصولڈاک صرف عہ؎ حجم ۲۳۶ صفحات پتہ ذیل سے طلب کریں

منیجر صاحب دار المصنفین اعظم گڈھ (یوپی)

طبی سنڈیکیٹ دہلی

بجنسلہ حکیم افضل شاہ صاحب دہلوی

دکن خصوصی

... تجربہ ہے کہ اس سنڈیکیٹ کو دہلی کے اطبا کی سرپرستی حاصل ہے اور مندرجہ ذیل ادویات ان حضرات کی خاندانی اور خصوصی ... کے مجرب نسخے ہیں اور تیر بہدف ثابت ہوئے ہیں۔ ان مجربات کے متعلق صرف اس قدر عرض کر دینا کافی ہے کہ آپ ان ... کر سکتے ہیں اور انشاء اللہ کسی وقت بھی آپ کو یہ کہنے کا موقع نہیں ملے گا کہ فلاں دوا نے خاطر خواہ فائدہ نہیں کیا جب کبھی خدا ... کے سلسلہ میں مایوس ہو جائیں تو ایک مرتبہ ہمیں اپنی خدمت کا موقع دیں۔ آپ کو کچھ گنجائش کہنے سننے کی باقی نہ رہے گی۔

سنہری گولیاں

ہندوستان کی تمام ممسک گولیوں پر سبقت لے گئیں بڑے بڑے موجد رشک کرنے لگے۔ آج سے ممسکات قطعاً بند کر دیجئے۔ سنہری گولیاں استعمال کیجئے اور قدرت کا کرشمہ دیکھئے۔ دائمی طاقت حاصل ہو گی۔ دیرپا اثر ہوگا۔ سرعت کافور ہو گی۔ چند روز کے استعمال کے بعد ہمیشہ کے لئے ہمارے ثناخواں بن جائیں گے۔ قیمت فی شیشی ۲۵ گولی عہ

روپہلی گولیاں

یہ مقوی نسخوں کا بادشاہ نسخہ ہے۔ جو شاہان وقت کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔ جن کے پاس درجنوں کنیزیں ہوا کرتی تھیں۔ اور وہ کامیاب مردمی سے مخمور رہتے تھے طبی سنڈیکیٹ کا نایاب تحفہ ہے۔ جس سے ہر طبقہ کا آدمی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ بوڑھے جوان بن جاتے ہیں اور جوان نوجوان۔ قدرتی طاقت کو واپس لانے والی روپہلی گولیاں ہیں۔ قیمت فی شیشی ۵۰ گولیاں للعہ

بکس معین نسواں

صنف نازک کے کملائے ہوئے چہرے۔ دبلا بدن اعضاء میں سستی، بدن میں کمزوری، سر میں چکر، کمر میں درد پنڈلیوں میں درد کبھی آپ نے غور کیا کہ یہ سب کچھ کیوں ہوتا ہے؟ یہ سب کچھ سیلان الرحم کے کرشمے ہیں جو ہماری گھروں کی شریف بہو بیٹیوں کو گھن کی طرح کھائے جا رہا ہے۔ اگر آپ اس موذی مرض سے واقعی طور پر چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تو آج ہی یہ بکس منگوا کر استعمال شروع کرا دیں۔ یہ ایک نایاب تحفہ ہے۔ جس کی قدر و منزلت آپ کو استعمال کے بعد معلوم ہو گی۔ پچاس سالہ بوڑھی عورتوں پر بھی اس دوا نے مسیحائی کا کام دیا ہے۔ اور جوان بنا دیا ہے۔ اس بکس میں دو دوائیں داخلی اور خارجی ان کے استعمال کے بعد آپ ہر عضو میں چستی اور توانائی پائیں گے۔ اور شباب کی شگفتگی نظر آئے گی

قیمت فی بکس عہ

... زندگی (مردانہ)

... میں دو چیزیں آپکو ملیں گی۔ نوری گولیاں ... طلاء۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ آپ کی ... تمام کمزوریوں اور ایسی کمزوریاں جن ... سے بعض اوقات آپ اپنی زندگی سے ... جاتے ہیں اور انتہائی شرمندگی اٹھاتی ... سے دور ہو کر آپ اپنے آپ کو قابل فخر اور نوجوان سمجھنے لگیں گے۔ نوری طلاء اور نوری ... میں زندگی کی تمام مسرتیں موجود ہیں ... یقین کیجئے کہ یہ آپ کو خودکشی سے بچا ... لی۔ دونوں چیزیں مجرب ہیں قیمت ... میں محصول ڈاک اور خرچ پیکنگ وغیرہ ... ذمہ ہوگا۔ رعایت منی آرڈر بھیجنے والوں

ملنے کا پتہ

طبی سنڈیکیٹ دہلی

ڈاکخانہ پوسٹ آفس دریا گنج دہلی

نایاب کتابیں!

سہاگ کی راتیں یہ دلہا دلہن کی شادی کی رات کیسے گزرتی ہے؟ اگر یہ دلچسپ معلومات حاصل کرنی ہے تو یہ کتاب منگائیے۔ اس میں ایک تعلیم یافتہ دلہن نے اپنی ابتدائی آٹھ راتوں کی پوری سرگذشت دلچسپ انداز میں بیان کی ہے دلچسپی کا یہ عالم ہے کہ کتاب ختم کئے بغیر ہاتھ سے نہیں چھوٹتی۔ پھر لطف یہ کہ لکھنے والی کی تصویر بھی دی گئی ہے۔ ... ایڈیشن ہے قیمت عہ

دلہن کانفرنس سات دلہنیں ایک جگہ جمع ہو کر اپنی ... آپ بیتی لیکن شرمیلے الفاظ میں ... سناتی ہیں اور اپنے ... بھولے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے تعلیم نسواں پر زور دیتی ہیں ہر ایک دلہن کی عجیب ... سرگذشت ... خود محو کر دینے والی داستان ہے۔ ہر دلہن کی داستان نتیجہ خیز اور لفظ لفظ ... اور ہر جملہ گدگدی اور دلہنوں کی ... تصویر بھی قیمت ایک روپیہ عہ

مرقع حسن و شباب اردو میں ایسی کتاب آج تک شائع نہیں ہوئی۔ یہ ... کا ترجمہ ہے جو سلطان ... کے لئے لکھی گئی تھی ... نایاب تھی۔ امراء و رؤساء ... اس کتاب کو ... کوک شاستر کہنا بجا ہے ... یہ کتاب صنف نازک کی انسائیکلوپیڈیا ہے اور اس میں ... اور ہر قسم کی عورت اور ہر عمر کی عورت کی فطرت شناسی ... پورا ... تک کے تمام اسباب تعیش و تلذذ موجود ہیں۔ قیمت صرف ایک روپیہ عہ

افسانہ ثریا ... جہان میں ... افسانہ کیا ... ایک مسلسل افسانہ ہے ... حقیقت ...

... ادب ... شاعری ... مسلمانوں کی زندگی ... محمد علی ...

... ایک تاریخی افسانہ ہے جس میں ... عشق و محبت ... قیمت عہ

... ہو سکتی ہے!

... منگا سکتے ہیں

ایک نفیس مزاج مہارانی

نے

اپنے صدر اعظم سے کہا۔ دنیا کے ہر چہار جانب قاصد روانہ کرو کہ وہ ہر قسم کے پھول لائیں تاکہ میں اپنے لئے بہترین خوشبو منتخب کرسکوں تعمیل حکم کیلئے فردوس شمال کشمیر۔ جنت نظیر سوئٹرز لینڈ، شباب انگیز تسمانیہ کے گلپاشں مرغزاروں میں گل چینی کی گئی جب سب پھول دور دراز سفر کے بعد مہارانی کے حضور میں پیش کئے گئے تو بیشتر اپنی خوشبو کھو چکے تھے اور باقی اس قدر مرجھائے ہوئے تھے کہ مہارانی کی حسن شناس نگاہوں کو تکلیف ہوئی۔ مہارانی اس خواہش کے پورا نہ ہونے سے ملول رہنے لگی کھانا پینا ترک کردیا۔ مہاراجہ کو فکر دامنگیر ہوا اور وزرا سے مشورہ طلب کیا۔ منتہم توشہ خانہ نے **اصغر علی محمد علی** سے عطر منگوانے کو کہا۔ رائے معقول تھی فوراً عمل کیا گیا جب عطر آیا تو مہارانی کا شباب رفتہ ایک بار پھر اپنی پوری بہاریں ساتھ لئے واپس آگیا

اصغر علی محمد علی کا عطر ...


عالمگیر
لاہور
MARCH.
قیمت فی پرچہ
قیمت سالانہ

ایک نفیس مزاج مہارانی

نے

اپنے صدر اعظم سے کہا دنیا کے ہر چہار جانب قاصد روانہ کرو کہ وہ ہر قسم کے پھول لائیں تاکہ میں اپنے لئے بہترین خوشبو منتخب کر سکوں تعمیل حکم کیلئے فردوس مثال کشمیر جنت نظیر سوئزرلینڈ۔ شباب انگیز تسمانیہ کے گلپاش مرغزاروں میں گلچینی کی گئی جب سب پھول دور دراز سفر کے بعد مہارانی کے حضور میں پیش کئے گئے تو بیشتر اپنی خوشبو کھو چکے تھے اور باقی اس قدر مرجھائے ہوئے تھے کہ مہارانی کی حسن شناس نگاہوں کو تکلیف ہوئی۔ مہارانی اس خواہش کے پورا نہ ہونے سے ملول رہنے لگی۔ کھانا پینا ترک کر دیا۔ مہاراجہ کو فکر دامنگیر ہوا اور وزراء سے مشورہ طلب کیا۔ مہتمم توشہ خانہ نے

اصغر علی محمد علی

سے عطر منگوانے کو کہا۔ رائے معقول تھی فوراً عمل کیا گیا جب عطر آیا تو مہارانی کا شباب رفتہ ایک بار پھر اپنی پوری بہاریں ساتھ لئے واپس آگیا

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ

جناب حکیم افضل خاں صاحب دہلوی

طبی سنڈیکیٹ دہلی

اللہ جل شانہٗ کا ہزار ہزار شکر ہے۔ کہ اس سنڈیکیٹ کو دہلی کے اطبا کی سرپرستی حاصل ہے اور مندرجہ ذیل ادویات ان حضرات کی خاندانی اور خصوصی مجربات ہیں جو صدہا مریضوں پر تجربہ کئے جا چکے ہیں۔ اور تیر بہدف ثابت ہوئے ہیں۔ ان مجربات کے متعلق صرف اس قدر عرض کر دینا کافی ہے۔ کہ آپ ان ادویات پر سو فیصدی بھروسہ کر سکتے ہیں۔ اور انشاء اللہ کسی وقت بھی آپ کو یہ کہنے کا موقع نہیں ملے گا۔ کہ فلاں دوا لے خاطر خواہ فائدہ نہیں لیا۔ جب کبھی خدا نخواستہ اگر آپ علاج کے سلسلہ میں مایوس ہو جائیں۔ تو ایک مرتبہ ہمیں اپنی خدمت کا موقعہ دیں۔ آپ کو پھر گنجائش کہنے سننے کی باقی نہ رہے گی۔

بکس تکمیل زندگی (مردانہ)

اس بکس میں دو چیزیں آپکو ملیں گی۔ نوری گولیاں اور نوری طلاء۔ بس یوں سمجھ لیجئے۔ کہ آپ کی جوانی کی تمام کمزوریاں اور ایسی کمزوریاں جن کی وجہ سے بعض اوقات آپ اپنی زندگی سے تنگ آجاتے ہیں۔ اور انتہائی شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے۔ دور ہو کر آپ اپنے آپ کو قابل فخر اور صحیح نوجوان سمجھنے لگیں گے۔ نوری طلاء اور نوری گولیوں میں زندگی کی تمام مسرتیں موجود ہیں۔ اور یقین کیجئے۔ کہ یہ آپ کو خودکشی سے بچا لیں گی۔ دونوں چیزیں مجرب ہیں قیمت فی بکس عہ محصولڈاک و خرچ پیکنگ وغیرہ بذمہ خریدار ہوگا۔ رعایت منی آرڈر بھیجنے والوں کو فری

ملنے کا پتہ:- مینیجر طبی سنڈیکیٹ دہلی پوسٹ آفس دریا گنج دہلی

بکس معین نسواں

صنف نازک کے کملائے ہوئے چہرے۔ دبلا بدن اعضاء میں سستی بدن میں کمزوری سر میں چکر کمر میں درد پسلیوں میں درد کبھی آپ نے غور کیا کہ یہ سب کچھ کیوں ہوتا ہے؟ یہ سب کچھ سیلان الرحم کے کرشمے ہیں۔ جو ہماری گھروں کی شریف بہو بیٹیوں کو گھن کی طرح کھائے جا رہا ہے اگر آپ اس موذی مرض سے واقعی طور پر چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تو آج ہی یہ بکس منگوا کر استعمال کرنا شروع کر دیں۔ یہ ایک نایاب تحفہ ہے جس کی قدر و منزلت آپ کو استعمال کے بعد معلوم ہو گی پچاس سالہ بوڑھی عورتوں پر بھی اس نے مسیحائی کا کام کیا ہے اور جوان بنا دیا ہے۔ اس بکس میں دو دوائیں داخلی اور خارجی ہیں کے استعمال کے بعد آپ ہر عضو میں چستی اور توانائی پائیں گے اور شباب کی شگفتگی نظر آئے گی قیمت فی بکس عہ

سنہری گولیاں

ہندوستان کی تمام ممسک گولیوں پر سبقت لے گئیں جو چھٹے ہوئے ہو جلد شکایت کرنے لگے آج سے ممسکات قطعاً بند کر دیجئے سنہری گولیاں استعمال کیجئے اور قدرت کا کرشمہ دیکھئے۔ دائمی طاقت حاصل ہو گی۔ دیرپا اثر ہوگا۔ مسرت کا فور ہو گی۔ چند روز کے استعمال کے بعد ہمیشہ کے لئے ہمارے ثنا خواں بنجائیں گے قیمت فی شیشی ۲۵ گولی عہ

روپہلی گولیاں

یونانی نسخوں کا بادشاہ نسخہ ہے جو شاہان وقت کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔ جن کے پاس درجنوں کنیزیں ہوا کرتی تھیں۔ اور وہ کامیاب مردی سے مخمور رہتے تھے۔ طبی سنڈیکیٹ کا نایاب تحفہ ہے جس سے ہر طبقہ کا آدمی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ بوڑھے جوان بن جاتے ہیں۔ اور جوان نوجوان۔ قدرتی طاقت کو واپس لانیوالی روپہلی گولیاں ہیں۔ قیمت فی شیشی ۲۵ گولیاں للعہ

نادر و نایاب کتابیں!

سہاگ کی راتیں دولہا دلہن کی شادی کی رات کیسے گزرتی ہے۔ اگر آپ دلچسپ معلومات حاصل کرنی ہیں تو یہ کتاب منگائیے اس میں ایک تعلیم یافتہ دلہن نے اپنی پہلی رات کی پوری سرگذشت دلچسپ انداز میں بیان کی ہے۔ دلچسپی کا یہ عالم ہے کہ کتاب ختم کئے بغیر ہاتھ سے نہیں چھوٹتی۔ [illegible] قیمت عہ

دلہن کا کانفرنس سات دلہنیں ایک جگہ جمع ہو کر اپنی مفصل آپ بیتی [illegible] الفاظ میں یکے بعد دیگرے سناتی ہیں۔ اور اپنے بھولے بھالے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے [illegible] ہر ایک دلہن کی عجیب و غریب سرگذشت جو بے خود کر دینے والی داستان ہے [illegible] قیمت ایک روپیہ عہ

مرقع حسن و شباب اردو میں ایسی کتاب آج تک شائع نہیں ہوئی یہ [illegible] کا ترجمہ ہے جو سلطان سلیم ترکی کے [illegible] نایاب تھی امراء و روساء [illegible] اس کتاب کو عربی و ترکی [illegible] عورت کی انسائیکلوپیڈیا ہے۔ [illegible] ہر عمر کی عورت کی فطرت شناسی بہرہ ور ہونے کا پورا پورا رسالہ [illegible] قیمت صرف عہ

افسانہ ثریا [illegible] خلق خدا غائبانہ کیا۔ یہ ایک مسلسل افسانہ ہے جو حقیقت میں واقعہ ہے [illegible] قیمت عہ

اقبال [illegible]

ادھ کی شہزادی ایک تاریخی افسانہ ہے جس میں [illegible] عشق و محبت [illegible] قیمت عہ

آپ کی عمر ۱۲۰ سال ہو سکتی ہے

آپ بغیر بیٹے پوتے پڑپوتے چھوڑ سکتے ہیں [illegible] قیمت صرف عہ

ملنے کا پتہ:- قریشی بکڈپو دہلی

اپنے لمحاتِ فرصت کی قدر کرنا سیکھیں

موسم سرما آرہا ہے۔ اِن طویل راتوں میں

سونے سے پہلے مندرجہ ذیل علمی جواہر پاروں کے مطالعہ سے اپنی اسلامی ادبی تاریخی معلومات بڑھائیے

علامہ سر اقبال کا پیام مسلمانانِ عالم کے نام

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبّر بھی کیا تو نے ۔ وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں ۔ کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا

چودہ سو سال کی مستند اسلامی تاریخ

مطالعہ فرمائیے جس پر تمام اسلامی مقتدر اخبارات نے شاندار ریویو کئے ہیں۔

تاریخ اسلام

مکمل پانچوں حصے ہیں مجلد سنہری۔ جس میں زمانہ اسلام سے قبل ایک سو سال کے زمانہ جاہلیت کے حالات اسلام کی مقدس تعلیم ... اسلام ... مکمل سوانح حیات خلفاء راشدین خلفائے بنو امیہ ... خلفائے بنو عباسیہ خلفائے عثمانیہ ... کی مفصل تاریخ کے علاوہ تبلیغ و اسلامی طریق تمدن و طرزِ معاشرت پر مفید بحث کی گئی ہے۔ قیمت مجلد سنہری صرف تین روپے (سے)

اسلام کے مایہ ناز مجاہد اعظم سپہ سالار اعظم حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی سوانح حیات اور ان کی سرکیف مجاہدانہ جانثاریوں کے تھرا دینے والے واقعات

سیرۃ خالد بن ولیدؓ

منگا کر پڑھئے۔ جن کی شمشیر خارا شگاف کے آگے بڑے بڑے باجبروت بادشاہ باوجود لکھوکھا لشکر جرار رکھنے کے لرزہ براندام رہتے تھے۔ یہ تقریباً ۵۰۰ صفحات کی ایسی تاریخ ہے۔ جس میں ہر ایک واقعہ کے متعلق مستند تاریخی کتب کے حوالے بھی دیئے گئے ہیں۔

قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

ادیب شہیر ایم اسلم کے دو جدید شاہکار

تفسیر حیات
(چالیس افسانوں کا مجموعہ)

جن اصحاب نے ایم اسلم صاحب کے افسانے پڑھے ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ ایم اسلم صاحب ان معمولی واقعات میں جو انسان کی نگاہ میں کچھ وقعت نہیں رکھتے ایسا رنگ بھر دیتے ہیں۔ کہ پڑھنے والے کی سو بار پڑھ کر بھی طبیعت سیر نہیں ہوتی ہے۔ کہ ہر ایک افسانہ مکمل ڈرامہ معلوم ہوتا ہے۔ لہذا تفسیر حیات قابل مصنف کے ایسے ہی دلکش اور پُر تاثیر چالیس افسانوں کا مجموعہ ہے جس کا حجم تقریباً ساڑھے سات سو صفحات ہے اور نہایت خوشخط گلیز ڈ کاغذ پر طبع ہوا ہے مجلد سنہری ڈائی کی خوبصورت جلد قیمت صرف دو روپے آٹھ آنے (عہ)

آشوبِ زمانہ

یہ بھی ایم اسلم صاحب کی بہترین تصنیف ہے۔ جس میں قابل مصنف نے اپنی وسعت مشاہدہ۔ عمیق نظری معلومات نفسیات انسانی کے مطابق نہ صرف مرد و عورت کے ربط و ضبط جذبات محبت کا فلسفہ بیان کیا ہے۔ بلکہ اخلاق ادب تمدن معاشرت پر بھی بحث تمحیص کی ہے آخری صفحات پر نالۂ فراق کے نام سے قابل مصنف نے ایک امیدوارِ محبت کا ایسا یاس انگیز واقعہ لکھا ہے۔ جسکو پڑھ کر پتھر دل انسان بھی آنسو بہائے نہیں رہ سکتا۔ قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

اس پتہ سے طلب فرمائیں ملک دین محمد اینڈ سنز پبلشرز تاجران کتب بل روڈ کشمیری بازار لاہور

جلد ۲۸ — فہرست مضامین عالمگیر ماہ مارچ ۱۹۴[illegible]ء — نمبر ۳

عالمگیر بکڈپو کی فہرست کتب رسالہ ہذا میں ضرور ملاحظہ فرمائیے

[illegible] ایڈیٹر و پبلشر نے عالمگیر [illegible] دفتر رسالہ عالمگیر [illegible] سے شائع کیا

ملاحظات!

الحمدللہ کہ عالمگیر کا معرکہ آرا عید قربان نمبر ہماری توقعات سے کہیں زیادہ مقبول عام ہوا۔ ناظرین کرام نے اس کے وی۔پی وصول کرکے اور ادباء و شعراء نے اس کی تعریف و توصیف میں گرامی نامے تحریر فرماکے ہماری بیحد حوصلہ افزائی فرمائی۔ لیکن ہماری یہ جو کچھ کامیابی ہے وہ خدا تعالےٰ کے فضل وکرم کے بعد ناظرین کرام کی توجہات خصوصی کا نتیجہ ہے ورنہ من آنم کہ من دانم۔

جمود سکون موت ہے اور حرکت زندگی۔ اس مسلمہ کلیہ کے ماتحت اب ہم عید قربان نمبر کا کام ختم کرکے عالمگیر کے عدیم النظیر سالانہ نمبر (جو جون ۱۹۳۵ء کے پہلے ہفتے میں شایع ہوگا) کی تیاری میں مصروف ہوگئے ہیں۔ اُردو زبان و ادب کی بقاء و ترقی اور اس کی خدمت کا جو جذبہ ہمارے دل میں ہے وہ ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم عید قربان نمبر کی کامیابی پر اظہار مسرت کے ساتھ ساتھ عالمگیر کے سالانہ نمبر کو زیادہ سے زیادہ جاذب نظر بنانے میں اپنی تمام کوششوں کو بروئے کار لائیں اور ہمیں امید واثق و یقین کامل ہے کہ انشاءاللہ ہم اپنے ارادوں میں کامیاب ہونگے۔

عالمگیر کے سالانہ نمبر کی تیاری کے لئے ہم کیا کرنے والے ہیں اور کس مضمون اور نہج کے ساتھ اسے ناظرین کرام کے سامنے پیش کرنے والے ہیں اس کی تفصیل انشاءاللہ ہم اپریل یا مئی کے پرچوں میں بتائینگے۔ ہم جو کچھ کر رہے ہیں یا آئندہ کرینگے غایت محنت کے ساتھ کرینگے اور ناظرین کرام بھی بخوبی آگاہ ہیں کہ سالانہ نمبر کے متعلق جو کچھ بھی اعلانات ہماری طرف سے شایع ہونگے وہ حرف بحرف صحیح ثابت ہونگے۔

عالمگیر خدائے بزرگ و برتر کے فضل وکرم سے چودہ سال سے جاری ہے اور ہمیشہ اس کا قدم ترقی کی جانب بڑھتا رہا۔ اس عظیم الشان کامیابی کا راز صرف یہی ہے کہ ہم اپنے اعلان کے مُطابق چیز پیش کرتے ہیں اور کبھی اپنے ناظرین کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کی کوشش نہیں کرتے کیونکہ یہ صورت حال جہاں اُردو کی بقاء و ترقی کے لئے سدراہ ہوتی ہے وہاں مالکان رسائل کے لئے بھی سخت ضرر رساں اور تباہ کن ہے اور یہی سبب ہے کہ ہمارے ملک میں سینکڑوں رسالے اور اخبار جاری ہوتے ہیں اور چند دن زندہ رہ کر صفحۂ ہستی سے مٹ جاتے ہیں۔ ان اخبارات و رسائل کے مالکان بڑے سے بڑے اعلانات اور زیادہ سے زیادہ خاص نمبر شایع کرنے کا وعدہ کرتے ہیں لیکن وہ اپنے ارادوں کو جامہ عمل نہیں پہناتے اور ان کے ناظرین کرام بددل ہوکر اس کی خریداری بند کر دیتے ہیں اور رسالہ نذر "غلط گوئی" کی ایک جیتی جاگتی تصویر بن کر رہ جاتا ہے۔ اس لئے اس سلسلے میں حتی الامکان بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کی ضرورت ہوا کرتی ہے ؎

سمجھ کر میکدے میں پاؤں رکھنا حضرت ناصح
یہاں پگڑی اچھلتی ہے اسے میخانہ کہتے ہیں

سالانہ نمبر کی تیاریوں اور صوری و معنوی خوبیوں کا خاکہ اپریل و مئی کے پرچوں میں ملاحظہ فرمائیے گا کہ اس سال سالانہ نمبر کن عظیم الشان خصوصیات کا حامل ہوگا۔ انشاءاللہ۔ ہم آخر میں ایک مرتبہ پھر ناظرین کرام کو اشتراک عمل کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنا سلسلہ خریداری قائم رکھتے ہوئے بدستور عالمگیر کی توسیع اشاعت میں کوشاں رہیں۔ جن حضرات نے اس ماہ عالمگیر کیلئے جدید خریدار مہیا کئے ہیں۔ ہم ان کے بدل مشکور ہیں۔ (ادارہ)

دُعا

از علامہ امجد حیدرآبادی

حضرت علامہ امجد حیدرآبادی ہماری تعریف و تعارف سے بالاتر ایک بزرگ شاعر ہیں آپ کے کلام میں جا بجا صوفیانہ رجحانات کی جھلک نظر آتی ہے آپ کی مندرجہ ذیل نظم حافظ صاحب قبلہ ایڈیٹر عالمگیر نے جو بذات خود ایک خدا رسیدہ اور دردمند انسان ہیں خاص طور سے پسند کی ہے۔ حافظ صاحب قبلہ کے دل پر اپنے نومولود فرزند کی موت کا صدمہ کچھ اس طرح سے اثر انداز ہوا ہے کہ آپ ان دنوں بے حد مغموم و رنجیدہ رہتے ہیں۔ قارئین کرام سے التماس ہے کہ وہ حافظ صاحب قبلہ کیلئے دعا کریں کہ خدا انہیں سکون قلب عطا کرے۔ (ادارہ)

خدا اور بندے میں رشتہ دُعا ہے ۔۔۔ دُعا ہی ہمارا بڑا مدعا ہے
غنی ہے تری ذات محتاج ہوں میں ۔۔۔ میں بندہ ہوں تیرا تو میرا خدا ہے
ترے دست قدرت میں کیا کچھ نہیں ہے ۔۔۔ مرے ہاتھ میں کیا ہے بس اک دُعا ہے
دُعا ہی میں کٹ جائے دن رات یارب ۔۔۔ یہی تجھ سے دن رات میری دُعا ہے
پہنچ جاتی ہے پاک قدموں تک اس کے ۔۔۔ دُعا ہے کہ امجد کا بختِ رسا ہے

رُباعی

ہر دم اُس کی عنایتِ تازہ ہے ۔۔۔ اُس کی رحمت بغیر اندازہ ہے
جتنا ممکن ہو کھٹکھٹائے جاؤ ۔۔۔ یہ دستِ دُعا خدا کا دروازہ ہے

وفا کی دیوی

ازجناب نساجالندھری

―――(۱)―――

"ولز کی مشہور دکان کا دیوالہ نکل گیا" اس خبر کو سنتے ہی جان ہکسنوڈ کے خرمن اُمید پر بجلی سی گری۔ دونوں ہاتھوں سے کلیجہ تھام کر رہ گیا بیچارے کے ارادے خاک میں مل گئے عنقریب "فلورا" سے شادی ہونیوالی تھی۔

"فلورا" مسز فاہن کی بیٹی جس پر وہ دل وجان سے فدا تھا جسکے دیکھے بغیر اُسے کل نہ پڑتی تھی جو حُسن میں جیسے آفتاب و جیسے ماہتاب تھی اور جسکی خوبصورتی سارے گاؤں میں مشہور تھی مگر غریب "جان" دل تھام کر رہ گیا

پاس کوڑی نہیں تھی فرم میں ستر روپے ماہوار کی ملازمت تھی وہ بھی جاتی رہی۔ انگلستان جیسے ملک میں ملازمت کا ہاتھ سے جاتے رہنا کوئی معمولی صدمہ نہیں ہزاروں کیا لاکھوں فاقوں مرتے ہیں۔ نوکری نہیں ملتی جسے دیکھو بیروزگاری کے ہاتھوں نالاں ہے۔ "جان" کی ترقی ہونیوالی تھی ارادہ تھا کہ فرم سے کچھ روپیہ اُدھار لیکر شادی کرونگا۔ اور اپنی تنخواہ سے اپنا فلورا اور اُس کی بیوہ ماں کا پیٹ پالونگا لیکن مادر چہ خیالیم و فلک در چہ خیال وہ باتیں ہی نہ رہیں۔ وہ فرم ہی جاتی رہی روپیہ لینا تو در کنار ملازمت ہی سے جواب ملا۔ جان اسی سوچ میں بیٹھا تھا کہ فرم کا منیجر آیا۔ اور جان کو مخاطب کرکے بولا۔

"جان! فکرمند کیوں ہو۔ اُٹھو اور سنو میں تمہارے لئے ایک خوشخبری لایا ہوں میرے ایک دوست نے "نیویارک" میں کارک بنانیکا کارخانہ جاری کیا ہے۔ اُسے ایک ایماندار اور محنتی کلرک کی ضرورت ہے میں سفارش کئے دیتا ہوں تم تیار رہو اگلے ہفتے نیویارک کو روانہ ہو جاؤ۔

سوکھے دھانوں میں پانی پڑگیا۔ جان کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی تشکر آمیز نظروں سے منیجر کی طرف دیکھا منیجر نے اُسے ایک سفارشی خط دیا اور وہ چلا گیا۔ جان خوش خوش اپنی پیاری فلورا کے ہاں گیا۔ اور جاتے ہی فرم کے ٹوٹ جانے اور اپنے نیویارک جانے کا حال بیان کیا۔

فلورا اور مسز فاہن کو خوشی بھی ہوئی اور رنج بھی خوشی اسلئے کہ جان کو نوکری مل گئی۔ رنج اسلئے کہ اب وہ نیویارک چلا جائے گا۔ اور فلورا جدائی کی مصیبتیں اُٹھانے کو بیلپورٹ میں رہجائے گی۔

فلورا کو بھی جان سے اُتنی ہی محبت تھی جتنی جان کو فلورا سے بڑی دیر تک صلاح مشورے ہوتے رہے۔ آخر یہ صلاح ٹھہری۔ کہ جان اگلے ہفتے نیویارک چلا جائے۔ اور وہاں اپنا کام سنبھال کے مکان وغیرہ کا بندوبست کرے اور ان کو ایک خط لکھدے پھر وہ بھی نیویارک چلے جائیں گے۔ اور وہیں شادی ہوجائیگی

وہ دن آگیا جب جان کو رخصت ہونا تھا مسز فاہن نے دعائیں دیں۔ فلورا سے گلے ملا۔ اور رخصت ہوا۔ فلورا نے روتے ہوئے کہا۔ "بیشک بڑے بڑے طوفان آئیں۔ آندھیاں چلیں۔ لیکن جب تک "پیارے جان" تم مجھے نہ بلاؤ گے۔ میں اسی مکان میں تمہارا انتظار کروں گی"۔

―――(۲)―――

نیویارک سے ایک خط جان کے بخیریت پہنچنے کا موصول ہوا۔ اور پھر خاموشی ایک طویل خاموشی ہفتہ دو ہفتے، مہینہ دو مہینے، سال دو گزرے۔ مگر جان کا کوئی خط نہ آیا۔ فلورا کی عجیب حالت ہوگئی بیچاری کی نیند جاتی رہی۔ کھانا پینا چھوٹا۔ ہر دم متفکر نظر آنے لگی۔ چہرے پر بے رونقی چھاگئی۔ مسز فاہن اپنی پیاری بیٹی کی حالت دیکھتی اور کڑھتی۔ حیران تھی کہ جان کا خط کیوں نہیں آیا اور اُس نے ان لوگوں کو بلایا کیوں نہیں۔ کیا جان نے فلورا کو دھوکا دیا نہیں وہ بڑا راستباز آدمی تھا اس سے یہ بڑی اُمید نہ تھی۔ آخر بارہ سال گذر گئے اور بڑھی مسز فاہن اپنی بیٹی کو اکیلی چھوڑ راہی ملک بقا ہوئی۔

ایک تو جان کی جدائی کا قلق دوسرے پیاری ماں کی موت کا رنج۔
ان جو ہر وقت اُسے تسلیاں دیتی اور اُس کی ڈھارس بندھاتی تھی غلو اکی
حالت ہو گئی، مینہ برسے، آندھیاں چلیں، طوفان آئے۔ مگر زبان کی سچی
را اسی مکان میں جان کا جس کو وہ راستباز اور وفادار سمجھتی تھی انتظار
تی رہی۔

(۳)

جان نیویارک میں پہنچا اور ایک معمولی سے ہوٹل میں قیام پذیر ہوا۔ یہ
ایک کم آباد علاقے میں واقع تھا اور اس کی مالک ایک بوڑھی عورت تھی
بت کیا تھی شیطان کی خالہ تھی۔ اسکا نام مسز فی تھا اس کے دو بیٹے تھے۔
ں کے شریک کار تھے۔ یہ عورت مسافروں کو اپنے ہوٹل میں ٹھہراتی۔ ایک دو
کے بعد اُن کے کھانے میں کوئی نشہ آور چیز ملا کر اُن کا سامان لوٹ لیا کرتی تھی بیچارے
ر قانون کی قباحتوں اور پولیس کی تکلیفوں سے بچنے کے لئے چُپ ہو رہتے
ہوٹل چھوڑ کر بھاگ جاتے۔ جان نووارد شخص تھا۔ اس بڑھیا کے مکر و فریب
واقف تھا کسی شخص سے شناسائی نہ تھی پھنسا اور بُری طرح پھنسا۔
ابھی تک اُسنے اپنے کام کا انتظام نہ کیا تھا اور فی الحال وہ شہر کی سیر
شغول تھا صبح کھانا کھا کر جاتا اور شام کو واپس ہوتا۔ ایک دن اسے معمول
زیادہ دیر ہو گئی۔ سڑکوں کے دن تھے۔ جب واپس آیا تو بڑھیا نے کھانا کھلانے
ند شراب کا ایک گلاس دیا۔ جان پی گیا۔ تھوڑی سی دیر میں اُسے نیند محسوس ہونے
اٹھا اور اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ کمرے کا دروازہ بند کرنے کا خیال
۔ اور جاتے ہی پلنگ پر لیٹ گیا۔ نیند آگئی اور بے خبر ہو گیا۔ خوش قسمتی سمجھو
تی ایک گھنٹے کے بعد اس کی آنکھ کھل گئی۔ کیا دیکھتا ہے کہ بڑھیا معہ اپنے
ں کے اُسکے سامان کی تلاشی لے رہی ہے۔ بیگ کھلا پڑا ہے اور اس کا
ان باہر نکالا جا رہا ہے۔ جان غصے میں بھرا ہوا اُٹھا۔ اور چھوٹتے ہی
سے بیٹھے ہوئے شخص کے زور سے لات ماری۔ بڑھیا سے کے دوسرے
نے اُٹھ کر بڑے زور سے ایک مُکا جان کی کنپٹی میں مارا جس کے لگتے ہی
کو چکر آ گیا۔ وہ زمین پر گر پڑا۔ جس نے لات کھائی تھی اس نے قریب ہی سے
لوہے کی سلاخ اٹھائی اور جان کے سر پر دے ماری۔ اس طرح آواز آئی
ح بلور کی کوئی چیز ٹوٹتی ہے۔ اور جان بیہوش ہو گیا۔ بڑھیا نے سمجھا کہ
مر گیا۔ بڑی گھبرائی دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ابھی کچھ جان باقی ہے۔ بڑھیا

نے کہا کہ اب یہ جیتا دکھائی نہیں دیتا۔ اپنے آپ کو مصیبت سے بچانا چاہتے
ہو تو اس کو اُٹھا کر دور سڑک پر رکھ آؤ۔ سردی سے خود بخود مر جائے گا بڑھیا
کے لڑکوں نے اس کی جیب سے تمام اشیاء اور سفارشی خط جو وہ رسپورٹ سے
لایا تھا نکال لئے اور اس کو اپنے ہوٹل سے دور فاصلے پر سڑک پر رکھ کر چلے آئے۔

(۴)

صبح کے وقت پہرے کے سپاہی نے جان کو دیکھا اور اُٹھا کر ہسپتال لے
گیا۔ ملاحظہ کے بعد ڈاکٹر نے کہا کہ مریض بارہ گھنٹے سے زیادہ نہیں بچے گا۔ بارہ
گھنٹے گزر گئے چوبیس گھنٹے گزر گئے۔ بارہ گھنٹے اور گزر گئے۔ مگر مریض کی نبض
اسی طرح دھیمی دھیمی چلتی رہی ڈاکٹر حیران ہو گیا اور علاج شروع کیا تین دن کے بعد مریض
نے آنکھیں کھولدیں۔ اور حیرت سے اپنے ارد گرد دیکھنا شروع کیا ڈاکٹر کو ایک
اطمینان ہوا اور انگریزی میں پوچھا تو کون ہے؟ مریض خاموش ڈاکٹر کا منہ دیکھا
کیا۔ ڈاکٹر نے پھر پوچھا۔ پھر وہی خاموشی۔ ڈاکٹر نے پھر فرانسیسی زبان میں پوچھا
اور جواب نہ پاکر جرمن زبان میں۔ مگر مریض کچھ نہ بولا۔ بلکہ حیرت سے ادھر اُدھر دیکھتا
رہا۔ ڈاکٹر نے اس کے دماغ کا اچھی طرح ملاحظہ کیا معلوم ہوا کہ دماغ کی ہڈی ٹوٹ
گئی ہے جس سے مریض کی قوتِ حافظہ جاتی رہی ہے۔ مریض کو اپنا نام اور
اپنے متعلق تمام باتیں بھول گئیں نہ اس کو یہ یاد تھا کہ میں جان ہکسفورڈ ہوں۔
"ولز" کی فرم کا کلرک تھا۔ اور اب نیویارک نوکری کے لئے آیا ہوں اور نہ فلورا
اور مسز فی یاد رہیں۔ اپنے وطن رسپورٹ وغیرہ کو بھی بھول گیا۔ اس کے
حسب نسب کا پتہ لگانے کے لئے پولیس نے سر توڑ کوششیں کیں لیکن سب
بیکار ثابت ہوئیں۔ اس کے کوٹ کی آستین پر لفظ "ج۔ ہ" لکھے تھے اس لئے
اس کا نام "جان ہارڈی" رکھا گیا۔ اور اب وہ "جان ہکسفورڈ" کی بجائے "جان
ہارڈی" ہو گیا۔ ڈاکٹر نے بہت علاج کیا مگر اس کی زائل شدہ قوت حافظہ عود
نہ کی۔ ہاں اتنا ہوا کہ اس کو صحت کامل ہو گئی اب از سر نو بچوں کی طرح اس کو تعلیم
دی جانے لگی اور وہ جلدی ہی انگریزی بولنا اور لکھنا سیکھ گیا اور پوری تربیت پا
چکنے کے بعد ہسپتال کے ڈاکٹر کی سفارش سے نیویارک کے ایک مشہور سرمایہ دار
نے اُسے ایک معمولی مشاہرہ پر جہاز سے مال اتروانے پر ملازم رکھ لیا۔ "جان ہارڈی"
سابق "جان ہکسفورڈ" بڑی محنت اور ایمانداری سے کام کرتا رہا کارخانے کا مالک
اُس کی محنت سے بہت خوش ہوا۔ اور اُس کو ترقی دے کر اپنے کارخانے میں
کلرک بنا دیا۔ یہاں اس نے اس محنت اور ایمانداری سے کام کیا کہ مالک نے

[illegible] کو اس نے ترقی دے دی۔ اور آخر کار وہ ترقی کرتا کرتا کارخانے کا [illegible] بن گیا۔ اب جان ہارڈی کو بڑی معقول تنخواہ ملنے لگی۔ پورے پچاس سال تک [illegible] کارخانے میں ملازم رہا۔ اور کافی سے زیادہ روپیہ اس نے کمایا آخر بہت بوڑھا ہو کر نوکری سے فارغ ہو گیا۔

اب صبح و شام وہ بغرض تفریح بندرگاہ پر جایا کرتا اور جہازوں کو بندرگاہ میں آتے جاتے دیکھتا۔ اور دُور دُور سے آتے ہوئے مسافروں کو دیکھتا اور ان سے ملک کی باتیں پوچھا کرتا۔ کئی دفعہ تنہائی میں اپنے متعلق سوچا کرتا کہ میں کون ہوں، کس کا بیٹا ہوں اور کہاں کا رہنے والا ہوں مگر کچھ یاد نہ آیا۔

(۵)

جان کے برسپورٹ سے چلے آنے کے ایک عرصہ بعد جرمنی اور فرانس میں لڑائی چھڑ گئی تجارت منقطع ہوئی اس سے انگلینڈ کی تجارت کو بہت فروغ ہوا خصوصاً برسپورٹ کے لوگوں کی قسمت کا پانسا پلٹا۔ اُن لوگوں نے تجارت سے ہاتھ رنگ لئے۔ برسپورٹ پہلے ایک معمولی گاؤں تھا۔ جو سمندر کے کنارے آباد تھا۔ بالکل معمولی سی بندرگاہ تھی اور لوگ بالکل غریب تھے جنگ کے چھڑنے سے یہاں بڑے بڑے کارخانے کھل گئے۔ عام لوگ تجارت پیشہ ہو گئے اور امیر کبیر بن گئے۔ جہاں پہلے چھوٹے چھوٹے جھونپڑے تھے۔ اب وہاں عالیشان مکانات بن گئے اور دکانیں کھل گئیں۔ غیر آباد جگہیں آباد ہو گئیں۔ باغات لگ گئے، کچے راستوں کی جگہ پکی عظیم الشان سڑکیں بن گئیں یہاں کے سوداگر غیر ممالک میں اپنا مال بغرض فروخت بھیجنے لگے۔ پہلے گاؤں سے ڈیڑھ دو میل کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا ریلوے اسٹیشن بن گیا۔ غرضیکہ برسپورٹ کی کایا پلٹ گئی۔ اگر کوئی اجنبی جس نے چند سال پہلے برسپورٹ کو دیکھا ہو اب دیکھتا تو بالکل نہ پہچانتا۔

(۶)

جان ہارڈی ایک دن بندرگاہ پر سیر کرنے گیا۔ ایک جہاز ابھی ابھی آیا تھا۔ یہ اُسے دیکھنے کے لئے آگے بڑھا۔ جہاز کے لوگوں کو دیکھ کر اس کے دل میں انبساط کی ایک لہر پیدا ہوئی اس انبساط کا باعث یہ کچھ نہ سمجھ سکا۔ ان کی طرز گفتگو اسے بہت پیاری معلوم ہوئی۔ ان کا لب لہجہ اسے مانوس معلوم ہوتا تھا ان کا لباس چال ڈھال غرضیکہ ہر بات سے ایک لطف ٹپکتی تھی اور جان ہارڈی کا دل وہاں سے ہٹنے کو نہ چاہتا تھا۔ بڑی دیر وہاں کھڑا رہا وہ اس کے بڑھتے ہوئے جوش اس کے بڑھاپے۔ اس کی لمبی سفید ڈاڑھی کو دیکھ کر اس کو چھیڑنے لگے اور طنزیہ یہ فقرے کہنے لگے۔ ان کے طنز آمیز الفاظ بھی اسے بھلے محسوس ہوئے۔ وہ ٹکٹکی باندھے ان لوگوں کو دیکھتا رہا اور ان کی باتیں سنتا رہا۔ یہ وطن کی محبت کا جوش تھا۔ جو جان میں موجزن تھا اور جسے جان نہ سمجھ سکتا تھا۔ یہ جہاز برسپورٹ کے ایک سوداگر کا بھیجا ہوا تھا

دوسرے دن علی الصبح جان بندرگاہ پر پہنچ گیا۔ ایک ملاح بوڑھے جان کو دیکھ کر اس کی طرف آیا جان اُسے ایک طرف لے گیا اور اس سے باتیں کرنے لگا۔ ملاح نے اپنے وطن کے حالات بیان کرنے شروع کئے وہ برسپورٹ کا رہنے والا تھا۔ جان اس کی باتیں بڑے غور سے سنتا رہا۔ باتوں باتوں میں ملاح نے جارج اسٹریٹ کا نام لیا۔ جہاں اس کے جہاز کے مالک کا بہت بڑا کارخانہ تھا۔ جارج اسٹریٹ کا نام سنتے ہی جان کانپ اٹھا اور زور سے چلایا۔۔۔ فلورا! فلورا!! میری پیاری فلورا!!!۔

یہ کہتے ہی دھم سے گر پڑا۔ اور بیہوش ہو گیا

جارج اسٹریٹ وہ گلی تھی جس میں وہ فلورا رہا کرتی تھی اس نام کو سنتے ہی جان کی زائل شدہ قوت حافظہ پھر عود کر آئی بھولی ہوئی باتیں پھر یاد آگئیں۔ گویا جان خواب سے بیدار ہو گیا۔

ہوش آتے ہی اٹھا اور گھر کو روانہ ہوا۔ ضروری سامان لیکر دوسرے ہی دن برسپورٹ کو چل پڑا۔

(۷)

پھر وہی جان مکسفورڈ ہے اور وہی شہر برسپورٹ پچاس سال باہر رہ کر جان پھر اپنے وطن میں واپس آ گیا۔ مگر برسپورٹ کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا اس کے زمین و آسمان ہی اور ہو گئے تھے۔ اگر دکانوں کے سائن بورڈوں پر برسپورٹ لکھا ہوا نہ ہوتا۔ تو جان اس شہر کو ہرگز برسپورٹ نہ کہتا۔ پوچھتے پوچھتے جان "جارج اسٹریٹ" میں پہنچ گیا۔ جارج اسٹریٹ بدلا ہوا جارج اسٹریٹ یہاں پہلے کچے مکان ہوتے تھے اور اب پکے اور عالیشان۔ پہلے غریب لوگ تھے۔ اب امیر کبیر۔ جان یہ بدلی ہوئی صورت حالات دیکھ مایوس ہو گیا دل بیٹھ گیا۔ پچاس سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا۔ اب فلورا کہاں اب پیاری فلورا ہو گی تو کسی دوسرے کے ہاں ہو گی۔ مجھے بھول گئی ہو گی جان مکسفورڈ کا خیال بھی نہ ہو گا۔ پچاس سال! اُف پچاس سال کتنا طویل عرصہ ہے! ایسا کہتا ہوا جان

کچھ آگے بڑھا...... ایک عالیشان مکان کی بغل میں ایک ٹوٹا سا مکان نظر آیا۔ یاس میں اُمید کی صورت نظر آئی۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ملا۔ خوشی کے مارے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ سڑک کے ایک طرف ایک بوڑھے آدمی کو بیٹھے دیکھ کر جان اس کی طرف لپکا۔ اور جاتے ہی پوچھا۔

بھائی میاں! ان عالیشان محلات میں وہ ٹوٹا پھوٹا مکان کیسا ہے؟

بوڑھا۔ یہ اس بڑھیا کا مکان ہے جس سے بڑھکر خبطی کوئی عورت ہوگی وہ بڑی ضدی ہے۔ لوگوں نے اسے مکان کی قیمت سے ہزار گنا زیادہ دام دئے مگر بڑھیا بھی وہ ہٹ دھرم واقع ہوئی ہے کہ مانتی ہی نہیں۔

جان۔ آخر کوئی وجہ؟

بوڑھا۔ یہ بھی ایک لطیفہ سے کم نہیں۔ مدہ ہاں گزر گئیں یہ ابھی نوجوان تھی کسی شخص نے اس سے شادی کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ کہیں دیار غیر میں ملازمت کرنے چلا گیا۔ اور جب کا گیا اب آتا ہے، بیچاری اسی کا انتظار کر رہی ہے لوگوں نے بہتیرا سمجھایا کہ وہ مر کھپ گیا ہوگا۔ اب نہ آئے گا مگر یہ ہے کہ اپنی ہٹ پر قائم ہے۔ کہتی ہے کہ اگر میں نے یہ مکان چھوڑ دیا۔ تو وہ مجھے کہاں ڈھونڈے گا...... بیچاری روتے روتے آنکھیں بھی کھو بیٹھی۔

جان کے سینے میں تیر سا لگا۔ بیقرار ہو گیا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ ضبط کر کے بولا۔

ابھی کیا وہ اندھی ہو گئی!

بوڑھا۔ بلکہ اس سے بھی بدتر۔ چند گھڑیوں کی مہمان ہے دیکھتے ہیں اس کے مکان کے سامنے ایک گاڑی کھڑی ہے۔ وہ ڈاکٹر کی ہے اسے دیکھنے کے لئے آیا ہے۔

جان روتا ہوا اٹھا اور فلورا کے مکان کی طرف دوڑا اتنے میں ڈاکٹر بھی باہر نکل آیا ہے۔

جان۔ ڈاکٹر مریضہ کا کیا حال ہے؟

ڈاکٹر۔ حالت نازک۔ اب بچ نہیں سکتی۔ میں پادری کو بلانے جاتا ہوں مریضہ کے لئے دُعا کرے

جان ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔ اتنا حوصلہ نہ ہوا کہ اندر جائے۔ "پادری" آیا۔ اندر چلا گیا۔ مریضہ کے آگے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا اور دعا پڑھنے لگا۔ جان دروازے کے پاس کھڑا دیکھتا رہا۔ مریضہ نے کانپتے ہوئے الفاظ میں کہا۔ مقدس باپ! میں تو جاتی ہوں! اس دنیا کو چھوڑتی ہوں۔ اگر میرا پیارا جان کسفورڈ آئے تو کہدینا۔ کہ بیسیوں آندھیاں آئیں۔ طوفان آئے۔ لیکن تیری فلورا کے دل سے تیرا خیال نہ گیا۔ وہ آخر تک تیرا انتظار کرتی رہی۔ اور انتظار کرتے کرتے اگلے جہان میں تجھے ڈھونڈنے چلی گئی۔ یہ سنتے ہی جان نے چیخ ماری۔ فلورا! میری وفادار فلورا! کہتا ہوا اندر داخل۔ آواز سنتے ہی فلورا چارپائی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ دونوں ہاتھ پھیلا دئے۔ جان نے ہاتھ تھام لئے۔ اور سینے سے لگا لیا۔ اور دونوں جان بحق تسلیم ہوئے۔

(مسز آرتھر کانن ڈائل) نیازی

---

(۱)

احساس کو قوتِ نمو دیتا ہوں

نظروں کو مجالِ گفتگو دیتا ہوں

شاعر ہوں [illegible] تیغ

[illegible] ابرو دیتا ہوں

(۲)

جوانی [illegible]

[illegible]

[illegible] معلوم نہیں

[illegible]

[illegible]

سوز ناتمام!

از شاعر حیات حضرت ماہر القادری

ترے سجدے میں ہم نے اپنی پیشانی جہاں رکھدی — تجلی نے تری واں وسعتِ کون و مکاں رکھدی
خبر ہے تجھکو اے بادِ بہاری دردمندوں کی — گلوں نے پیاس کی شدت سے کانٹوں پر زباں رکھدی
چمن میں میرے ہی تنکوں پہ ہر بجلی کی نظریں ہیں — مری قسمت کہ پھر میں نے بنائے آشیاں رکھدی

یہ ویرانا یہ سناٹا یہ وحشت خیز خاموشی
عزیزوں نے مری میت کو کیا سمجھا کہاں رکھدی

میرے حالِ دل کی کس صورت سے رسوائی ہوئی — روک لی ظالم نے ہونٹوں پر ہنسی آئی ہوئی

زلفِ بدنام ہوئی جاتی ہے — ہر طرف شام ہوئی جاتی ہے
وہ جفا خاص جو تھی میرے لئے — رحمتِ عام ہوئی جاتی ہے
اختیارات کی روداد نہ پوچھ — زیست الزام ہوئی جاتی ہے

رسوا ہوا ہے دردِ محبت کہاں کہاں — ثابت ہوئی ہر اُن کی ضرورت کہاں کہاں
آنکھیں اداس روح پریشان دل نڈھال — برپا ہوئی ہے ایک قیامت کہاں کہاں

عہدِ اکبری

ہندوؤں میں فارسی دانی کا آغاز

(از جناب سید محمد عبد اللہ صاحب ایم اے ریسرچ سٹوڈنٹ)

ہندوؤں کی علیحدگی پسند طبیعت اور ازمنہ متوسط میں ہندی کا رواج عام غالباً یہی دو بڑے وجوہات ہیں۔ جنہوں نے سب سے زیادہ صورتِ حالات پر اثر ڈالا۔ دیہاتی زندگی اور اس کے مستقل نظامِ معاشرت کو بھی بہر حال کچھ نہ کچھ دخل حاصل ہے۔ حکومت دیہاتی لوگوں کے اندرونی حالات میں بہت کم دخل دیا کرتی تھی۔ یہ یاد رہے کہ ان دیہات میں ہندوؤں کی آبادی بکثرت تھی۔ عوام کی جبری تعلیم اور تمام اقوام کی مشترکہ تعلیم کا نظریہ ابھی تک پیدا نہ ہوا تھا۔ اگرچہ کہیں کہیں مسلمان صوفیوں اور مسلمان سلاطین و امرا کے تعلق سے بعض خاندانوں میں فارسی سے واقفیت پیدا ہو گئی تھی۔ مگر عموماً ہندو لوگ مسلمانوں سے علیحدہ اور جدا ہی رہتے تھے۔ اور ان کے ساتھ خلا ملا کو بہت بُرا سمجھتے تھے۔ ان حالات میں ہندوؤں میں فارسی کا رواج عام کس طرح ممکن تھا؟

نئے دور کا آغاز لیکن جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے ساتھ ساتھ تاریخ کے ایک نئے باب کا آغاز ہوتا ہے۔ اس نے اپنی حکومت کے آغاز کار ہی سے اس سیاسی ضرورت کو بھانپ لیا تھا۔ کہ بادشاہ کو تمام رعایا کے ساتھ یکساں سلوک کرنا چاہئے۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ ہندوستان کے ایک بادشاہ کے لئے یہ نہایت ضروری ہے۔ کہ وہ اقلیت کے علاوہ ملک کی ایک بڑی اکثریت کے معاملات میں بیش از بیش دلچسپی لے۔ تخت و تاج کا استحکام۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی متحدہ وفاداری پر منحصر تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اپنے ہموطن اصلی یعنی آباو اجداد کی بستی کی طرف جانا کسی حد تک ناممکن ہے اس کے باپ کے ساتھ افغان رعایا نے جو بدسلوکی کی تھی۔ اس سے وہ ناواقف نہ تھا۔ اس لئے اس نے اپنے دل میں اپنی حکومت کو نہایت زبردست بنیادوں پر قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

مآثر الامرا کے مصنف کا بیان ہے۔ کہ صفوی بادشاہ ایران نے ہمایوں کو یہ مشورہ دیا تھا۔ کہ ہندوستان کی حکومت ٹھہر سکتی ہے کہ وہاں کا حاکم افغانوں کو تجارت اور دوسرے پُرامن مشاغل میں لگا دے۔ اور راجپوتوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرے۔ ہمایوں کو اتنی عمر نصیب نہ ہوئی۔ کہ وہ اس اصول کو جامۂ عمل پہنا سکتا۔ اور نہ کوئی شہادت ایسی تاریخی موجود ہے۔ جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ نصیحت اکبر کے کانوں تک پہنچی۔ غالباً یہ لطیفہ غیبی اور فیض ربانی ہی تھا۔ یا اکبر کی فراست اور دانشمندی تھی۔ کہ اس نے بعینہ یہ حکمت عملی اختیار کی اور اس اصول کو آزمایا۔ جس کو آزمانے کا موقع اس کے جوانا مرگ باپ کو نہ حاصل ہو سکا[1]

یہاں یہ بیان کرنا نہایت ضروری ہے کہ اکبر کی حکمت عملی اور اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنا ہمارے مبحث سے بالکل خارج ہے۔ ہمیں یہاں صرف ان جزئیات کا ذکر کرنا ہو گا جن کا تعلق خاص طور پر ہندو لوگوں کی تعلیم سے ہے۔ اور پھر ان سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے۔ کہ یہی امور ہندوؤں میں فارسی کی ترویج و ترقی میں ممد و معاون ہوئے؛

---

[1] دربار اکبری۔ ص ۱۰۶

اکبر کی حکمت عملی کے اصول ثلاثہ

اکبر کے اصول سلطنت نے ملک کو عموماً اور ہندوؤں میں فارسی تعلیم کو خاص طور پر زیادہ وسعت دی۔ اس کی یہ حکمت عملی تین موٹے موٹے اصولوں پر مبنی تھی۔ یعنی عام رواداری۔ تعلیم عوام۔ علوم و فنون خصوصاً ہند و علوم و فنون کی قدر افزائی۔

ہندوؤں کی طرف میلان

جہاں تک عام رواداری کا سوال ہے اکبر کے متعلق یہ مسلم ہے کہ وہ حکومت کے حاصل کرنے سے پہلے بھی اتنا زیادہ متقی نہ تھا۔ تصوف کی طرف وہ طبعی میلان رکھتا تھا۔ مسلمان صوفیوں سے اسے خاص عقیدت تھی۔ ان لوگوں کے طفیل اس کو ہندو جوگیوں سے بھی انس اور نیازمندی پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے اپنی حکومت کے پہلے ہی دور میں جذیہ اور ہندو مزارات پر سے محصول اٹھا دیا تھا۔ اسی زمانے میں اس نے ہندوؤں سے شادی بیاہ کے تعلقات قائم کیے۔ اور اس طرح سے راجپوت ہندوؤں کو سلطنت کے زیادہ قریب کر دیا۔ ابتدائے حکومت ہی سے ہندوؤں کو بعض اعلےٰ مناصب عطا کئے۔ اور مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ان کو بھی سلطنت میں دخیل بنایا۔

مذہبی معاملات میں وہ بہت زیادہ آزاد تھا۔ اس نے پادری اکوواکے سامنے یہ اعلان کیا کہ میں نے اپنے لڑکوں کو حسب مرضی مذہب قبول کرنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ اس نے عبادتخانے میں مختلف مذاہب کے علما کے درمیان ایک مباحثے کی مجلس قائم کی جس میں ہندو علما بھی برابر شریک ہوتے تھے۔ ایک برہمن اکبر سے اسی کے حرم میں ملاقات کیا کرتا۔ اور اس کے سامنے وید منتر پڑھا کرتا تھا۔ آخری زمانے میں ہندوؤں کی رسوم و عبادات کیطرف اس کی طبیعت میں اتنا میلان پیدا ہو گیا تھا کہ ان کی خاطر مسلمانوں کے ساتھ بے انصافیاں بھی کر بیٹھتا تھا۔ وہ مسلمان علما کی طرح بلکہ ان سے کچھ زیادہ ہندو علما کی خاطر داری کیا کرتا تھا۔ از راہ عزت۔ ہندو علما اور ماہرین فنون کو میاں۔ مرزا یا خاں کا لقب دیتا تھا۔

ہندو علوم کی قدر افزائی

ہندو علما و فضلا انعام و اکرام سے کبھی محروم نہیں کئے گئے۔ امرا و دربار بھی اکبر کی دیکھا دیکھی ہندو ارباب فن پر نوازشیں کیا کرتے۔ خان خاناں نے ایک موقع پر رام داس کلاونت کو ایک لاکھ روپیہ عطا کیا[51]۔ اس قسم کی فیاضیوں کا حال اگرچہ فیروز تغلق کے زمانے میں بھی ملتا ہے۔ لیکن نرندر ناناتھ لانے درست لکھا ہے۔ کہ اکبر کا زمانہ اس لحاظ سے ایک بہترین زمانہ تھا[52]۔

ایسی فیاض اور قدردان حکومت کے ماتحت علوم و فنون بے حد ترقی پاتے ہیں۔ چنانچہ اکبر کے زمانے میں ہر قسم کے علم و فن نے ترقی پائی۔

فارسی جو کہ گذشتہ زمانہ میں بالکل گر گئی تھی۔ اب پھر اٹھی اکبر کا عہد فارسی کے لئے بہترین زمانہ تھا۔ اس لئے کہ اسی زمانے میں فارسی میں بہترین تاریخیں مرتب ہوئیں۔ اور اور زبانوں کی کتابیں فارسی میں ترجمہ ہوئیں۔ اور ہر طرح کی تصنیفات کا ایک ذخیرہ جمع ہو گیا۔ ہندی نے بھی اکبری دور میں وسعت حاصل کی[53]۔ اکبر خود بھی ہندی میں شعر کہا کرتا تھا۔ ہندی اشعار میں اس کا تخلص "اکبر رسئے" تھا۔ خان خاناں کی زبان دانانہ قابلیت سب کے نزدیک مسلم ہے۔ "رحیم ست سائے" نام ایک کتاب اس کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ ہندی کا سب سے بڑا شاعر تلسی داس اسی زمانے میں پھلا پھولا۔ اگرچہ یہ معلوم نہیں کہ اسنے کبھی اکبر سے ملاقات بھی کی یا نہیں۔ اس کی تصنیف "رام چرترمانس" یا رامائن نہایت مقبول ہے۔ اور وہ ہندی کے باغ کا بہترین نونہال ہے[54]۔

جدید ہندی کی حوصلہ افزائی کے علاوہ اکبر ہندوؤں کے قدیم لٹریچر کا بھی نہایت مداح تھا۔ اس کا خیال تھا۔ کہ قدیم سنسکرت کی کتابوں میں آج کل کی نسبت تصنع۔ تکلف اور آورد کم تھی[55]۔

---

[51] بداؤنی۔ ج ۲۔ ص ۴۲

[52] نرندر ناناتھ لا پروموشن آف لرننگ۔ ص ۱۷۱

[53] گریرسن (دیباچہ) ونسنٹ سمتھ۔ اکبر۔ ص ۴۲۱

[54] ونسنٹ سمتھ اکبر۔ ص ۴۱۷ و مابعد

[55] بداؤنی ج ۲۔ ص ۳۲۰

اس نے ہندو علوم کے ہر شعبہ میں دلچسپی لی۔ چنانچہ مختلف علوم مثلاً شاعری۔ فلسفہ۔ ریاضی۔ الجبرا وغیرہ کی کتابوں کو فارسی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔ پہلی اسلامی حکومتوں میں بھی اگرچہ فارسی کتابوں کے تراجم کا حال ملتا ہے۔ مگر اکبر نے حد سے زیادہ توجہ کی۔

ملا عبدالقادر بدایونی نے ۹۸۲ھ میں "سنگھاسن بتیسی" کا ترجمہ کیا۔ اس کا نام "خرد افزا" رکھا۔[1] ۹۸۳ھ میں بھاون نام ایک پنڈت دکن سے آکر مسلمان ہو گیا۔ ملا بداؤنی نے اس کی معاونت سے "اتھر وید" کا ترجمہ شروع کیا۔ لیکن اس کو پورا نہ کر سکا۔ پھر شیخ فیضی اور حاجی ابراہیم تھانیسری نے یہ خدمت اپنے ذمے لی۔ لیکن یہ بھی اس کام کو ختم نہ کر سکے۔[2]

ملا بدایونی نے ۹۹۷ھ میں "رامائن" کا[3]۔ اور ۹۹۹ھ میں تاریخ کشمیر کا ترجمہ ختم کیا۔[4] ۱۰۰۰ھ میں متعدد علما کی متفقہ کوششوں سے مہابھارت کا ترجمہ کیا گیا۔ اس پر فیضی نے دیباچہ لکھا۔[5] ان کے علاوہ لیلاوتی۔ نل دمن۔ تاجک اور ہری بنس کے تراجم ہوئے۔[6]

عام تعلیم کا اصول اکبر "عام تعلیم" کو رائج کرنے والوں کا امام ہے اس کی سلطنت کا اس سلسلے میں سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس کے زمانے میں سکولوں کا عام رواج ہوا۔ اسی زمانے میں مشترکہ سکولوں کا افتتاح ہوا۔ نصاب تعلیم مقرر ہوا۔ ہندوؤں کے لئے خاص نصاب مقرر کیا گیا۔ چنانچہ ابو الفضل لکھتا ہے۔[7]

"اخلاق۔ حساب۔ سیاق۔ فلاحت۔ مساحت
ہندسہ۔ نجوم۔ رمل۔ تدبیر منزل۔ سیاست
مدن۔ طب۔ منطق۔ طبیعی۔ ریاضی۔ الٰہی۔
تاریخ۔ مرتبہ مرتبہ اندوزد۔ و از ہندی علوم بیاکرن
نیائی۔ بیدانت۔ پاتنجل برخوانند و ہر کس را
از بایست وقت درنگذرانند"

ابو الفضل لکھتا ہے کہ اس قسم کے قوانین نے مکاتب (اور مدارس) کو ایک خاص رنگ دیدیا۔ اور ان مدارس سے سلطنت کو بے حد رونق حاصل ہوئی۔ ابو الفضل فخر کے لہجے میں لکھتا ہے:۔[8]

"ازیں طرز آگہی مکتبہا رونق دیگر گرفت و مدرسہا فروغ تازہ یافت"

اس مقام پر ہم نرندر ناتھ لا کی کتاب "مسلمانوں کے عہد میں علمی[9] و ترقی" سے ایک اقتباس درج کرتے ہیں:۔

"غرض یہ اکبر کی دانشمندانہ اور منظم حکمت عملی تھی۔ کہ اس کے ذریعے ہندو علوم کی حفاظت کا انتظام کیا گیا۔ اس نے ہندو نوجوانوں کی تعلیم کا ان کی اپنی تہذیب کے مطابق بندوبست کیا اور پھر مدرسوں میں ہندو اور مسلمان طالب علموں کی مشترکہ تعلیم کو رائج کیا۔ عبادت خانہ میں ہندو علما کے ساتھ بحث و مناظرہ کا سلسلہ جاری کیا۔ اس نے ہندوؤں کی پرانی کتابوں کے ترجمے کا حکم دیا۔ جس سے اس کی ہندو تہذیب کی قدر دانی نیز اس کی اشاعت کے لئے جوش و خروش کا حال بخوبی معلوم ہوتا ہے۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ اس نے ممتاز علما و فضلا کی جو فنون لطیفہ مثلاً موسیقی اور مصوری میں خاص شہرت رکھتے تھے شاہانہ سرپرستی کی"۔

اس حکمت عملی کا اثر ہندو ذہنیت پر اکبر نے ان طریقوں سے ہندوؤں کو یقین دلا دیا تھا۔ کہ اُسے ان کے مذہب۔ ان کی روایات۔ ان کی تہذیب اور ان کے تمدن کے ساتھ خاص لگاؤ اور دلچسپی ہے۔ اپنی رعایا کے فوائد عامہ کے ساتھ اس گہری ہمدردی نے نہایت عمدہ نتائج پیدا کئے۔ اس طرز عمل نے پسماندہ اقوام کی مدتوں کی خوابیدہ ذہنی قوتوں کو حرکت دی اور ہر شعبہ عمل میں ایک خاص بیداری ایک خاص زندگی محسوس ہونے لگی۔ ہر جگہ

---

[1] بداؤنی۔ جلد ۲۔ صفحہ ۱۸۳ ۔ [2] بداؤنی۔ جلد ۲۔ صفحہ ۲۱۲ ۔
[3] بداؤنی جلد ۲۔ صفحہ ۳۶۶ ۔ [4] پروموشن صفحہ ۱۴۷
[5] بداؤنی جلد ۲ صفحہ ۳۹۹ ۔ [6] لا پروموشن۔ صفحہ ۱۴۷۔ و ما بعد
[7] آئین اکبری جلد ۱۔ صفحہ ۲۰۲ ۔ [8] آئین اکبری جلد ۱۔ صفحہ ۲۰۲
[9] پروموشن۔ صفحہ ۱۷۱ ۔

... جیسا کہ ہر امن ایام میں قاعدہ ہے۔ ہر ... میں ترقی کی تحریکیں پیدا ہو گئیں۔

راجہ ٹوڈرمل کا فرمان

ان حالات میں راجہ ٹوڈرمل نے اپنی شہرۂ آفاق اصلاحات کو ۱۵۸۲ء[1] میں رائج کیا۔ ان اصلاحات میں سے ہمیں صرف ایک فرمان سے مطلب ہے۔ اس نے تمام مملکت کے طول و عرض میں یہ حکم دیا۔ کہ تمام دفتری کام۔ فارسی زبان میں انجام دیا جائے۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس سے قبل دفاتر کا کام ہندی زبان میں انجام پاتا تھا۔ اس لئے ٹوڈرمل کی اصلاحات کے نفاذ پر ہندوؤں کی طرف سے ناراضگی کا اظہار موجبِ تعجب ہوتا اس لئے کہ اس تجویز کے ذریعے ہندوؤں کے مفاد کو سخت نقصان پہنچا تھا۔ لیکن تھوڑی بہت بے اطمینانی کے علاوہ کسی گوشے سے شدید ناراضگی کا مظاہرہ نہیں ہوا[2] جس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہندو اس تغیرِ حالات کو برداشت کرنے کے لئے آمادہ تھے۔ ہم نے اکبر کی جس معتدلانہ حکمتِ عملی کا ذکر کیا ہے۔ وہ ہندوؤں کی تالیفِ قلوب کے لئے کافی تھی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ حکومت کی ہر تحریک کو رعایا لبیک کہنے کے لئے تیار رہتی تھی۔ اور اس موقع پر بھی ہندوؤں نے بظاہر رضا و تسلیم کا شیوہ اختیار کیا۔ اس خاموشی اور رضامندی کی ایک اور وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے۔ کہ ہندوؤں کے بعض خاندان سکندر لودھی کے زمانے سے فارسی زبان سے آشنا چلے آتے تھے یہ امر قرینِ قیاس ہے کہ ان فارسی داں طبقات نے ہندی کی بجائے فارسی کے رواج کو اپنے مفاد کے لئے چنداں نقصان دہ نہیں سمجھا ہوگا۔ ان لوگوں کے علاوہ باقی ہندوؤں کے لئے یہ فرمان فارسی کی طرف ترغیب دینے والا ثابت ہوا۔ اور فارسی تمام ہندوستان کی سیاسی اور لطیف زبان قرار پائی۔

فرمان کی حیثیت اور اس کا اثر

غالباً یہ اقتصادی مجبوری تھی جس نے ہندوؤں کو فارسی کی طرف زیادہ تر متوجہ کیا[3]۔ اس فرمان نے انہیں یہ بتلایا کہ تاوقتیکہ وہ ملک کی شاہی زبان کو حاصل نہ کر لیں گے اس وقت تک انہیں ملازمت نہیں مل سکے گی۔ راجہ ٹوڈرمل نے یہ بات محسوس کر لی تھی کہ فارسی سے ناآشنا ہو کر اس کے ہم مذہب ملک کے معاملات میں صحیح طور پر حصہ لینے کے قابل نہیں ہو سکتے۔ اس فرمان کے رواج و نفاذ کے بعد ہندوؤں نے فارسی میں ہمہ تن مصروفیت کا اظہار کیا۔ اور ہم دیکھ رہے ہیں۔ کہ اٹھارھویں صدی عیسوی کے انجام پر ہندو لوگ فارسی میں مسلمان ہموطنوں کے برابر ہو گئے تھے[4]۔ کسے معلوم ہے۔ کہ اردو زبان کا کیا حال ہوتا۔ اگر یہ زبردست اختلاط کی صورتیں اور اسباب نہ پیدا ہوتے۔ جہاں راجہ ٹوڈرمل ہندوؤں میں فارسی زبان کو رواج دینے والوں کا پیشوا ہے وہاں اسے اردو زبان کے ترقی دینے والوں میں بھی شمار کرنا چاہئے۔

یہ ان اسباب کا سرسری سا خاکہ ہے۔ جس نے ہندوؤں کو ایک نئی شاہراہ پر قدم رکھنے کے لئے مجبور کیا۔ یعنی اب فارسی ۔ وہی ملیچھوں کی زبان ۔ عام ہندو لوگوں کے ہاں پڑھائی جانے لگی اس امر کو باور کرنے کے لئے ہمارے پاس وجوہ موجود ہیں۔ کہ پہلے پہل کائستھوں نے اس کا استقبال کیا۔ اس لئے کہ ان لوگوں میں پہلے ہی سے فارسی پڑھنے کا دستور چلا آتا تھا۔ نیز اس لئے کہ ہندوؤں میں صرف یہی لوگ منشی گری کا کام کرتے تھے۔ لہذا جونہی کہ دفاتر کی زبان تبدیل ہوئی۔ انہوں نے معمولی کام کاج میں اپنے آپ کو طاق کر لیا ہوگا۔ فرمان کے نفاذ سے زیادہ بے چینی کے نہ پیدا ہونے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہندوؤں کی خواندہ اور انشا پیشہ جماعتوں میں فارسی کی معمولی نوشت و خواند ضرور موجود ہو گی۔

فنونِ لطیفہ کو ضرور ترقی ہوئی

اس زمانے کا لٹریچر بہت کم ہے۔ اگرچہ ہندوؤں نے اس زمانہ میں فارسی کو کمال شوق سے پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ مگر کوئی خاص نتائج کتابوں کی صورت میں برآمد نہیں ہوئے۔ ہمیں ہندوؤں میں کوئی پائے کا مصنف نظر نہیں آتا جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہندو لوگوں نے ابھی تک زبان پر قدرت نہیں حاصل کی۔ جو تصنیف و تالیف کے لئے ضروری تھی۔ لیکن اکبر کی

---

[1] آئین (ترجمہ بلوخمن۔ صفحہ ۳۵۲) [2] آئین (ترجمہ بلوخمن صفحہ ۳۵۲)

[3] جرنل سوسائٹی بنگال ۱۸۷۱ء ستمبر۔ صفحہ ۱۰۸

[4] ... (ایریز...ل۔ صفحہ ۲۰۰) آئین (بلوخمن صفحہ ...)

ا یانہ سرپرستی اور حوصلہ افزائی نے ہندو قوم کے اندر جو زندگی پیدا کی
، فنونِ لطیفہ مثلاً موسیقی ۔ مصوری اور خوشخطی کی صورت میں ظاہر
رئی +

مصوری اس زمانہ میں مصوری کا ہندی ایرانی دلبستان ترقی پذیر ہوا ۔ اکبر کے درباری مصورین میں سے اکثر ہندو
ے ۔ مثلاً ابو الفضل نے آئینِ[1] میں ان لوگوں کو گنایا ہے :۔
ونت ۔ بساون ۔ کیسو ۔ لال مکند ۔ مادھو ۔ جگن ۔ مہیش کھیم
ن ۔ تارا ۔ ساَنولہ ۔ ہری بنس ۔ رام ۔ ابو الفضل کے نزدیک
ندوؤں کی تصویریں بہت ہی نفیس ہوتی تھیں ۔ اور ساری دنیا
ں بہت کم لوگ ان کا مقابلہ کرسکتے تھے +

بانکی پور لائبریری[2] میں تاریخ خاندانِ تیموریہ" کا ایک نسخہ موجود ہے
مصور ہے ۔ اور جس میں ان درباری مصورین میں سے اکثر کے "عمل"
جود ہیں ۔ پرسی براون لکھتا ہے[3] کہ اس "ہندی ایرانی دلبستان کے
م تو عبد الصمد اور میر سید علی ہیں ۔ لیکن باقی اکابر تمام تر ہندوؤں
ں سے ہیں ۔ یہ لوگ دربار میں کتابوں کو مصور کرنے کے لئے
لیے جاتے تھے +

موسیقی اس عہد میں موسیقی نے بھی بہت ترقی پائی ۔ ابو الفضل لکھتا ہے[4] کہ اکبر کے دربار میں ہندو ایرانی ۔ تورانی ۔
یری عورتیں اور مرد موسیقی داں موجود تھے ۔ یہ لوگ سات گروہوں
ہ منقسم تھے ۔ ہر گروہ کے لئے ہفتے کا ایک ایک دن مقرر تھا جبدن
ے اپنا فرض بجالانا پڑتا تھا ۔ نرندر ناتھ لا محولہ بالا کتاب میں لکھتا ہے[5]:

> "موسیقی کے میدان میں یہ چیز نظر نہیں آتی کہ ہندو
> مسلمان کب سے اور کس طرح ایک دوسرے سے
> استفادہ کرتے رہے ہیں ۔ ہر قوم دوسری قوم کے
> ذخیرۂ فن میں کس طرح اضافہ کرتی رہی ہے مسلمانوں کی
> حکومت کی ابتدا [illegible] ہم اس معاملے میں [illegible]
> تعاون و تناصر پاتے ہیں ۔ [illegible]
> شیرقی نے خیال کو ایجاد کیا ۔ لیکن اب وہ ہندو
> موسیقی کا جزو ہے ۔ "امر" و "صریدہ" جو خالصتہً ہندو
> موسیقی کے متعلق تھا ۔ اب مسلم موسیقی کا جزو لاینفک
> بن گیا ہے ۔ موسیقی کی موجودہ حالت صدیوں کے
> اختلاط اور خلط ملط کا پتہ دیتی ہے ۔ یہ اختلاط اکبر کے
> دربار میں کمال تک پہنچا" +

میاں تانسین ۔ جو کہ پہلے ہندو تھا ۔ اس زمانے کا بہترین موسیقی داں[6] تھا
رام داس کا درجہ علمِ موسیقی میں تانسین سے دوسرے درجے پر
تھا ۔ ابو الفضل[7] نے دربار اکبری کے ۳۶ ماہرین موسیقی کی جو فہرست
پیش کی ہے ۔ ان میں آگرے کا اندھا شاعر "سورداس" بھی شامل ہے
اس فہرست میں ان کے علاوہ کچھ اور ہندوؤں کے نام ہیں ۔
جن کے ساتھ خاں ۔ میاں وغیرہ کے الفاظ بھی شامل ہیں ۔ مثلاً
سری گیان خاں ۔ میاں چاند ۔ میاں لال ۔ رنگ سین ۔ اکبر کے
زمانے میں موسیقی کا علم نصف النہار تک پہنچا ۔ اور یہ نہایت مدلل
طور پر کہا جاسکتا ہے ۔ کہ اس فن کے کمال میں ہندوؤں کا کافی سے
زیادہ حصہ ہے +

خوشخطی خوشخطی کو مسلمانوں نے نہایت قدیم زمانے سے فنِ لطیف کی حیثیت سے ترقی دی ۔ پریس کی ایجاد سے پہلے یہ فن
اشاعت کتب اور ترویج علوم کا واحد ذریعہ تھا ۔ اکبر نے اس طرف بہت
توجہ کی ۔ اور خط کی مختلف انواع و اقسام میں کافی سے زیادہ
دلچسپی لی[8] ۔ چونکہ یہ فن زیادہ تر فارسی کے پڑھنے اور جاننے پر
موقوف ہے ۔ اس لئے اس وقت تک جبکہ ہندوؤں میں فارسی کا
عام رواج نہیں ہوا ۔ ہندو خوشنویس بہت کم ملتے ہیں ۔ راجہ
منوہر اور راجہ ٹوڈرمل جن کے متعلق ہم آگے چل کر تفصیل سے
لکھیں گے ۔ نہایت اچھے خوشنویس تھے +

---

[1] آئین ج ۱ ، صفحہ ۱۱۱ + [2] فہرست بانکی پور لائبریری جلد
۷ ، ۳۰ + [3] پرسی براؤن ۔ انڈین پینٹنگز ۔ صفحہ ۶۳ +
[4] آئین (بلوخمن ۔ صفحہ ۶۱۲)
[5] پروموشن ۔ صفحہ ۱۵۷ +

[6] پروموشن ۔ صفحہ ۱۵۵ + [7] آئین (بلوخمن صفحہ [illegible])
[8] آئین ۔ ج ۱ ۔ صفحہ ۱۱۲ ، ۱۱۳ بلوخمن صفحہ ۹۹ +

ہندوؤں کے فارسی لٹریچر کے ابتدائی آثار

خالص فارسی لٹریچر کا اس زمانے میں کوئی نام ونشان موجود نہیں تحقیق کے جدید و قدیم ماخذ کی تلاش کے باوجود کسی کتاب کا سراغ نہیں مل سکا۔ تاریخوں اور ہندوستان اور یورپ کی فارسی فہرستوں کی اوراق گردانی کی گئی۔ لیکن اس عہد میں کسی ہندو کی فارسی تصنیف نہیں مل سکی۔ ہاں کچھ فارسی دانوں کا حال معلوم ہوتا ہے۔ جنھیں بہرحال ہندوؤں میں فارسی لٹریچر کے ابتدائی آثار کے طور پر ذکر کرنا چاہیئے ٭

عہد اکبری کے فارسی دان ہندو (۱) راجہ ٹوڈر مل

اس ضمن میں ہم راجہ ٹوڈر مل کو کسی حال میں نظر انداز نہیں کر سکتے۔ جو ہندوؤں میں ایک بڑی حد تک فارسی کو رواج دینے والا تھا۔ ہمیں یہاں اس کی زندگی کے تفصیلی حالات سے کوئی سروکار نہیں۔ اس مقصد کے لئے ناظرین کو دوسری کتابوں کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ اس کی زندگی کے موٹے واقعات[۱] یہ ہیں۔ کہ وہ لاہر پور میں پیدا ہوا (نہ کہ لاہور میں جیسا کہ ماثرالامرا کے مصنف نے لکھا ہے) اس نے اکبر کے ماتحت پہلا ذمہ داری کا عہدہ ۱۰ سال جلوس اکبری میں حاصل کیا۔ ۲۲ سن جلوس میں وہ وزیر مقرر ہوا۔ ستائیسویں سال جلوس میں وہ دیوان مقرر ہوا اور ۹۹۸ھ میں فوت ہو گیا ٭

راجہ ٹوڈر مل کی فارسی قابلیت کے متعلق کوئی ٹھیک بیان نہیں دیا جا سکتا۔ اس نے اصلاحات رائج کیں۔ اور فارسی کو دفاتر کی زبان قرار دیا۔ ان امور سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسے فارسی میں اچھی خاصی قابلیت حاصل تھی۔ کیونکہ فارسی نہ جاننے کی حالت میں۔ راجہ اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکتا۔ لہذا یہ نتیجہ نکالنا بالکل صحیح ہے۔ کہ راجہ فارسی کے ایک اچھے واقف تھے۔ تذکرہ خوشنویسان کے مصنف کا بیان ہے۔ کہ ٹوڈر مل۔ از طائفہ کھتری۔ نویسندہ چابک دست و خطوط بہ خوشخطی و تمکی می نوشت بوسیلہ مظفر خاں برتبۂ وزارت اکبری رسیدہ ...... الخ

خلاصۃ التواریخ[۲] مصنفہ منشی سبحان رائے میں۔ راجہ ٹوڈر مل کی قابلیت کا حال ان الفاظ میں درج ہے :۔

"در دقائق سیاق و حقائق حساب بے نظیر و در علم محاسبات موشگاف ضوابط و قوانین وزارت و تنظیم احکام سلطنت و بندوبست امور مملکت و آبادی و معموری رعیت و دستور العمل کارہائے دیوانی و قانون اخذ حقوق سلطانی و افزونی خزانہ و ضبط ممالک و تادیب سرکشان و تسخیر ممالک و دستور مناصب امرا و مواجب سپاہ و دوامی پرگنات و تنخواہ جاگیر از ویادگار راست" ٭

ملا ابو الفضل راجہ کو تعصب کا الزام دیتا ہے۔ اور اگرچہ راجہ کی تدبر جرات ہوشیاری۔ اور بے نفسی کی تعریف کرتا ہے۔ مگر راجہ کی فارسی دانی کے کم وکیف کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں کہتا ٭

ٹوڈر مل کی تصنیفات خازن اسرار

شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد دربار اکبری میں لکھتے ہیں[۳]۔ کشمیر اور لاہور کے کہن سال لوگوں میں کتاب "خازن اسرار" اس کے نام سے مشہور ہے مگر کمیاب ہے۔ میں نے بڑی کوشش سے کشمیر میں جا کر پائی۔ لیکن دیباچہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ ۱۰۰۵ھ کی تصنیف ہے۔ حالانکہ خود ۹۹۸ھ میں مر گیا تھا۔ شاید اس کی یادداشت کی کتاب پر کسی نے دیباچہ لگا دیا ...... الخ"

خوش قسمتی سے خازن اسرار[۴] کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس کی ابتدائی سطور یہ ہیں :۔

"سپاس بے قیاس بحضرت مالک الملکی کہ خانۂ تن در وجود انسان را بہ چراغ عقل منور گردانید و بنور انصاف و معرفت بہروری شعاع انوار بخشید...

---

[۱] ماثر الامرا ... دلو جن۔ صفحہ ۴۲، ۳۴۳، ۳۵۲۔ نیز خلاصۃ التواریخ ۴۰۹ وما بعد۔ [...] اکبری ۱۹۵ وما بعد۔ [۱] تذکرہ خوشنویسان۔ صفحہ ۸ ٭

[۲] خلاصۃ التواریخ۔ صفحہ ۴۰۹ ٭ [۳] دربار اکبری صفحہ ۵۳۰ ٭

[۴] خازن اسرار (قلمی ق ۱)

..... راجہ ٹوڈرمل از دیرباز رہ گم کردۂ خارستان
جہل و نادانی بود۔ بہ رہبری کرم عمیم خویش۔ راہنمائے
گلستان معرفت گردانید ؎

اس اقتباس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کا مصنف
ں نامی کوئی شخص تھا۔ دیباچے میں اکبر بادشاہ کی مدح بھی موجود
کتاب نہایت دشوار اور فاضلانہ انداز میں لکھی گئی ہے۔ قرآن
ی آیات اور عربی ضرب الامثال اور اصطلاحات علمیہ کی اتنی
نی ہے کہ مصنف کی علمیت کا سکہ قلب پر بیٹھتا ہے اور قیاس کہتا
یہ اکبری عہد کے کسی ہندو کی تصنیف نہیں ہو سکتی۔ خواہ وہ
س ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بالکل روشن ہے۔ کہ یہ تصنیف (بلحاظ
) کسی اچھے انشا پرداز کی ہے۔ لیکن یہ معمہ کس طرح حل ہو۔
نف کا نام اور اکبر کی مدح جیسے ناقابل فراموش شواہد بھی موجود

رانند ہیں۔ بہرحال ہندی کی کتابوں میں تلاش کے
بعد ایک کتاب دستیاب ہوئی۔ جس کا نام ٹوڈرانند
اور راجہ ٹوڈرمل کی طرف منسوب ہے۔ مصر بند ہو و نود[1] کے
ق اس کے تین اجزا ہیں۔

(۱) دھرم شاستر (۲) جوتش اور (۳) طب۔ یہ ہر ایک
ت سے چھوٹے حصوں پر منقسم ہے۔ بیکانیر سنسکرت لائبریری[2] کی
ت کے بیان کے مطابق یہ ایک سنسکرت کتاب ہے۔

مندرجہ بالا کتاب کا اگر خازن اسرار کے ساتھ مقابلہ کیا جائے
دونوں کتابوں میں ایک مشابہت موجود ہے۔ ہماری رائے
خازن اسرار ٹوڈرانند کا ترجمہ ہے۔ لیکن ٹوڈرمل خود مترجم نہیں معلوم
بلکہ اس کا ترجمہ کسی اچھے انشا پرداز کے ہاتھوں عمل میں آیا ہے۔
ن میں کچھ فرق موجود ہے۔ لیکن تراجم میں اضافہ اور تخفیف دونوں کا
لن ہے۔ سنسکرت کتاب تین حصوں پر منقسم ہے اور خازن اسرار
نازل" پر مشتمل ہے۔ افسوس ہے کہ ٹوڈرانند کا کوئی نسخہ یہاں
دنہیں۔ ورنہ اس نظریئے کو ہم زیادہ تیقن کے ساتھ پیش کر سکتے

مر بند ہو و نود۔ ص ۲۹۵ ؎ [2] فہرست بیکانیر سنسکرت لائبریری
۳۴۴-۳۷۹ عدد ۷۴۸ ؎

بہرحال ہم خازن اسرار" کو دیکھیں، ٹوڈرمل کی تصنیف نہیں ...

بھگوت پران کہتے ہیں کہ راجہ ٹوڈرمل نے بھگوت پران کا فارسی
میں ترجمہ بھی کیا تھا[6]۔ لیکن اس خیال کی کسی تاریخی
شہادت سے تائید نہیں ہوتی اور نہ اس کے کسی نسخے کا ذکر کہیں موجود[7]

رسالہ حساب "یک رسالہ در فن سیاق" بھی راجہ کی طرف منسوب[8] ہے
لیکن معلوم نہیں کہ یہ رسالہ فارسی میں تھا یا ہندی
میں۔ کوئی عجب نہیں کہ یہ رسالہ فارسی میں ہی ہو۔

اکبری تراجم میں ہندوؤں کا حصہ اس عہد کی ایک نمایاں خصوصیت
یہ بھی ہے۔ کہ اس عہد میں سنسکرت
کتابوں کے ترجمے کا کام نہایت سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ شروع ہوا
بدایونی کے بیانات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کاموں میں
پنڈتوں سے بہت مدد لی گئی۔ اتھروید کا ترجمہ بدایونی کے سپرد کیا
گیا تھا۔ اور امداد کے لئے ایک پنڈت بھی مقرر کیا گیا تھا۔ اسی نوع کی
اور کئی مثالیں بھی موجود ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان فارسی تراجم
میں ان برہمنوں کی کوششوں کو بھی بہت حد تک دخل ہے۔ گویا وہ فارسی
کتابیں مسلمان فضلا اور برہمنوں کے مشترکہ کارنامے ہیں ؎

رائے منوہر توسنی یہ چیز نہایت ہی عجیب ہے کہ اکبر کے زمانے میں
ہم ایک ایسے ہندو شاعر کو دیکھتے ہیں۔ جسے
فارسی کے ساتھ بے نظیر شغف اور واقفیت ہے۔ اس کے خیالات
اسلامی تخیل میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اور اس کی زبان شستہ
اور صحیح ہے۔ یہ ہندو قوم کا سب سے پہلا فارسی شاعر" رائے محمد
منوہر توسنی" تھا۔ بدایونی اس کے حالات[9] میں لکھتا ہے:۔

"منوہر نام دارد ولد لون کرن راجۂ سانبر است
کہ در نمک زار مشہور است و ایں ہمہ نمک در سخن
او تاثیر ایں سرزمین است۔ صاحب حسن فریبے

[6] گریرسن۔ ص ۲۵ ؎
[7] دربار اکبری۔ ص ۵۲۹ ۔ امرائے ہنود۔ ص ...
[9] بدایونی۔ ج ۳۔ ص ۲۰۱ ؎

[illegible] دل اور احمد منوہر میخو اندند

[illegible] منوہر خطاب یافت و پدرش باجز

[illegible] افتخار و مباہات ہیں محمد منوہر مے

گفت۔ ہر چہ مرضی طبع بادشاہی نبود۔ طبع نظمی

دارد" از دست ؎

شیخ مستغنی بدین و برہمن مغرور کفر

مست حسن دوست را با کفر و ایمان کار نیست

بے عشق تو درد جگر لب بالب ناز است	بے درد تو در سرم سراسر خار است
بتخانہ و کعبہ ہر دو نزدم کفر است	ما را بہ یگانگی ایزد کار است

زمانے کہ تخلص بوسے داد ند ایں چند بیت گفتہ کہ ؎

شربت آشنا میا در بزم ما دُردی کشاں

کز جگر در کف کباب و خونِ دل در ساغر است

تنگ مروانست حرف از جان؛ دل گفتن بعشق

دل چو خوں سخت بستہ جاں چو بادِ صرصر است

توسنی بردہ سمندِ شوق در میدانِ عشق

مے رسی امین بہ مقصد رہبرت چوں اکبر است

از ہندوے چوں ایں قدر طبع شعر و حالت غریب بود ۔

ثبت نمودہ آمد۔

طبقات[1] اکبری میں لکھا ہے:۔

"رائے منوہر بن لون کرن از صغر سن در حجرۂ شفقت

حضرت الٰہی نشو و نما یافتہ ۔ در خدمت شاہزادۂ

کامگار سلطان سلیم بزرگ شدہ خط سواد پیدا

کردہ، سلیقۂ شعر بہم رسانندہ ۔ میگویدو کوسی (کذا)

تخلص دارد"

تزک جہانگیری میں لکھا ہے ۔۔

"منوہر کہ از قوم کچھواہاں سیکھاوت است و پدرش در خورد

سالی با دعنایت بسیارے کروند ۔ فارسی زبان بودہ با آنکہ از و تا بآدم

ادراک فہم بہ ہیچ یکے از قبیلہ او نمے تواں کرد ۔ خالی از فہمے نیست و

شعر فارسی مے گوید ۔ ایں بیت از دست ۔ ؎

غرض ز خلقت سایہ ہمیں بود کہ کسے

بنور حضرت خورشید پائے خود نہ نہد

صاحب مآثر الامرا نے یہ شعر انتخاب کیا ۔ ؎

یگانہ بودن و یکتا شدن ز چشم آموز

کہ ہر دو چشم جدا و جدا نمے نگرند

تذکرۂ خوشنویساں میں لکھا ہے :۔

"از صغر سن در حجرۂ شفقت حضرت خلیفۂ الٰہی

نشو و نما یافتہ در خدمتِ شاہزادہ کامگار سلطان

سلیم خط و سواد پیدا کردہ ۔ سلیقہ شاعری و خوشخطی

بہم رسانیدہ"

نشترِ عشق میں لکھا ہے ۔۔

"فکر شعر بروانی و سلاست می فرمود" او اول شعرائے ہنود است

کہ نامش تا ایرانِ زمیں رسیدہ میرزا صائبؔ مرحوم از کلام او ایں بیت

را کہ می آید۔ پسندیدہ داخلِ بیاضِ خود نمودہ باوجود ظلمت سرشتیٔ

خود را محمد منوہر مے نامد .... از اں خوش مقال است" ؎

از اثر یک نگاہ او ست مست	ہم بت و ہم بتکدہ ہم بت پرست

زاہد اکعبہ پرستی تو و ما دوست پرست

تو بایں عقل مسلمانی و من برہمنم

کرشنا داس | برٹش میوزیم لنڈن کی مطبوعہ کتابوں کی فہرست میں ہمیں ایک

اور کتاب ملی ہے جو کرشنا داس اکبری کی لکھی ہوئی ہے ؛

یہ کتاب نہایت مختصر سی ہے یعنی ۱۵۷ مصرعوں میں فارسی

سنسکرت کی ایک لغت تیار کی گئی ہے جس کی تیاری کا حکم خود

شہنشاہ اکبر نے دیا تھا۔ اگر برٹش میوزیم کی اطلاع صحیح ہے۔ تو یہ مختصر

سا مجموعہ ہمیں اس زمانے کے ترجمے کی سرگرمیوں کے سلسلے میں

کچھ مفید معلومات دے گا۔

(سید محمد عبداللہ ریسرچ سٹوڈنٹ

[1] طبقات اکبری ۔ ص ۳۰۰ ۔ منوہر توسنی کے مفصل حالات کے لئے دیکھو سفینۂ خوشگو ۔ (قلمی) ج ۲ ۔ ورق ۹۲ ۔ گل رعنا (فہرست بانکی پور لائبریری ج ۸ ۔ ص ۱۳)

[illegible] ج ۳ ۔ ص ۱۲۲ ز کلکتہ ریویو ۱۸۷۱ ۔ اپریل نمبر ز امرائے ہنود ۔ ص ۳۳۴

جذبات

(از جناب عزیز احمد صاحب عزیز صدیقی رامپوری)

تمنّا پر ہے ایسا دم بدم آزارِ تنہائی / کہ جس سے ہو گیا ہے جاں بلب بیمارِ تنہائی
کسی صورت سے اُٹھ سکتا نہیں اب بارِ تنہائی / نہ کوئی مونسِ غم ہے نہ کوئی یارِ تنہائی
فقط اک یاد ہے اُن کی جو ہے غمخوارِ تنہائی

کرے کیا چارہ گر فکرِ علاجِ عاشقِ محزوں / غضب ہے چشمِ پرنم اور آفت ہے دلِ پرخوں
شبِ فرقت خیالاتِ پریشاں رنجِ گوناگوں / الم ہے درد ہے غم ہے کسی کی یاد ہے میں ہوں
یہی ہیں یارِ تنہائی یہی غمخوارِ تنہائی

تمہارا غم عدو کا رشک اس پر دردِ جاں فرسا / ہزاروں آفتیں ہیں اور یہ کمبخت دل تنہا
نہ کوئی پوچھنے والا نہ کوئی دیکھنے والا / نہ کوئی دوست اپنا ہے نہ تم اپنے نہ دل اپنا
نہ مر جائے تو آخر کیا کرے بیمارِ تنہائی

غریقِ بحرِ الفت ہوں نظر آتا نہیں ساحل / نہ مرتا ہوں نہ جیتا ہوں عجب پیش آ گئی مشکل
تڑپنے لوٹنے رونے سے کچھ ہوتا نہیں حاصل / نظر آئے گی کب مجھ کو الٰہی گور کی منزل
کہاں تک طول کھینچے گا مرا آزارِ تنہائی

نہ یہ ممکن کہ اس کو اپنے پہلو میں کبھی پاؤں / نہ یہ قدرت کہ ظالم کو کسی حیلے سے بلواؤں
یہی ہے زندگی تو پھر یہ بہتر ہے کہ مر جاؤں / کسی کے ہجر میں یارب کہاں تک دل کو بہلاؤں
یہ کہہ کر رات آخر مر گیا بیمارِ تنہائی

جلا ڈالا کسی ظالم کے سوزِ ہجر نے مجھ کو / غرض کیا اب خوشی سے واسطہ کیا عیش سے مجھ کو
نظر آتے ہیں غم بے ڈھب فراقِ یار کے مجھ کو / الٰہی ضبط دے مجھ کو الٰہی صبر دے مجھ کو
کھٹکتا رہتا ہے ہر وقت دل میں خارِ تنہائی

ملے احباب بن کر حیف یارانِ دغل مجھ سے / خصومت ہو گئی ہر ایک شے کو بے محل مجھ سے
نہ خوش ہے زندگی مجھ سے نہ راضی ہے اجل مجھ سے / عزیز افسوس قسمت منحرف ہے آجکل مجھ سے
کہ اب ہر سمت آتا ہے نظر دیدارِ تنہائی

سیرِ جنّت

از جناب سراج الدین احمد نظامی بی اے

میرے خیال میں جنت کا تصور ہر ایک فرقے کے عقائد کا جزو لاینفک ہے دنیا میں ایسے فرقے بھی ہیں جو دوزخ کے قائل نہیں لیکن ایسا کوئی فرقہ موجود نہیں جو جنت کا معتقد نہ ہو مجھے اس کا علم نہیں کہ ننھی رضیہ کی جنت سے کیا مراد تھی لیکن اتنا کہہ سکتا ہوں کہ بہت سے لوگوں کے خیال میں اس کا تصور بہت کامران تھا۔

رضیہ میری دوست ہے۔ ہماری عمروں میں بہت بڑا فرق ہے۔ وہ آٹھ سال کی ہے اور میں چھبیس برس کا ہوں۔ تین مہینے ہوئے ہیں اسے اتوار کے دن نور گنج میں ملا۔ جہاں میرے ایک دوست کی دکان ہے۔ وہ اپنی لنگڑی بلی سے کھیل رہی تھی۔ جونہی میں اسکے پاس سے ہو کر گزرا وہ میرے ساتھ ٹکر کھا کر گر پڑی۔ دونوں طرف سے معذرت پیش ہوئی۔ اور ہم دوست بن گئے۔ اس نے تعارف کے طور پر کہا "میرے چار بھائی اور ایک بلی ہے۔"

میں نے جواب دیا۔ "اسی محلے میں میرے ایک دوست کی دکان ہے کیا تم مٹھائی کھاؤ گی؟"

اس نے سر ہلایا۔ اور میں اسے دوکان پر لے گیا۔ وہ بیٹھ گئی اور مٹھائی کھانے لگی اس کی لنگڑی بلی بھی پاس ہی بیٹھ گئی۔ اور مٹھائی کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی۔ رضیہ نے تھوڑی سی مٹھائی اس کے آگے ڈال کر کہا "کیا جنت میں بھی بلیاں ہیں یا نہیں؟"

میں نے اسکے بھولے پن پر ہنسکر کہا۔ "یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا ابھی تک فیصلہ نہیں ہوا۔"

رضیہ نے میری طرف غور سے دیکھا اور کہنے لگی "تمہاری دکان میں تو تم بلیاں لا سکتے ہو نا؟"

میں نے جواب دیا "ہاں لیکن جنت کے قانون اور ہیں۔"

رضیہ نے ایک زور دار مسافر کی سی آواز میں کہا۔ "میں جنت میں جانا چاہتی ہوں لیکن اگر وہ مجھے بلی کو ساتھ لانے کی اجازت نہ دیں۔ میں نہ جاؤں گی۔"

بعد ازیں دیر تک باتیں کر کے وہ چلی گئی۔

رضیہ محمد حنیف خوردہ فروش کی بیٹی تھی جو ایک چھوٹے سے مکان میں رہتا تھا جس میں صرف دو کوٹھڑیاں اور ایک صحن تھا وہ بہت ہی مفلس تھا۔ اور محنت مزدوری سے اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتا تھا۔ اسکی بیوی سلیمہ سینے پرونے کا کام کرتی، اور جو کچھ حاصل ہوتا اپنے بال بچوں کی پرورش پر صرف کر دیتی تھی۔

غربت و افلاس کے نقصانات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کی غلاظت کی عادت ہو جاتی ہے۔ جو دوزخ کا دوسرا نام ہے لیکن ہم سوچیں تو معلوم ہوگا کہ یہی افلاس دلوں میں جنت کا شوق اور ولولہ پیدا کر دیتا ہے۔ رضیہ جنت کی بہت شوقین تھی، اور یہی شوق تھا کہ جس کی بدولت اس کی زندگی میں "بید کے صندوق" کا واقعہ ظہور پذیر ہوا۔

بید کے صندوق کی تشریح کے لئے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ نور گنج ایک ایسا محلہ ہے جس میں غربا کی کثرت سے آبادی ہے۔ اسی غربت کو دیکھ کر بہت سے امرا نے ان کی مدد کی لیکن ایک عادل خاتون نے جس کا میں نام لینا نہیں چاہتا اس ذمہ داری کو سب سے زیادہ محسوس کیا اور ایک ایسا لنگر خانہ جاری کیا جہاں سے غربا کو اشیائے خورد و نوش میسر آسکتی تھیں۔

لنگر خانہ میں ہر روز باقاعدہ ایک بہت بڑا بید کا صندوق آتا جسکی آمد سے لوگوں میں ہلچل پڑ جاتی لوگ جمع ہو جاتے اور صندوق کو خاتون کی گاڑی سے اترتا دیکھ کر اتارنے والے سرخ پوش آدمیوں کی تعریفیں کرتے سرخ پوش آدمی اپنے کام میں بڑے ہوشیار تھے۔ وہ صندوق کو بڑی دقت سے اتارتے اور لوگوں کو عزت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ نور گنج کے لوگ اس خیرات کے واقعی شکر گزار تھے۔ یا یونہی نمائش کے طور پر خوش خوش کھاتے تھے لیکن تماشبینوں کے لئے یہ منظر واقعی دلکش ہوتا تھا۔

ننھی رضیہ کی اس وقت عجیب حالت ہو جایا کرتی تھی۔ اس کا خیال تھا

یہ صندوق جنت سے آتا ہے۔ وہاں دو سر خوش آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کرتی تھی، یہ دونوں فرشتے ہیں! اور اللہ میاں کی خیراتی گاڑی ہے۔

(۲)

ایک روز صبح کے وقت رضیہ اس صندوق کے پاس چند راز داری کی گفت و شنید کرنے کے لئے گئی۔ یہ بھاری صندوق لنگر خانے کے تنگ ایک کمرے میں پڑا تھا۔ اس کا قفل کھلا ہوا تھا۔ اور اس کے تسمے ڈھیلے تھے۔ رضیہ کے لئے یہ ایک معمولی واقعہ تھا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ وہ گلابو کو لے کر کمرے میں داخل ہوئی۔ وہاں پہنچ کر اس نے ذرا تامل کیا کہ شاید صندوق کچھ کہے لیکن افسوس اس متبرک صندوق سے کوئی آواز نہ نکلی۔ رضیہ نے بڑھ کر اس کا ڈھکنا اٹھایا اور پانچ منٹ بعد ایک خوفزدہ مگر با ارادہ اور ایک حیرت زدہ مگر وفادار بلی صندوق میں پہلو بہ پہلو بیٹھ گئیں۔ اور اوپر سے ڈھکنا بند کر لیا۔ دنیا ان کی نظروں سے غائب ہو گئی۔ ابھی مشکل سے وہ بیٹھی ہی تھی کہ لنگر خانے کے دروازے پر گاڑی کی گھنٹی کی آواز سنائی دی۔ رضیہ نے خیال کیا کہ فرشتے آ رہے ہیں۔ اس نے مضبوطی سے گلابو کو پکڑ لیا۔ کمرے میں دو آدمی داخل ہوئے۔ ایک نے دوسرے سے کہا "اسے اٹھا کر گاڑی میں رکھ دو۔"

دوسرے فرشتے نے اکڑ کر جواب دیا "خود رکھ لو نا، کیا میں تمہارا نوکر ہوں"

کچھ توقف کے بعد اس صندوق کو اٹھایا۔ اور کہنے لگا۔ "آج یہ غیر معمولی طور پر بھاری معلوم ہوتا ہے۔"

دوسرے نے جواب دیا۔ "کچھ پرواہ نہیں تم اسے گاڑی میں رکھ دو۔"

انہوں نے صندوق کو گاڑی میں رکھ دیا اور تھوڑی دیر میں یہ بہشتی گاڑی اپنی منزلِ مقصود کو چلدی۔ رضیہ نے گلابو سے کہا۔ "ارے گلابو! ہم جنت جا رہے ہیں۔"

سفر کچھ زیادہ طویل نہ تھا ——— اس سفر سے بہت چھوٹا تھا۔ جسے انسان اتنا لمبا خیال کرتے ہیں۔ گاڑی ٹھہر گئی اور فرشتوں نے صندوق اٹھا کر ایک تنگ و تاریک جگہ میں رکھ دیا۔ رضیہ اس وقت تک انتظار کرتی رہی، جب تک اسے یقین نہ ہو گیا کہ وہ چلے گئے ہیں۔ وہ صندوق سے نکلی ارد گرد اندھیرا تھا۔ اور کمرے سے بو آتی تھی، رضیہ نے سوچا، وہ کسی غلط مقام پر آ پہنچی ہے۔ لیکن کچھ دیر بعد اسے سیڑھیاں دکھائی دیں اور کہنے لگی "مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ یہاں سیڑھیاں ہوں گی۔"

وہ گلابو کو لیکر اوپر چڑھی۔ اوپر پہنچ کر اس نے ایک دروازہ کھلا ہوا پایا جس سے ایک آراستہ دکھائی دیا۔ وہ اس میں سے گزرتی ہوئی ایک اور دروازے کے پاس پہنچی جس کے آگے ایک خوشنما بیل دار پردہ پڑا تھا۔ اور کمرے کے اندر ایک عالیشان کمرہ تھا۔ رضیہ نے حیرانی سے کہا۔ "ہم جنت میں آ گئے ہیں!"

یہ ایک کشادہ اور آراستہ پیراستہ کمرہ تھا چھت میں ایک جھاڑ تھا۔ اور دیواروں پر رنگارنگ کی تصاویر آویزاں تھیں۔ رضیہ کے ابا محمد حنیف کا مکان اس کے پاسنگ بھی نہ تھا لیکن ہم کون ہیں کہ جنت اور دنیا کا مقابلہ کریں؟

کمرے کے وسط میں ایک چمکدار میز پر چاندی کی سینی میں سیب کیلے سنگترے اور انگوروں کے گچھے چنے رکھے تھے رضیہ آہستہ سے آگے بڑھی۔ اور سینی میں سے ایک سنگترہ اٹھا کر کھانے لگی۔ ابھی کھا ہی رہی تھی کہ اسے اپنے انتخاب کی ماہیت معلوم ہو گئی۔ وہ چھلکے کو کیا کرے؟ وہ اب اسے سینی میں نہ رکھ سکتی تھی۔ وہ عجیب تذبذب کی حالت میں تھی۔

اسی اثنا میں اسے کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی اس نے نا امیدی سے صاف ستھرے کمرے کو دیکھا اور سنگترے کا چھلکا وفادار گلابو کے منہ میں دے دیا۔ پھر اس بارعب موٹے آدمی کی طرف دیکھنے لگی جو کمرے کے سرے پر کھڑا اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ بلاشک و شبہ یہ ایک عالی مرتبہ فرشتہ تھا۔ اس کا کوٹ بڑا قیمتی تھا جس پر ریشمی دھاگے کے گل بوٹے بنے ہوئے تھے۔ وہ رضیہ کے قریب آ کر کہنے لگا "تم کون ہو۔ اور کہاں سے آئی ہو؟"

اس نے جواب دیا "میں رضیہ ہوں اور نور گنج سے آئی ہوں۔ کیا یہاں بلیوں کے لانے کی اجازت ہے؟"

"ہاں کیوں نہیں"

رضیہ نے خوشی سے کہا۔ "تو پھر یہ بہشت ہی ہو گی"

فرشتہ کہنے لگا۔ "اچھا میں کسی خادمہ کو بلاتا ہوں"

وہ چلا گیا رضیہ اس کی طرف حیرانی سے دیکھتی رہی۔ اس نے سوچا شاید یہ صرف بلیوں ہی کو یہاں رکھتے ہوں سب لوگوں کو یہاں آنے کی اجازت نہ ہو۔ [illegible] پوچھیں تو میں کہدوں گی کہ مجھے یہاں مدعو کیا گیا ہے [illegible] داخل ہوئی۔ رضیہ اور گلابو کو دیکھ کر کہنے لگی [illegible]

[illegible] میں یہاں رہنے کے لئے آتی ہوں کیونکہ مجھے [illegible] گیا تھا۔

[illegible] بڑی حیران ہوئی لیکن یاد آنے پر بولی "ہاں شاید تم ہی خاتون [illegible] میرے ساتھ ساتھ آؤ میں منتظمہ کو بلاتی ہوں۔

[illegible] کے پیچھے پیچھے ایک کمرے میں پہنچی۔ اور ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ بلاؤ اس کے پاس بیٹھ گئی۔ اتنے میں ایک سفید پوش حور اٹھلاتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور رضیہ سے کہنے لگی "ہاں تو تمہیں سنانے کی ضرورت ہوگی۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ تم آ رہی ہو۔ خدایا یہ کونسا حیوان ہے؟"

اس کی نگاہیں بلاؤ پر پڑی تھیں، جو جانی لئے ہی تھی۔ رضیہ نے کہا "یہ حیوان نہیں بلکہ بلی ہے۔"

حور نے کہا "اچھا"

رضیہ جس نے اپنے حقوق پر قائم رہنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ کہنے لگی "اسے بھی یہاں رہنے کی اجازت ہے؟"

حور نے کہا "ہاں پیاری مجھے یہ پہلے ہی بتا دیا گیا تھا۔"

بعد ازیں ہم حور، رضیہ، اور بلاؤ متعدد کمروں میں سے... ہوتی ہوئی ایک کمرے میں پہنچیں۔ یہ غسل خانہ تھا۔ دس منٹ بعد حور نے رضیہ کو نہلانا شروع کیا۔ رضیہ نے اپنے دل میں خیال کیا کہ جنت ایک ایسی جگہ کا نام ہے جس میں ایک انسان مسرت حاصل کر سکتا ہے۔ نہانے کے بعد حور نے ایک نرم تولیہ سے اس کا بدن صاف کیا اور ایک سفید چادر میں لپیٹ کر آرام کرسی پر بٹھا دیا۔ اور کہنے لگی میں نے تمہارے نئے کپڑے منگوائے ہیں۔ یہ بہت بیلے ہیں۔"

رضیہ نے جواب دیا۔ "ہاں"

حور چلی گئی اور رضیہ کسی اور عجوبہ کی انتظار میں بیٹھی رہی۔ تھوڑی دیر بعد وہی سفید پوش حور چینی کی دو رکابیوں میں کچھ کھانا لائی جس کی خوشبو سے کمرہ مہک اُٹھا۔ رضیہ نے ان کی طرف نگاہیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا اور کہا "کیا یہ سب میرا حصہ ہے؟"

حور نے جواب دیا۔ "ہاں لیکن جو چیز تمہیں پسند نہ ہو چھوڑ دو"

رضیہ نے [illegible] سے کہا "نہیں میں کچھ نہ چھوڑوں گی؟

[illegible] ایک آدھ گھنٹہ کرسی پر لیٹ گئی اور اونگھنے لگی

اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ لیکن چند لمحوں کے بعد ایک دلکش آواز نے جگا دیا۔ اس نے آنکھیں کھول کر حور کو اپنے اوپر جھکا ہوا پایا۔ پاس ہی کرسی پر نئے کپڑے رکھے تھے۔ حور نے کہا۔ "یہ لو تمہارے کپڑے آ گئے"

رضیہ جوش مسرت سے اُچھل پڑی۔ حور نے اسے کپڑے پہنائے اور تھوڑے سے عرصے میں رضیہ ایک عمدہ پوشاک میں ملبوس نظر آنے لگی۔ کی شکل اس قدر تبدیل ہو گئی کہ بیچاری بلاؤ حیران ہو کر کرسی کے نیچے چھپ گئی۔ حور نے کہا اب ہم اوپر چلیں گے۔"

(۳)

حور رضیہ کا ہاتھ پکڑ کر سیڑھیوں سے ہوتی ہوئی ایک عالیشان [illegible] میں پہنچی۔ اس کمرے میں ایک عورت بیٹھی چائے پی رہی تھی جس کے [illegible] موٹا فرشتہ چائے دانی لئے کھڑا تھا۔ اس عورت کے پاؤں کے [illegible] ایک نرم گدیلا تھا جس پر تین خوبصورت برف سی سفید بلیاں کھیل رہی [illegible] اُس عورت کی ہیئت سے اس کی عظیم الشان شخصیت عیاں تھی۔ شا[illegible] ملکہ فردوس تھی۔ حور نے رضیہ سے کہا۔ "تم خواہ کچھ کرو۔ لیکن بلیوں کی [illegible] کرنا نہ بھولنا۔"

حور رضیہ کو چھوڑ کر آگے بڑھی اور چند الفاظ ملکہ فردوس سے کہے [illegible] نے اپنا شاہانہ سر بلند کیا۔ اور کہا "نرگس! ابھی تو یتیم خانہ سے کوئی بچہ نہیں [illegible] غیب حور ایک قدم پیچھے ہٹ گئی اور چھاتی پر ہاتھ رکھ کر کہنے [illegible] "شاید آپ کو مغالطہ ہوا ہو۔"

ملکہ نے جواب دیا۔ "نہیں میں یقین سے کہتی ہوں"

حور نے شرمندگی سے کہا۔ "مجھے اس کا بہت افسوس ہے [illegible] کو بھی ایسا سمجھ رہی ہوں۔"

ملکہ نے کہا۔ "ٹھہرو! یہ ایک خوبصورت لڑکی ہے بچی ادھر آ۔"

رضیہ ڈرتی ڈرتی آگے بڑھی۔ ملکہ نے کہا "تمہارا نام کیا ہے؟"

اُس نے جواب دیا "رضیہ"

ملکہ نے بغور دیکھ کر کہا۔ "یہ بہت عجیب بات ہے، شاید وا[illegible] مغالطہ ہوا ہو۔ ہاں تو تم یہاں کس طرح آئیں؟"

رضیہ نے سادگی سے جواب دیا۔ "میں صندوق میں آئی ہوں"

ملکہ اور حور نے تعجب سے کہا۔ "صندوق میں!"

رضیہ نے سر ہلایا اور پھر محسوس کر کے کہ گفتگو کو بدلنے کا یہ عمدہ موقعہ ہے
میں بلیوں کی بڑی شوقین ہوں۔"

ملکہ کے چہرے پر تبسم ظاہر ہوا۔ اور اُس نے حوّر سے کہا "دراصل
یہ یہاں ٹھہرانے کا خیال بُرا نہیں کیوں تمہاری کیا رائے ہے۔

حوّر نے جواب دیا۔ میری رائے میں یہ حضور کی مہربانی ہوگی کہ آپ
سے یہاں ٹھہرائیں۔"

ملکہ کہنے لگی۔ "ہاں اور یہ بلیوں کے لئے ایک اچھی سہیلی ثابت ہوگی۔
میں اکثر سوچتی تھی کہ بلیوں کو ایک اچھے ہمجولی کی ضرورت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

اچانک وہ خاموش ہوگئی۔ اور ایک خوفزدہ چیخ مار کر کہنے لگی۔
"خدایا یہ کیا ہے؟"

رضیہ اور حوّر دیکھنے کے لئے پلٹیں، تینوں بلیوں نے غرّانا
شروع کر دیا۔ کمرے کے دروازے سے ایک بلی دوڑی آ رہی تھی۔ جو
دوڑتے ہوئے لنگڑا رہی تھی۔ یہ گلابو تھی اُس نے رضیہ کی طرف محبت بھری نگاہوں
سے دیکھا اُس نے کہا۔ "اری گلابو مجھے تیرا تو خیال ہی نہ تھا۔"

اس نے گلابو کو اٹھا کر چھاتی سے لگا لیا۔ اس وقت اسے اپنے
خوبصورت کپڑے بھی بھول گئے۔ اتنے میں ملکہ جو بلیوں کو چپ کرانے میں
کامیاب ہوگئی تھی کہنے لگی۔ "فیروز!"

موٹا فرشتہ آگے بڑھ کر کہنے لگا۔ "حضور!"

ملکہ نے کہا۔ "اس عجیب بلی کو میری نظروں سے دور کر دو۔ اسے
جلدی مکان سے باہر نکال دو۔"

فیروز نے سر جھکا کر کہا۔ "بہتر سرکار"

لیکن رضیہ نے گلابو کو مضبوط پکڑ لیا۔ پھر فرشتے کی طرف دیکھ کر
کہنے لگی۔ "نہیں تمہیں یہ نہ دوں گی ہرگز نہیں" سفید پوش حوّر آگے بڑھ کر کہنے
لگی۔ "شاید میرے کہنے پر وہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

ملکہ نے بات کاٹ کر کہا۔ "ٹھہرو ابھی فیصلہ کئے دیتی ہوں۔ رضیہ
اگر تم چاہو تو یہاں ٹھہر سکتی ہو لیکن ایک شرط پر اور وہ یہ کہ اس ڈراؤنی بلی
کو چھوڑ دو۔"

رضیہ نے ایک منٹ تامل کیا۔ خوبصورت کمرے کا نقشہ اس
کی آنکھوں کے سامنے آگیا۔ غسل خانہ کھانا عمدہ لباس یاد آگیا لیکن گلابو کا

خیال آتے ہی اُس کا چہرہ سُرخ ہوگیا۔ اور اُس نے ملکہ کی طرف دیکھ کر
کہا۔ "میں گلابو کو نہ چھوڑوں گی"

چند لمحے خاموش رہنے کے بعد ملکہ بولی۔ "فیروز"

فیروز نے کہا "حضور"

ملکہ نے تحکمانہ لہجہ میں کہا۔ "جلدی گاڑی تیار کر کے اس بچی کو گھر
چھوڑ آؤ۔"

فیروز نے جواب دیا۔ "بہتر حضور"

موٹا فرشتہ چلا گیا، ملکہ نے دردانگیز لہجہ میں کہا "غربا کی زندگی
گذاری بہت کاہش انگیز ہوتی ہے، میں نہیں جانتی کہ دُنیا کو کیا ہو گیا ہے"

چند دن بعد رضیہ مجھے نور گنج میں ملی۔ وہ اپنی گلابو سے کھیل
رہی تھی۔ اُس نے کہا۔ "میں جنت میں گئی تھی۔ وہ کچھ ایسی اچھی نہیں۔ میں
مٹھائی کھانا چاہتی ہوں۔"

میں اسے دُکان پر لے گیا۔ وہ مٹھائی کھانے لگی اور میں خیالات
میں مستغرق ہوگیا۔ میں نے رضیہ کے فلسفے کو سمجھنے کی بہت کوشش کی
لیکن افسوس کہ میں اُس الجھی ہوئی گتھی کو نہ سلجھا سکا۔ (سراج)

غزل

(از حضرت سحبان الہند علامہ کیفی چریاکوٹی)

تیرہ روزی نشیمن کا یہی انجام تھا
اس میں جل بجھنے کو گویا میں چراغِ شام تھا

اس کے در پر پھوڑنے سر مجھ کو لایا ہی جنوں
یعنی قسمت سے جو سودا تھا وہ بالکل خام تھا

رکھ دیا ساقی نے لا کر مے کشوں کے بیچ میں
مست آنکھوں کا اتارا ساغرِ گلفام تھا

تند مے وہ مجھ کو ساقی نے پلائی بار بار
سر مرا چکر میں شکلِ گردشِ ایام تھا

نام تو تھا اس کا لب پر اضطرابِ یاس میں
کام ہی میں تھا اگر میں عمر بھر ناکام تھا

ہائے وہ رفتار اس کی جھوم کر مستانہ وار
نقشِ پا تھا میرے دل میں اور زمیں پہ گام تھا

تھی اسیرِ سادگی شوقِ آزادی مری
کیا خبر؟ کس کا قفس تھا؟ اور کیسا دام تھا

چونک اٹھے جس قدر تھے خاک میں سوئے ہوئے
یعنی مر مٹنے پہ میرے حشر کا کہرام تھا

اک نظر کی اس کی جانب لٹ گئے سب عقل و ہوش
چشمِ ساقی مست تھی دستِ کرم میں جام تھا

پوچھتا کوئی نہیں ہے میری عمرِ خلد کو
زندگی کے دو دنوں کے واسطے بدنام تھا

جنبشیں چتون کی اس کے اور بزمِ غیر میں
مجھ سے پردے میں زبانِ دل کے کچھ پیغام تھا

ترک دو عالم کئے تھے میں نے اک اس کیلئے
کفر سب کہنے لگے جس کو مرا اسلام تھا

مل گیا سب کو بہ قدرِ ظرف کیفی حشر میں
عمر بھر کے بعد ساقی کا یہ فیضِ عام تھا

قدیم مصریوں کا طرزِ معاشرت

ایک بیحد دلچسپ مضمون

(از جناب سجاد ہاشمی چنیوٹی)

مصریوں کا زمانۂ قدیم زیادہ تر ان کے مشہور شہر تھیبس سے متعلق ہے۔ یہ شہر قدیم زمانہ کے نہایت مشہور اور عظیم الشان شہروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ بادشاہوں نے اپنا پرانا دارالسلطنت ممفس کو خیرباد کہکر اپنے محلات تھیبس میں بنوائے۔ یہ شہر مصر کے شمال میں واقع تھا۔ اور اس کی عظمت وشوکت کی شہرت دور ونزدیک پھیل گئی۔ اس کے اردگرد ایک نہایت مستحکم فصیل تھی۔ جس میں کہ ایک سو دروازے تھے۔ اس شہر میں نہایت عالیشان مندر اور خوب صورت محلات تھے۔ جن میں سے امین کا مندر خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ یہ ایک بہت وسیع مندر تھا۔ اس کی تکمیل میں تقریبًا چار سو سال لگے۔ اس میں نہایت خوبصورت بت اور ستون تھے۔ ان کے کھنڈر اب بھی ملتے ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے۔ کہ قدیم مصر کا فن عمارت کس قدر بلند پیمانے پر تھا۔

مندروں کے ساتھ پہاڑیاں تھیں۔ ان میں وادیاں تھیں یہاں بادشاہ زمین دوز کمروں میں دفن کئے جاتے تھے۔ اور ان کمروں کو نہایت احتیاط سے بند کیا جاتا تھا۔ تاکہ قبروں کا زر و مال کہیں ڈاکوؤں کے ہاتھ نہ لگے۔ ان عجیب وغریب خزانوں سے جو کہ نوجوان بادشاہ ٹتنا کمن کی قبر سے نکلے ہیں۔ (جو چند سال ہوئے کھود دی گئی تھی)، ہمیں قدیم شاہانِ مصر کی عظمت وجلال کا کافی پتہ لگا ہے۔ اس بادشاہ کی وفات کو تین ہزار سال گذر گئے۔ اور گو یہ اتنا مشہور بادشاہ نہیں تھا۔ جتنے کہ دوسرے بادشاہ ہیں۔ جن کے مقبرے اسی وادی میں ہیں۔ مگر ان عالیشان خزانوں زر و مال اور دیگر عجائبات نے جو کہ اس کی قبر سے برآمد ہوئے ہیں اس بادشاہ کی شہرت کو دوبالا کر دیا ہے۔ ایک چٹان کے اندر کھودے ہوئے کمرے میں تین سونے کے بنے ہوئے صندوق تھے۔ جو کہ ایک دوسرے کے اندر پڑے تھے۔

انہی صندوقوں کے پاس ٹتنا کمن کا قدِ آدم بت رکھا تھا۔ جو کہ نہایت نادر جواہرات سے آراستہ تھا۔ اسی کمرے میں بادشاہ کے روزمرہ کے استعمال کی چیزیں تھیں۔ مثلاً تیر کمان۔ ہاتھی دانت وغیرہ۔ دوسرے کمرے میں غلاموں کے نہایت اعلےٰ منقش بت تھے۔ کیونکہ مصریوں کا عقیدہ تھا۔ کہ ان غلاموں میں پھر جان آجائے گی۔ اور اگلی دنیا میں اپنے آقا کی دل وجان سے خدمت کریں گے۔

یہ سب چیزیں تو ایسی حالت میں تھیں کہ معلوم ہوتا تھا ابھی کل تیار ہو کر آئی ہیں۔ اور جب ہم یہ چیزیں قاہرہ کے عجائب خانہ میں دیکھتے ہیں۔ تو ہمیں یہ ایسی خوبصورت اور تازہ معلوم ہوتی ہیں۔ کہ ہم باور نہیں کرتے۔ کہ ان کے بنانے والے ہزاروں برس سے زمین میں دفن ہیں۔ اور ان چیزوں کو دیکھ کر ہماری آنکھوں کے سامنے اسی زمانے کی تصویر پھر جاتی ہے۔ مقابر میں نکلی ہوئی قدیمی ستاروں اور نفسریوں کے راگ ظاہر سنائی دیتے ہیں۔ قلموں اور رنگین دواتوں کے نظارہ سے ان کے [illegible] کا تصور آنکھوں کے سامنے بندھ جاتا ہے۔

ہم نے قدیم مصریوں کے طرزِ معاشرت کی [illegible]

سکتا ہے۔ جو چند مقبروں اور مندروں کی عجیب و غریب آراستہ و پیراستہ دیواروں پر منقش تھیں۔

کئی قبروں سے نہایت قیمتی تحریرات بھی ملی ہیں۔ یہ تحریریں ایک خاص قسم کے کاغذ پر لکھی ہوئی ہیں۔ جسے وہ ایک قسم کی لکڑی کے گودے سے بناتے تھے۔ اس کو پلندے کی مانند لپیٹا جاتا تھا۔ چنانچہ بعض اوقات اس پلندے کی طوالت ڈیڑھ سو فٹ تک پہنچ جاتی تھی۔

مصری موجودہ فن تحریر سے ناواقف تھے۔ وہ تصاویر سے اپنے خیالات کو قلمبند کرتے تھے۔ پہلے پہل تو ایک تصویر ایک لفظ کے لئے مقرر تھی۔ لیکن اس طرح وقت بہت خرچ آتا تھا۔ اس لئے لوگوں نے جلدی لکھنا سیکھا۔ لیکن ضروری دستاویزات انہی تصاویر کے ذریعہ لکھی جاتی تھیں۔ یہ تحریرات بذات خود اپنی خوبصورتی کے باعث فن لطیفہ کا ایک عمدہ نمونہ تھیں۔ بہت مدت تک محققین اس طرز تحریر کو بالکل نہ پڑھ سکے۔ لیکن آخر کار انہیں ایک پتھر شہر روزیٹا کے مندر میں ملا۔ جو تین مختلف السنہ میں کندہ تھا۔ ان میں سے ایک تو یہی تصویری طریقہ تھا۔ دوسری وہی طرز تحریر جو مصری جلدی لکھنے لگے تھے اور تیسری یونانی زبان تھی۔

دطراس، نام کتاب مصریوں کی ایک افضل کتاب تھی۔ اس کے کئی حصے تو میناروں سے بھی زیادہ قدیم ہیں۔ اس کی ایک جلد ہر مشہور آدمی کی قبر میں رکھی جاتی تھی۔ اس میں سانپوں اور دوسری بلاؤں سے محفوظ رہنے کے لئے اُن تعویذوں کا ذکر تھا جن پر مصریوں کا پکا اعتقاد تھا۔ ایسی ہی تحریرات سے پتہ چلتا ہے۔ کہ مصری کئی دیویوں اور دیوتاؤں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ انہیں سورج سب سے افضل دیوتا مانا جاتا تھا۔ اس کے بعد اوزی رز کا درجہ تھا جو کہ کبھی انسان کی صورت میں دنیا میں رہ چکا تھا۔

ایک قدیم افسانے کے مطابق اوزی رز مصر کا ایک نہایت پارسا بادشاہ ہو گزرا ہے۔ اسکو لوگ بہت چاہتے تھے۔ کیونکہ وہ نہایت عدل اور انصاف سے حکمرانی کرتا تھا۔ لیکن اس کا ایک بھائی سیت نامی بہت مکار تھا جو اس سے حسد رکھتا تھا اور اس سے سخت [illegible] تھا۔ آخر کار سیت نے اپنے بھائی اوزی رز کو قتل کرنے کی سازش کی۔ اس نے بادشاہ کو ایک ضیافت میں دعوت دی۔ اس موقعہ پر اس کے اور بھی کئی ایک دوست آئے ہوئے تھے۔ جو اس ارادے سے پوری طرح آگاہ تھے۔ ضیافت کے اختتام پر اس نے ایک نہایت خوبصورت جڑاؤ صندوق نکالا۔ اور اسے ایک ایسے شخص کو بطور تحفہ دینے کا اعلان کیا جو اس میں پورا آسکے۔ ہر ایک مہمان نے آزمائش کی مگر بے سود۔ آخر کار بادشاہ اوزی رز صندوق میں لیٹا۔ اسے سیت اور دوسرے سازشیوں نے فوراً ڈھکنا بند کر دیا اور اسے قید کر کے اس صندوق کو دریائے نیل کے گہرے پانی میں دھکیل دیا۔ اس کی ملکہ کو اس کی موت کا بہت صدمہ ہوا۔ اسنے تمام ملک میں اس کی تلاش کی لیکن کچھ سراغ نہ ملا۔ آخر کار اسے دریا کے ساحل پر وہ صندوق مل گیا۔ اس کے رنج و غم کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب اس نے ڈھکنا کھول کر دیکھا کہ اس میں بادشاہ کی لاش ہے۔ ابھی وہ رو پیٹ ہی رہی تھی کہ وہی قاتل بھائی سیت آگیا۔ اسے اپنے گناہِ عظیم کا راز فاش ہو جانے پر بڑا غصہ آیا اور اس نے بھائی کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے بڑی دور دور پھینک دیئے۔ ملکہ نے پھر کمر ہمت باندھی اور تمام ٹکڑوں کو اکٹھا کر کے خاوند کی لاش کو دفن کیا۔ آخر کار اوزی رز کا بیٹا ہورس جب جوان ہوا۔ تو اس نے اپنے چچا سیت کو لڑائی کا پیغام بھیجا۔ اور اسے شکست فاش دی۔ تب تمام دیوتا اکٹھے ہوئے انہوں نے فیصلہ کر دیا کہ اوزی رز حق پرست تھا۔ اور سیت نے ناحق اس کا خون بہایا۔ چنانچہ انہوں نے اوزی رز کو دیوتا بنا دیا۔ اور سیت بدی کی روح سے پکارا جانے لگا۔

اور بھی کئی دیوتا تھے۔ کسی کا سر بیل سے مشابہ تھا تو کسی کا بلی کی مانند۔

لیکن منجملہ ان سب دیویوں کے جنگ کی دیوی سب سے زبردست تھی۔ اس کا سر شیر نی کے سر کی طرح تھا۔ مردوں کے محافظ دیوتا کا سر گیدڑ کا سا تھا۔ اور یہ دیوتا دیوتائے اعظم کہلاتا تھا۔ بادشاہ دنیاوی دیوتا تھا اور پارسا دیوتا کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

قدیم باشندے دریائے نیل کی پرستش کیا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ ان کے کھیتوں کو سیراب کرتا تھا۔ ان کے عقیدے کے مطابق دریائے نیل کے اتار چڑھاؤ کی وجہ مزمز دیوی کے آنسو تھے۔ جو وہ اپنے خاوند اوزی رز دیوتا کی وفات پر بہاتی تھی۔

دریائے نیل کی طغیانی کے موقع پر کئی میلے لگتے تھے۔ پادری لوگ دریا میں سونا پھینکتے تھے۔ تاکہ زیادہ پانی چڑھے۔ اس سے پہلے ایک نوجوان اور حسین لڑکی کو زرق برق پوشاکیں پہنا کر بطور قربانی دریا میں پھینکتے تھے۔ لیکن بعد ازاں یہ قبیح رسم بند ہو گئی۔

ایسی کئی اور تحریریں ان کی روزمرہ زندگی کے حالات زبانِ حال سے بیان کرتی ہیں۔ ایک میں میلوں کے حالات مفصل درج ہیں۔ میلے ایک فراخ جگہ پر لگتے تھے۔ وہاں مویشی۔ بھیڑیں۔ بکریاں۔ گھوڑے۔ اونٹ۔ گائے اور بیل تبادلے پر ملتے تھے۔ کیونکہ سکہ ابھی رائج نہیں ہوا تھا۔ سوداگر اور کسان اپنی چیزیں لئے ہوئے بیٹھتے۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ تبادلہ کیا کرتے۔ بعض اوقات اسی بنا پر تنازعے ہو جایا کرتے۔ کبھی وزیر صاحب بھی آکر مارکیٹ کا ملاحظہ کرتے۔ اور دیکھتے کہ لین دین ایمانداری سے ہو رہا ہے۔ یا نہیں۔ غرضیکہ میلہ تمام دن بڑی دھوم دھام سے رہتا۔ سارا دن شور مچا رہتا تھا۔ آخر کار شام کو لوگ گھر لوٹ جاتے اور مارکیٹ پھر سنسان ہو جاتی۔

آہستہ آہستہ لین دین کے لئے سونے چاندی کی انگشتریاں استعمال ہونے لگیں۔ شادی کے وقت جو آج کل دولہا اور دولہن کو انگوٹھی دی جاتی ہے۔ اس زمانے میں اس کا آغاز ہوا۔ ایک اور پرانی تحریر سے ہمیں ایک امیر خاندان کی روزمرہ زندگی کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ بیگم صاحبہ گھر کی نگہبانی کرتی تھیں۔ غلام اور لونڈیاں گھر کے کام کاج کرتے تھے۔

اسی طرح ہمیں ایک قبر سے بچوں کی کتابیں ملی ہیں۔ جن سے ہمیں ان کے طریقہ تعلیم کا حال معلوم ہوتا ہے۔ سب سے پہلے والدین ان کو بذریعہ لقاویر لکھنا سکھاتے جب بچے اس میں خوب ماہر ہو جاتے تو انہیں عالموں فاضلوں کی تحریرات نقل کرنی پڑتیں۔ حساب میں ان کو صرف جمع تفریق کے قاعدے ہی سیکھنے پڑتے تھے ان لڑکوں کا لکھنا پڑھنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ ذرا سی غلطی پر کوڑوں کی سزا ملتی۔ کیونکہ مصریوں کی یہ ضرب المثل مشہور تھی۔ "بچوں کے کان پشت پر ہوتے ہیں۔ وہ سنتے ہی تب ہیں جب ان کو خوب پیٹا جائے"۔

ابتدائی تعلیم کے بعد اگر کسی لڑکے کو پادری بننا ہوتا۔ تو اسے مندر سے ملحقہ کالج میں داخل کرایا جاتا۔ اور اگر اسے ڈاکٹر بننا ہوتا تو اسے قدیم مصری تحریرات کا بغور و خوض مطالعہ کرنا پڑتا تھا۔ جو مصریوں کے اعتقاد کے موافق کسی بادشاہ نے لکھی تھیں۔ ان میں تمام امراض کا طریقہ علاج درج ہوتا تھا۔ مریضوں کا علاج انہیں دواؤں سے کیا جاتا تھا۔ جو کہ کتاب مذکورہ میں لکھی ہوتی تھیں۔

یہ ادویہ عجیب قسم کی تھیں۔ کسی میں مینڈک کی ٹانگ پڑتی پڑتی تھی۔ تو کسی میں چھپکلی کی۔ بعض امراض صرف جنتر منتر سے زائل کئے جاتے تھے۔ شاہی طبیبوں پر عزت اور دولت خوب نچھاور ہوتی تھی۔ مگر دیگر طبیبوں کو اجرت ایک پرانے رواج کے مطابق ملتی تھی۔

باصحت رہنے کے دوران میں تو مصری لوگ اپنے بالوں کو استرے سے صفاچٹ کرا دیتے تھے۔ لیکن مرض کی حالت میں بالوں کو بڑھنے دیا جاتا تھا۔ جب کوئی مریض بیماری سے شفا پاتا تو اس کے بال پھر بڑھنے دیئے جاتے۔

[illegible] ان باتوں سے [illegible] ظاہر ہے کہ یہ طریقہ مریض کو شفا دینے کی [illegible] حالات سے ہمیں ایک نہایت قدیم اور عظیم الشان [illegible] روزمرہ زندگی کا [illegible] چلتا ہے۔ اور حالات معلوم ہوتا ہے۔ کہ [illegible] شاندار تھا۔

. . . .

. . . .

طوفانِ نوح

ناخدائے سخن فصیح العصر تاج الشعراء حضرت نوح ناروی

مجھے اٹھاتے ہیں لیعن پارسا زمانے کے ۔ کہ جیسے خود ہیں وہ مالک شرابخانے کے
کہیں فسوں کے کرشمے کہیں فسانے کے ۔ تصرفات خصوصی ہیں یہ زمانے کے
جو سانحات محبت تھے ہر زمانے کے ۔ حروف غم وہ بنے سب مرے فسانے کے
وفا سے کام نہ لینگے حسین زمانے کے ۔ ڈھلے ہوئے ہیں یہ سب ایک کارخانے کے
نئے طریق سے ہر شخص اس کو کہتا ہے ۔ بہت سے ہو گئے حصے مرے فسانے کے
طبیعت آئی، بلا آئی، موت بھی آئی ۔ یہ واقعات ہیں سب ایک ہی زمانے کے
ہوئے ہیں پھر تو ہماری نظر میں کیوں نہ پھریں ۔ بھرے بھرے خم و ساغر شرابخانے کے
کسی کا عشق چھپائے سے چھپ نہیں سکتا ۔ پکار اٹھتے ہیں الفاظ اس فسانے کے
وہ روز عید ہے روز جزا اسے کہو ۔ ملیں گے حشر میں بچھڑے ہوئے زمانے کے
جہاں جہاں ہیں طلبگار حق یہاں آئیں ۔ کہ قفل کھل گئے اب سرمدی خزانے کے
رہینگے قرب حرم میں بھی ہم تو اے ساقی ۔ وہی قدیم دعاگو شرابخانے کے
کہاں سے آ گئے کیونکر ملے اب اسکو نہ پوچھ ۔ مرے فسانے میں ٹکڑے ترے فسانے کے
ہزار بھیس بدل کر تجھے تلاش کریں ۔ تمام سلسلے ہم ہو چکے زمانے کے
وہ آئے میری طرف چاند کس طرف نکلا ۔ بہت دنوں میں پھرے دن غریب خانے کے
کھلا ہے عقدہ دل ... یہی حال ۔ چلیں گے تیر پہ چھاڑیں نشانے کے

جدا جدا وہ بنے یاد کرنے والوں میں ۔ الگ الگ جو ورق تھے مرے فسانے کے
چلے ہیں جانب میخانہ اس امید میں ہم ۔ کہ باکمال ملینگے یہیں زمانے کے
طواف کرنے کو قبلہ سے ابر اٹھتا ہے ۔ یہ مرتبے ہیں ہمارے شرابخانے کے
کہیں فنا ہو نہ سرمایۂ وفاداری ۔ بنے ہیں ہم محافظ اب اس خزانے کے
وہ لائے جاتے ہیں محشر میں روبکاری کو ۔ گڑے ہوئے تھے جو مردے کسی زمانے کے
مجھی سے پوچھئے میں ہی انہیں بتاؤنگا ۔ بہت ادق ہیں مضامین مرے فسانے کے
وہ پھر بہائیں مرے دل میں حسرتوں کا لہو ۔ نقوش ہو گئے دھندلے نگارخانے کے
کبھی یہ کہتے ہیں ڈھائے ہیں ہم نے ظلم و ستم ۔ کبھی وہ کہتے ہیں کہ تک ہیں یہ زمانے کے
سمجھ میں جب نہیں آتے تو ہم سمجھتے ہیں ۔ شرابیوں سے مسائل شرابخانے کے
تعلقات وفا و جفا نے کھول دیا ۔ نشانے تیر کے ہیں تیر ہیں نشانے کے
زمانہ ہو گیا گذرے ہوئے زمانے کو ۔ مگر خیال میں ہیں خواب اسی زمانے کے
سنے جو عرش نشیں تو کہو گی کس سے کہیں ۔ بلند ہیں مراتب مرے فسانے کے

بیان کشتی و طوفان کا مشغلہ دن رات
جناب نوح ہیں شاید اسی زمانے کے

عاقبت بخیر

از جناب "ڈرامی"

ارکانِ ڈراما

عسکری مرزا }
امراؤ مرزا } ... ناکام عاشق

نواب سرشت الدولہ زعفران زار جنگ }
بدرقطانوی۔ المعروف ممن } ... ملازم عسکری

معصفر نواز جنگ قافلہ قنبی المعروف بدھن ... ملازم امراؤ مرزا

مچھو خاں ... والد قمرن

منظور ... خادم قمرن

قمرن جان۔ ادا ... دختر مچھو خان

لاڈو خانم۔ نزاکت ... برادرزادی مچھو خاں

گویے وغیرہ ...

مقام ... دہلی

پوشاکیں ... دہلی والوں کی

وقت ... آجکل

سین

ایک مکمل طور پر آراستہ کمرہ نشست کا کوئی سامان نہیں

پردہ اُٹھنے پر قمرن اور لاڈو کرسیوں پر بیٹھی اخبار دیکھ رہی ہیں۔ سٹیج کے ایک سرے پر قمرن کی اور دوسرے پر لاڈو کی کرسی ہے عسکری قمرن کے پاس اور امراؤ لاڈو کے پاس کھڑا ہے۔

عسکری۔ پراگندہ ہونے کو آیا مگر آپ نے چھوٹے منہ سے بھی کچھ نہ فرمایا۔

قمرن۔ اونٹ بڈھا ہوگیا مگر اسے بیٹھنا نہ آنا تھا۔ نہ آیا۔

(کرسی سرکاتی ہے)

امراؤ۔ زبان کہتے کہتے سوکھ گئی۔ ٹانگیں کھڑے کھڑے شل ہوگئیں۔ مگر میرے سوال کا جواب نہ ملا۔ اگر چندے یہی حالت رہی تو سمجھ لیجئے کہ میرا کام تمام ہے۔

لاڈو۔ بندی کا اس عجلت اور زود لپسندی کو دور ہی سے سلام ہے

(کرسی سرکتی ہے)

قمرن۔ زود لپسندی اور دور۔ واہ سبحان اللہ روانی طبیعت اسی کا نام ہے

لاڈو۔ آداب تسلیم

(دونوں کھڑی ہو کر دیر تک آداب بجالاتی ہیں)

عسکری۔ یہ ڈراما میں نے جی بھر کے دیکھ لیا ہے۔ اب کچھ سمجھ نہ فہ... مطلب یہ کہ غلامی میں قبول ...

قمرن۔ چل بے بھول (کرسی سرکتا ہے)

امراؤ۔ خلاصہ کہہ ڈالئے تا میری [illegible] منظور ہے

لاڈو۔ عرض کو طول دینا محض بیکار ہے۔ [illegible]

[illegible] بیٹھتے نسوانیت حسنِ تکلم پر قربان دکری سرکتی ہے)
[illegible]۔ ماشاء اللہ کیا پھول جھڑتے ہیں آپ کے منہ سے عرض طول۔ جوہر
[illegible] نسوانیت۔ جان قربان واہ وا۔
(عسکری۔ امراؤ مڑ کر ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں تو [illegible]
بیٹھے بیٹھے ایک دوسرے کو جھک جھک کر سلام کرتی کرسی سرکاتی اندر
چلی جاتی ہیں۔)

عسکری۔ ایک دفعہ اور

امراؤ۔ فی الفور

(ڈٹتے ہیں کوئی دکھائی نہیں دیتا)

عسکری۔ کیا ہے

امراؤ۔ صرف اتنا کہ دو واڑھیوں نے دو دستاروں کی پگڑی اچھال دی اور بس۔ (ہنستا ہے)

عسکری۔ دانت نکالنے کا کون محل ہے یہ۔ ذرا متانت سے گفتگو کرو

امراؤ۔ (منہ بنا کر) متانت ہی سہی۔

عسکری۔ بری ہوئی۔

امراؤ۔ کوئی سنے گا تو کیا کہے گا۔

عسکری۔ میرا تو ڈوب مرنے کو دل چاہتا ہے۔

امراؤ۔ میرا دل زندہ رہنے کو چاہتا ہے کہ اس حماقت کی یہی سزا ہے

عسکری۔ سیدھے منہ بات تک نہ کی۔

امراؤ۔ بیٹھنے کو کرسی تک نہ دی۔

عسکری۔ کوئی کسی کمینے سے یہ سلوک نہیں کرتا

امراؤ۔ کوئی کسی پاجی سے یوں کلام نہیں کرتا

عسکری۔ سزا دینے کو دل چاہتا ہے

امراؤ۔ بشرطیکہ کوئی ایسا قانون پاس کرا دے

عسکری۔ (ایک طرف دیکھ کر) ہم دیکھو میرا لوکر ممن۔

امراؤ۔ (دوسری طرف دیکھ کر) یہ آؤ دیکھو میرا بدھن

عسکری۔ دونوں شاعری کا دم بھرتے ہیں۔

امراؤ۔ اپنی زبان دانی اور لیاقت پر مرتے ہیں

عسکری۔ [illegible]

(ممن اور بدھن داخل ہوتے ہیں۔ ایک طرف سے ممن دوسری طرف سے بدھن۔ ممن کے گلے میں ایک تختی پڑی ہے جو پیٹ کے وسط تک پہنچتی ہے۔ اس تختی پر قلم بھی چل رہی ہے۔ اور ایک کتاب کھلی ہے۔ ممن نے چشمہ لگایا ہے اور پڑھ رہا ہے۔ ایک ہاتھ میں برش اور دوسرے میں بوٹ ہے جو بھی صاف کئے جا رہا ہے۔

بدھن بھی اسی طرح ایک کتاب پڑھ رہا ہے ایک ہاتھ میں چاقو اور دوسرے میں شلغم ہے (اسے چھیل رہا ہے)

عسکری۔ قبلہ حاجات۔ باعثِ نجات۔ ارشاد صادر فرمائیے اور جان نثار کی سرفروشی ملاحظہ فرمائیے۔ زمین شعر کو آسمان، ذرے کو مہر تاباں، حیوان کو انسان بنانا میرا کام ہے۔ کیونکہ بندہ ایک شاعرِ شیریں کلام مطربِ خوش الحان ہے۔ ابھی ابھی ایک رباعی ہوئی ہے

زاہد ہو کر جو شغل سے چھوڑ دیا　　اللہ رے فساد خون بدن چھوڑ دیا
فریاد ہے مجھ کو شکستہ دل کی یارب　　توبہ کی دوستی نے مجھے توڑ دیا

امراؤ۔ دیکھو بدھن

بدھن۔ اے باعثِ نشوونما۔ دادِ سے در و بے دو داد کلام کو کشتی نطق میں غلطاں دیکھنے کا انتظار ہے۔ بیابان حماقت کو نسیم فراست سے پریشان دیکھنے کا انتشار ہے۔ جناب جوش سلمہ نے اپنے دو اشعار میں وجدانیات، جمالیات، ذہنیات، حسیات، واہیات کو بند کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ اہا اہا کس شان سے فرماتے ہیں۔۔۔۔ ارشاد ہوتا ہے ؎

مرے کمبخت پہلو میں انی بھالے کی رہنے دو
تڑپ بجلی کی ہونے دو، ٹپک چھالے کی رہنے دو
نہ یوں ساز طرب چھیڑ، فلک تک جس سے گونج اٹھے
فضا میں غافلو کچھ تو جگر نالے کی رہنے دو

عسکری۔ سنو ممن۔ بدھن آج تمہاری لسانی اور زباندانی کا امتحان یہاں دو لڑکیاں ہیں۔ جو بہت دون کی لیتی ہیں۔ اگر انہیں اپنی فصاحت سے رام کرو۔ تو بڑا کام کرو۔ بدائیں لکھ لو۔ اور باقی تمہاری طبیعت

ممن۔ حاضر۔ مگر جناب کپڑے

عسکری۔ ہمارے لے لو

بدھن۔ جناب داڑھی کے لئے خضاب

امراؤ۔ میرے استروں سے اڑا دو

(ممن۔ بدمعن جاتے ہیں۔ مچھو خاں داخل ہوتے ہیں)

مچھو خاں۔ حضرات آپنے قمرن اور لاڈو سے ملاقات کی۔ کہئے کیسی گزری۔

عسکری۔ انہیں سے پوچھئے۔

امراؤ۔ ہم فقط آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

(عسکری ایک اور امراؤ دوسری طرف سے چلے جاتے ہیں)

مچھو۔ الٰہی خیر یہ تو کچھ کھوئے ہوئے سے معلوم ہوتے ہیں۔ دریافت کرنا چاہیئے۔ آخر انہیں ہوا کیا۔ ارے کوئی ہے۔

(منظور آتا ہے)

منظور۔ اپنے کو آپ نے پکارا۔

مچھو۔ بیگمات کہاں ہیں۔

منظور۔ سنگار گھر میں براج رہی ہیں۔ حضور۔ ہونٹوں کو جلانے کے لئے ٹھنڈی آگ بناتی ہیں۔

مچھو۔ سرخی، غازہ، سرمہ۔ بس دن بھر یہی کام۔ بلاؤ اُن کو

(منظور جاتا ہے۔ قمرن اور لاڈو آتی ہیں)

مچھو۔ اُن شرفا سے کیا سلوک کیا جو وہ بھاگتے نظر آتے تم سے میں نے کہا تھا۔ کہ اُن سے با خلاق پیش آنا۔ کہ وہ شادی پر رضامند ہو جائیں

قمرن۔ ابا۔ کیا آپ ہم سے یہ توقع رکھتے ہیں۔ کہ ایسے بدتمیزوں کو منہ لگائیں۔

لاڈو۔ ابا کیا کسی سمجھدار لڑکی سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ انہیں آنکھ بھر کر دیکھنا بھی گوارا کرے۔

مچھو۔ آخر ان میں کیا عیب ہے۔

قمرن۔ عجب بے ہنگم انسان ہیں۔ چھوٹتے ہی شادی کا پیغام۔

مچھو۔ تو انہوں نے کیا بُرا کیا۔ نہایت شریفانہ طریق سے دعوت ازدواج دی۔ اور تم جیسی ناچیزوں کو بیاہنے پر آمادہ ہو کر میری اور تمہاری عزت افزائی کی۔

قمرن۔ ابا معاف کرنا۔ یہ الفاظ زبان پر لا کر آپ اپنے بیہودہ پن کو طشت ازبام کر رہے ہیں۔ آپ کو اس طرح سرگرم تکلم دیکھ کر مجھ پر گھڑوں پانی پڑ رہا ہے۔ اب شہر میں گئے ہوتے تو [illegible]

مچھو۔ بس بس۔ تہذیب و تمیز بیٹھے ہیں شادی کیک [illegible] پیمان ہے۔ اور انہوں نے جو کچھ کیا نہایت شریفانہ [illegible] ازبس پسند ہے۔

قمرن۔ اگر دنیا آپ جیسی گنوار ہوتی تو محبت کی رنگینیاں ختم ہو جاتیں۔ اور لیلےٰ مجنوں، وامق و عذرا، اور ہیر رانجھا کا قصہ لٹریچر سے خارج ہو جاتا۔

مچھو۔ سڑن ہو گئی ہو کیا۔ کوئی ٹھکانے کی بات کرو۔

لاڈو۔ میری بہن کا مجھ سے اتفاق ہے کہ شادی بغیر کسی چلے بن کے ناروا ہے۔ جو مرد شادی کا خواہاں ہو۔ اُسے جاننا چاہیئے۔ کہ ٹھنڈی سانسیں کیسے بھرتے ہیں۔ نالہ گردوں شگاف کسے کہتے ہیں۔ اور بلند بانگ وعدے وعید کس طرح ہوتے ہیں۔

قمرن۔ ہر بات کا اب قاعدہ بندھا ہے۔ اور شادی کے یہی مقبول عام اصول ہیں۔ پہلے کہیں دور دور سے آنکھیں لڑیں۔ پھر تعارف ہو۔ اور میل ملاقات کی راہ کھلے۔

لاڈو۔ اور مرد کوئی ایسا عظیم الشان کام کرے کہ تمام عالم نسواں ہمہ تن تحسین بن جائے۔

قمرن۔ اس کے بعد مرد کسی باغ کی پرسکون خلوت میں اپنی محبت کا اظہار کرے۔

لاڈو۔ ہم اس پر فوراً بگڑ کھڑی ہوں۔ اور کچھ دنوں کے لئے وہ مرد ہمارے یہاں باریاب نہ ہو سکے۔

قمرن۔ پھر وہ ہمیں منانے کی کوشش کرے۔ اور آہستہ آہستہ وحشی طبیعت کو اپنے جذبات کا متحمل بناتے اور ہمیں با دل ناخواستہ شادی کے اقرار کرنے پر آمادہ کرے۔

لاڈو۔ پھر ایک رقیب پیدا ہو۔ اور جلنے رقابت کی آگ بھڑکے

قمرن۔ جب یہ مرحلے طے ہو۔ تو والدین شادی پر رضامند نہ ہوں

لاڈو۔ اور لے بھاگنے تک نوبت آ جائے۔

قمرن۔ جب اتنے پاپڑ بیلے جائیں تو۔

لاڈو۔ کہیں شادی ہو تو ہو۔

... کو ... ہمارے شریفوں میں شادیاں ایسے نہیں ہوتیں۔

قمرن۔ ملیں تو ایسے ہوتی ہیں کہ جس نے آکر سوال کیا بیٹی کو اس کے بھیک کے ٹھیکرے میں ڈال دیا۔ آپ جیسے ناعاقبت اندیشوں نے ذی علم اور ... کار خواتین کو بازاروں کی مٹھائی بنا رکھا ہے۔ ان کا منہ تھا ہم سے شادی کا سوال کرنے کا۔ غضب خدا کا نہ بات کرنے کا سلیقہ نہ کپڑے پہننے کا قرینہ چلے میاں فضیحتا جورو بیاہ لانے کو۔

مچھو۔ معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں آکر تمہارا سر پھر گیا ہے قسم لے لو جو کچھ بھی سمجھا ہوں۔ کہ کیا کہہ رہی ہو۔ لاڈو اور قمرن خوب کان کھول کر سنو۔

قمرن۔ معاف کرنا ابا۔ ہمیں پھر ان ناموں سے نہ پکارنا جن میں ادبیت نام کو نہیں۔ یہ دقیانوسی نام ہمیں پسند نہیں۔ جو تخلص کے کام نہیں آسکتے۔

مچھو۔ کیا اب اپنے نام بھی تمہیں پسند نہیں، تو پھر تمہیں کس نام سے پکارا جائے

قمرن۔ مجھے "ادا" کہئے اور انہیں "نزاکت"

لاڈو۔ یہ ہمارے تخلص ہیں اور مہذب سوسائٹی کا ہر رکن تخلص ہی سے یاد کیا جاتا ہے۔ نام لینے سے گنوارپن کی جھلک نظر آتی ہے۔

مچھو۔ یہ تمام بک بک۔ جھک جھک فضول ہے۔ میں دو لفظوں میں فیصلہ کئے دیتا ہوں۔ میں تمہیں کوئی اور نام نہ رکھنے دوں گا اور تمہیں ان سے شادی کرنی پڑے گی۔ خدا غارت کرے ان سنیما تھیٹروں اور آنہ سیریز ناولوں کو جنہوں نے بچوں کے اخلاق کو تباہ کر ڈالا۔ (جاتا ہے)

لاڈو۔ بہن تمہارے ابا کو کیا ہو گیا۔ سمجھ کے پیچھے لٹھ لئے پھرتے ہیں پتھر پڑ گئے ہیں بیچارے کی عقل پر۔

قمرن۔ اب میں کیا کہوں۔ اب سے دور انہیں ابا کہتے لاج آتی ہے۔ باور نہیں آتا کہ میں ان کی بیٹی ہوں۔ شاید کسی سے مانگ کر لیا ہو بہن دیکھ لینا۔ ایک دن دنیا پر ظاہر ہو جائے گا کہ میں کسی بلند پایہ ادیب کی بیٹی ہوں۔

لاڈو۔ یہ ممکن ہے۔ اور جب مجھے یہ خیال۔

(منظور آتا ہے)

منظور۔ ایک آدمی باہر کھڑا ہے۔ پوچھتا ہے۔ ملنے آؤں ...

یہ کاغذ دیا ہے۔

لاڈو۔ ابھی تک بات کی تمیز نہ آئی۔ گدھا کہیں کا۔ یوں کہنا ... کہ ایک صاحب تشریف لائے ہیں۔ یا صاحب نے تشریف ارزانی ... ہے۔ یا قدم رنجہ فرمایا ہے اور یہ کارڈ پیش کرتے ہیں۔

منظور۔ بیگم۔ میں شاعر نہیں، جو ایسی باتوں سے سر کھپاؤں۔ ... کمہار کا مجھے رام سے کام۔

لاڈو۔ اچھا۔ کارڈ لا۔ (کارڈ لیکر) باجی نواب سرشت الملک ... زار جنگ بدر قطانوی۔

قمرن۔ نواب اور ادیب۔ دیکھتی ہو۔ بدر تخلص۔ قطانوی کنیت ...

لاڈو۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ادیب ہمارے علم و فضل کی شہرت سن کر آیا ہے۔ آؤ جھٹ پٹ بال سنوار لیں۔ منظور جلد ہمارا ... حسن لاؤ۔

منظور۔ یہ کس جانور کا نام ہے۔ اب بندوں کی سی باتیں کر ... کوئی کچھ سمجھے۔ یہ فارسیاں کون بوجھے۔

قمرن۔ کمبخت۔ جا۔ آئینہ اٹھا لا۔

منظور۔ آئینہ کیا کرے گا۔ کیا شکل بدل دے گا۔ با نواب ... پر گزارہ کرو۔ دن اچھے آئیں گے تو کوئی ٹوٹا پھوٹا خاوند بھی منظور کر ...

لاڈو۔ بڑا بیہودہ ہے۔ جاؤ کرسیاں اٹھا لا۔ اور پھر نواب صا...

منظور جاتا ہے۔ دو کرسیاں لاتا ہے۔ اور دونوں بیٹھ جا... پھر منظور چلا جاتا ہے)

(ممن آتا ہے۔ فرشی سلام کے بعد)

ممن۔ خواتین! الانسان کو اس خاکسار ذرۂ بے مقدار کی اس ج... نامنجار پر حیرت گوناگوں اور تعجب بوقلموں تو ضرور ہوا ہو گا ... مہمان کہاں آگودا ہے۔ مگر اس کا ذمہ دار آپ کا حسن سیرت ... ہے کہ آپ کو اس ہیچمدان سے ملاقات کی زحمت اٹھانا پڑ... فرما گئے ہیں۔ ہر کجا چشمہ بود شیریں۔ وغیرہ وغیرہ وغیرہ وغیرہ۔

(جھک کر سلام عرض کرتا ہے اور وغیرہ کہتے جاتا ہے)

لاڈو۔ اگر آپ کو حسن ذہنی کی تلاش ہے تو وہ اب تک اس ... میں اٹکا تھا۔

قمرن ۔ اور ابھی ابھی آپ کی ذات کے ساتھ آیا ہے۔

ممن ۔ اس زرین سائے سے اعراض کی اجازت چاہتا ہوں شہرت آپ کی غمازی کر رہی ہے ۔ طبع خداداد کے جوہر چھپائے نہیں چھپتے ۔ حاسد اگر جو ہر نہ کر بیٹھیں تو کہنا ۔

لاڈو ۔ آپ کا حسن ظن مبالغہ کی حدود سے تجاوز کر رہا ہے۔ ڈالمیک کی بلاغت اور فردوسی کی فصاحت ماند ہو رہی ہے ۔

قمرن ۔ دو ننھے سے دلوں کا اللہ ہی والی ہے ۔

لاڈو ۔ بہن کرسی منگواؤ آپ کے لئے ۔

قمرن ۔ منظور آلہ گفتار یعنی کرسی لاؤ ۔

(منظور جاتا ہے)

ممن ۔ پہلے یہ کہئے ۔ یہاں کوئی خطرہ تو نہیں ۔

لاڈو ۔ آپ کو کیا اندیشہ ہے ۔

(منظور کرسی لا کر رکھ دیتا ہے)

ممن ۔ کوئی دل نہ چرا لے ۔ کوئی قید میں نہ ڈالے ۔ میرے سامنے دو آنکھیں ہیں ۔ جن کی میرے دل پر آنکھ ہے ۔ میرے سامنے دو مشکیں زلفیں ہیں ۔ جو مشکیں باندھنے پر تلی ہوئی ہیں ۔ ایک گرہ میں سیر کرتی ہے ۔ اور دوسری ایک ہی وار میں نخچیر کرتی ہے ۔ مجھے ان دونوں سے اندیشہ ہے ۔ اور جب تک معقول ضمانت ہو ۔ میں یہاں نہیں ٹھہروں گا

قمرن ۔ تو اندیشہ نہ کیجئے ۔ ان آنکھوں نے ابھی رہزنی نہیں سیکھی ۔ ان بیماروں میں تو ابھی چلنے کی سکت نہیں ۔ میں کی معصومیت کی گواہ اور ضامن ہوں آپ ان کی طرف سے خاطر جمع رکھئے ۔

لاڈو ۔ (کرسی کی طرف سے اشارہ کر کے) مگر اس بے زبان پر رحم فرمائیے ۔ جو آغوش شوق کھولے دیر سے آپ کا استقبال کر رہی ہے

(ممن ترچھی سلام کے بعد بیٹھ جاتا ہے)

ممن ۔ دہلی کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے ۔

قمرن ۔ جو دنیا کی رائے ہے ۔

ممن ۔ یعنے ....

لاڈو ۔ اس سے بڑھ کر مردم خیز شہر روئے زمین پر کوئی نہیں ۔

قمرن ۔ لکھنؤ بھی ہے ۔ مگر نقل کو اصل سے کیا نسبت ۔

لاڈو ۔ میری یہ رائے ہے کہ دہلی سے باہر رہ کر کوئی شخص [illegible] بر حاوی نہیں ہو سکتا ۔

ممن ۔ بالکل درست ۔ اگر یہ نہ ہوتا ۔ تو جناب یہ نو دو گیارہ پنجابی کہاں افتخار میں ایک پر نہ بننے دیتے ۔ دیکھئے نا ایک شہر لاہور سے اس قدر کتابیں اخبار اور رسالے شائع ہوتے ہیں ۔ کہ باقی تمام ہندوستان مجموعی طور پر اس سے لگا نہیں کھا سکتا ۔

قمرن ۔ مگر سب زبان کی خامیوں سے پر ہیں ۔

لاڈو ۔ میں کہتی ہوں ۔ کہ یہ لوگ کیوں نہیں چند سال کے لئے دہلی میں آبستے

قمرن ۔ یہاں کون متعلم زبان ہیں آجکل ۔

ممن ۔ استاد تو آجکل الا ماشا ۔ اللہ ۔ مگر دہلی کی آب ہوا میں خدا نے ایسی تاثیر رکھی ہے کہ یہاں کا ہر زاغ ۔ داغ کا ہمصفیر ہوتا ہے ۔ ہاں کہئے آپ کے پاس کون کون سے ادیب تشریف لاتے ہیں ۔

قمرن ۔ ابھی تو ہمارا حلقہ ملاقات محدود ہے ۔

لاڈو ۔ مگر ایک صاحب نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان سب حضرات سے ہمارا تعارف کرائیں گے جن کا کلام ہمایوں میں شائع ہوتا ہے ۔

قمرن ۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ ہمایوں لاہور سے نکلتا ہے ۔ اور اہل دہلی اس میں اپنے مضامین کی اشاعت گوارہ کرتے ہیں ۔

ممن ۔ تو کیا ہوا ایڈیٹر تو دہلی کا ہے ۔

قمرن ۔ مگر لوگ کہتے ہیں کہ وہ نجیب آباد سے تعلق رکھتے ہیں ۔

ممن ۔ بات یہ ہے کہ شاہجہان آباد کی طرح نجیب آباد بھی دہلی کا ایک نام ہے ۔

لاڈو ۔ مگر یہ جغرافیہ کی بحث ہے اس سے ہمیں کیا کام ۔

ممن ۔ جی ہاں ۔ ہمیں تو صرف زبان دیکھنا ہے ۔

قمرن ۔ مجھے تو جملہ اصناف کلام سے سرا پا بہت پسند ہے ۔

ممن ۔ مگر اس کا لکھنا دشوار ہے ۔ میرے بیاض میں چند موجود ہیں

لاڈو ۔ مجھے رباعی کا اختصار بہت بھاتا ہے ۔

ممن ۔ چیز ہی ایسی ہے ۔ آج صبح لاحول پڑھ کر [illegible]

رباعیاں صفحۂ قرطاس پر ثبت ہو گئی ہیں [illegible]

قمرن ۔ سنا ہے بھی مرنے کی [illegible]

[illegible] کو سنبھالنا ہی کا کام ہے آجکل [illegible]
[illegible] کے سامنے میں ڈھال رہا ہوں۔
[illegible] عنایت فرمائیے گا۔

[illegible] آپ نے۔ صرف دس ہزار جلدوں کا مختصر ایڈیشن [illegible] اور فقط پانچ کا پیان بچتی ہیں۔ باقی سب کے لئے آرڈر ریشنر ڈ ہو چکے ہیں۔

قمرن۔ اپنا نام کسی رسالہ میں چھپا ہوا دیکھنا عجب فرحت بخش ہوتا ہے۔

ممن۔ اس مزے کو کچھ میرا ہی دل جانتا ہے۔ بسا اوقات جی میں آتا ہے کہ اپنے کو بھی چھپوا دوں۔ اگر آپ کی سمع خراشی نہ ہو تو ایک غزل سنا دوں۔ جو کل میں نے منسٹر صاحب کے بنگلہ پر فی البدیہ کہی تھی۔

لاڈو۔ نیکی اور پوچھ پوچھ

ممن۔ میں لے میں پڑھا کرتا ہوں۔ اس سے بندش چست معلوم ہوتی ہے۔ مگر آواز ذرا خراب ہے اس کا خیال نہ فرمائیے گا۔

قمرن۔ دو آتشہ اسی کو کہتے ہیں۔

ممن۔ اور دلنشین کرنے کے لئے بتاؤ ابھی ہو جائے تو مضائقہ ہے۔

لاڈو۔ اس کا نام سہ آتشہ ہے۔

ممن۔ ذرا اپنی گھڑی جیب سے نکالئے یہ میرے گانے کے لوازمات سے ہے۔ (گاتا ہے)

مجھے تو کہتے ہو رنگ تیرا گھڑی میں کچھ ہے گھڑی میں کچھ ہے
زمانے کی طرح ڈھنگ کس کا گھڑی میں کچھ ہے گھڑی میں کچھ ہے
کیے بسر سر کہ دم کا نقشہ گھڑی میں کچھ ہے گھڑی میں کچھ ہے
گھڑی کی صورت اٹھو کہ کسکا گھڑی میں کچھ ہے گھڑی میں کچھ ہے
نہ کیجو ہمدم ذرا بھی غفلت کہ مثل اخگر دم کی حالت
جو دم میں زندہ تو پل میں مردہ گھڑی میں کچھ ہے کہ گھڑی میں کچھ ہے
نہ باغ سیر جہاں پہ پھولو تمہیں یہ نیرنگ ہے نہ بھولو
کہ ایک تماشہ ہے تماشا گھڑی میں کچھ ہے گھڑی میں کچھ ہے

تخلص تو جدا ہے مگر ضرورت شعری کے لئے بدلنا بھی جائز ہے۔

لاڈو۔ واہ واہ۔ یہ گانا آپ نے کہاں سے سیکھا۔

ممن۔ ہم لوگ بغیر سیکھے سکھائے سب کچھ جان جاتے ہیں۔

قمرن۔ ماشاء اللہ کیا طبیعت پائی ہے۔

ممن۔ تسلیم آداب۔ کچھ آپ بھی۔

قمرن۔ ہمارا کیا منہ ہے۔

لاڈو۔ اتو سورج کو چراغ دکھانا ہے۔

ممن۔ تکلف برطرف کچھ فرمائیے۔

قمرن۔ تو بس آپ ہی گنگنائیے

لاڈو۔ (گاتی ہے)

لیں گے نہ میرے ہو سے میرا اسلام کب تک
مجھ سے نہ وہ کریں گے دیکھوں کلام کب تک
ڈولی منگا کے ان کے گھر آپ ہوں میں جاتی
غیروں کے ہاتھ باجی بھیجوں پیام کب تک
یہ حسن کے ہیں گاہک مردوں کو خوب دیکھا
یوسف بنا رہے گا بی بی غلام کب تک

ممن۔ آپ نے بہت ریاض کیا ہے۔ اسی کا ثمر ہے۔ مگر میری تو حالت ہے۔ کہ بغیر پڑھنے کے سب کچھ سیکھ جاتا ہوں۔

قمرن۔ خداداد طبیعت ہے۔

لاڈو۔ اللہ کی دین ہے

ممن۔ آپ سارا دن کیا کرتی ہیں۔

قمرن۔ بیکار وقت ضائع ہوتا ہے

لاڈو۔ آج آپ نکلے ہیں ورنہ دل بہت پریشان رہتا ہے۔

ممن۔ تو چلو کل تھیٹر چلیں۔

قمرن۔ شوق سے

ممن۔ ایک نیا کھیل ہے جس میں تین پلاٹ ہیں۔

لاڈو۔ ایک ڈرامے کے تین پلاٹ۔

ممن۔ حیرت کی کونسی بات ہے۔ اب تک تو دو روا تھے اب ہو گئے پھر چار پانچ چھ غرضیکہ ہندوستان کے ڈرامانگار ایک درجن کا ایک ڈرامے میں داخل کرنے کا دم رکھتے ہیں۔

قمرن۔ کیا آپ نے بھی کچھ ڈرامے لکھے ہیں۔

ممن۔ کوئی نصف درجن۔ مگر ڈراما کو کی مانند صنعت کلام نہیں۔

لکھ سکتا ہے۔

(منظور آتا ہے)

منظور۔ سرکار جو کچھ آپ نے ان کے دمن کی طرف اشارہ کرکے ہی آپنے پر کہا تھا۔ مجھے یاد نہیں رہا۔ آپ اپنے دل میں خود ہی کہہ ڈالئے۔ ماور اس نے یہ پرنسٹ کارڈ دیا ہے (کارڈ پیش کرتا ہے)۔

قمرن (کارڈ دیکھ کر) نواب معصفر نواز جنگ قاقاقبنی۔

ممن۔ حضرت قاقاقبنی زہے نصیب بڑے خوش نکلا ہیب ہیں۔

لاڈو۔ آپ جانتے ہیں انہیں

ممن۔ میرے کرم فرما ہیں۔

قمرن۔ (منظور سے) جلد بلا کر لا۔ (منظور جاتا ہے۔

ممن۔ ان کی شاعری کے جھنڈے گڑے ہیں۔

(بدھن آتا ہے۔ اور ممن پیشوائی کرکے اس سے بغل گیر ہوتا ہے)

ممن۔ کہیئے مزاج کیسے ہیں۔

بدھن۔ آپ کی دعا سے اچھا ہوں۔ اب ذرا چلتا پھرتا ہوں تو پیاس لگ جاتی ہے۔

لاڈو۔ کیا پئیں گے آپ

قمرن۔ آتش سیال یا آب زلال

ممن۔ اس جوانی میں تو جام ارغوانی ہی زیب دیتا ہے

بدھن۔ نہیں میرے لئے پانی ہی کافی ہے۔

ممن۔ ارے میاں کس کی رہی اور کس کی رہ جائے گی

بندے مرجائیں گے وسکی رہ جائے گی

طالب فرما گئے ہیں۔

بدھن۔ مجبور ہوں۔

ممن۔ آخر وجہ

بدھن۔ ایک نہیں تین۔

اوّل۔ کل سے کچھ توبہ سی کر لی ہے۔

دوم۔ ابھی ابھی مجھے ٹمپرنس سوسائٹی کے جلسہ کی صدارت کرنا ہے۔

(سوم) اور بھائی میں ابھی ابھی تین پیگ پی کر چلا آ رہا ہوں۔

ممن۔ اچھا جانے دو (لاڈو اور قمرن کو مخاطب کرکے) مجھے اجازت دیجئے کہ اپنے محب صادق کو آپ کی خدمت میں [illegible] ہر پہلو سے آپ کی مجلس کے قابل ہیں۔ بھائی ایک دفعہ [illegible] آئینہ کر دو۔ (بغلگیر ہوتے ہیں)

بدھن۔ یہ ہمارا فرض ہے کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر [illegible] فضل۔ سیرت صورت کے حضور خراج تحسین ادا کریں۔ اے ملکۂ حسن اپنے غلام کا نیاز قبول کر! (دو زانو ہو جاتا ہے)

قمرن۔ آپ کی قدر افزائی اس قدر بے پایاں ہے کہ ہمارے خانۂ دل میں اس کی سمائی نہیں۔

لاڈو۔ آج کا دن ہماری زندگی میں ہمیشہ یاد رہے گا۔

قمرن۔ ارے منظور تجھ پہ خدا کی سنوار۔ جلد کرسی لا (منظور کرسی لاتا ہے)

ممن۔ آپ ایک مرض صحبت جانبر سمجھتے ہیں اس لئے اس قدر زرد ہو رہے ہیں۔ ورنہ آپ کا اصلی رنگ روپ گلاب کو شرماتا ہے۔

بدھن۔ یہ سب لٹریری کاوش کا ثمر ہے۔

ممن۔ تشریف رکھیئے

بدھن۔ پہلے آپ

ممن۔ پہلے آپ۔ (بیٹھ جاتے ہیں)

ممن۔ نواب آپ کی گاڑی باہر کھڑی ہے۔

بدھن۔ ہاں کیوں!

ممن۔ ذرا انہیں قطب تک گھما لائیں

قمرن۔ آج ہمیں فرصت نہیں۔ پھر کسی دن۔

ممن۔ تو پھر نواب اپنے گویّوں کو یہیں بلواؤ۔ ذرا دو گھڑی جلسہ رہے۔

بدھن۔ بسر و چشم بیگم۔ بیگم اپنے خادم با ادب کو ایما فرمایئے کہ میرے ملازم کو ضروری ہدایات دے۔

قمرن۔ منظور۔

منظور۔ (آتا ہے) حضور

لاڈو۔ آپ کے کسی نوکر کو گویّوں کو بلانے [illegible] کہ ذرا یہاں قدم رنجہ فرمائیں۔

منظور۔ بہرا آتی ہیں۔ آپ [illegible] نوکر رکھ لو مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔

... سر ... پھر دل۔
... صاحب ... بیٹھ ... اور ... ہمسایوں کو بلا لاؤ۔
... ذرا ... نئی ... بات۔ ہم بھی ... (جاتا ہے)

ممن۔ قائل قلمی صاحب آپ کی ان آنکھوں کے متعلق کیا رائے ہے۔ بے نیاز ... جام۔

بدھن۔ بلکہ دو میخانے جناب

ممن۔ تیر برساتی ہیں۔

بدھن۔ جادو جگاتی ہیں۔

ممن۔ میں تو ابھی ان کی شان میں فی البدیہ قصیدہ کہتا ہوں۔

بدھن۔ میں بھی کچھ فکر کرتا۔ مگر عینک گھر بھول آیا ہوں۔

لاڈو۔ کچھ فرماتے تو ہماری سعادت کا باعث ہوتا۔

بدھن۔ میں پہلا مصرعہ تو بلا تکلف کہہ لیتا ہوں۔ ہاں دوسرے مصرعہ میں ذرا سر دردی کرنی پڑتی ہے۔

ممن۔ میں فی البدیہ میں بند ہیں۔ صرف سوچنے کے لئے ایک دو گھنٹے دے دیجئے۔ پھر سنتے جائیے۔

قمرن۔ مہمان آ گئے۔

(چند ہمسائے اور گویّے آتے ہیں۔ قمرن اور لاڈو انہیں مناسب جگہ پر بٹھاتی ہیں۔ تکلفات وغیرہ۔ بزنس رسمی باتیں)

بدھن۔ (گویوں سے) میاں کچھ ہو جائے۔

گویا۔ (گاتا ہے)

ان کو اس حسرت انداز سے دیکھا نہ کرے
آنکھ کمبخت مرے راز کو افشا نہ کرے

ہائے وہ عشق کی آشفتہ سری کا سبب
جو کبھی مصلحت کار کی پروا نہ کرے

صبر دو دن بھی نہ اندوہ جدائی سے ہوا
ہم نے چاہا تھا کہ اب دل تجھے چاہا نہ کرے

اس ہوس کار کو کیا لذت الفت کی خبر
جو ترے زہر تغافل کو گوارا نہ کرے

... ترقی دل کو تکلیف نہ کرے

ممن۔ یہ کس کا کلام خوش نظام ہے

گویا۔ جناب عابد کا۔

ممن۔ کون عابد

بدھن۔ اجی وہی "ہزار داستان" کے ایڈیٹر۔

ممن۔ تب ہی زبان صاف نہیں کسی پنجابی کا کلام اہل ذوق کے سامنے پڑھنا ادب کی توہین ہے۔

بدھن۔ بھئی جوش صاحب کی وہ غزل سنانا ..... گیا لڑکپن

گویا۔ بہت خوب (گاتا ہے)

گیا لڑکپن نئی جوانی نئی ادائیں سکھا رہی ہے
نگاہوں میں بھر رہی ہے جادو نظر کو بجلی بنا رہی ہے
نگاہ میں وہ گلابی پن ہے کھلا ہو جیسے شراب خانہ
نظر میں ہے وہ خمار گویا۔ ذرا ذرا نیند آ رہی ہے

بدھن۔ بس کیا۔

گویا۔ حضور دو شعر ہی کہا کرتے ہیں۔

(عسکری اور امراؤ مرزا ہنٹر لئے داخل ہوتے ہیں)

عسکری۔ (ممن و بدھن سے) او خبیث کے بچو تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ نہ گاڑی دھوئی نہ برتن صاف کئے اور یہاں رنگ لیاں منانی شروع کیں۔

(دونوں کو پیٹتے ہیں)

ممن۔ صاحب یہ مارپیٹ کی اچھی نہیں۔ ہدایتوں میں اس کے متعلق کچھ درج نہیں۔

(کاغذ جلدی سے نکال کر پیش کرتا ہے۔ عسکری اسے لے کر پھینک دیتا ہے)

لاڈو۔ یہ کیا معاملہ ہے

بدھن۔ بے تکلف دوست ہیں، مگر ذرا اُجڈ سے ہیں۔

قمرن۔ مگر ہمارے مکان میں یہ دست درازی کیسی۔

بدھن۔ مجھے حرارہ آ رہا ہے۔ ذرا طبیعت تیز ہو جائے تو ابھی روئی کی طرح توم کر رکھ دوں۔

امراؤ۔ بدمعاشو۔ کیا لڑکا سمجھا ہے ہو چلو سیدھے ہو کر۔ ورنہ مار سے مونچھوں کے کھال اُدھیڑ دوں گا۔

قمرن۔ اس مداخلت بیجا کی کیا معنی
عسکری۔ تو کیا آپ چاہتی ہیں کہ ہمارے نوکر ہم سے بہتر سلوک کے مستحق ہیں۔
امراؤ۔ کیا آپ چاہتی ہیں کہ ہمارے نوکر آپ سے خوش گپیاں اڑاتے رہیں۔ اور ہمارے گھر کا کام یونہی پڑا رہے۔
لاڈو۔ آپ کے نوکر۔
عسکری۔ اور کیا بیگم یہ کس قدر نامناسب ہے کہ آپ انہیں بلا کر ہمیں تکلیف دے رہی ہیں
قمرن۔ (دمن کی طرف اشارہ کر کے) یہ کون ہیں رئیس۔
عسکری۔ میرا سائیس۔
لاڈو۔ اس قدر گستاخی۔
امراؤ۔ اگر آپ انہیں پسند کرتی ہیں تو ہمیں اپنے کپڑے اُتروا لینے دیجئے پھر شوق سے انہیں پیار کیجئے۔
(بدھن سے) اتار دے کپڑے
بدھن۔ (کوٹ اُتارتا ہے) اے نوابی الوداع
دمن۔ (کوٹ اتارتا ہے) اے شاعری خدا حافظ
عسکری۔ یہ کہیں کے ہماری جگہ شادی کرنا چاہتے تھے۔
امراؤ۔ اور پھر ہمارے ہی کپڑے پہن کر
لاڈو۔ (قمرن سے) بہن ناک کٹ گئی۔
قمرن۔ اود چوٹی بھی رہتی نظر نہیں آتی۔
گوتیے۔ (دمن سے) اور میری اُجرت
دمن۔ (بدھن کی طرف اشارہ کر کے) نواب قاقلہ قبنی سے پوچھو
گویا۔ (بدھن سے) حضور.........
بدھن۔ (جلدی سے) نواب بدر قطازی سے کہو۔
(چھجو خان آتا ہے۔ لاڈو ایک طرف اور قمرن دوسری طرف جھپٹ جاتی ہیں)
چھجو۔ جو کچھ میں نے سنا اور دیکھا ہے۔ یہ تمہارے گھنے کی سزا ہے۔ جو ہمارے یہاں سے گئے ہیں انہوں نے شہر بھر میں ٹنڈورا پٹوا رکھا ہے۔

قمرن۔ آ۔ ہم سے داؤں کھیلا گیا۔
چھجو۔ انہیں ..... تمہارے ..... لیے ..... لائے
عسکری۔ (بدھن دمن سے) بدمعاشو نکل جاؤ اس مکان سے
دمن۔ (جاتا ہے) جیسا ایک نواب کی یہ توہین
بدھن۔ (دوسری طرف سے جاتا ہے) ایک شاعر کی یہ ہتک۔
دمن۔ دنیا کا یہی طریق ہے۔ مجھا ہے جنہیں گھا ہے چناں۔
بدھن۔ بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے۔
(چلے جاتے ہیں)
قمرن۔ آ۔ آ ہم اب شادی بیاہ کے معاملہ میں نہ بولیں گے۔
لاڈو۔ خواہ ہمیں انہیں سے بیاہ دو
چھجو۔ (عسکری سے) کیا آپ کو منظور ہے
عسکری۔ آپ کا فرمانا میرے سر پر
چھجو۔ (امراؤ سے) کیا آپ کو منظور ہے۔
امراؤ۔ آپ کا فرمانا میری آنکھوں پر
(پردہ جلدی سے گرتا ہے)

ڈرامی

مہتمم

نواب صدر الدین خاں آزردہ دہلوی

(از جناب سید ولی محمد صاحب فضا ایچ پی ایچ یو۔ فاضل ادب جالندھری)

تاریخ ولادت ۱۲۰۴ھ چراغ
تاریخ وفات ۱۲۸۵ھ چراغ الم

مفتی نواب صدر الدین خاں آزردہ تخلص خلف الرشید مولوی لطف اللہ کشمیری غدر سے پہلے صدر الصدور کے عہدہ پر فائز تھے آپ نے علم فقہ و حدیث و منطق و فلسفہ مولینا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی اور علامہ فضل امام خیرآبادی سے پڑھا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے ابتدائی کلام شاہ نصیر دہلوی اور میاں مجرم اکبرآبادی کو دکھلایا۔ اور آخر وہ میر ممنون دہلوی کے شاگرد ہو گئے۔ اور فن شاعری میں کمال حاصل کیا۔

آپ علمی قابلیت کے لحاظ سے بہت بلند رتبہ کے مالک سمجھے جاتے ہیں۔ عربی۔ فارسی اردو تینوں زبانوں پر قادر تھے اور تینوں زبانوں میں نظم و نثر کے بہترین نمونے موجود ہیں باوجودیکہ منصب اعلےٰ پر ممتاز تھے۔ مگر سادگی اور انکسار کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔ ظاہری تفاخر اور شان و شوکت سے کوسوں دور رہتے تھے۔ عدالت امور سے فارغ ہونے کے بعد تشنہ کامان علوم ادب اور طلبہ کی جماعتیں آپ کے گرد حلقے باندھے ہوتے درس و تدریس میں مشغول رہتیں۔ [illegible] کے علاوہ [illegible] کی مالی امداد سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے آپ مشرقی تہذیب کے جامع جمیع صفات زندہ دل۔ نفاست پسند خوش مزاج [illegible] تھے [illegible] اور بہرہ وجاہت میں آپ کے سیدوں [illegible] ہیں۔ سر سید احمد خاں مرحوم نواب یوسف علیخاں ناظم والئی [illegible]۔ نواب صدیق حسن مرحوم شوہر رئیسہ بھوپال کے نام گرامی خصوصیات سے قابل ذکر ہیں۔ مرزا غالب پر جب قرضخواہوں نے [illegible] کا دعویٰ [illegible] نے آپ کی کچہری میں یہ شعر بطور جواب دعوےٰ پڑھا ؎

قرض کی پیتے تھے مے اور یہ سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

مفتی صاحب نے یہ شعر سنکر ان کا قرضہ اپنے پاس سے ادا کر غدر کے پر آشوب ہنگامہ میں آپ کی جائداد بھی ضبط کر لی گئی تھی اور چند روز آپ کو بھی ماہ کنعان کی طرح زندان دہلی میں نظربند رہنا پڑا۔ اس عالم میں ایک قطعہ لکھا تھا۔ افسوس کہ اس کا ایک ہی شعر ملا۔ تبرکاً ذیل میں درج کیا جاتا ہے ؎

آ پھنسے بے ڈھب الٰہی دیکھئے کیسی بنے
مر رہے ہیں سب الٰہی دیکھئے کیسی

۱۶ر جولائی ۱۸۶۸ء میں انتقال کیا اور درگاہ چراغ دہلی میں دفن کئے گئے۔

باوجودیکہ آپ عربی کے متبحر جید عالم تھے۔ مگر آپ کی شاعری کے دامن فصاحت پر کچھ اثر نظر نہیں آتا۔

لالہ سری رام مصنف خمخانۂ جاوید کا قول ہے۔ کہ ایک روز منشی بہاری لال مشتاق دہلوی اپنے دوست لالہ [illegible] ساتھ مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شعر و شاعری کا ذکر چلا۔ قمر نے غالب کی نکتہ سنجی اور نازک خیالی کی بہت داد دی مولانا نے چین بجبیں ہو کر فرمایا کہ نہایت مشکل کہتا ہے۔ اور زانو پر ہاتھ مار کر شگفتہ جبیں ہو کر اور فرمایا ہائے اچھا کہتا۔ ایسا کہتا ہے۔ ؎

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئی
اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے

موصوف کے تذکرہ ...... [illegible] تصنیف کئے مالک ہیں۔ ان میں سے تذکرہ ریختہ بہت قابل قدر چیز ہے [illegible] ہیں کہ اب بالکل نایاب ہے۔ ان کا دیوان ابتک شائع نہیں ہوا ہے مگر مستقبل میں اشاعت کی امید کی جاسکتی ہے۔

اب ہم ذیل میں ان کی غزلیات کا عمدہ انتخاب پیش کرتے ہیں۔ مصنف گل رعنا نے کسقدر ستم ظریفی سے کام لیا ہے اپنے تذکرہ میں آزردہ کے حالات بھی شائع نہیں کئے۔ حالانکہ آزردہ حضرت ذوق و غالب۔ مومن و شیفتہ۔ نیر۔ سالک انور و ظہیر۔ مجروح و بیکش کے ہمعصر شاعر تھے۔ ان کا عاشقانہ کلام سوز و گداز کا دلکش مرقع ہے۔ عجز و فتادگی۔ وارفتگی و ربودگی کا جوہر ان کے کلام میں ہر جگہ نظر آتا ہے۔ ذیل کا منتخب کلام اپنے بیان کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے۔

انتخاب کلام آزردہ دہلوی

مرکر بھی ہمارا دل بیتاب نہ ٹھہرا   کشتہ بھی ہوا تو بھی یہ سیماب نہ ٹھہرا

اس درد جدائی سے کہیں جان نکل جائے   آزردہ مرے حق میں خدا تو بھی دعا کر

ہو نہ دامنگیر کوئی جان کا قاتل تجھے   تو بھی رو تا چل جنازے کو ہمارے دیکھکر

برگشتہ بخت جذبہ دل تم کو آفریں   آکر وہ پھر گیا ہے بیت الحزن کے پاس

ہوئے ہیں وہ نا قابلوں میں شمار اب   جنہیں جانتے تھے زمانے کے قابل

کروں چاک سینہ تو ہو یار لیکن   نہیں داغ دل یہ دکھانے کے قابل

یہ کیوں کے رخنہ ڈالئے انکی نقاب میں   اپنے تئیں کہ ملک کھلے کیا حجاب میں

کیا جانوں کیا اثر ہے دل شعلہ تاب میں   یہ وہ ہے برق آگ لگا دے نقاب میں

[illegible] کلا اس کے سراپا میں کیا کہوں   مور ضعیف پھنس گئی جا شہد ناب میں

یارب یہ کسنے چہرے سے الٹا نقاب ہے   سورج نکلنے اب لگے آفتاب میں

[illegible] صبح کے پیکان سر گرانیاں   نہ بدنے مے کا جلوہ یہ دیکھا کہ آب میں

تحقیق ہو تو جانوں کہ میں کیا ہوں تو بھی کیا   لکھا ہے یوں تو یہی کچھ کتاب میں

میں اور ذوق بادہ کشی لے گئیں مجھے   یہ کم نگاہیاں تری بزم شراب میں

یہ عمر او روحشت ہے آزردہ جائے شرم ہے   حضرت یہ باتیں بچتی ہیں عہد شباب میں

[illegible]   وہ یاد آئے ابرو محراب میں

عشق بازی کا تمہو جو لطف [illegible]   [illegible]

مختصر حال [illegible]   [illegible]

جمل سراپائے یار آزردہ   [illegible]

[illegible] شب [illegible]   [illegible] کیونکر وا کروں

ہزار شیوہ ہیں پنہاں کرجی ہی جانے ہے   [illegible]

نالوں سے ہمیر سے کہتہ والا جہاں نہیں   کہنے ملال زمین و زماں آسماں نہیں

افسردہ دل نہو در رحمت نہیں ہے بند   [illegible] ہو وا یہ پیر مغاں نہیں

ملنا ترا ہو غیر سے یہ بہر مصلحت   ہم کو تو اور کچھ [illegible] گماں نہیں

شب اسکو حال دل نے جتایا کچھ اس طرح   [illegible]

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں   اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

آزردہ ہونٹ تک نہ ہلے اس کے روبرو   [illegible]

فلک نے بھی سیکھے ہیں تجھ سے طور   کہ اپنے کئے سے پشیماں نہیں

مرا نامہ شوق تلووں سے تلے   نہ ملے یہ خوباں قہرداں نہیں

ترے مجروح کے سینے میں کچھ گرمی ہی باقی تھی   [illegible] تیرے پیکاں کو

باہم ملاپ تھا پہ ترے دور حسن میں   [illegible]

دل ملا دیں خاک میں سب ضعیفان   [illegible]

اسکی گلی میں لے گئے آزردہ کو اسے   [illegible]

[illegible] دن کا سہا   [illegible] ہے ترے بیمار پر ایسی

جون [illegible] میں جب دہلی پر غدر کی مصیبت نازل ہوئی تو اس پر آشوب عالم میں ہر ایک [illegible] کا رنگ فاک کھینچا ہے۔ غالب کے بعض [illegible] ہیں۔ لیکن سالک سے آغ۔ آزردہ کے مسدس [illegible] ہیں۔ ان کا اقتباس خالی از لطف نہیں [illegible] مسدس کا انتخاب پیش کرتا ہوں۔

جن کو دنیا میں کسی سے بھی سروکار نہ تھا   [illegible]

[illegible]

ان کی خلوت سے کوئی واقف اسرار نہ تھا   [illegible]

آدمی کیا [illegible]

[illegible] جن میں پھرتے ہیں پریشاں [illegible]
[illegible] کبھی ان کا نہ تھی کہ اٹھا لیں سر [illegible]
[illegible] جو ہیئے نہ بہت تھا
[illegible] بھاری تھا جو سر پہ کبھی سر پہ نہ رکھا جاتا
[illegible] جو [illegible] سنبھالا جاتا
[illegible] کا حکمت سے اگر ہوتے نہ آڑھایا جاتا
[illegible] چار طرف پھرتے ہیں
[illegible] قدم چلتے ہیں مشکل سے تو گر پڑتے ہیں
[illegible] جو [illegible] سے پھولوں کے اذیت پاتی
[illegible] مہندی ہاتھوں میں لگا سوتی تو کیا گھبراتی
[illegible] صبح تلک نیند نہ جن کو آتی
[illegible] ایک سلوٹ بھی بچھونے میں اگر پڑ جاتی
[illegible] ان کو تکیہ کے بھی قابل نہ خدا نے رکھا
[illegible] سنگ پہلو سے اٹھایا تو سرہانے رکھا
[illegible] صحرا کی طرف لاتی ہے
[illegible] سر ہے اور جوشش جنوں سنگ ہے اور چھاتی ہے
[illegible] ہوتا ہے جگر جان پہ بن جاتی ہے
[illegible] کی ملاقات جو یاد آجاتی ہے
کیوں نہ [illegible] وہ نکل جائے نہ سودائی ہو
[illegible] اس طرح سے بے جرم جو رسوائی ہو
[illegible] نے بھی دہلی کی تباہی پر ایک مسدس
[illegible] کر پیش کئے ہیں۔ لہذا اس کا انتخاب جب
[illegible] یہ مسدس بالکل نایاب چیز ہے :-
جہاں میں شہر ہیں جتنے جہاں جہاں آباد
بس ان بلاد میں تھا منتخب جہاں آباد
خراب ہو کے نہ پوچھو ہوا کہاں آباد
[illegible] کو کیا اس نے گلستاں آباد

[illegible]
[illegible]

فلک نے کس سے کہوں کیوں مٹا دیا مسکن کو
[illegible] کو نہ چھوڑا [illegible] کو
یہ انقلاب ہے یا آگیا ہے محشر [illegible]
کوئی نہیں ہے کہ جس کے سہے ہوں ہوش
ہوئی ہے آدمی کی شکل شہر میں عنقا
بنا ہی ہوگا مکاں بس ہر اک گلی کا
ہوئے ہیں لوگ یہاں کے کہاں کہاں آباد
ہر ایک گاؤں بنا ہے مگر جہاں آباد
کسی کے لب پہ ہے نالہ کسی کی چشم ہے تر
کسی کا چاک گریباں ہے اور کوئی مضطر
کسی کا ہاتھ ہے دل پر کوئی ہے تھامے جگر
غرضکہ رنج سے خالی نہیں ہے کوئی بشر
بجائے زمزمہ ہر جائے شیون غم ہے
محل عیش تھا یا اب سرائے ماتم ہے
وہ جن کی طبع کہ آسودگی پہ مائل ہے
پیادہ کیونکہ چلیں ناقہ ہی نہ محمل ہے
اٹھائیں ایک قدم بھی اگر تو مشکل ہے
قدم کہے کہ ٹھہر جاؤ یہ ہی منزل ہے
سروں پہ بوجھ ہے گٹھری کا لڑکھڑاتے ہیں
بس اپنے جی کی طرح بیٹھ بیٹھ جاتے ہیں
گھروں میں پردہ نشینوں کا حال کیا کہئے
بیان مجھ سے ہو کیونکر یہ ماجرا کہئے
نہ در سے نکلی ہو جن کی کبھی صدا کہئے
نکل کے گھر سے چلے ہیں پیادہ پا کہئے
کبھی جو غصہ سے بھی جامہ سے نہ باہر ہوں
غضب ہے یہ کہ وہ یوں بے ردا و چادر ہوں
وہ ازدستی و بیاتیاں بد انجام
خدا دکھائے [illegible]
کسی طرح سے سمجھ میں نہ آئے جن کا کلام

گریز پا جو محل کر گئے لٹے وہ تمام
قبالباس تمام آبرو بھی ہاں کھوئی
گرہ میں کچھ بھی نہ نکلا تو نقد جاں کھوئی
یہ حال دیکھ کے سالک اُڑے جو میرے ہوش
بسانِ صورتِ دیوار رہ گیا خاموش
ہجوم فکر سے خوں دل میں مارتا تھا جوش
کہ اتنے میں حق غیب سے بجوش وخروش
رسید مژدہ کہ ایام غم نخواہد ماند
چناں نہ ماند چنیں نیز ہم نخواہد ماند

آزردہ اور سالک کی مرثیہ خوانی کے نمونے آپ نے دیکھ لئے اب مرزا داغ کا منتخب مسدس ملاحظہ ہو۔ ان کا مسدس آزردہ اور سالک سے بلحاظ جذبات و احساسات بہت بلند ہے۔ چند بند ملاحظہ ہوں:-

فلک زمین ملائک جناب تھی دلّی
بہشت و خلد میں بھی انتخاب تھی دلّی
جواب کاہے کو تھا لاجواب تھی دلّی
مگر خیال سے دیکھا تو خواب تھی دلّی
پڑی تھا ہیں آنکھیں جو جگہ تھی نرگس کی
خبر نہیں کہ اسے کھا گئی نظر کس کی

برنگ بوئے گل اہل چمن چمن سے چلے
غریب چھوڑ کے اپنا وطن وطن سے چلے
[illegible] ڈھونڈوں [illegible] چار کس چلن سے چلے
قیامت آئی کہ مردے کفن کفن سے چلے
مقام امن بھی ڈھونڈا تو راہ بھی نہ ملی
یہ قہر تھا کہ خدا سے پناہ بھی نہ ملی

جو تھی تو اٹھی کاکل کے زہر کی گرمی
جو تھی تو [illegible] قہر کی گرمی
نہ دیکھیں جو نگہِ خشم و قہر کی گرمی
اٹھائیں [illegible] دوپہر کی گرمی
تپش سے ریگ بیاباں بھی آفتاب ہوئی
زمیں مگر کرۂ نار کا جواب ہوئی

بنا ہے خال سیہ رنگ مہ جمالوں کا
دوتا ہوا ہے قدِ راست [illegible] کا
جو زور آہوں کا لب پر تو شور نالوں کا
عجیب حال دگرگوں ہے [illegible] والوں کا
کوئی مراد جو چاہی حصول ہی نہ ہوئی
دعائے مرگ جو مانگی قبول ہی نہ ہوئی

....

رباعیات

(انتخاب مظہر حسین صاحب ناظم عزیزی سنبھلی)

تو لے کے ہلال آیا ہے پیغامِ عید
اور مجھ سے طلب کرتا ہے انعامِ عید
میری تو یہ حالت ہے کہ مر جاتا ہوں
سنتا ہوں جو غربت میں کہیں نام عید

کیا وعدہ کیا وعید سمجھے کیا معلوم
کیا گفت کیا شنید مجھے کیا معلوم
تم مجھ سے تو غربت کی مصیبت پوچھو
کہتے ہیں کسے عید مجھے کیا معلوم

تھا میں بھی [illegible] میں کبھی [illegible] عید [illegible]
[illegible]

نذرِ بتانِ حرم

ابوالاقبال حضرت علامہ مہش فیروزپوری

قفس سے چھٹ گئے پھر ہم نے بناء آشیاں رکھدی
تجھے صیاد مژدہ ہو کہ طرحِ امتحاں رکھدی

کہاں تم نے مرا دل رکھدیا پوچھا تو فرمایا
ہماری چیز تھی ہم نے جہاں چاہا وہاں رکھدی

سہارا پاکے سوزِ عشق کا بیتابیِ دل نے
ملا کر خاک میں سب طاقتِ ضبطِ فغاں رکھدی

ان آئے دن کے صدموں نے شکستہ دل کیا ایسا
ملا جو مہرباں سب اس کے منہ پر داستاں رکھدی

دعائے وصل نے سارا زمانہ چھان مارا ہے
چھپا کر چرخ نے تاثیر کیا جانے کہاں رکھدی

وہ جب کھنچ کر چھپے تو کھینچ کر جذبِ تصور نے
شبیہِ یار دل میں صورتِ دردِ نہاں رکھدی

تجھے اے بت بنا کر بے دہن خلاقِ عالم نے
تری تعریف کرنے کو مرے منہ میں زباں رکھدی

جبینِ عجز وقفِ سجدہ کرکے کوئے دلبر میں
میانِ کعبہ و دیرِ بتاں جا یا جہاں رکھدی

رہے گا خون کس کے سر مرے شوقِ شہادت کا
برہنہ تیغ اٹھا کر کیوں نصیبِ دشمناں رکھدی

الگ دیر و حرم سے [illegible] ہو کر بت کو
دلِ رمز آشنا نے اک طرف قیدِ مکاں رکھدی

[illegible]
سجا کر عیش اک گوشے میں ساقی کی دکاں رکھدی

انتقاد

خاتم النبیین، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی
پاک سیرت اور ان کے عظیم الشان اور زندہ جاوید کارناموں کے متعلق
اب تک کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور ہر مصنف نے اپنی اپنی بساط کے
مطابق بانی اسلام کی بارگاہ عالیہ میں تحسین وعقیدت کے زیادہ سے زیادہ پھول پیش
کرنے کی کوشش کی ہے لیکن خاتم النبیین پڑھ کر ہمیں اس کے قابل مصنف
مولانا ابراہیم عمادی استاذ اسلامیات اسماعیل بیگ محمد ہائی سکول بے اختیار
داد دینے کو جی چاہتا ہے جنہوں نے رسول برحق کی مقدس زندگی کے واقعات
اس حسن انداز سے بیان کئے ہیں کہ آنکھوں کے سامنے واقعات کا ایک ان مٹ
نقشہ کھنچ جاتا ہے۔ انداز بیان نہایت دلکش زبان سادہ وشستہ اور
بامحاورہ ایسی کہ بچے بھی بلاتکلف سمجھ سکیں اور واقعات کی ترتیب ایسی
کہ پڑھنے والے کی طبیعت بیحد محظوظ ہوتی ہے۔ ہر مسلمان خصوصاً نوجوانوں
اور بچوں کے لئے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ کتاب کا کاغذ
اور لکھائی چھپائی نہایت نفیس ہے حجم ۲۰۴ صفحات قیمت ۱۰/
ملنے کا پتہ:۔ ابراہیم العمادی استاذ اسلامیات اسماعیل بیگ محمد ہائی سکول بمبئی نمبر ۳

الکتاب الوحید ہندوستان میں علم تجوید کے متعلق بہت کم کتابیں لکھی گئی ہیں
اور جو موجود ہیں ان میں کئی ایسے نقائص پائے جاتے
ہیں جن کی وجہ سے بعض اوقات طلبہ سوچنے سمجھنے میں بہت دقت
محسوس کرتے ہیں۔ مروجہ کتابوں کی ان خامیوں کو محسوس کرتے ہوئے مولانا
الحاج الحافظ القادری محمد اسمٰعیل المجددی مدنی نے عربی کی ایک نہایت جامع
کتاب مفتاح التجوید کا ترجمہ الکتاب الوحید کے نام سے شائع کیا ہے اس کتاب
میں علم قرأت وتجوید کے متعلق تمام قواعد مختصراً بیان کر دیئے گئے ہیں اس طرح کہ
طلبہ کو قرآن شریف سمجھنے میں آسانی ہو کتاب کی ترتیب سوال وجواب کی صورت
میں رکھی گئی ہے جس کی وجہ سے طلبہ کو اس علم کے سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئیگی
امید ہے کہ شائقین اس کتاب سے استفادہ کرینگے کتاب کا حجم ۱۲ صفحات قیمت ۲/
ملنے کا پتہ قاری محمد اسمٰعیل مجددی خانقاہ معصومی متصل بازار نصر اللہ خاں
ریاست رامپور (یو۔ پی)

انجامِ وفا

از جناب عبدالستار خان صاحب

گزشتہ ایک رات ان کی ایک رات ۹- ۹½ بجے کسی نے دروازہ
کھٹکھٹایا۔ یہ آواز گوش آشنا اور مانوس تو ضرور تھی۔ لیکن اس سے توحش
اور پریشانی ظاہر ہو رہی تھی۔ بغیر جواب دیئے ہوئے میں نے اٹھ کر دروازہ
کھول دیا۔ محمود اپنا اوور کوٹ پہنے ہوئے اندر آگیا۔

اس کے چہرہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اس کا منہ دیکھتے ہی میرا کلیجہ
دھک سے اندر بیٹھ گیا میں نے کبھی اس کو اتنا پریشان نہیں دیکھا تھا
اس کی ملتجی نگاہیں میری تجسسانہ نظروں سے دوچار ہوتے ہی جھک گئیں

میں نے پوچھا "خیر تو ہے"

"ہاں نوازش ہے"

"آج تم اتنے پریشان کیوں ہو؟"

"کچھ نہیں"

"تم چھپاتے ہو"

بہت رک رک کر کہنے لگا "کیا عرض کروں شامتِ اعمال"

ہر لفظ کے بعد رکتا، زبان خشک ہوتی جاتی تھی چہرہ زرد ہو
رہا تھا چہرہ پر ایک رنگ آتا اور ایک جاتا تھا،

مجھ کو فکر ہوئی۔ میں نے بہت دلاسا دیا۔ بہت سمجھایا جب
اسے میری پر خلوص ہمدردی کا یقین ہو گیا تو اس نے اپنا قصہ یوں شروع کیا۔

میرا اور اسمٰعیل مرحوم کا خاندانی تعلق ہے۔ بلکہ قریبی رشتہ ہے۔ ان
کی پہلی شادی حمیدہ رضا خان کی صاحبزادی سے ہوئی۔ دونوں میاں بیوی
میں انتہائی محبت تھی لیکن کوئی اولاد نہ تھی۔ اول تو انہیں اس کا کچھ خیال
ہی نہ ہوا لیکن بعد میں کچھ عرصہ کے بعد اولاد کی آرزو کا باعث سمجھنے لگا۔ ان کی
بی بی نے بہت چاہا کہ ... لیکن امید بر نہ آئی۔ ایک دن بیوی نے کہا "میری
... تمہارا گھر ویران ہو رہا ہے۔ ... ایک بچے کے نہ

ہونے سے یہ گھر قبر سے بدتر ہو رہا ہے۔ اس لئے اب تم دوسری
شادی کر لو"۔

اسمٰعیل۔ جب زمانہ تھا تو شادی نہ کی۔ اب کیا کروں گا۔ آ
گے تو بس تمہی ہے۔ خدا کو اگر منظور ہے۔ تو اولاد تم ہی کو دے گا
طبیعت تو گوارا نہیں کرتی۔ کہ اب اس بڑھاپے میں تم پر سوکن لا
بیوی۔ تمہاری یہ شادی کچھ شوقیہ تو ہے نہیں۔ جو تمہیں ان تمام
کا خیال ہو۔ یہ نکاح صرف بچے کی خاطر ہے۔ جب میں خود ہی محرک
تو تمہیں سوکن کا جلاپا کیسا؟"۔

اسمٰعیل۔ جو کچھ بھی ہو میری طبیعت گوارا نہیں کرتی۔

بیوی۔ تم کہنا مانو۔ مذمت کرو۔ تمہیں ایسی ہی آپس کی بدمزگی کا
ہے تو اپنی نئی دلہن کو اس دوسرے مکان میں رکھنا۔ اس طرح ہم
بھی رہیں گے اور ایک جگہ بھی۔

مگر اسمٰعیل پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ اس کی بیوی نے میری
اس امر کی تحریک کی۔ اسمٰعیل بہت متمول تھا۔ اس کی بیوی ہمیشہ ...
کرتی تھی۔

اماں جان کو بھی کچھ یہ بات پسند آگئی۔ اب آپس میں صلاح
لگا۔ سبھوں نے اسمٰعیل کو سمجھایا۔ لوگوں کے اصرار سے اسمٰعیل بھی
فوراً ہی خاندان میں ایک نوجوان لڑکی سے نسبت لگ
تاریخ بھی مقرر ہو گئی۔ ایک مہینہ کے اندر اندر شادی بھی ہو گئی۔ کسی
نامرہ سے یہ بھی نہ پوچھا کہ تم اس شادی پر رضامند بھی ہو یا نہیں۔
کو اپنے والدین اور اعزہ کے انتخاب شوہر پر مارے حجاب اور
ہاں ہی کہتے بنا۔ جوانی کا شوق اور امنگیں لئے ہوئے ایک بوڑھے کی
دلہن بن گئی۔

سال بھر کے اندر ہی خدا نے بیٹا دیا۔ اسمٰعیل اور اس کی بیوی کی مرادیں پوری ہوگئیں۔

(۲)

ادھر ناصرہ کی قسمت پھوٹی۔ سولھویں شادی ہوئی اٹھارہویں میں بیوہ ہوگئی۔ ماں باپ اقربا کو ناصرہ کے پھوٹے نصیبوں پر بڑا رنج ہوا لیکن اسمٰعیل کا ترکہ تو لا محالہ ان کے اطمینان کا باعث بھی تھا۔ وہ سمجھتے کہ ناصرہ بیوہ ہوئی تو کیا آج وہ لاکھوں نقدی اور سینکڑوں کوٹھیوں کی مالک ہے۔ اس کی تمام عمر شاہانہ عشرت اور بے فکری سے کٹے گی۔ رہا سوگن کا ڈر کا تو بیچاری یوں بھی ماجائی بہن کا سا برتاؤ کرتی ہے۔ دوسرے اس کی صحت خراب ہے اس کو بھی چند دنوں کا مہمان سمجھنا چاہیئے۔

لیکن ناصرہ کی دلی کیفیت کا ان ظاہر بینوں نے ذرا سا بھی اندازہ نہ کیا۔ اس کی آنکھوں میں یہ گھر بار اور یہ مال و دولت خاک نظر آتا تھا۔

ناصرہ کے نازک دل پر اسمٰعیل کی موت کا دوسرا چرکہ تھا۔

یہ کہکر محمود یک بیک رک گیا۔ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔ اس کے خاموش ہونے پر میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ رو رہا تھا۔ مجھ کو تعجب ہوا میں نے تسلی دینا چاہی۔ میرے ہر لفظ تشفی پر اسکی بیقراری بڑھتی گئی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ میں نے اُسے پکڑ کر ایک آرام کرسی پر لٹا دیا۔ اور قریب ایک اسٹول کھینچکر اس کے آنسو پونچھنے لگا۔ اور اس کی پیشانی پر ہاتھ پھیرتا رہا۔ میری سمجھ میں کوئی بات نہ آتی تھی۔ اور میں خاموش تھا۔

(۳)

تھوڑی دیر کے بعد جب محمود کو ذرا تسکین ہوئی تو اس نے پھر اپنا قصہ یوں شروع کر دیا۔

"میرا اور ناصرہ کا بچپن ساتھ گذرا ہے۔ ہم دونوں ساتھ کھیلتے اور طفولیت کے بھولے پن سے عجیب عجیب عہد و پیمان کیا کرتے تھے۔ ہماری محبت اور آپس کی جاں نثاریوں کو دیکھکر گھر کی بوڑھیاں اکثر کہا کرتیں۔ کہ ان میں ازلی محبت ہے۔ خدا اسی طرح قائم رکھے۔ اوّلاً تو ہمارے والدین کا بھی یہی ارادہ تھا۔ کہ جس طرح آسمانی قوانین کے ماتحت ہماری زندگیاں ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ اسی طرح ان کو انسانی قوانین کے رشتہ سے منسلک کر کے دائمی بنا دیا جائے۔ لیکن افسوس کہ اسمٰعیل کا تمول، ناصرہ کی بے زبانی، میری بے علاقہ زندگی، والدین کا اصرار اور رواج کے گورکھ دھندے کے تمام تانے بانے الجھ کر رہ گئے۔ یہ شادی نہ تھی۔ بادِ سموم تھی جس کے آگے پہلے ہی جھونکے میں ناصرہ کی ادھ کھلی کلی مرجھا کر رہ گئی۔ میں وہم بجود تھا۔ میری حالت تصویر حیرت سے کم نہ تھی میں بے بس تھا اور ناصرہ بے دست و پا۔

وہ خاموش تھی اس نے اپنے کو تقدیر کے سپرد کر دیا اپنے کملائے ہوئے دل کو پہلو میں دبا کر ماحول سے مطابقت کی کوشش کرنے لگی والدین کے عہد و پیمان کا پاس، شوہر کی خدمت کا فرض۔ رسم و رواج کی پابندی اور فطری رجحان کی ایک کشاکش میں مبتلا ہوگئی۔

اس نے اپنے جذبات کو دبا یا اور وہ اشکِ پنہاں ہو کر رہ گئے۔

یہی بے بسی میری چارہ ساز ہوئی۔ میرا ذرا سی بیقراری، میرا ذرا سا اضطراب ناصرہ کے لئے ناموس سوز ثابت ہونیوالا تھا۔ اور یہ مجھ کو اپنی حیات کی قیمت پر بھی گوارا نہ تھا۔ مجھے اپنے استقلال، اپنے صبر اور اپنے سکون ہی میں ناصرہ کا مستقبل روشن اور اس کا ناموس پاک نظر آیا۔ اور میں نے اپنے کو قسمت کے حوالہ کر دیا۔

میری خاموشی مصلحت کے تقاضے کے مطابق تھی لیکن میرے سینہ میں ہی التہاب باقی تھا۔ اس کے شعلہ زن ہونے میں صرف حسب حال ماحول کا انتظار تھا۔

اسی کاوش میں ہم پر دو جاڑے دو گرمیاں اور دو برساتیں گذر گئیں اور فطرت اپنا کام کرتی رہی۔

موسم کا ہیر پھیر زمین کی گردش اور زمانہ کا انقلاب تو افکار کو خاک سیاہ بنا کر اڑا سکے۔ اور نہ التہاب میں برف کی خنکی پیدا کر سکے۔

(۴)

اسمٰعیل کی وفات کے بعد جو ظاہر اسباب حائل تھے وہ ہٹتے رہے۔ یکسر مایوسی کی جگہ کبھی کبھی امید کا درخشاں منظر آنکھوں کے سامنے پھر جاتا میری پرانی حالت عود کر آئی میں ہمیشہ اس دعا میں مصروف رہتا الٰہی مجھے اپنی زندگی کے ازلی مقاصد سے ہمکنار فرما اور ناصرہ کے مفارقت کے الم سے بچا۔

ناصرہ کی عدت کا زمانہ گذر چکا تھا۔ اس کی [illegible]

[illegible] کو ... کی صورت کم کرتی جاتی تھی۔ اسی عالم میں [illegible] نے ... [illegible] طے کرلیں۔

اب ناصرہ ہر [illegible] میں حصہ لیتی تھی۔ اعزہ و احباب کے دعوت نامے آتے اور وہ وہاں جاتی۔ اسمٰعیل کی پہلی بیوی کی علالت میں روز بروز ترقی ہی تھی۔ حالانکہ وہ صاحب فراش نہ ہوتی تھی تاہم اس کی صحت اس قابل نہ تھی۔ کہ وہ عزیزوں کے یہاں ہر تقریب میں شرکت کر سکے۔ بدیں وجہ ناصرہ کی شرکت ان تقریبوں میں اور بھی لابدی ہوگئی تھی۔

جب وہ شادیوں کی تقریبوں میں جاتی تو اس کی خاک شدہ امنگیں ابھرنے لگتیں۔ اس لئے کہ انہیں زبردستی گھونٹ گیا تھا! ور ان میں ہیجان پیدا ہوجاتا۔

جب وہ عزاداری تقریب میں شریک ہوتی تو اسے اسمٰعیل کی موت یاد آجاتی اور اپنی خاص زندگی کا تاریک نقشہ پھر ایک بار اس کی آنکھوں کے سامنے پھر جاتا تھا۔

وہ عموماً اس قسم کے متضاد خیالات میں پڑجاتی اور ایسی کشاکش کے عالم میں گھنٹوں اپنے دل سے باتیں کیا کرتی۔

(۵)

الٰہ آباد میں معین کے یہاں شادی تھی۔ دعوتیں آچکی تھیں۔ شادی میں ہماری شرکت کا اصرار تھا۔ خط و کتابت کے بعد تار آنے لگے تھے میری والدہ تو پندرہ سے پہلے الٰہ آباد پہنچ گئی تھیں۔ مگر اوروں کی شرکت کے لئے اصرار ہو ہی رہا تھا۔

دسمبر کی ...ویں تاریخ کو والد نے بلا کر مجھ سے کہا آجکل تمہارا کالج بڑے دنوں کی تعطیل کی وجہ سے بند ہے۔ معین کے یہاں شادی میں تمہاری والدہ نے تم کو اور ناصرہ کو بلوایا ہے۔ آج ہی شب کی گاڑی سے تم دونوں روانہ ہوجاؤ۔ اچھا جاؤ اپنی تیاری کرلو۔

میں نے اپنے والد کے ارشاد کے مطابق تیاری کرلی۔ مگر میں سوچتا تھا۔ والدہ نے بلایا ہے۔ مجھ کو اور ناصرہ کو۔ میں ناصرہ کے ہمراہ الٰہ آباد جاؤں گا۔ میرا اور ناصرہ کا ساتھ ہوگا۔ ناصرہ کو لیکر کوئی اور کیوں نہیں جاتا [illegible] کو کیوں بلایا ہے۔ کیا ناصرہ میرے ساتھ یقیناً جائے گی [illegible] خیال تھا۔ کہ ناصرہ نے جاکر پوچھیں کہ وہ میرے ساتھ چلنے پر تیار بھی ہے یا نہیں مگر خدا جانے کیوں جب میں جانا چاہتا جاتا تھا۔

مجھ کو ۹ بجے رات کے شدید انتظار تھا۔ شام ہونے آتی تھی۔

خدا خدا کرکے شام ہوئی۔ مغرب بعد والد نے بلایا اور باتیں سمجھا دیں۔ میں نے ان کے ساتھ کھانا کھایا مگر عجیب کیفیت لقمہ حلق سے نیچے نہیں اترتا تھا۔ دیر ہونے کا خوف دل کو بٹھا دیتا تھا۔

وقت ہوا کریم نے دروازہ پر تانگہ لاکھڑا کیا۔ سامان پر رکھا لاگیا۔ اور حمید ناصرہ کو لینے گئے۔ چند منٹ میں ہم سب ... تھے۔ ابھی گاڑی آنے میں پندرہ بیس منٹ کی دیر تھی۔

حمید نے ہم لوگوں کے لئے ٹکٹ خریدے کریم نے ... ایک جگہ رکھا۔ یونہی انتظار کی ساعتیں کٹ گئیں۔

(۶)

گاڑی آئی حمید اور کریم کی نظریں ڈبہ کے انتخاب میں ... گئیں۔ انہوں نے ایک خالی ڈبہ دیکھ لیا۔ اس میں سامان رکھا گیا پھر گاڑی نے سیٹی دی۔ اور کریم نے خدا حافظ کہا۔ اور ہم دونوں روانہ ہوگئے۔

شب خنک اور تاریک تھی محیط ابر گھیرا ہوا تھا۔ سرد ہوا کے ... دل کے اندر پہنچ پہنچ کر حواس مختل کئے دیتے تھے تھوڑی دیر کے بعد ... بھی شروع ہوگیا۔

گاڑی اپنی پوری رفتار سے جارہی تھی۔ تیز ہوا کے جھونکے بوندوں کو لئے اندر آتے اور غریب مسافروں کا کلیجہ ہلا دیتے ہم نے ان کے بے پناہ حملوں سے بچنے کے لئے دونوں کی کھڑکیاں چڑھا لیں۔ اور اپنی اپنی دولائیاں کاندھوں پر ڈال ... اس کمپارٹمنٹ میں صرف ہم ہی دو تھے۔ ہمارے لبوں پر سکوت لگی ہوئی تھی۔ خیالات کا ہجوم تھا جس سے تکان کا ... ہونے لگا تھا۔

ناصرہ نے اس دماغی کوفت کو زائل کرنے کے لئے

کھولا۔ دو پان لگائے۔ اور دوسرا مجھے دیتے ہوئے کہنے لگی۔ محمود! لو ہوا بڑی سرد ہے اور طوفان سخت ہے۔ میرا دل سہما جاتا ہے!"

میں نے پان لے لیا۔ اور کہا "جی ہاں! بڑی سردی ہے"

بتدریج گفتگو کا رخ خاص اس موضوع کی طرف پلٹتا گیا۔ جواب تک عالم سکوت میں ہمارے دماغ پر مسلط تھا۔

دو چار جملوں کے بعد ناصرہ نے پوچھا "ہمیں کیوں بلوایا ہے؟"

مجھے مطلق علم نہیں والد نے یک بیک آج دوپہر کو مجھے بلا کر کہا تم کو ناصرہ کے ہمراہ آج ہی شب کی گاڑی سے الہ آباد جانا ہوگا۔

چچی جان کو آجکل تمہاری شادی کی بڑی فکر ہے۔ غالباً اسی خیال سے بلایا ہو۔ اس تقریب میں سب عزیز جمع ہو گئے! اس قسم کی گفتگو کا پورا موقع ملے گا۔

میں اس کے مخالف ہوں۔ میں ہرگز گوارہ نہیں کر سکتا کہ میری مرضی کے خلاف میری شادی ہو۔

"آخر کب تک شادی نہ کرو گے"

"ابھی نہیں میں کسی سے شادی نہ کروں گا"

کیوں؟

مجھ کو تم سے ازلی محبت ہے

یہ سنتے ہی ناصرہ ایک عالم سکوت میں ہو گئی تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد اس نے کہا۔ اب حالات بدل گئے۔ یہ غیر ممکن ہے کہ تجھ سے اور تم سے ارضی تعلقات قائم ہو جائیں۔

مگر مجھ کو تو غیر ممکن نظر نہیں آتا۔

اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ پھر خاموشی طاری ہو گئی۔ میں کچھ سوچ رہا تھا۔ ناصرہ گہرے خیالات میں ڈوبی ہوئی تھی۔ گاڑی پوری رفتار سے جا رہی تھی۔ ہم کو علم نہ تھا۔ کہ ہم کہاں ہیں۔ یک بیک گاڑی رکی اور قلیوں کی چیخ و پکار سے معلوم ہوا کہ ہم اپنی منزل مقصود پر پہنچ گئے۔

میں نے دروازہ کھولا۔ ان لوگوں سے ملاقات ہو گئی جو ہمیں اسٹیشن پر لینے آئے تھے۔ تھوڑی دیر میں ہم مکان پر تھے۔

(۷)

دوسرے ہی دن وہ باتیں ہونے لگیں جن کے لئے میں تیار نہ تھا۔ اور جو میرے لئے ایک غیر مختتم سلسلہ کوفت پیدا کرنے والی تھیں۔ پہلے تو مجھ سے کسی نے کچھ نہ کہا بالآخر میرے قابل عزیزوں اور احباب کے توسط سے جو اس کے لئے موزوں تھے مجھ سے کہا گیا۔ کہ احمد علی صاحب مجھے اپنی فرزندی میں لینے پر رضامند ہیں۔ اور میرے والدین کی بھی یہی خواہش ہے۔

اس خبر نے مجھ پر عجیب اثر کیا۔ نفرت اور وحشت کے جذبات میں ہیجان پیدا ہو گیا۔

میرا چہرہ متغیر ہو گیا۔ شدید نفرت کی لہریں دل میں اٹھنے لگیں۔ کبھی ملامت آمیز غصہ آتا۔ اور کبھی حقارت خیز تاسف کبھی ناامیدی حسرت ہمت شکن اور جرأت آزما حسیات کی کشاکش تھی! اور جس نے میری قوت گویائی گویا سلب کر لی تھی۔ میں خلا میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا یا افسردگی سے کبھی کبھی اپنے ان احباب کی صورتیں ایک احمقانہ انداز سے دیکھنے لگتا۔ جو اپنے خیال میں قاصد فرخ پیام ہو کر آئے تھے۔

وہ منتظر تھے کہ میں کچھ کہوں۔ وہ مجھے خوش قسمت سمجھ رہے تھے اور انہیں اپنے خیال کے مطابق جو مسرت افزا جواب کا انتظار تھا۔ ان کی امید افزا بے صبری ان کے چہروں سے عیاں تھی۔ آہ۔ مگر وہ ناواقف تھے۔

اسی عالم تذبذب میں قریب قریب ایک گھنٹہ گزر گیا۔ اب میری خاموشی اُن کے لئے ناقابل برداشت ثابت ہونے لگی۔ انہوں نے ہر چند کوشش کی کہ کچھ کہوں مگر ان کی سب سعی رائیگان اور ہر کوشش ناکام ثابت ہوئی انہوں نے میری خاموشی کی تاویلیں کرنی شروع کر دیں۔ اور اپنے اپنے خیال کے مطابق تاویلیں کر کے اُٹھ گئے۔ مگر میں خاموش تھا۔

مجھے خبر بھی نہ ہوئی کہ انہوں نے کیا کیا اور کیا کہا؟

مگر انہوں نے میری خاموشی کو میری نیم رضامندی سے تعبیر کیا اور یہی جا کر سب سے کہہ دیا۔ مگر مجھ کو اس کا علم نہ تھا۔ میں خاموش تھا اور افسردہ خاطر۔

اسی دن ناصرہ سے اس کی چند سہیلیوں اور بھولی لڑکیوں نے کہا تمہاری چچی وغیرہ چاہتی ہیں کہ تم اپنے اس ابن وصال پر رحم کر کے اب دوسرا عقد کر لو۔ انہوں نے ساجد کا انتخاب کیا ہے۔ وہ بھی راضی ہو تم دیکھتی ہو کہ ساجد خدا کے فضل سے نوجوان [illegible]

"...بھلا مجھ جیسا اچھا ہو گا"

اتنا سنتے ہی ناصرہ غصے سے سُرخ ہوگئی۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ جھلا کر بول اٹھی۔ "ایک مرتبہ تو میں نے ان لوگوں کے حکم کی تعمیل میں سینہ پر پتھر کی سِل دھر لی۔ اب دوبارہ پھر مجھے دوزخ میں جھونکنا چاہتی ہیں۔ مجھ کو منظور نہیں۔"

ناصرہ کا جواب سن کر سب کو تعجب ہوا۔ انہوں نے ہر چند سمجھانا چاہا لیکن اس کے استقلال میں ذرا سا بھی فرق نہ آیا۔ وہ اپنی رائے پر قائم تھی اور خوش۔

(۸)

یکم جنوری کو میں تنہا واپس آگیا۔ سب کو میرے امتحان اور نتیجہ امتحان کا انتظار تھا۔ وہ وقت بھی خیر و خوبی سے گزر گیا۔ میں امتحان میں کامیاب ہوگیا۔ واقعات نے کچھ عجیب غریب شکلیں اختیار کیں۔ مجھے ملازمت کرنی پڑی۔ میری ملازمت میرے والدین کے لئے باعث تشفی ہوئی۔ اب میری شادی کا خیال اور بھی زیادہ اہم ہوگیا۔ احمد علی صاحب کا اصرار ناقابل برداشت ہو رہا تھا۔ والد نے مجھے لکھا۔ مگر میں پھر بھی خاموش تھا۔ وہی جذبات اور وہی افسردگی تھی۔ میں نے سوچا کہ ناصرہ سے جاکر زبانی عرض حال کروں۔ اگر وہ منظور کرے تو ہمت باندھ کر والد صاحب کو صاف جواب دے دوں۔ اس خیال کا عملی جامہ میں منتقل ہونا ایک مشکل امر تھا۔ مگر میں نے جرأت کی اور آج ہی شام کو ناصرہ کے گھر گیا۔

اتفاق سے وہ تنہا مل گئی۔ میں نے بڑی ہمت کر کے سب کچھ کہدیا وہ چپ چاپ سنتی رہی۔ اخیر میں اُس نے صرف اتنا کہا۔ "غیر ممکن"

میں نے پھر بھی چاہا کہ اُسے یقین دلاؤں لیکن اُس نے ذرا سی بھی توجہ نہ کی۔ ترش ہو کر جھڑک دیا۔ کمرہ کے اندر ہو کر اس نے دروازہ بند کر لیا۔ چہرہ سے غصہ عیاں تھا۔ آنکھیں شعلہ فشاں ہو رہی تھیں۔ آواز میں تھراہٹ اور بدن میں لرزہ۔

میرے شیشۂ دل کو چور کرنے کے لئے یہ صدمہ کافی ہے۔ یہ جو میری آنکھوں میں سیاہ ہو رہی ہے میں ابھی وہیں سے آرہا ہوں۔

اس قصہ کو ختم کرتے ہی محمود ایک جوش کے ساتھ سنبھل بیٹھا میں کچھ جھجکا میرے سنبھلتے سنبھلتے اس نے اپنی جیب سے پستول نکالا اور اس کی نال اپنے سر کی طرف کر کے داغ ہی تو دیا۔ خدا جانے کیسے میں فیر کرتے وقت میرے ہاتھ کا ایک غیر اختیاری دھکا اُسے لگا۔ اور نشانہ خطا کر گیا۔ گولی اُوپر ایک تصویر میں لگی۔

اتنے میں میں نے جھپٹ کر اُس کے ہاتھ سے پستول چھین لیا مگر وہ میری طرف بیوقوفانہ انداز سے دیکھ رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا وہ اپنی زندگی سے سیر ہے۔

(۹)

میں نے اُسی وقت محمود کے والد کو بُلوا بھیجا۔ وہ آ گئے۔ اُنہیں وہیں چھوڑ جیب سے کہا کہ محمود کو کہیں جانے نہ دینا۔ اس کے والد کے ہمراہ دوسرے کمرہ میں چلا گیا۔

اُن سے تمام واقعات بیان کئے۔ محمود کی والدہ کو خبر ہوگئی۔ ناصرہ کو بھی معلوم ہوگیا۔ اب وہ خاموش تھی۔

اسی کمرہ میں جہاں محمود اپنی آخری سانسیں توڑنے والا تھا ناصرہ سے اس کا عقد ہوگیا!

(عبد الستار خان)

غزل

از جناب حرماںؔ خیرآبادی

ترے غم سے دل شادماں دیکھتا ہوں ۔۔۔ تجھے راحت جاوداں دیکھتا ہوں
تماشائے کون و مکاں دیکھتا ہوں ۔۔۔ ترے حسن میں اک جہاں دیکھتا ہوں
زمانے کی برگشتگی کا یہ عالم ۔۔۔ کہ ہر شے کو دامن کشاں دیکھتا ہوں
کبھی بجلیاں رونق گلستاں تھیں ۔۔۔ شجر آج بے آشیاں دیکھتا ہوں
کبھی اپنی مایوسیوں پر قناعت ۔۔۔ کبھی جانب آسماں دیکھتا ہوں
کبھی خاک کی رفعتوں پر نظر ہے ۔۔۔ کبھی چرخ کی پستیاں دیکھتا ہوں
اک انداز وارفتگی ہے نہ پوچھو ۔۔۔ کسے دیکھتا ہوں کہاں دیکھتا ہوں
کچھ آساں نہیں مرحلہ زندگی کا ۔۔۔ قدم موت کے ناتواں دیکھتا ہوں
محبت کا ادنیٰ تصرف ہے حرماںؔ ۔۔۔ جہاں میں نہیں ہوں وہاں دیکھتا ہوں

ابن بطوطہ کی سیاحت

از جناب شمشاد احمد صاحب بھوپال

ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ المعروف بہ ابن بطوطہ تاریخ عالم میں سیاح ہونے کی حیثیت سے خاص شہرت رکھتا ہے۔ یہ طنجہ میں مراکشی سواحل اطلانتک پر واقع ہے ۷۰۳ھ میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا شمار ان چند ممتاز شخصیتوں میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنے وجود سے آٹھویں صدی کو اعزاز بخشا۔

ابن بطوطہ کی طفولیت اور ابتدائی تعلیم و تربیت کے حالات سے ہم بالکل ناواقف ہیں۔ اس کے سفرنامے سے اس قدر پتہ چلتا ہے کہ اُسے دینی علوم میں پوری مہارت حاصل تھی۔ ۲۲ سال کی عمر میں اسے حج بیت اللہ کا شوق پیدا ہوا اور اس ارادہ سے وطن سے نکلا۔ چنانچہ خود لکھتا ہے:۔

"میں اپنے مولد طنجہ سے جمعرات کے دن ۲ رجب ۷۲۵ھ (جون ۱۳۲۵ء) کو حج اور روضہ نبوی کے لئے روانہ ہوا۔ میں تنہا تھا۔ نہ کوئی ہمراہی تھا جس کی صحبت سے دل بہل سکتا۔ نہ کوئی کاروان جس میں شامل ہو جاتا۔ ایک عزم تھا جو دامن کش تھا۔ احباب سے جدائی گوارہ کی۔ وطن کو اس طرح خیرباد کہا جس طرح کوئی پرند آشیانہ چھوڑ دیتا ہے۔ ماں باپ کی مفارقت کا صدمہ اٹھایا غرض سب کو تڑپتا چھوڑ کر چل کھڑا ہوا۔ اس وقت میری عمر ۲۲ سال کی تھی۔"

پہلے وہ طرابلس اور پھر اسکندریہ پہنچا۔ یہ مقام اسے بہت پسند آیا وہ شہر گیا اور ایک محقق سیاح کی طرح شہر اور اس کے آثار کی تحقیق میں مصروف ہو گیا۔ اس نے اسکندریہ کا تعمیر کیا ہوا مینار بھی دیکھا جس میں اس وقت کہنگی کے آثار نمایاں ہو چکے تھے۔ پھر قاہرہ گیا اور پایۂ تخت کی عمارات مساجد اور اہرام کی سیر کی۔

قاہرہ اس وقت بھی ایک گنجان اور بارونق شہر تھا۔ اس نے ملک کا ایک سرے سے دوسرے سرے تک دورہ کیا اور علماء۔ امراء اور شاہِ وقت سے بھی ملا۔ اس وقت ملک ناصر مصر کا حکمران تھا۔

حج کا راستہ بالائی مصر ہو کر جاتا تھا۔ مگر اس زمانے میں چو شاہ بجاۃ اور سلاطین مصر سے جنگ ہو رہی تھی۔ اور بحرِ قلزم کا راستہ اس لئے نیل کے راستہ سے پھر مصر ۷۲۶ھ میں واپس آنا پڑا۔ جہ سے وہ صحرا سینا کی راہ فلسطین پہنچا۔ اور اسلامی اور مسیحی مقاماتِ مقد کی سیر کرتا ہوا شام آیا۔ اور صحرا کو عبور کر کے حجاز میں داخل ہوا اور سے مشرف ہوا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں اُسے مشرقی دنیا کی سیاحت پیدا ہوا۔ درحقیقت ابن بطوطہ کی سیاحت اور عظمت کا باب یہیں سے ہے۔ یہیں سے اس کی دماغی قابلیت، محققانہ ذوق اور عزم و ہمت چلتا ہے۔ اور اسی سفر میں وہ فارسی اور ترکی زبانوں پر عبور حاصل کرتا۔

حج سے فراغت کے بعد وہ وطن واپس نہیں گیا بلکہ نجد اور عرب کو عبور کر کے عراق پہنچا۔ پھر دجلہ و فرات کی راہ عراقِ عجم میں داخل اور شیراز اور اصفہان کی سیر کی اور پھر خلیج فارس ہو کر عراق عرب میں اور بغداد پہنچا۔ بغداد کی حالت اس وقت نہایت زبون تھی۔ تاتار کی تخریب کے بعد عباسی دارالخلافہ ویران ہو گیا تھا۔ وہ موصل اور نصیبین ہوتا ہوا سنجار آیا۔ یہاں وہ بیمار ہو گیا اور مزید سفر کو عارضی طور پر کر کے مکہ واپس آ گیا جہاں وہ ۷۳۰ھ تک مقیم رہا۔ مکہ کے قیام کی لکھتا ہے:۔

"یہاں میری زندگی عجیب کیف سے گذرتی تھی۔ طوافِ کعبہ خدا اور مقاماتِ مقدسہ کی زیارت میں خاص لطف آتا تھا۔ اس قامت (تقریباً ایک سال) کے بعد پھر اس میں جوش پیدا ہوا اور

سے بھی زیادہ طویل سفر کے لئے آمادہ ہو گیا۔ مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر وہ یمن پہنچا۔ اور ساحل عرب۔ خلیج فارس، عمان، ہرمزہ اور بحرین کی سیر کرتا ہوا مکہ واپس آگیا جہاں اس کی ملاقات ملک الناصر شاہ مصر سے ہوئی۔

حج سے فارغ ہو کر وہ پھر چلا اور بحیرۂ احمر کو عبور کر کے سوڈان، بلادِ صعید کی سیاحت کرتا ہوا قاہرہ پہنچا۔ وہاں کچھ قیام کے بعد شام گیا اور وہاں لاذقیہ سے جہاز کے ذریعہ ۷۳۳ھ میں اناطولیہ میں داخل ہوا۔

اس وقت اناطولیہ میں سلطان اُرخان بن عثمان کی حکومت تھی۔

اناطولیہ سے اُس نے قسطنطنیہ کا قصد کیا۔ اسی زمانے میں حُسنِ اتفاق سے سلطان محمد ازبک خان کی ملکہ "خاتون بیلون" اپنے باپ شاہِ قسطنطنیہ کی ملاقات کو جا رہی تھی۔ وہ بھی شاہی قافلے میں شامل ہو گیا۔ اور ۷۳۳ھ/۱۳۳۲ء میں نہایت تزک و احتشام کے ساتھ بیزنطینی پایۂ تخت میں داخل ہوا۔ چنانچہ لکھتا ہے۔

"ہم زوال کے وقت قسطنطنیہ میں داخل ہوئے۔ پورے شہر میں ناقوس اس زور سے بجائے جا رہے تھے کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ قصرِ شاہی کے پہلے پھاٹک پر سو مسلح سپاہی ہمارے خیر مقدم کو کھڑے تھے۔"

اس تقریب سے اُسے شہر قسطنطنیہ کی دید کا خوب موقع مل گیا۔ ورنہ ان دنوں تمام مغربی سلطنت روما میں مسلمان اور عرب سیاحوں کا داخلہ بند تھا کیونکہ صلیبی اور ہلالی معرکہ آرائیوں کا سلسلہ گرم تھا۔

ابن بطوطہ نے مشہور کلیسیا سینٹ آیا صوفیہ کو اچھی طرح دیکھا۔ اور اس شہر (قسطنطنیہ) کی مسلمانوں کے قبضہ سے ایک صدی قبل سیر کی۔ وہ بادشاہ کے دربار میں بھی باریاب ہوا۔

دربار کے حالات اُس نے تفصیل سے لکھے ہیں۔ اس وقت قسطنطنیہ گو اپنی سابقہ عظمت سے بہت کچھ کھو چکا تھا تاہم عروس البلاد تھا۔ قسطنطنیہ میں وہ چند ہفتے مقیم رہا۔ یونانی تمدن کا اس کے دل و دماغ پر گہرا اثر پڑا۔

یہاں سے دوبارہ اناطولیہ ہو کر وہ ترکستان کی طرف بڑھا اور خوارزم پہنچا۔ اس وقت یہ صوبہ سلطان محمد ازبک کے زیر نگین تھا۔ وہ شمالی سمت میں دور تک چلا گیا حتیٰ کہ اس خطے کے قریب پہنچ گیا جہاں چھ چھ ماہ تک سورج کی روشنی نظر نہیں آتی اور جسے اس نے ارض الظلمات کے نام سے موسوم کیا ہے۔ تعجب ہے کہ [illegible] کو اس جگہ کو بچشم خود دیکھنے کا شوق ہوا۔ لیکن راستہ چونکہ دشوار گزار اور خطرناک تھا اور وہاں کوئی ایسی چیز بھی نہ تھی جو ایک سیاح کی دلچسپی کا باعث ہو سکتی اس لئے اس نے اپنے ارادہ کو ملتوی کر دیا۔

اس جگہ کے حالات اس نے تفصیل سے لکھے ہیں۔ وہاں کا طرزِ بود و ماند اور ذرائع آمد و رفت جو اس برفستانی مقام پر کتوں کی گاڑیاں ہیں۔ اس نے اسکیمو قوم اور ان سے جنوبی تاجروں کی تجارت کے طریقوں کا حال بھی تحریر کیا ہے جو نہایت عجیب ہے۔ لکھتا ہے:

"وہاں سکہ کا کوئی رواج نہ تھا۔ جنس کا تبادلہ جنس سے کیا جاتا تھا اور ایک نئے انداز پر۔"

"منڈی میں سمور کے ڈھیر لگے رہتے تھے۔ یہ جنوبی تاجر انہیں ڈھیروں کے قریب سامان رکھ کر واپس ہو جاتے تھے۔ دوسرے دن اگر اُنہیں اپنا سامان موجود نہ ملتا تھا تو سمجھ لیتے تھے کہ قیمت قبول کر لی گئی اور سمور کا ڈھیر اُٹھا لیتے۔ ورنہ اپنے سامان میں اور کچھ اضافہ کر دیتے یا اُسے ہٹا لیتے۔ باشندگانِ ملک سے کبھی ملاقات نہ ہوتی تھی۔"

یہاں سے وہ بخارا پہنچا۔ شہر تاتاری دست و بُرد کے باعث تباہ ہو چکا تھا۔ اس نے حضرت امام بخاری کے روضہ کی زیارت کی۔ اور دوسرے آثار دیکھے۔ پھر تاتار، ماوراء النہر، خراسان اور ترکستان گھومتا ہوا بلوچستان کی راہ سے ہندوستان میں داخل ہوا اور ۷۳۴ھ میں دہلی پہنچا۔

ابن بطوطہ کی سیاحت چونکہ نہایت طویل ہے اس نے مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک تمام مشہور مقامات کی سیر کی اور افریقہ بھی گیا۔ اسے سلطان محمد شاہ کی خدمت میں خاص رسوخ حاصل ہو گیا تھا جس کی بنا پر وہ قضا کے منصب پر مقرر ہو گیا پھر [illegible] سفارتوں پر بھی بھیجا گیا۔

دہلی میں اس نے ۸ سال تک قضا کی خدمات نہایت دیانتداری کے ساتھ انجام دیں۔ اسی دوران میں اس کے بعض حاسدوں نے اس کے [illegible] اس کی نوبت نہ آنے دی اور [illegible] سے منصب سے دست بردار ہو گیا۔

[illegible] سے ... کو چینی سفارت کے جواب [illegible] کی نگرانی میں بھیجنے کے لئے ابن بطوطہ کو منتخب کیا۔ اور اس کی سرکردگی میں ایک جماعت چین کے دربار [illegible] لیکن یہ منزل مقصود پر نہ پہنچ سکا اور وہ جہاز جس [illegible] سوار تھے سمندر میں غرق ہو گیا۔ حسن اتفاق سے ابن بطوطہ اس وقت ایک دوسری کشتی میں تھا۔ بچ نکلا۔ دربار کی زندگی سے وہ پہلے ہی سے بیزار تھا۔ اس حادثے کو اپنے حق میں تائید غیبی سمجھا اور پھر دہلی [illegible] ہندوستان کے حالات بطوطہ نے نہایت تفصیل سے لکھے ہیں۔ یہاں کے رسم و رواج۔ عبادات۔ عادات پر کافی بحث کی ہے۔

ہندوستان سے وہ جاوا۔ سماٹرا اور چین گیا اور غالباً پیکنگ تک پہنچ گیا۔ یہ شہر اس وقت سیاسی انقلابات کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اس لیے وہ وہاں زیادہ ٹھہر نہ سکا اور ہندوستان واپس آگیا۔

ہندوستان میں کچھ دن قیام کرکے وہ فارس و شام اور مصر ہوتا ہوا [illegible] میں کامل دس سال کی غیر حاضری کے بعد وطن پہنچا۔

لیکن وطن میں اس کا قدم زیادہ عرصے تک نہ ٹھہرا۔ اور جلد ہی وہ اسپین کی سیاحت کو روانہ ہو گیا۔ اس وقت یہ اسلامی سلطنت [illegible] غرناطہ کے علاقے میں محصور ہو کر رہ گئی تھی۔ ابن بطوطہ نے [illegible] علماء و فضلا سے ملاقاتیں کیں۔ اور قدیم آثار دیکھے اور [illegible] واپس آگیا۔

[illegible] تھوڑے ہی عرصے کے بعد اس کی [illegible] زندگی میں ایک اور باب کا اضافہ ہوا۔ اس نے افریقہ کے اندرونی اضلاع کی سیر کا قصد کیا۔

افریقہ میں اس نے شمال مشرقی سواحل اور مغربی سوڈان کی سیر کی۔ شمالی و مشرقی سواحل پر چونکہ عربی تہذیب و تمدن رائج تھا اس لئے اسے ان مقامات پر کوئی دقت پیش نہ آئی اور جہاں تک متمدن شہر اور آبادیاں ملتی گئیں وہ بڑھتا چلا گیا اور خط استوا سے بھی آگے زنجبار اور ضوفہ تک پہنچ گیا۔

سوڈان میں اس نے ٹمبکٹو اور بہت سی عجیب آبادیوں کی سیر کی۔ یورپی سیاح ولکینا تحریر کرتا ہے کہ ابن بطوطہ پہلا سیاح ہے جو وسط افریقہ تک پہنچا۔ اور تحریری یادداشت چھوڑی۔

ابن بطوطہ کا یہ آخری سفر تھا۔ شاہ مراکش سلطان ابو عنان کو اس سے خاص دلچسپی ہو گئی تھی۔ وہ اس کے سفر کے حالات سنتا تھا اور مسرور ہوتا تھا۔ یہ واقعہ [illegible] کا ہے۔ اس طور پر اس نے ۲۲ سال کی عمر سے سیاحت شروع کی اور ۵۳ برس کی عمر میں ختم کی۔

سلطان کے حکم سے اس نے اپنے سفر کے حالات ابن جوزی کو قلمبند کرائے۔ ابن جوزی کا یہ گراں قدر نسخہ آج بھی نیشنل لائبریری پیرس میں محفوظ ہے۔

ابن بطوطہ دنیا کا بہت بڑا سیاح تھا۔ اس نے پورے ۳۰ سال تک سیاحی کی اور تخمیناً ۷۵۰۰۰ (پچھتر ہزار) میل کا سفر کیا۔ ایسے زمانے میں جب آمد و رفت کے ذرائع میں آج جیسی آسانیاں نہ تھیں۔

اس کے سفر کے تفصیلی حالات وقت اور گنجائش چاہتے ہیں۔ اس لئے اس مضمون میں ان کا تمام و کمال ذکر ممکن نہیں تھا۔

[illegible]

بادۂ الفت

جناب مرزا غلام عباس صاحب دہلوی زاہر

ہم سے [illegible] کر مری جانب جو نظر کی ‖ اک برق گری خلق [illegible]
دنیا کی نہ عقبےٰ کی۔ نہ دل کی نہ جگر کی ‖ اس وقت طلب ہے تو بس اک تیری نظر کی
مجھ پر ہو نوازش ترے ہر تیر نظر کی ‖ تکرار ہے آپس میں یہی قلب و جگر کی
چہرے سے ہٹی زلف اب اس رشک قمر کی ‖ صورت نظر آئی ہمیں مر مر کے سحر کی
بن بن کے وہ بگڑا کبھی ہنستا رہا مجھ پر ‖ اس طرح شب وصل کی ظالم نے سحر کی
الجھا رہا آرائش گیسو میں شب وصل ‖ سلجھاتے ہی سلجھاتے ستمگر نے سحر کی
اس دہر میں کس طرح رہے ہم سے نہ پوچھو ‖ آئے تھے بسر کرنے یہاں عمر بسر کی
صدقے میں ترے کعبہ و بتخانہ تو دیکھے ‖ لیکن ابھی باقی ہے تمنا ترے در کی
پہنچائے خدا جلد در شاہ نجف پر ‖ اب آٹھ پہر فکر ہے زاہر کو ادھر کی

افسانہ

کٹا ہوا ہاتھ

از جناب پروفیسر محمد اسلم صاحب پرویز

"زمانہ گزرا" بوڑھے فوجی نے اپنے کٹے ہوئے ہاتھ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا جب میں بھی آپ کی طرح فوج میں سپاہی بھرتی ہوا تھا۔ آپ سمجھتے ہونگے کہ یہ کٹا ہوا ہاتھ کسی عظیم الشان مہم۔ کسی خوفناک لڑائی یا کسی روح فرسا سفر کے کا نتیجہ ہوگا۔ نہیں مہربان اس کٹے ہوئے ہاتھ کے ساتھ ایک ایسی دھڑکتی ہوئی داستان وابستہ ہے جس کے ہر حرف میں ایک عورت کی غیرت اس کی خودداری۔ اور اس کا انتقام کروٹیں لے رہا ہے۔ یہ محبت کی ایک ایسی خونچکاں داستان ہے جو عورت کی فطرت کے دو اہم اصولوں کو الم نشرح کرتی ہے۔ کہ جنہیں مرد انتہائی زیرک و دور اندیش ہونے کے باوجود سمجھنے سے قاصر رہتا ہے

یہاں بوڑھا فوجی ایک بار کھانسنے کے لئے رکا۔ ہم سب پہلے ہی متوجہ تھے۔ اب عورت اور محبت کا ذکر آتے ہی اور بھی سنبھل کر بیٹھ گئے۔ محفل میں یہ عالم تھا۔ کہ باہم سانسوں کے ٹکرانے کی صدا تک صاف اور واضح سنائی دیتی تھی۔

بوڑھے فوجی نے آگ تاپتے ہوئے پھر کہنا شروع کیا۔ فوج میں دو تین سال کام کرنے کے بعد جب پہلی مرتبہ میں رخصت لے کر والدین سے ملنے کے لیے اپنے گاؤں گیا تو سب سے پہلے جو میرے استقبال کو پہنچی وہ وہی معصوم فیروزہ تھی جسے اپنے تصوّر میں میں اب تک گڑیوں سے کھیلتا محسوس کرتا تھا۔ لیکن آہ۔ یہی فیروزہ کہ جسے دیکھ کر قبول صورت ہونے کا کبھی وہم و گمان بھی نہ ہوتا تھا میرے صبر و شکیب کو لوٹنے کا باعث بنی۔ اب اُس کے اُنہی میلے اور بے ہنگم اعضا کی رنگت میں مجھے چنبیلیاں مہکتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ میں نے دیکھا [illegible] محسوس کیا۔ کہ اس کے [illegible] میں گلاب [illegible] ہے اور اس کی [illegible] ہی [illegible] آنکھوں [illegible] شبنم پرورش پارہی ہے۔ آہ وہ مجسم [illegible] پہلو میں [illegible] گئی۔

گاؤں میں ہمارا اور میرے [illegible] معلق تھا۔ [illegible] کی وجہ [illegible] چند سال پیشتر گرا کر ہی [illegible] کر دی گئی تھی۔ اب بظاہر گو ان مکانوں کے دو دروازے تھے لیکن [illegible] ایک تھا۔ فیروزہ میرے ان ہی چچا کی اکلوتی لڑکی تھی۔

میری خوشی کا آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ یہاں گھر میں میری فیروزہ کے ساتھ سگائی کا پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے۔ میرا [illegible] رشتہ پر صاد کہتا۔ گو والدین کی نظروں میں میری سعادتمندی کی دلیل تھا۔ لیکن میں تو اسے انتہائی خودغرضی ہی کہونگا۔ کچھ ہی دنوں میں میری شادی فیروزہ کے ساتھ ہو گئی۔ یقین مانئیے میں نے اس کے ظاہر و باطن کو اپنی آنکھوں کی طرح جمیل پایا۔ اس کی ہر ادا میرے لیے دلنشیں ثابت ہوئی۔ اور اُس کا ہر تبسم میرے لئے جان بخش۔ یوں سمجھ لیجئے کہ میں اُس کی ہستی میں کھو کر رہ گیا اور جب دو ماہ کی ہم آہنگی کے بعد میرے واپس جانے کا وقت آیا۔ تو میں نے اپنی آرزوؤں کو نیند میں کراہتا ہوا محسوس کیا۔ اب فوج کی پھیکی اور بے کیف زندگی میں میرے لئے کوئی لذت باقی نہ تھی۔ خود فیروزہ کچھ مجھ سے زیادہ مضطرب تھی۔ اُس کا وہ بار بار فرط بے خودی سے میرے گلے میں باہیں ڈال دینا مجھے ابھی تک نہیں بھولا۔ وقت رخصت اُس کی غمناک آنکھوں کی گہرائی میں سینکڑوں حسرتیں خود میں نے لرزتی ہوئی محسوس کیں۔ آہ کاش کہ جیں [illegible] دھڑکتے دل خاموش ہو جاتیں۔

میں آنے کو تو ملازمت پر چلا آیا۔ لیکن یہاں اب کام کاج میں میرا جی بہلنا محال ہو گیا۔ والدین کا خوف نہ ہوتا تو میں کبھی کا استعفیٰ [illegible] کر گاؤں پہنچ گیا ہوتا۔ حالت یہ تھی کہ میں خود تو یہاں موجود تھا۔ لیکن میرا دل اپنی تمام تر آرزوؤں کے ساتھ فیروزہ کے پہلو میں [illegible] اب میرا معمول تھا۔ کہ سال میں ایک دو بار کسی نہ کسی بہانہ [illegible] پہنچ جاتا [illegible] ہے کہ میں [illegible]

[illegible] میں [illegible] اپنے چلے ہی بیٹے
[illegible] سینہ
[illegible] تھی جیسا ہو نوف
[illegible] ہوتے ہیں ایک [illegible] ہو گیا میرے
[illegible] دل [illegible] آزادی ملتے ہی میں
[illegible] کی اطلاع دینا میں نے بے سود
[illegible] میرے پہنچنے کے بعد ہی گاؤں پہنچا۔

فیروزہ کو میں نے حسب سابق اپنا منتظر پایا۔ گویا اُسے [illegible] آنے کی توقع تھی یہاں آکر مجھے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ فیروزہ کے [illegible] پیگ کی نذر ہو گئے ہیں۔ شام تک عزیز و اقارب کا ماتم پرسی [illegible] رات ہوئی۔ اور ہم آزادانہ طور پر ملے مجھے کچھ سفر کی تکان تھی۔ [illegible] سے تنگ آیا ہوا تھا۔ غنودگی مجھے رگ و ریشہ میں سرائت کرتی ہوئی [illegible] ہوئی۔ مجھے بار بار پلکیں جھپکاتا دیکھ کر فیروزہ نے سو جانے کی تلقین کی۔ [illegible] تک وہ میرے پاؤں دباتی رہی۔ اور میں دل ہی دل میں ایسی نیک اور خدمت گزار [illegible] کے باعث اپنی قسمت کو سراہتا رہا۔ اسے میری خوش قسمتی تصور کیجیے۔ [illegible] جونہی وہ پلنگ سے نیچے اُتری۔ میری نیند اُچاٹ ہو گئی۔ میری حیرت کی [illegible] جب میں نے دیکھا۔ کہ وہ اپنے بستر پر جانے کے بجائے۔ آہستہ آہستہ [illegible] چلتی ہوئی میرے سامان کے قریب پہنچ کر جلدی جلدی کچھ میری اور [illegible] جو میں اپنے ساتھ لایا تھا۔ ایک رومال میں باندھنے لگی۔ اس سے فارغ [illegible] ایک بار پھر میرے قریب آئی۔ لیکن مجھے گہری نیند سوتا سمجھ کر دبے پاؤں [illegible] کو بے پا ہو گئی۔ مجھے باہر سے زنجیر چڑھانے کی آواز سُنائی دی میرے سکون کو اُس کی ایک ایک حرکت مضطرب بن گئی۔ میں اُٹھا۔ [illegible] تیز تیز قدم چلتا دروازہ کے قریب پہنچ گیا۔ [illegible]

[illegible] آپ جانتے ہی ہیں کتنی پست اور ناہموار ہوتی [illegible] باہر آگیا۔

[illegible] اندھیری اور سنسان۔ تیز ہوا کے جھونکے جسم [illegible] تمام فضا [illegible] تک

ہونا محال تھا۔ پھر بھی میں احتیاط کے طور پر دختوں کی آڑ لیتا گیا۔ اس [illegible] بیس گز کی دوری پر پیچھا کرتا رہا۔

اندھیری رات میں [illegible] سے ڈرنے والی فیروزہ آج اس تند و تاریک ماحول میں آگے ہی آگے بڑھتی گئی۔ آگے آگے۔ اور آگے حتیٰ کہ ہم قبرستان کے قریب پہنچ گئے۔

قبرستان کے ایک سرے پر ایک پیر صاحب کی زیارت گاہ تھی۔ اور اکثر عورتیں وہاں چڑھاوا چڑھانے آتی تھیں۔ معاً مجھے خیال گذرا کہ [illegible] فیروزہ نے بھی کوئی منت نہ مانگ رکھی ہو۔ اس خیال کے آتے ہی میں نے جی ہی جی میں خود کو ایک پاک باطن اور عفت مآب بیوی پر شک کرنے کے باعث کوسنا شروع کیا۔ لیکن نہیں میرا یہ خیال بے بنیاد ثابت ہوا۔ او[illegible] فیروزہ اس سے بھی آگے بڑھ نکلی۔

آگے سنسان جنگل تھا جہاں رات تو در کنار دن کو بھی جاتے ہو[illegible] دہشت محسوس ہوتی تھی۔ خود میرا دل رہ رہ کر کانپ اُٹھتا تھا۔ لیکن میں متعجب تھا۔ کہ فیروزہ کیونکر اس کی گہرائیوں میں اُترتی جا رہی ہے۔ کوئی پچاس ساٹھ گز جنگل کا راستہ عبور کرنے کے بعد ایک چھوٹا سا قطعہ زمین نظر آیا۔ جس کے عین وسط میں مجھے انسانی صورت آگ تاپتی ہوئی دکھائی دی فیروزہ کو دیکھتے ہی وہ انسان نما حیوان اُٹھا۔ اور چھوٹتے ہی اُس نے فیروزہ کی گالیوں سے وہ تواضع کی کہ میری سرح تک سینہ میں کلکنا اُٹھی اور اگر مجھے تمام حالات کا جاننا مقصود نہ ہوتا۔ تو شاید میں چھرے سے اُس وقت اُس کا خاتمہ کر دیتا۔

لیکن مجھے کمال حیرت تھی۔ کہ وہ پاجی تو اُسے گالیوں پر گالیاں [illegible] رہا تھا۔ اور فیروزہ تھی۔ کہ اُس کے پاؤں سے لپٹی جا رہی تھی۔ اور بار بار معذ[illegible] مانگ رہی تھی۔

"حرامزادی"۔ اس حیوان نے چنگھاڑتے ہوئے کہا "تجھے معلوم نہیں تھا۔ کہ تیرا یہ باپ یہاں ۱۰ بجے سے بیٹھا تیرا انتظار کر رہا ہے۔ پھر اتنی دیر بعد کیوں آئی؟"

"کیا کروں" فیروزہ نے منت آمیز لہجہ میں جواب دیا "آج وہ اُلو [illegible] واپس آگیا تھا۔"

اپنے [illegible] فیروزہ [illegible]

[illegible] اُسی وقت اُس [illegible] کے ساتھ [illegible] کروں۔
[illegible] کرنا مشکل ہوگیا۔

جب [illegible] کالیوں کی بوچھاڑ کچھ کم ہوئی۔ تو فیروزہ نے نہایت عقیدت کے ساتھ [illegible] مٹھائی اور [illegible] سے [illegible] گئے جسے اُس نے [illegible] کے ساتھ کھانا شروع کر دیا۔ ابھی آدھی کے قریب مٹھائی ختم ہوئی ہوگی۔ کہ اُس نے پانی مانگا۔

"پانی"۔ فیروزہ نے مضطرب ہوتے ہوئے کہا۔ یہاں تو پانی کہیں نہ ہوگا۔"

"بیوقوف کی بچّی"! اُس نے غصّے سے بپھرتے ہوئے کہا۔ تجھے معلوم نہ تھا۔ کہ مٹھائی کھا کر تیرے باپ کو پیاس لگے گی۔ گھر سے ایک گلاس پانی کا بھی ساتھ لیتی چلوں۔ جا اور زیارت گاہ سے لوٹے میں پانی لے آ۔

اس پھٹکار کو بھی فیروزہ نے تحمّل سے برداشت کیا۔ وہ اُٹھی اور تیز تیز قدم چلتی ہوئی پھر قبرستان کی جانب ہو لی۔

ابھی کالنگاہوں سے اوجھل ہوتا تھا۔ کہ میں لپک کر میدان میں پہنچا اور [illegible] سات واروں سے اس ناپاک ہستی کا خاتمہ کر دیا اتنا کر چکنے کے بعد میں پھر اپنی جگہ پر آکر روپوش ہوگیا۔

کوئی بیس منٹ کے بعد فیروزہ اپنے ہاتھ میں مٹی کا ایک لوٹا لیے ہوئے نمودار ہوئی۔ اس وحشی کے قریب پہنچ کر اُس نے لوٹا زمین پر رکھا اور اُسے سویا ہوا سمجھ کر اُٹھانے کے لئے بڑھی۔

ہاتھ کا جسم سے چھونا تھا کہ وہ بوکھلا کر الگ ہٹ گئی۔ لیکن ایک لمحہ بعد ہی وہ [illegible] کر اُس لاش سے لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

جب اچھی طرح [illegible] نکال چکی۔ تو آہستہ آہستہ اُٹھی اور گھر کی جانب ہوئی۔ کوئی دس پندرہ قدم چلنے کے بعد وہ پھر رُکی اور دوڑتی ہوئی واپس آکر اُس بے حس لاش سے لپٹ گئی۔

یونہی وہ تین بار گھر کی جانب بڑھی۔ رُکی اور پھر واپس پلٹ کر اُس بے حس لوتھڑے سے لپٹ گئی۔ چوتھی بار جب میں نے دیکھا کہ [illegible]

[illegible]

چند لمحہ بعد وہ بھی [illegible]
حسب سابق ہوتا [illegible] اپنے [illegible]
اسی [illegible] آ گئے کئی سال گزر گئے [illegible] نے کبھی اُس سے اس بات کا ذکر کیا اور نہ [illegible] ڈالنے کی ضرورت سمجھی۔ گو یا وہ حقیقت ایک [illegible] میں ہمارے چار بچے پیدا ہوئے۔ جن میں سب سے [illegible] ان دنوں آپ کا رسالدار ہے۔

سب کی نگاہیں بیک وقت محمد ایوب پر [illegible] گو یا ان چند لمحوں میں اس داستان نے اسے عجوبہ بنا دیا تھا۔ محمد ایوب ایک [illegible] بلند قامت۔ وجیہ صورت انسان تھا۔ اور اس وقت [illegible] آرام کرسی پر دراز آگ تاپ رہا تھا۔

بوڑھے فوجی نے پھر سے کہنا شروع کیا۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ فیروزہ کا وہ راز صیغہ راز میں ہی رہا۔ حتیٰ کہ ایک رات کو جب ہم [illegible] آگ تاپنے کے بعد کمرہ میں سونے کی تیاریوں میں مشغول تھے۔ میری بدقسمتی سمجھئے یا نوشتہ تقدیر۔ میں اپنا حقّہ باہر [illegible] میں ہی بھول آیا۔ بستر پر دراز ہوتے ہی مجھے اُس کی ضرورت لاحق ہوئی۔ میں نے فیروزہ سے کہا۔

ذرا باہر سے حقّہ تو اُٹھا لانا۔

وہ بولی۔ مجھے تو باہر جاتے ہوئے ڈر محسوس ہوتا ہے۔
[illegible] میرے منہ سے نکل گیا۔ [illegible] قبرستان رات میں اپنے محبوب سے ملنے کے لئے [illegible] جنگل [illegible]
اور تمہیں باہر جاتے ہوئے بھی [illegible]
ان الفاظ کا میرے منہ سے [illegible]
تند اور قہر آلودہ نگاہوں سے میری جانب [illegible]
کے بعد میں اُن کی [illegible]
[illegible]

[illegible] ہے۔ کہ اُن کاش منظر میری
[illegible]

[illegible] کروٹ بھی سونا نصیب نہ ہُوا۔ کچھ پریشانی کے [illegible] بسبب میرے اندیشے بے بنیاد نہ تھے۔ آدھی [illegible] میری آنکھ جھپکی۔ اُدھر میں نے محسوس کیا۔ کہ کوئی [illegible] قریب کھڑا ہے۔ میں نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں۔

فیروزہ میرے تکیے کے قریب کھڑی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں گنڈاسا تھا۔ اور وہ ہاتھ وار کے لیے اُٹھ چکا تھا۔ میں نے تلملا کر بچ نکلنے کی کوشش کی۔ جان تو بچا لی۔ لیکن یہ ہاتھ اُس گنڈاسا کی نذر کرنا ہی پڑا۔ یہ تھا۔ اُس عورت کا انتقام۔ کہ جسے میں جان سے عزیز تصور کرتا تھا۔ فیروزہ نے وار کیا۔ اور انجام کی پرواہ کئے بغیر گنڈاسا پھینک یوں بھاگی۔ کہ آج تک میں اُس کی خاکِ پا تک کو بھی نہیں پا سکا۔

نغمۂ تغزل

از عبدالرشید احمد صاحب شیدا

تیری نگاہِ مست نے پینا سکھا دیا — دل کو شرابخانۂ الفت بنا دیا
شرم آفریں نظر نے وہ فتنہ جگا دیا — قلبِ سکون نواز میں محشر اُٹھا دیا
تھا میکشوں کا تشنہ لبی سے لبوں پہ دم — ساقی نے التفات کا دریا بہا دیا
بندہ نوازیاں مرے ساقی کی الاماں — ذرّے کو مہر قطرے کو دریا بنا دیا
اہلِ نظر کے سامنے گوہر سے کم نہیں — آنسو، جو تیری یاد میں ہم نے بہا دیا
شیدا کسی کی چشمِ فسونگر نے بارہا
مارا ادا سے اور ادا سے جلا دیا

عالمگیر بکڈپو کی مشہور و معروف کتابیں!

شروع سے آخر تک بغور ملاحظہ فرمائیں

اردو زبان کی ادبی و پاکیزہ کتابیں

شادی ہندوستان کے مشہور مزاح نگار حضرت ملا رموزی صاحب کی شادی کے دلچسپ واقعات خود ملا صاحب کے قلم ظرافت سے لکھے ہوئے ملاحظہ خیال فرمایئے کہ یہ کتاب کسقدر دلچسپ ہوگی۔ ہمارا خیال ہے کہ اصلی شادی میں یہ موروماںیت نہیں پائی جاتی ہے۔ بس پڑھتے جایئے اور ہنستے جایئے۔ حجم ۲۵۰ صفحات قیمت دو روپے آٹھ آنے ۸/۲ ۔

صبح لطافت ضیاء الملک ملا رموزی کے بہترین مزاحیہ مضامین کا گرانقدر مجموعہ۔ کتاب کا ہر ورق زعفران زار کشمیر کی کیاریوں سے کم نہیں۔ حجم ۲۰۰ صفحات قیمت صرف دو روپے ۸/۲ ۔

نوٹ :۔ شادی اور صبح لطافت یکجا منگوانے پر ناظرین "ضیاء" کو صرف تین روپے چار آنہ میں علاوہ محصولڈاک ارسال ہوں گی۔

محبوبۂ قیرواں علامہ جرجی زیدان کا بلند پایہ تاریخی ناول جسے عالمگیر بکڈپو نے بصرف زرکثیر عربی سے اردو میں ترجمہ کروا کر ایک نئی کتاب کا اضافہ کیا ہے حجم ۳۰۵ صفحات قیمت ۱۲/ علاوہ محصولڈاک

روزنامچے ادبیات نفسیات اور مزاحیات کا شاندار مجموعہ، دور حاضرہ کی بہترین تصنیف بیحد دلچسپ کتاب۔ چند روزنامچوں کے عنوان ملاحظہ ہوں بادشاہ کا روزنامچہ، فقیر کا روزنامچہ، ممبر دہلی کا روزنامچہ، ایکٹرس کا روزنامچہ، شاعر کا روزنامچہ، دوشیزہ کا روزنامچہ۔ بغرض ہر ایک انسان کا روزنامچہ اس کتاب میں موجود ہے۔ آپ کی معلومات میں اضافہ کرنے والی اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہوسکتی۔ قیمت صرف ایک روپیہ

درویش جناب میر ولی اللہ صاحب بی اے ایل ایل بی

وکیل ایبٹ آبادی کے مزاحیہ مضامین کا مجموعہ نہایت دلچسپ کتاب قیمت ۸/۱ ۔

سیب کا درخت شہرۂ آفاق ادیب قاضی عبدالغفار صاحب کا ایک بیحد دلچسپ اور فلسفیانہ رنگ میں ڈوبا ہوا طویل تر افسانہ جو انگریزی کے نوبل پرائز یافتہ ادیب گالزوردی کے افسانہ کا اردو ترجمہ ہے۔ قیمت صرف بارہ آنے ۱۲/ ۔

مہدی سرزمین مصر کی ایک نہایت ہی رنگین داستان۔ اندرمان کی جنگ مصری اور برطانوی سیاست۔ برطانوی وقار اور مصریوں کی حب الوطنی اور بیچارگی حسن و عشق کی شوخیاں۔ ایک نہایت دلگداز افسانہ۔ پنجاب کے مایہ ناز مصنف ایم۔ اسلم کا شاہکار متعدد سہ رنگی تصاویر۔ قیمت صرف تین روپے ۔

کمزوری عظیم بیگ چغتائی کی بہترین تصنیف "اے عورت تیرا نام کمزوری ہے"۔ اس قول پر بہترین کتاب جس کا شروع مزاحیہ رنگ میں ڈوبا ہوا ہے اور آخیر حد سے زیادہ رقت آمیز ہے۔ قیمت دو روپے ۸/۲

چار سہیلیاں اس میں چار دلچسپ کہانیاں ہیں ہر ایک کہانی سبق آموز ہے مصنفہ ایم۔ اسلم قیمت ایک روپیہ (عـہ)

لیلیٰ کے خطوط ایک داستان ہے مظلوم عورت کی، ایک فریاد ہے دکھے ہوئے دل کی آنسوؤں کے چند قطرے جو خون جگر کا ماحصل ہیں۔ کتاب کے صفحات پر اسلئے پیش کئے گئے ہیں کہ مصلحین ان جرائیم کو دیکھیں جو ہمارے اجتماعی نظام کو نسل کئے دیتے ہیں۔ عجیب دلچسپ کتاب ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ (عـہ)

مجنوں کی ڈائری مرقع ہے ایک بازاری مرد کے نفسیات کا خاکہ ہے ہماری اجتماعی

ملنے کا پتہ۔ عالمگیر بکڈپو۔ لاہور

عالمگیر بکڈپو کی نئی کتابیں جو اپنی عدیم النظیر خصوصیات کی بنا پر آپ کے مطالعے کے قابل ہیں

آپ اس فہرست میں ایسی کتابیں پائینگے جن کے پڑھنے کی فی الحقیقت آپکو ضرورت ہے

ہمیشہ عالمگیر بکڈپو سے کتابیں طلب فرمایئے آپکا یہطرز عمل عالمگیر کیلئے بیحد مفید ہوگا

شاہد رعنا جناب سرفراز حسین صاحب عزمی کی شاہکار تصنیف۔ اردو زبان کی ایک ایسی کتاب جو اپنے مفید مضامین کے سبب سے اپنی نظیر آپ ہے۔ قیمت صرف ۱۲؎

آشوب زمانہ پنجاب کے مایہ ناز مصنف جناب ایم ایم اسلم کی تازہ ترین تصنیف جسے پڑھکر آپ عش عش کر اٹھینگے۔ یہ کتاب اپنی رومانیت کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہے قیمت صرف ایکروپیہ ۴؎

آرائش جمال با تصویر اردو زبان میں زنانہ سنگار کے متعلق پہلی کتاب جو ایک معزز خاتون نے لکھی ہے اس سے پہلے اس قسم کی کوئی دوسری کتاب موجود نہیں تھی جو ہو بہو بیبیوں کے ہاتھ میں دی جاسکے کتاب کی خوبیاں پڑھنے سے واضح ہونگی متعدد بلاک کی تصاویر حجم ۲۷۰ صفحات مجلد قیمت دو روپے آٹھ آنے ۱۲؎

ابن سعود سلطان نجد و حجاز حضرت جلالۃ الملک سلطان عبدالعزیز کی سوانح حیات آپ کی حیرت انگیز معرکہ آرا لڑائیوں کے تفصیلی حالات دنیائے علم وادب کی حیرت انگیز کتاب قیمت صرف ۱۲؎

الہامی افسانے مولانا مرتضیٰ احمد خانصاحب مدیر روزنامہ احسان کے تراوش قلم کا ایک بےنظیر نمونہ۔ قرآن مجید کے قصص وحکایات افسانے کے پیرائے میں قیمت صرف دو روپے۔

ایوان تصور بلبل ہند سروجنی نائیڈو کی دلکش و دلنشین گیتوں کا سحر انگیز اردو ترجمہ ادبیعلم وادب کی ایک بیش بہا کتاب از مسٹر نظر قریشی بی۔ اے۔ قیمت دو روپے

جاپان ۔ مملکت جاپان [illegible] بیش بہا کتاب قیمت ۱۲؎

استاد صابون سازی بیکاروں کو بارو زگار بنانے والی ایک عجیب غریب کتاب۔ اس کتاب کی مدد سے آپ دوسو روپیہ ماہوار آسانی سے کما سکتے ہیں۔ قیمت صرف ایکروپیہ۔

اردو میں ڈرامہ نگاری مولفہ سید بادشاہ حسین صاحب حیدرآبادی ڈرامہ نگاری پر ایک مشہور و مستند کتاب جس کی تمام ادبا ونقاد تعریف کر چکے ہیں قیمت دو روپے

سیرۃ محمد علیؒ مجاہد اعظم شہید ملت رئیس الاحرار حضرت مولانا محمد علی علیہ الرحمہ کی جامع سوانح حیات۔ اردو کی ایک گرانمایہ تصنیف مولانا کی وہ آخری تقریر بھی شامل ہے جو آپ نے گول میز کانفرنس میں کی تھی اور جس میں فرمایا تھا کہ اب میں ہندوستان اس وقت تک نہیں جاؤنگا جب تک ہندوستان آزاد نہیں ہوجاتا۔ یا تو مجھکو ہندکا پروانہ دیدو یا پھر میرے لئے ایک قبر کی جگہ تو تمھیں دینی ہی پڑیگی۔ سیرۃ محمد علی بلاشبہ ایسی تصنیف ہے کہ اس کا مطالعہ آپ کے خون میں نئی کی گرمی پیدا کردیگا۔ قیمت صرف تین روپے۔

محمود شوکت پاشا ترکی کے مایہ ناز فرزند محمود شوکت پاشا کی سوانح جو جلیل غازی مصطفےٰ کمال اتاترک کی افواج کے سپہ سالار اعظم تھے آپ کی عدیم النظیر شجاعت اور کارہائے نمایاں کی جاگتی تصویر قیمت صرف ۱۲؎

علم الحروف حروف کی ابتدا کب سے اور کس طرح ہوئی اور سینہ بسینہ کس صورت سے ترقی پاکر موجودہ ہیئت تک پہنچے مفید دلچسپ۔ معلومات کا خزانہ بیش بہا معلومات کتاب قیمت صرف [illegible]

ہر قسم کی مذہبی و ادبی عمدہ کتابیں ملنے کا پتہ:- عالمگیر بکڈپو بازار سید مٹھا۔ لاہور

[...]حیات ادبی ذوق رکھنے والوں کی نظر میں ایم - اسلم صاحب کا ہر ایک افسانہ شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے یہ چالیس افسانوں کا مجموعہ ہے جن میں ہر ایک افسانہ اپنے اندر سیکڑوں رومان انگیز واقعات کا [...] نقشہ پیش کرتا ہے کتاب کا حجم ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہے - عمدہ کاغذ دیدہ زیب کتابت قیمت مجلد کتاب دو روپے آٹھ آنے عہ/۸

آشوب زمانہ اس کتاب میں حضرت مصنف نے اپنی وسعت نظری سے ان تمام واقعات کا ذکر نہایت ہی عمدہ پیرایہ میں کر دیا ہے جو کہ ہر انسان کو آئے دن پیش آتے رہتے ہیں معلومات نفسیات انسانی کے مطابق نہ صرف مرد و عورت کے ربط و ضوابط جذبات محبت کا فلسفہ بیان کیا ہے بلکہ اخلاق و ادب، تمدن و معاشرت پر بھی جامع و مکمل بحث کی گئی ہے کتاب کو پڑھکر پتھر دل انسان بھی موم ہو جاتا ہے - قیمت صرف ایک روپیہ عہ

ثمر گناہ ایک نہایت ہی دلچسپ اور سبق آموز کتاب ہے - اس کتاب میں بتایا گیا ہے [...] نہ ہونے کی وجہ سے کون کون سے گناہ انسان سے سرزد ہو جاتے ہیں کتاب میں مختلف پہلوؤں سے روشنی ڈالی گئی ہے کہ سوسائٹی کے رکن کس طرح من مانی کارروائیوں سے بے لوث اور نرم دل انسانوں کو اپنا تختہ مشق بنائے رکھتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں کرتے ہیں - غرض کہ یہ کتاب لکھ کر حضرت مصنف نے اردو زبان کی بہترین کتابوں میں ایک نئی کتاب کا اضافہ کیا ہے قیمت صرف ایک روپیہ عہ

کارزار حیات اُردو داں حضرات کو ہمیشہ یہی شکایت رہتی تھی کہ اردو زبان میں بہترین کتابیں نہیں ملتیں خدا کا شکر ہے کہ ملک کی سب سے اہم اور بڑی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ایم - اسلم صاحب نے کارزار حیات کے نام نامی سے ایک بہترین کتاب تصنیف فرمائی ہے جو کہ قابل مصنف کی دماغی کاوشوں کا بہترین ثمرہ ہے - اس کتاب کو آپ شروع سے لیکر اخیر تک پڑھتے جائیں آپ کہیں بھی پڑھتے ہوئے نہیں اکتائیں گے اور بار بار پڑھنے کو جی چاہیگا گویا کتاب کیا ہے مونس تنہائی ہے حجم ۵۰۰ صفحات مجلد عہ/۸

[...]اجی حصہ اوّل دوبارہ تیار [...] گیا ہے - اس مرتبہ کتابت کی تمام غلطیوں کو درست کر کے از سر نو کتاب کو مرتب کیا ہے - یہ کتاب [...] سے ملک میں مقبول ہو رہی ہے اس کتاب کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے آپ کتاب منگوا کر ملاحظہ فرمائیں - یہ کتاب آج تک ملک میں دس ہزار کے قریب فروخت ہو چکی ہے اور ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی ہے نہایت دیدہ زیب ٹائیٹل اور بہترین آرٹ کی تصویر قیمت عہ/۲

اس نے کہا مصنف لیلیٰ کے خطوط کی آخری تصنیف اس نے کہا - اس قدر رومان انگیز کتاب آج تک طبع نہیں ہوئی - کتاب کا ہر ورق اپنی زمانہ کا بہترین مرقع ہے - ہر افسانہ زندگی کے الجھے ہوئے [...] ایک حل ہے - پڑھئے اور بار بار پڑھئے قیمت صرف عہ

قلوپطرہ عشق و محبت کی سب سے بڑی اور مشہور داستان مصر کی سرزمین کا حسن خون آشام حسن و عشق کا دیوتا [...] عشق [...] اور اس سیلاب عظیم کو روکنے کے لئے اہل مصر کے پاس [...] عورت کا دلربا اور حسین جسم [...] ملکہ [...] قربان کرنے [...] اور ملک کو جنگ [...] نہایت [...] بچانے [...] رنگ میں [...] بیان [...] نہیں ہوئی کتاب کا [...] عشق [...]

حاجت روا عربی سے اُردو میں [...] ہر قسم کی مشکل آسان بار بار کی آزمودہ دعائیں اور تعویذات - ایک بار کے عمل سے تمام عمر نجات - ہر کام میں فتح و کامیابی - کسی عمل کو غلط ثابت کرنے والے کو مبلغ ایک ہزار روپیہ انعام - قیمت مجلد عہ

بہارستان مولانا ظفر علی خان مدیر روزنامہ [...] لاہور کی سابقہ و تازہ ترین نظموں کا مجموعہ جو بلحاظ کتابت و طباعت ہندوستان میں اپنی نظیر آپ ہے ۲۸۰ صفحات قیمت للعہ

رباعیات عمر خیام وہ [...] جس نے [...] رباعیات کی خوبی کو انتہائی کمال پر پہونچا دیا ہے طرز ادا کی جدت اور اسلوب بیان کی ندرت [...]

رباعیات عمر خیام مترجم جلال الدین احمد صاحب قیمت عہ
رباعیات عمر خیام مترجمہ میر ولی اللہ صاحب ایڈوکیٹ قیمت عہ
خمکدہ خیام یعنی رباعیات عمر خیام مع متن و ترجمہ (رباعی کا رباعی میں ترجمہ) از آغا شاعر قزلباش آرٹ پیپر بہترین کتابت و طباعت مجلد دیدہ زیب قیمت عہ

ملنے کا پتہ :- عالمگیر بکڈپو سید مٹھا بازار - لاہور

عالمگیر بکڈپو کی اسلامی کتابیں ضرور ملاحظہ فرمایئے

ہر ایک مسلمان کے گھر میں ان کتابوں کا ہونا ضروری ہے

تاریخ اسلام مکمل مولفہ اکبر شاہ خانصاحب نجیب آبادی اس تاریخ کی ضخامت نہ اس قدر زیادہ ... بگ اس کا مطالعہ نہ کرسکیں نہ اس قدر مختصر ہے کہ کوئی چیز رہ گئی ہو۔ پیچیدہ اور دماغ میں رہ سکنے والے واقعات کو اس خوبی سے سلجھا کر لکھا گیا ہے کہ پڑھنے کے بعد انسان حیران رہ جاتا ہے۔ کوئی قابل تذکرہ بیان ایسا نہیں جو چھوٹ گیا ہو اور کوئی واقعہ ایسا نہیں جو غلط ہو۔ یہ تاریخ پختہ و سنجیدہ اُردو زبان میں لکھی گئی ہے کسی جگہ سنجیدہ اور محققانہ انداز بیان کو ہاتھ سے نہیں دیا ہے حقیقت ہے کہ اس تاریخ کی خوبی صرف مطالعہ کے بعد ہی ... معلوم ہو سکے گی قیمت جلد اول رعایتی ... جلد دوم للعہ رعایتی ہے سوم ...

پیغمبر صحرا علامہ خالد لطیف گابا کی مشہور عالم کتاب دی پرافٹ آف دی ڈیزرٹ کا اردو ترجمہ بہترین کتابت وطباعت قیمت مجلد عاہ غیر مجلد ...

ذکر حبیب قیمت تین روپے ...

سیر الصحابہؓ صحابہ کرامؓ جیسی مقدس ہستیوں کے عقائد و عبادات و معاملات حسن معاشرت علوم و فنون اور زندگی کے مفصل حالات اس میں درج ہیں مولفہ جناب سعید انصاری ندوی قیمت جلد اول ... جلد دوم للعہ علاوہ محصول کتابت طباعت اور کاغذ بہترین۔

سیرت حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ حجم ۱۰۴ صفحہ کتاب میں حضرت ام المومنینؓ کے مزار مبارک کا فوٹو بھی دیا گیا ہے۔ پہلے چار دفعہ چھپ کر فروخت ہو چکی ہے اب پانچویں دفعہ طبع ہوئی ہے۔ قیمت فی جلد ایک روپیہ دو آنے ...

خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے حالات زندگی میں ایک جامع و مکمل کتاب باتصویر قیمت عہ علاوہ محصول

سوانح سلطان صلاح الدین قیمت صرف ایک روپیہ ...

سیرۃ الحسینؓ حضرت امام حسین علیہ السلام کے حالات زندگی شہادت و واقعہ کربلا کی مبسوط تاریخ اور آپ کے مزار مبارک کے فوٹو کے چار رنگوں میں چھپا ہوا نفیس سرورق بہترین کاغذ و طباعت قیمت صرف دو روپیہ دو آنے ... علاوہ محصول ڈاک۔

سیرت حضرت بلالؓ عاشق رسول صلعم۔ اسلام کے پہلے موذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے حالات میں یہ کتاب چار دفعہ چھپ چکی ہے اب پانچویں دفعہ طبع ہوئی ہے۔ قیمت ...

سیرۃ صدیقہؓ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالات زندگی میں جامع و مکمل کتاب باتصویر قیمت صرف ...

فقرائے اسلام اس کتاب میں ان پیشوایان دین کے سبق آموز حالات درج ہیں جنھوں نے فقر و فاقہ کے باوجود اسلام کے اصول و ارکان کو استوار و مستحکم کر دیا مصنفہ مولانا عبدالسلام ندوی قیمت صرف ...

صحابیات یہ کتاب اکثر زنانہ سکولوں میں پڑھائی جاتی ہے اس میں صحابیاتؓ کے حالات ہیں مولفہ مولانا نیاز فتحپوری قیمت مجلد ...

ترجمان القرآن جلد دوم مصنفہ مولانا ابوالکلام آزاد دہلوی سورۂ اعراف سے سورۂ مومنون تک۔ جلد اپنی نوعیت میں پہلی جلد سے بھی عظیم الشان ہے یعنی حواشی زیادہ مفصل اور اکثر اہم مسائل پر مشتمل ہیں قیمت جلد اول ... جلد دوم ... کتاب کا متن الگ صرف دستہ ...

سترہ رمضان علامہ جرجی زیدان کے بے نظیر اسلامی تاریخی عربی ناولوں کا اردو ترجمہ۔ دلچسپی کے لئے علامہ جرجی زیدان کا نام کافی ہے۔ قیمت جلد اول عاہ جلد دوم ...

الفاروق حضرت فاروق اعظمؓ کی مکمل لائف اور ان کے طرز حکومت کا مفصل بیان۔ علامہ شبلیؒ کی زندہ جاوید تصنیف قسم اعلیٰ قیمت ... قسم دوم قیمت ...

آفتاب دمشق تاریخی قصہ عہد فاروقی کا ایک دلچسپ منظر ...

ملنے کا پتہ: عالمگیر بکڈپو۔ بازار سید مٹھا۔ لاہور

قابل مطالعہ کتابیں!

اس فہرست کو ضرور ملاحظہ فرمائیے شاید کوئی ایسی کتاب ہو جس کی آپ کو ضرورت رہو

آئینہ حسن ۱۲ ار	آفتاب رسالت ۸ ر	اورنگ زیب عالمگیر ۸ ر	الہیتہ ۱۲ ار	انبساط روح ۸ ر
ارتقاء تمدن ۱۴ ر	انجام تالم عہ ر	اسلامی حکایات ۸ ر	اسلام اور غازی ۸ ر	اللہ ۱۴ ار
اسلام اور غیر مسلم ۶ ر	انسداد گداگری عہ ر	اسلامی سشبیر ۸ ر	انتخاب کلام سطیر عہ ر	عالمگیر غازی ۸ ر
اسلام کی تاریخی کہانیاں ۱۴ ر	انقلاب روس عہ ر	اسلام اور مساوات ۵ ر	انقلاب ایران عہ ر	انقلاب فرانس ۱۲ ار
پرواز خیال ۵ ر	سبد گل ۱۲ ار	گلہائے بہار ۸ ر	فلسفہ تعلیم اسلام عہ ر	پریت افسانے ۱۴ ار
عشق و محبت عا	شمع راہ ۸ ر	دین و دولت عا	صحیفہ چین عہ ر	خمستان عہ ر
خلق عظیم عہ ر	سرگزشت اسیر عہ ر	طنزیات ماہپوری عہ ر	شعلہ شباب ۶ ر	سیتارام ۶ ر
داغ عہ ر	طوفان حوادث ۸ ر	سیرۃ حضرت جعفر ۱۴ ر	غزال ۱۰ ار	ترکان احرار عہ ر
داستان شجاعت عہ ر	پاک زندگی ۱۴ ر	ساوتری ۱۴ ر	فیروز شاہ عہ ر	تاریخ مرثیہ گوئی ۶ ر
خطبہ صدارت ۱۰ ار	ٹیگور عہ ر	بقاء دوام عہ ر	وفا کی دیوی عہ ر	ملک عنبر عہ ر
ظہور رسالت ۸ ر	سنہری گیت ۶ ر	مراۃ الاخلاق ۱۴ ار	جمال دین افغانی ۸ ر	سلیم ۸ ر
غلبہ روم عا	ملنے کا پتہ: عالمگیر بکڈپو۔ بازار سید مٹھا۔ لاہور			یاسین شام ۱۴ ر

No. 1691.

ہمالیہ

اصلی

ملنے کا پتہ ہمالیہ ڈپو

تصدیق

فی الواقع بہت مفید اور بہتر ہے


عالمگیر لاہور
APRIL.

ایک نفیس مزاج مہارانی!

نے

اپنے صدرِ اعظم سے کہا۔ دنیا کے ہر چہار جانب قاصد سوانہ کرو کہ وہ ہر قسم کے پھول لائیں تاکہ میں اپنے لیے بہترین خوشبو منتخب کر سکوں تعمیل حکم کیلئے فردوس مثال کشمیر جنت نظیر سوئزرلینڈ، شباب انگیز تسمانیہ کے گلپاش مرغزاروں میں گلچینی کی گئی۔ جب سب پھول دور دراز سفر کے بعد مہارانی کے حضور میں پیش کئے گئے تو بیشتر اپنی خوشبو کھو چکے تھے اور باقی اس قدر مرجھائے ہوئے تھے کہ مہارانی کی حسن شناس نگاہوں کو تکلیف پہنچی۔ مہارانی اس خواہش کے پورا نہ ہونے سے ملول رہنے لگی۔ کھانا اور پینا ترک کر دیا۔ مہاراجہ کو فکر دامنگیر ہوا اور وزراء سے مشورہ طلب کیا۔ مہتمم توشہ خانہ نے

اصغر علی محمد علی

سے عطر منگوانے کو کہا۔ رائے معقول تھی فوراً عمل کیا گیا۔ جب عطر آیا تو مہارانی کا شباب رفتہ ایک بار پھر اپنی پوری بہاریں ساتھ لئے واپس آگیا،

اصغر علی محمد علی تاجر عطر
لکھنؤ

عالمگیر بکڈپو کی مشہور و معروف کتابیں!

شروع سے آخر تک بغور ملاحظہ فرمائیں۔

ظرافت و زبان کی ادبی و پاکیزہ کتابیں

شادی ہندوستان کے مشہور مزاح نگار حضرت ملا رموزی صاحب کی شادی کے دلچسپ واقعات خود دلہا صاحب کے قلم ظرافت سے لکھے ہوئے ملاحظہ خیال فرمایئے کہ یہ کتاب کس قدر دلچسپ ہوگی۔ ہمارا خیال ہے کہ اس کتاب میں ایسی ظرافت نہیں پائی جاتی ہے۔ بس پڑھتے جایئے اور ہنستے جایئے۔ حجم ۱۶۰ صفحات قیمت دو روپے آٹھ آنے عہ۔

صبح لطافت ضیا الملک ملا رموزی کے بہترین مزاحیہ مضامین کا گرانقدر مجموعہ۔ کتاب کا ہر ورق زعفران زار کشمیر کا نمونہ ہے۔ کم نہیں۔ حجم ۲۰۰ صفحات قیمت صرف دو روپے ۲ار۔

نوٹ:۔ شادی اور صبح لطافت یکجا خرید نے پر ناظرین ”خیام“ کو صرف ساڑھے تین روپے چار آنہ میں علاوہ محصول ڈاک ارسال ہوں گی۔

شہید سیویل علامہ جرجی زیدان کا بلند پایہ تاریخی ناول جسے عالمگیر بکڈپو نے حضرت نازکشمیری سے عربی سے اردو میں ترجمہ کرا کے شائع کیا ہے۔ حجم ۲۰۰ صفحات قیمت ۱۲ار علاوہ محصول ڈاک۔

روزنامچے ادبیات نفسیات اور مزاحیات کا شاندار مجموعہ دور حاضرہ کی بہترین تصنیف بیحد دلچسپ کتاب۔ چند روزنامچوں کے نام ملاحظہ ہوں۔ بادشاہ کا روزنامچہ، فقیر کا روزنامچہ، ممبر اسمبلی کا روزنامچہ، شاعر کا روزنامچہ، اور شیو کا روزنامچہ۔ غرض ہر ایک انسان کا روزنامچہ اس میں موجود ہے۔ آپ کی معلومات میں اضافہ کرنے والی اس سے بہتر کتاب نہیں ہو سکتی۔ قیمت صرف ایک روپیہ

مصنفہ میر ولی اللہ صاحب بی اے ایل ایل۔ بی

وکیل ایبٹ آبادی کے مزاحیہ مضامین کا مجموعہ نہایت دلچسپ کتاب قیمت عہ۔

سیب کا درخت شہرہ آفاق ادیب قاضی عبدالغفار صاحب کا ایک بیحد دلچسپ اور فلسفیانہ رنگ میں ڈوبا ہوا طویل تر افسانہ جو انگریزی کے نوبل پرائز یافتہ ادیب گالزوردی کے افسانے کا اردو ترجمہ ہے۔ قیمت صرف بارہ آنے ۱۲ار۔

مہدی سرزمین مصر کی ایک نہایت ہی رنگین داستان رومان کی جنگ مصری اور برطانوی سیاست۔ برطانوی وقار اور مصریوں کی حب الوطنی اور بیچارگی حسن و عشق کی شوخیاں۔ ایک نہایت دلگداز افسانہ۔ پنجاب کے مایہ ناز مصنف ایم۔ اسلم کا شاہکار متعدد سہ رنگی تصاویر۔ قیمت صرف تین روپے۔

کمزوری عظیم بیگ چغتائی کی بہترین تصنیف ”ائے عورت تیرا نام کمزوری ہے“ اس قول پر بہترین کتاب جس کا شروع مزاحیہ رنگ میں ڈوبا ہوا ہے اور اخیر حد سے زیادہ رقت آمیز ہے۔ قیمت دو روپے عہ

چار سہیلیاں اس میں چار دلچسپ کہانیاں ہیں ہر ایک کہانی سبق آموز ہے مصنفہ ایم۔ اسلم قیمت ایک روپیہ (عہ)

لیلیٰ کے خطوط ایک داستان ہے مظلوم عورت کی ایک فریاد ہے دکھے ہوئے دل کی آنسوؤں کے چند قطرے جو خون جگر کا حاصل ہیں۔ کتاب کے صفحات پر اسلئے پیش کئے گئے ہیں کہ سلیمہ ان جرائم کو دیکھیں جو ہمارے اجتماعی نظام کو فنا کئے دیتے ہیں۔ عجیب دلچسپ کتاب ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

مجنوں کی ڈائری مرقع ہے ایک بازاری مرد کے نفسیات کا خاکہ ہے ہماری اجتماعی

نغمہ حیات اہلِ ذوق رکھنے والوں کی نظر میں ایم۔ اسلم صاحب کا ہر ایک افسانہ شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے یہ چالیس افسانوں کا مجموعہ ہے جن میں ہر ایک افسانہ اپنے اندر سیکڑوں رومان انگیز واقعات کا صحیح نقشہ پیش کرتا ہے کتاب کا حجم ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ عمدہ کاغذ دیدہ زیب کتابت قیمت مجلد کتاب دو روپے آٹھ آنے ؏

آشوبِ زمانہ اس کتاب میں حضرت مصنف نے اپنی وسعت نظری سے ان تمام واقعات کا ذکر نہایت ہی عمدہ پیرایہ میں کر دیا ہے جو کہ ہر انسان کو آئے دن پیش آتے رہتے ہیں معلومات نفسیات انسانی کے مطابق نہ صرف مرد و عورت کے ربط و ضوابط جذبات محبت کا فلسفہ بیان کیا ہے بلکہ اخلاق و ادب، تمدن و معاشرت پر بھی جامع و مکمل بحث کی گئی ہے کتاب کو پڑھکر پتھر دل انسان بھی موم ہو جاتا ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ عہ

ثمرِ گناہ ایک نہایت ہی دلچسپ اور سبق آموز کتاب ہے۔ اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ سوسائٹی نہ ہونے کی وجہ سے کون کون سے گناہ انسان سے سرزد ہو جاتے ہیں کتاب میں مختلف پہلوؤں سے روشنی ڈالی گئی ہے کہ سوسائٹی کے رکن کس طرح من مانی کارروائیوں سے بے لوث اور نرم دل انسانوں کو اپنا تختہ مشق بنائے رکھتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ غرض کہ یہ کتاب لکھ کر حضرت مصنف نے اردو زبان کی بہترین کتابوں میں ایک نئی کتاب کا اضافہ کیا ہے قیمت صرف ایک روپیہ عہ

کارزارِ حیات اردو داں حضرات کو ہمیشہ یہی شکایت رہتی تھی کہ اردو زبان میں بہترین کتابیں نہیں ملتیں خدا کا شکر ہے کہ ملک کی سب سے اہم اور بڑی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ایم۔ اسلم صاحب نے کارزارِ حیات کے نام نامی سے ایک بہترین کتاب تصنیف فرمائی ہے جو کہ قابل مصنف کی عالی دماغی کا بہترین ثمرہ ہے۔ اس کتاب کو آپ شروع سے لیکر اخیر تک پڑھتے جائیں آپ کہیں بھی پڑھتے ہوئے نہیں اکتائیں گے اور بار بار یہی کہا جائیگا گویا کتاب کیا ہے مونس تنہائی ہے حجم ۵۰۰ صفحات مجلد ؏

صحیفہ عقلِ اول دوبارہ تیار ہو گیا ہے۔ اس مرتبہ کتابت کی تمام غلطیوں کو درست کر کے از سر نو کتاب کو مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب ملک میں مقبول ہو رہی ہے اس کتاب کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے آپ کتاب منگوا کر ملاحظہ فرمائیں۔ یہ کتاب آج تک ملک میں دس ہزار کے قریب فروخت ہو چکی ہے اور ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی ہے نہایت دیدہ زیب ٹائیٹل اور بہترین آرٹ کی تصویر قیمت عہ

اُس نے کہا مصنف لیلیٰ کے خطوط کی آخری تصنیف اس نے کہا۔ اس قدر رومان انگیز کتاب آج تک طبع نہیں ہوئی۔ کتاب کا ہر ورق اپنی زبان دانی کا بہترین مرقع ہے۔ ہر افسانہ زندگی کے الجھے ہوئے مسائل کا ایک حل ہے۔ پڑھئے اور بار بار پڑھئے قیمت صرف ؏

قلوپطرہ عشق و محبت کی سب سے بڑی اور مشہور داستان مصر کی سرزمین کا حسن خون آشام۔ حسن و عشق کا دیوتا قلوپطرہ کے عشق میں سب کچھ بھول جاتا ہے اور اس سیلاب عظیم کو روکنے کے لئے اہل مصر کے پاس کیا ہے ایک عورت کا دلربا اور حسین جسم جو اپنے آپ کو ملک کے امن و امان پر قربان کرنے کو تلا ہوا ہے اور ملک کو جنگ کی ہولناک تباہی سے بچانے کے لئے تیار ہے مگر عشق کی آگ میں قلوپطرہ کو کامیابی نصیب نہیں ہوتی کتاب کا ہر ورق داستان عشق سے معمور ہے۔ ۲۴۰ صفحات مجلد ؏

حاجت روا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ ہر قسم کی مشکل آسان بار بار کی آزمودہ دعائیں اور تعویذات۔ ایک بار کے عمل سے تمام عمر نجات۔ ہر کام میں فتح و کامیابی۔ کسی عمل کو غلط ثابت کرنے والے کو مبلغ ایک ہزار روپیہ انعام۔ قیمت مجلد ؏

بہارستان مولانا ظفر علی خاں مدیر روزنامہ "زمیندار" لاہور کی سابقہ و تازہ ترین نظموں کا مجموعہ جو بلحاظ کتابت و طباعت ہندوستان میں اپنی نظیر آپ ہے ۲۸۰ صفحات قیمت للعہ

رباعیاتِ عمر خیام وہ خاص وصف جس نے ان رباعیات کی خوبی کو انتہائے کمال پر پہونچا دیا ہے طرز ادا کی جدت اور اسلوب بیان کی ندرت ہے۔ قیمت ۶ر

رباعیاتِ عمر خیام مترجم جمال الدین احمد صاحب قیمت عہ

رباعیاتِ عمر خیام ترجمہ میر ولی اللہ صاحب ایڈووکیٹ قیمت ۳ر

خمکدۂ خیام یعنی رباعیات عمر خیام معہ ترجمہ (رباعی کا رباعی میں ترجمہ) از آغا شاعر قزلباش آرٹ پیپر بہترین کتابت و طباعت مجلد دیدہ زیب قیمت ۳ر

ملنے کا پتہ: دفتر رسالہ عالمگیر بک ڈپو سید مٹھا بازار۔ لاہور

عالمگیر بکڈپو کی اسلامی کتابیں ضرور ملاحظہ فرمائیے

ہر ایک مسلمان کے گھر میں ان کتابوں کا ہونا ضروری ہے

تاریخ اسلام مکمل مولفہ اکبر شاہ خانصاحب نجیب آبادی۔ اس تاریخ کی ضخامت نہ اس قدر زیادہ ہے کہ آج کل کے لوگ اس کا مطالعہ نہ کرسکیں نہ اس قدر مختصر ہے کہ کوئی چیز رہ گئی ہو۔ پیچیدہ اور دماغ میں رہ سکنے والے واقعات کو اس خوبی سے سلجھا کر لکھا گیا ہے کہ پڑھنے کے بعد انسان حیران رہ جاتا ہے۔ کوئی قابل تذکرہ بیان ایسا نہیں جو چھوٹ گیا ہو اور کوئی واقعہ ایسا نہیں جو غلط ہو۔ یہ تاریخ پختہ اور سنجیدہ اردو زبان میں لکھی گئی ہے کسی جگہ سنجیدہ اور محققانہ انداز بیان کو ہاتھ سے نہیں دیا ہے حقیقت ہے کہ اس تاریخ کی خوبی صرف مطالعہ کے بعد ہی ہر شخص کو معلوم ہو سکے گی قیمت جلد اول للعہ رعایتی سے جلد دوم للعہ رعایتی عہ سوم عہ رعایتی عہ

پیغمبر صحرا علامہ خالد لطیف گابا کی مشہور عالم کتاب "دی پرافٹ آف دی ڈیزرٹ" کا اردو ترجمہ بہترین کتابت وطباعت قیمت مجلد عہ غیر مجلد عہ

ذکر حبیب قیمت تین روپے سے۔

سیر الصحابہؓ صحابہ کرام جیسی مقدس ہستیوں کے عقائد و عبادات و معاملات حسن معاشرت، علوم وفنون اور زندگی کے مفصل حالات اس میں درج ہے مولفہ جناب سعید انصاری ندوی قیمت جلد اول عہ، جلد دوم للعہ علاوہ محصول کتابت طباعت اور کاغذ بہترین۔

سیرت حضرت خدیجۃ الکبریٰ حجم ۲۰۰ صفحہ کتاب میں حضرت ام المومنین کے مزار مبارک کا فوٹو بھی دیا گیا ہے۔ پہلے چار دفعہ چھپ کر ختم ہو چکی ہے اب پانچویں دفعہ طبع ہوئی ہے۔ قیمت فی جلد ایک روپیہ دو آنے عہ

خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے حالات زندگی، میں یہ ایک جامع دمکمل کتاب، مع تصویر قیمت عہ علاوہ محصول

سوانح سلطان صلاح الدین قیمت صرف ایک روپیہ عہ

سیرۃ الحسینؓ حضرت امام حسین علیہ السلام کے حالات زندگی شہادت و واقعہ کربلا کی مبسوط تاریخ اور آپ کے مزار مبارک کے فوٹو کے چار رنگوں میں چھپا ہوا نفیس سرورق بہترین کاغذ وطباعت قیمت صرف دو روپیہ دو آنے عہ علاوہ محصول ڈاک

سیرت حضرت بلالؓ عاشق رسول صلعم۔ اسلام کے پہلے موذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے حالات میں یہ کتاب چار دفعہ چھپ چکی ہے اب پانچویں دفعہ طبع ہوئی ہے۔ قیمت عہ

سیرۃ صدیقہؓ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے حالات زندگی میں جامع و مکمل کتاب باتصویر قیمت صرف عہ

فقرائے اسلام اس کتاب میں ان پیشوایان دین کے سبق آموز حالات درج ہیں جنھوں نے فقر و فاقہ کے باوجود اسلام کے اصول ارکان کو استوار و مستحکم کر لیا مصنفہ مولنا عبدالسلام ندوی قیمت صرف عہ

صحابیات یہ کتاب اکثر زنانہ سکولوں میں پڑھائی جاتی ہے اس میں صحابیات کے حالات درج ہیں مولفہ مولنا نیاز فتحپوری قیمت مجلد عہ

ترجمان القرآن جلد دوم مصنفہ مولانا ابوالکلام آزاد دہلوی سورۃ اعراف سے سورۃ مومنون تک۔ یہ جلد اپنی نوعیت میں پہلی جلد سے بھی اہم بالشان ہے یعنی حواشی زیادہ مفصل اور دلکش اہم مسائل پر مشتمل ہیں قیمت جلد اول عہ جلد دوم عہ کتاب التفسیر [illegible]

سترہ رمضان علامہ جرجی زیدان کے بے نظیر اسلامی تاریخی عربی ناولوں کا اردو ترجمہ۔ دلچسپی کے لئے جرجی زیدان کا نام کافی ہے۔ قیمت جلد اول عہ جلد دوم عہ

الفاروق حضرت فاروق اعظمؓ کی مکمل لائف اور ان کے [illegible] کا مفصل بیان۔ علامہ شبلی کی تصنیف [illegible] قسم اعلیٰ قیمت ے۔ قسم دوم قیمت عہ

آفتاب دمشق تاریخی قصہ عہد فاروقی کا ایک دلچسپ [illegible]

ملنے کا پتہ:- عالمگیر بکڈپو۔ بازار سید مٹھا۔ لاہور

قابل مطالعہ کتابیں!

اس فہرست کو ضرور ملاحظہ فرمائیے شاید کوئی ایسی کتاب ہو جس کی آپ کو ضرورت ہو

آئینہ حسن ۱۲ر	آفتاب رسالت ۸ر	اورنگ زیب عالمگیر ۸ر	الروضۃ البہیہ ۱۲ر	انبساط روح ۸ر
ارتقاء تمدن ۴ر	انجام ظالم عہ	اسلامی حکایات ۸ر	اسلام اور غازی ۸ر	اللہ ۱۴ر
اسلام اور غیر مسلم ۴ر	انسداد گداگری عہ	اسلامی شبیر ۸ر	انتخاب کلام سعید عہ	عالمگیر غازی ۸ر
اسلام کی تاریخی کہانیاں ۴ر	انقلاب روس عہ	اسلام اور مساوات ۵ر	انقلاب ایران عہ	انقلاب فرانس ۱۲ر
پرواز خیال ۵ر	سبد گل ۱۲ر	گلہائے بہار ۸ر	فلسفہ تعلیم اسلام عہ	پریت افسانے ۱۴ر
عشق و محبت عا	شمع راہ ۸ر	دین و دولت عا	صحیفہ چین عہ	خمستان عہ
خلق عظیم عہ	سرگزشت اسیر عہ	طنزیات ماہپوری عہ	شعلہ شباب ۶ر	سیتارام ۶ر
داغ عہ	طوفان حوادث ۸ر	سیرۃ حضرت جعفر ۴ر	غزال ۱۰ر	ترکان احرار عہ
داستان شجاعت عہ	پاک زندگی ۱۲ر	ساوتری ۴ر	فیروز شاہ عہ	تاریخ مرثیہ گوئی ۶ر
خطبہ صدارت ۱ر	ٹیگور عہ	بقاء دوام عہ	وفا کی دیوی عہ	ملک عنبر عہ
ظہور رسالت ۸ر	سنہری گیت ۶ر	مراۃ الاخلاق ۱۲ر	جمال دین افغانی ۸ر	سلیم ۸ر
غلبہ روم عا	ملنے کا پتہ: عالمگیر بکڈپو۔ بازار رشید مٹھا۔ لاہور			یاسمین شام عہ

عالمگیر ہندوستان بھر کے علمی، ادبی باتصویر رسائل میں سب سے زیادہ چھپتا ہے!

جلد ۲۸ — فہرست مضامین ماہ اپریل ۱۹۳۸ء — نمبر ۵

عالمگیر بکڈپو کی فہرست کتب رسالہ ہذا میں ضرور ملاحظہ فرمائیے!

مُلاحظات!

عالمگیر کے وسیع ترین حلقہ ناظرین میں بعض ایسے خوش ذوق اور عالمگیر نواز حضرات بھی شامل ہیں جو عالمگیر کی ابتدائے اشاعت سے آج تک اس کے خریدار ہیں۔ اور تین چوتھائی سے زیادہ ایسے حضرات ہیں جو ایک عرصہ سے عالمگیر کو مطالعہ کا شرف بخش رہے ہیں وہ اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ عالمگیر اپنی ابتدائی منزلوں میں کس صورت شکل میں چھپا کرتا تھا۔ کاغذ۔ لکھائی اور چھپائی کے اعتبار سے اس کا معیار کیا تھا۔ آج اپنے عالمگیر کا دور ارتقاء ملاحظہ فرما کر انہیں بہت زیادہ مسرت ہوگی اور ہم انہیں یہ مژدۂ جانفزا سنا کر ان کی شادمانیوں میں اور اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ بحمد اللہ عالمگیر کا مستقبل دور حاضر سے کہیں زیادہ درخشاں، شاندار اور بہجت افزا ہے اور آج اس اقتصادی بدحالی اور کاروباری تنزل کے زمانہ میں بھی عالمگیر اپنے پاؤں پر آپ کھڑا ہے اور خدا کے فضل و کرم سے روز بروز اس کا ہر قدم ترقی ہی کی جانب اٹھتا نظر آتا ہے۔

ارادہ تھا کہ جون ۱۹۳۶ء میں شائع ہونے والے عالمگیر کے سالانہ نمبر کے متعلق کچھ معروضات پیش کی جائیں مگر اس مسرت افزا تفصیل کو ہم مئی کے عالمگیر میں پیش کریں گے اور ناظرین کو بتائیں گے کہ ہم جو سالانہ نمبر پیش کر رہے ہیں اس کی صوری و معنوی خوبیاں کیا ہوں گی۔ فی الحال تو ہم عالمگیر کے ان مضمون نگار حضرات کی خدمت میں کچھ گذارش کرنا ضروری سمجھتے ہیں جنھوں نے عالمگیر کے سالانہ نمبر کے لئے بہترین مضامین ارسال کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ بعض حضرات کے مضامین تو موصول ہو چکے ہیں اور بعض حضرات کے مضامین کا سختی سے انتظار ہے۔ ترتیب و کتابت کا کام عنقریب شروع ہونے والا ہے اگر ان حضرات نے فوری تعجیل سے کام نہ لیا تو ہمیں خوف ہے کہ ان کے مضامین شریک اشاعت نہ ہو سکیں گے جس کا ہمیں بہت زیادہ افسوس ہوگا اس لئے وہ حضرات فوراً مضامین ارسال فرما کر ہمیں تشکر کا موقع عنایت فرمائیں۔

دفتر عالمگیر میں بعض اوقات ناظرین کے اس قسم کے خطوط آتے ہیں کہ ہمیں پرچہ نہیں ملا۔ حالانکہ پرچہ چھپوا کر اور پھر خریدار کو نہ بھیجنا تجارتی خودکشی سے کم نہیں دفتر سے رسالہ ہر مہینہ رجسٹر سے دو دفعہ مقابلہ کر کے سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اب یا تو وہ راستہ میں ڈاک کے ڈاکوؤں کی نذر ہو جاتا ہے یا مکتوب الیہ کے جائے قیام پر موجود نہ ہونے کی صورت میں کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ میں پڑ کر ضائع ہو جاتا ہے اس لئے آپ کو جس مہینہ کا پرچہ نہ ملے اس مہینہ کی ۲۰ تاریخ تک انتظار کر کے ایک شکایتی خط اپنے ڈاکخانہ کے نام لکھئے اور ایک خط ہمیں لکھ کر پرچہ دوبارہ منگا لیجئے۔ بعض حضرات دو دو تین ماہ بعد لکھتے ہیں کہ ہم کو فلاں پرچہ نہیں ملا۔ ایسی صورت میں دفتر میں کام کرنے والوں کا بہت زیادہ ہرج ہوتا ہے اور بعض اوقات پرچہ بھی دستیاب نہیں ہوتا۔

جن حضرات نے ہماری استدعا پر عالمگیر بکڈپو سے خود کتابیں طلب کی ہیں یا اپنے احباب کو کتابیں طلب کرنے پر آمادہ کیا ہے ہم ان کی خدمت میں اپنے جذبات تشکر پیش کرتے ہیں امید ہے کہ دیگر محبان کرام بھی اس طرف اس طرف توجہ فرمائیں گے۔ عالمگیر بکڈپو سے کتابیں طلب کرنا درحقیقت رسالہ عالمگیر کو امداد دینے کے مترادف ہے۔

صرف ایک نظر! - عالمگیر بکڈپو کی فہرست کتب رسالہ ہذا میں ضرور ملاحظہ فرمائیے!

بھکارن

بھٹنبہ ریلوے اسٹیشن پر گاڑیوں کے تصادم کے سبب سے کس طرح قیامت برپا ہوئی؟ ایک مظلوم عورت کی زہرہ گداز داستان؟

ازسید اختر رضوی

بہرے ایک چھاپ

---۱---

دریا کے کنارے ایک چٹان پڑی تھی وہ اکثر اس پر بیٹھی رہتی کبھی خاموش بالکل خاموش ہوتی معلوم نہیں کن عمیق خیالات میں کھوئی ہوئی اور کبھی وہ نغمہ سرا ہوتی۔ اس کی آواز دلکش اور سریلی ہی نہیں تھی بلکہ اس میں درد تھا جوش تھا جذبات کی عکاسی تھی، اس کا نغمہ سوز و گداز سے مملو تھا۔ اس کی راگنی درد و مصیبت کی ترجمان تھی، وہ گاتی نہیں تھی درددل بیان کرتی تھی ایک ایک شعر اپنے اندر ایک طویل داستان لئے ہوتا اس کی آواز گلے سے نہیں دل سے نکلتی اور دلوں ہی پر اثر کرتی ایسا اثر کہ جذبات کے سوئے ہوئے فتنے جاگ اٹھتے۔ بجھے ہوئے شعلے ملتہب ہو جاتے۔ قلب بےچین ہو جاتے۔ روح تڑپ جاتی۔ فضا درد میں ڈوب جاتی۔ جب وہ اپنا راگ الاپتی تمام کائنات پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی۔

وہ حسن و شباب کا ایک ایسا مجسمہ تھی جس پر ہزاروں رعنائیاں قربان اور لاکھوں دلفریبیاں نثار مگر اس کے حسین و نورانی چہرہ پر ہمیشہ اداسی لہراتی اور کبھی کسی نے اس کو مسکراتے نہ دیکھا تھا۔

لوگوں کی اس کے متعلق مختلف رائیں تھا۔ کوئی اسے پاگل اور مجنون خیال کرتا، بعض اس کی مغموم صورت دیکھکر مصیبت زدہ تصور کرتے مگر یہ کسی کو نہیں معلوم تھا کہ وہ کون ہے اور کہاں رہتی ہے وہ کثیف لباس [illegible] معلوم ہوتی تھی۔

---۲---

[illegible] تہجد کی نماز سے فارغ ہو کر قرآن شریف کی تلاوت کر رہا تھا ارادہ تھا کہ آج فرصت کا دن ہے اگر طبیعت حاضر ہوئی تو کوئی افسانہ یا مضمون لکھونگا۔ کسی نے دروازہ پر دستک دی والدہ نے [illegible] معلوم ہوا واصف بھائی آئے ہیں۔ تلاوت ختم کر کے میں باہر گیا تو دیکھا کہ واصف بھائی بندوق ہاتھ میں لئے ٹہل رہے ہیں سمجھ گیا کہ شکار کیلئے تیار ہو کر آئے ہیں اور عجلت بھی بہت ہے۔ میں نے لاکھ ٹال مٹول کرنی چاہی مگر وہ کہاں ماننے والے تھے کہنے لگے۔ "آج چھٹی کا دن ہے ضرور چلیں گے۔ تفریح ہو جائیگی۔ تم بھی عجیب فطرت کے آدمی ہو۔ دن رات کتابوں کے کیڑے بنے رہتے ہو مگر اس پر بھی چھٹی کے دن گھر سے باہر قدم نہیں نکالتے۔ چھٹی کا دن سیر و تفریح کے لئے ہوتا ہے میرا مطلب ہرگز نہیں کہ آپ ایسی سیر و تفریح کریں کہ اپنے فرائض کو بھول جائیں بلکہ کام بھی ہو اور تفریح بھی۔" وہ ہر لفظ کو زور دے کر ادا کر رہے تھے میں نے کہا "میں نے کب انکار کیا کہ سیر و تفریح زندگی کے لوازمات میں سے نہیں۔"

[redacted]

میں بالکل اس طرح جواب دے رہا تھا جیسے ایک چھوٹا بچہ کسی سخت مزاج استاد کے سامنے اعتراف قصور کرتا ہو۔ کہنے لگے تو پھر کیوں دیر کرتے ہو۔ چلو اپنے بھائی جان کی بندوق لے لو۔ اب کسی انکار یا بہانہ کی گنجائش نہ تھی۔ وہ جمیل میاں سے پہلے ہی معلوم کر چکے تھے کہ بھائی جان کی بندوق موجود ہے میں نے وحید سے ناشتہ منگوایا مگر واصف بھائی کو اتنی عجلت تھی کہ صرف توس کا ایک ٹکڑا اور دو چار گھونٹ چائے پیکر بس کر دیا۔

میں نے بندوق اٹھائی اور ان کے ساتھ چل دیا۔ تھوڑی دور پر ایک شکستہ عمارت انقلاب زمانہ کا رونا رو رہی تھی۔ کبھی یہ ایک عالیشان ایوان ہوگی اس کی شکستہ محرابیں مغلیہ شان و شوکت کی نوحہ خواں تھیں آہ! مغلیہ سلطنت کے ساتھ ہی امتداد زمانہ نے اس کو بھی مٹا دیا تھا اور اب صرف یہ ایک کھنڈر تھا جس میں جابجا چڑیوں کے گھونسلے اور کبوتروں کے اڈے تھے اس کی بوسیدہ چھت میں جگہ جگہ درشکے کنگروں میں کسی صورت پہنچتے ہی ایک فیر کیا۔ نشانہ ٹھیک بیٹھا دو کبوتر زمین پر آ رہے انھوں نے فوراً چاقو جیب سے نکالا تکبیر کہہ کر ذبح کیا۔ اپنی کامیابی پر وہ بہت خوش نظر آتے تھے۔ حقیقت میں ان کا نشانہ بہت سچا تھا کہنے لگے "اب کبوتر بیٹھیں تو تم فیر کرنا"۔ کبوتر بہت دیر تک اڑتے رہے پھر ایک ایک کرکے بیٹھنے لگے ان کی سہمی ہوئی نظریں در و دیوار پر پڑ رہی تھیں۔ جب سب کبوتر بیٹھ گئے اور وہ مطمئن نظر آنے لگے تو میں نے فیر کیا ایک کبوتر زد میں آ کر زمین پر آ رہا۔ اس کامیابی پر وہ کہنے لگے "چھٹیوں میں تم بھی آجایا کرو۔ تفریح بھی ہو جائیگی اور نشانہ بھی صحیح ہو جائیگا"۔

اس کے بعد ہم لوگ سلطان باغ گئے اس کے بالکل قریب دریائے گرہ بہتا تھا جس کے کنارے وہی پتھر کی چٹان تھی جس پر وہ اکثر بیٹھی ہوتی صبح کی روشنی آہستہ آہستہ نمودار ہو رہی تھی۔ موسم بچے کے معصوم تبسم سے زیادہ خوشگوار تھا پرندے محو نغمہ سرائی تھے اور اپنے دلکش راگوں اور سریلی آوازوں سے گلستان کی ہر حسین کلی کو بیدار کرنے کی کوشش کر رہے تھے فطرت اپنے عالم فریب حسن کو بے نقاب کئے ہوئے تھی۔ فطرت کی رعنائیوں اور دلفریبیوں میں کھو کر میں ایک بینچ پر بیٹھ گیا۔ شکار وغیرہ سب بھول گیا۔ واصف بھائی کی بدمذاقی مجھے ناگوار گذر رہی تھی کہ وہ ایسے حسین وقت سے بھی متاثر نہ ہو کر شکار میں لگے ہوئے تھے۔

یکایک کسی نے ساز کے تاروں کو چھیڑا۔ مضراب کی بے قاعدہ چوٹ باقاعدہ نغموں میں تبدیل ہونے لگی فضا میں نغمے بہنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد ایک سریلی اور دلکش نسوانی آواز سے درد و اثر کا ایک ناپیدا کنار دریا لہریں لینے لگا۔ جس سے میری کشتی حیات ہچکولے لینے لگی۔ پر تاثیر نغمے اور حسین مناظر میرا دامن کھینچنے لگے۔ مجھے بھی راگ نے مغنی کا مشتاق بنا دیا۔ آواز آشنا تھی مگر اس وقت بلا کی پر درد تھی۔ معلوم نہیں دل کی کن گہرائیوں سے نکل رہی تھی؟

میں اٹھا اور واصف بھائی کو بلا لایا۔ آواز کے سوز و گداز سے ان کا دل بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ہم آواز کی طرف بڑھے کہ اس مغنیہ کو دیکھیں جس نے دل کی دنیا میں ایک ہلچل ڈال دی تھی۔

پتھر کی اسی چٹان پر وہ بیٹھی تھی دنیا سے بے خبر اپنے ہی نغموں میں کھوئی ہوئی۔ واقعی نغمہ اسی وقت پر اثر ہوتا ہے جب مغنی خود نغمہ میں جذب ہو جائے اس کی یہی کیفیت تھی۔ نازک انگلیاں ساز کے تاروں پر بے قاعدگی سے پڑ رہی تھیں اور ایک پر درد نغمہ سے فضا مغموم ہو رہی تھی نازک رخساروں پر آنسوؤں کے نشان تھے جو اب کثرت غم سے آنکھوں میں خشک ہو کر رہ گئے تھے۔ وہ ایسی کھوئی ہوئی تھی کہ اسے ہمارے آنے کی آہٹ بالکل سنائی نہ دی۔

تھوڑی دیر کے بعد اس نے اپنی نرگسی آنکھیں اٹھائیں جرأت شکن تیوروں سے ہمیں دیکھا۔ ہمارے قدم رک گئے اور ہم اس حسن کی دیوی کے سامنے اس عقیدتمند اچھوت کی طرح کھڑے ہو گئے جسے صرف دور سے دیوی کے درشن کی اجازت ہوتی ہے مگر مندر میں داخل ہونا اس کے لئے ایک گناہ عظیم ہوتا ہے۔

۳

"اے بے معنی زندگی کا غلط نظریہ رکھنے والے انسان کیا تو ایک مظلوم کو اس حال میں جبکہ وہ آنسوؤں کی روانی میں اپنی داستان غم دہرا کر اپنے دل کا بوجھ کچھ ہلکا کر رہی ہے ستانا روا رکھتا ہے؟ کیا تو نہیں جانتا کہ زندگی سراب ہے اور سراب کی حقیقت ہی کیا۔ شیطان نے تجھکو دام فریب میں جکڑ رکھا ہے۔ دنیا تیری نظروں میں بہت حسین ہے اور تو اس کے حسن موہوم میں ایسا کھویا ہوا ہے کہ تیری کوتاہ بین نظریں حقیقت کی جھلک بھی نہیں دیکھ سکیں

اوقات کے اس بہترین حصے میں جس کو صبح کہتے ہیں جب خدا کی
وق اپنے پیدا کرنے والے کی حمد و ستائش میں مشغول ہوتی ہے تو مین
پھولوں کی سیجوں پر آرام کرتا ہے دن بھر دنیا کے مکر و فریب میں گرفتار
ہے ادررات کو ایسے ایسے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے جو تیرے نزدیک
م نہیں مگر ان کی تلافی کسی صورت سے ممکن نہیں۔ ہاں اے فرعون
انسان اس پر بھی دن بیوہ عورتوں یتیم بچوں مجبور اپاہجوں اور
ھوں پر جو معلوم نہیں زندگی کا ایک ایک لمحہ کس مصیبت سے گذارتے
روا رکھتا ہے۔ تجھے اپنی امارت پر اعتماد ہے۔ تجھے اپنی جوانی پر ناز ہے
لے کر دنیا فانی ہے اور ہر چیز آنی جانی ہے۔"

وہ جوش میں کہتی جا رہی تھی۔ اس کی آواز میں بہت رقت تھی
ے پھر کہا۔ "ہا جا کسی مظلوم کو نہ ستا۔" اس کا ہر لفظ پر اثر تھا۔ اس کے ہر
ں درد تھا۔ ہم پر رقت طاری ہو رہی تھی۔ ہم نے ملتجیانہ لہجہ میں کہا۔
ت نہیں کوئی دیوی ہے۔ خدا کے واسطے بتا تو کون ہے؟ کہاں رہتی
ہم کو اپنا پجاری سمجھ، ہم تیری خدمت کے لئے تیار ہیں۔ تیری یہ غم انگیز
، ہم سے نہیں دیکھی جاتی۔" ہمارے الفاظ میں خلوص کی روشنی تھی۔

"میں تمہاری ہمدردی کی قدر کرتی ہوں مگر..." کہتے کہتے وہ رک گئی۔
"مگر میری داستان بہت طویل ہے، اچھا ہوتا کہ تم نہ سنتے۔" اس نے
ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

۴

ہمارے بہت زیادہ اصرار پر وہ کہنے لگی۔ "میرے والد اور چچا دونوں
ں میں غیر معمولی محبت تھی۔ وہ اس محبت کا جو دو بھائیوں کو فطرت
سے عطا ہوتی ہے حقیقی نمونہ تھے۔ چچا والد سے عمر میں بڑے تھے اس
بھی ترش روئی سے بات کرتے تو میرے والد نہایت خندہ پیشانی سے برداشت
، اور کبھی ایک لفظ کا بھی جواب نہ دیتے۔ ہم لوگ اپنے آبائی مکان میں
تھے۔ بیچ میں صرف ایک دیوار تھی جو دونوں مکانوں کو علیحدہ کرتی تھی
نی ماں کی اکلوتی لڑکی تھی اکلوتی اس لئے کہ میری پیدائش سے چند ہی
بعد وہ دنیا سے رحلت کر گئیں اور میرے سوا اور ان کے کوئی اولاد نہ
میں ماں کی محبت اور شفقت سے ناآشنا محض رہی۔ میری پرورش
انا نے کی۔ میرے والد کو میری مرحوم ماں سے غیر معمولی محبت تھی ان کو

والدہ کی جدائی بہت شاق گذری۔ تنہائی میں وہ اکثر ان کو یاد کر کے روتے
ان کی حالت روز بروز خراب ہوتی جاتی تھی چہرہ زرد ہوتا جا رہا تھا چچا میاں
یہ حالت دیکھ کر بہت متفکر تھے۔ ڈاکٹروں نے انہیں مشورہ دیا کہ ان کی حالت
سنبھلنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ ان کا غم کسی طرح دور کیا جائے اور یہ صرف
اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ان کی شادی کر دی جائے مگر وہ کسی طرح دوسری شادی
کرنے پر راضی نہیں ہوتے تھے چچا میاں نے جب بہت زور دیا تو کہنے لگے
"میں اس شرط پر شادی کر سکتا ہوں کہ میری ریحانہ کو کوئی تکلیف نہ ہونے
پائے۔" غرض شادی ہو گئی اور میری سوتیلی ماں آ گئیں۔ میری عمر اس وقت
چار برس کی تھی۔ میری سوتیلی ماں ایک شریف النفس بی بی تھیں۔ میرے
راحت و آرام کا ہر وقت خیال رکھتی تھیں۔ میری ذرا سی تکلیف پر وہ بے چین
ہو جاتیں گویا قدرت نے جو نعمت ہم سے چھینی تھی وہ اس کا نعم البدل تھیں۔

میرے ایک چچا زاد بھائی تھے جو غالباً عمر میں مجھ سے چار پانچ برس
بڑے تھے معلوم نہیں کیوں ابتدا ہی سے مجھے ان سے بے حد محبت تھی ان میں
ایک کشش تھی جو مجھ کو اپنی طرف کھینچتی تھی انہیں بھی مجھ سے غیر معمولی محبت تھی
ہم ہمیشہ ساتھ کھیلتے۔ سکول سے آتے ہی وہ فوراً میرے گھر آتے اور پھر جا کر
کھانا کھاتے۔ کھانا کھا کر آتے اور شام تک میرے ساتھ کھیلتے رہتے شام کو
بھی وہ اپنا سکول کا کام جلد ختم کر کے میرے گھر آ جاتے۔ ہم دونوں ایک چارپائی پر
بیٹھتے۔ میری ماں کہانیاں سناتیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ ہم کہانیاں سنتے سنتے سو
جاتے اور پاس لیٹے رہتے جب میں ان کے یہاں جاتی انہیں کے پلنگ پر بیٹھتی
انہیں کے بستر پر لیٹتی۔ چچا اور چچی کو نہایت بے حد محبت تھی کیونکہ دونوں
بھائیوں میں میں ہی ایک لڑکی تھی۔ ہماری محبت دیکھ کر وہ بہت خوش ہوتے۔

زمانہ ہمیں اپنے دامن میں لپیٹے بہت سرعت کے ساتھ گذر رہا
تھا اور ہم دنیا سے بے نیاز ایک پر کیف زندگی گذار رہے تھے آخر بچپن کی بازو
محبت نے عشق کی صورت اختیار کر لی اب میں ان کو اگر نہ دیکھتی تو دل میں
ایک خلش پیدا ہو جاتی اور جب تک وہ نہ آتے بہت بے چین رہتی ادھر ان کا بھی
یہ حال تھا کہ مجھے دیکھے بغیر نہ رہتے۔ میرے لئے اچھی سے اچھی کتابیں خرید کر
لاتے۔ کشیدہ کاری کے اچھے اچھے نمونے لاتے میں ان کی ہر ایک چیز کو خواہ
وہ کتنی ہی معمولی قیمت کی ہوتی ایک بہترین عطیہ سمجھتی میں ان کو سوال کا زرہ
کر دیتی کوئی اچھی چیز گھر میں پکتی تو ان کے لئے ضرور رکھتی۔ وہ بہت خوش ہوتے

اور ان کی خوشی سے مجھے بھی خوشی ہوتی۔

وہ دسویں جماعت میں پڑھتے تھے۔ ایک دن پانی بہت برسا میں کھانا پکانے کے بعد باورچی خانے سے دالان تک آنے میں بھیگ گئی اگرچہ اسی وقت کپڑے تبدیل کرلئے مگر پھر بھی سردی کا اثر ہوگیا۔ سر شدت درد سے پھٹنے لگا۔ شام ہوتے ہی حرارت ہوگئی رات کو میں نے کھانا بھی نہیں کھایا۔ حرارت تیز ہوتی گئی اور گیارہ بجے رات تک میں سخت بخار میں پھنکنے لگی۔ والد ڈاکٹر کے یہاں سے دوا لائے۔ والدہ، چچی، چچا اور وہ سب موجود تھے اور تیمارداری میں مصروف تھے مگر وہ سب میں پیش پیش تھے۔

دوسرے دن انھوں نے سکول سے رخصت لے لی۔ دن بھر میری خاطر دوڑتے پھرے۔ میرے لئے دوا لانا۔ بار بار ڈاکٹر کے یہاں میری حالت کی اطلاع کرنے جانا ان کا معمول ہوگیا اور ایسا کرنے میں انھیں ایک گونہ مسرت محسوس ہورہی تھی۔ شام ہوتے ہی میری حالت زیادہ خراب ہوگئی اور سرسام کی سی کیفیت ہوگئی۔ میں ہزیان بکنے لگی۔ سب لوگ رونے پیٹنے لگے ان کے آنسو شدت غم سے آنکھوں میں خشک ہوکر رہ گئے تھے۔ وہ کبھی میری صورت دیکھتے کبھی سب تیمارداروں کی عجیب حالت تھی۔ قریب دو بجے میری حالت اور بھی نازک ہوگئی، برسات کے دن، اندھیری رات اور اس پر ۲ بجے کا وقت کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ ایسے میں ڈاکٹر کے یہاں جائے اگرچہ والد اور چچا تیار تھے مگر انھوں نے فوراً کوٹ پہنا ٹارچ ہاتھ میں لی اور چھتری لے کر چل دیئے والد اور چچا کہتے ہی رہے کہ ہم جارہے ہیں تم مت جاؤ۔ مگر وہ نہ مانے اور یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ یہ میرا فرض ہے۔ دوسرے دن میری حالت اچھی ہونے لگی اور خدا کے فضل و کرم سے ایک ہفتہ میں بالکل ٹھیک ہوگئی۔ صرف کمزوری باقی رہ گئی۔

انٹرنس پاس کرنے کے بعد چچا نے انھیں علیگڈھ بھیجدیا۔ یہ جدائی کا پہلا صدمہ تھا جو میں نے اپنی اس مختصر سی عمر میں اٹھایا۔ آج تک ہم ساتھ ساتھ رہے۔ کبھی کبھی چھٹیوں میں وہ باہر چلے جاتے۔ جانے سے ایک گھنٹہ پہلے وہ میرے پاس آئے۔ ان کے چہرہ پر افسردگی تھی۔ اماں باورچی خانہ میں کھانا پکا رہی تھیں۔ میں رومال کاڑھ رہی تھی۔ آتے ہی کہنے لگے۔ "پیاری ریحانہ! گھبرانا نہیں، میں انشاء اللہ جلد واپس آجاؤنگا۔ اس عرصہ میں برابر خط بھیجتا رہونگا۔ اور مجھے امید ہے کہ تم بھی جواب دوگی۔

ان کے لہجہ میں عاجزی تھی، منت تھی، التماس تھا، کہنے لگے "صبر کرنا چاہئے انشاء اللہ ہم ناکام محبت نہیں ہونگے اور قدرت ہم کو ایسے رشتہ میں منسلک کردیگی جو دنیا کبھی نہ توڑ سکے"۔ میں خاموش تھی۔ نظریں ان کے چہرے پر گڑی تھیں۔ نگاہیں منت کر رہی تھیں کہ جاتے تو ہو مگر بھول نہ جانا میں نے بمشکل کہا "خدا حافظ" اور آنکھوں میں آنسو آگئے۔ انھوں نے بھی آخری نگاہ ڈالی اور کہا اچھا رخصت۔ میں نے دیکھا ان کے ہونٹ مرتعش تھے اور آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔

جب تک وہ یونیورسٹی میں رہے برابر خط بھیجتے رہے۔ ان کا خط میرے بے چین دل کے لئے پیام تسکین ہوتا۔ تنہائی میں ان کے خطوط بار بار پڑھتی تھی۔ مگر طبیعت پھر بھی سیر نہیں ہوتی تھی ان کے نام کو چومتی اور آنکھوں سے لگاتی۔ اگر کبھی خط آنے میں دیر ہوجاتی تو طبیعت سخت متوحش رہتی کسی کام میں جی نہ لگتا۔ چھٹیوں میں وہ گھر آتے تو پھر وہی سماں اور وہی کیفیت ہوتی۔

بی۔اے کا امتحان دینے کے بعد جب وہ گھر آئے، جولائی کا مہینہ تھا۔ بات یہ تھی کہ کالج دیر میں بند ہوا تھا اور انھیں کچھ اپنے دوستوں سے ملنا بھی تھا۔ گرمی شدت سے پڑ رہی تھی۔ والدہ مجھے ساتھ لے کر گئیں وہ ایک چارپائی پر بیٹھے تھے چچی پنکھا جھل رہی تھیں۔ ہم جب پہنچے انھوں نے ادب سے اماں جان کو سلام کیا۔ میں نے بھی جھک کر سلام کیا اور اماں جان کے پیچھے کھڑی ہوگئی۔ مجھے دیکھکر ان کی آنکھوں سے مسرت کی لہریں نکلنے لگیں۔

نتیجہ نکلنے پر وہ پاس تھے دو ہی مہینہ بعد کلکٹریٹ میں وہ ہیڈ کلرک ہوگئے اب ان کی شادی کے لئے سلسلہ جنبانی ہونے لگی۔ چچا نے میرا انتخاب کیا مگر چچی اپنی بھانجی کو پسند کرتی تھیں انھوں نے چچا پر بہت زور ڈالا اور آخر راضی کرلیا مگر جب انھوں نے سنا تو صاف انکار کردیا، علاوہ اس کے چچا نے جب سنا کہ لڑکی تیز مزاج ہے تو وہ خود بھی اکھڑ گئے اب ان کی تمام تر توجہ میری طرف تھی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ انھوں نے والد کو بھی راضی کرلیا۔

آخر ایک دن ہم رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگئے۔ ہم کامیاب محبت تھے۔ ہم بے انتہا خوش تھے۔ دنیا نے ہیں سب سے قیمتی شے "محبت"

ن کی تھی۔ قدرت کا ہاتھ ہمارے لئے بہت فیاض تھا۔ معلوم ہوتا تھا
ہر ہر لمحہ ہمارے ہی واسطے آراستہ کیا گیا ہے جس میں مسرت ہی مسرت
ی۔ میری آرزوؤں کا مرکز میری آغوش میں تھا۔ عشق و محبت ہمارا حصہ تھا
ندگی اور زندگی کا مقصد میرے لئے یہی تھا کہ ایک ساتھ رہکر ہم زندگی گذا
ں اور میرے جیتے جی ان کا بال بیکا نہ ہو۔

دفتر سے لوٹ کر جب وہ آتے میں سب کام چھوڑکر ان کے کپڑے
رنے میں مدد دیتی وہ پیار سے کہتے "ریحانہ! تمہارا متبسم چہرہ دیکھکر میری
ہ تھکن دور ہو جاتی ہے" ہم دنیا میں سب سے زیادہ خوش قسمت تھے۔
! غافل انسان آنے والے مصائب سے بےخبر اپنے آپ کو ہمیشہ خوش
ست سمجھتا ہے"۔

یہاں پر اس کی آواز بھرا گئی۔ دو بڑے بڑے آنسو اس کی سرمگیں
ھوں سے ڈھلک کر اس کے نازک رخساروں میں جذب ہو گئے وہ
دیر خاموش رہی پھر اس نے کہنا شروع کیا۔

"زمانہ تیزی کے ساتھ گذر رہا تھا مگر دنیا کے ہر نشیب و فراز سے بےخبر
ایک پرمسرت زندگی گذار رہے تھے۔ ایک دن وہ دفتر سے لوٹے تو بہت
ش نظر آ رہے تھے آتے ہی کہنے لگے "میں نے ایک ماہ کی رخصت لی ہے
ر شاہد (یہ ان کے بہت گہرے دوست اور کلاس فیلو تھے) کا خط آیا ہے
ن کے لڑکے کا عقیقہ ہے۔ صالحہ (شاہد کی بیوی اور میری سہیلی) نے بھی بہت
لیدی خط لکھا ہے کہ ہم لوگ ضرور شریک ہوں"۔

ہم لوگ اسی دن شام کی ٹرین سے ہوڑہ روانہ ہو گئے ... ۔ اجولائی
ان کی رخصت ختم ہونے والی تھی اس لئے ہم طوفان میل کے لکھنؤ واپس
ہے۔ بجنیہ اسٹیشن سے ٹرین گذر چکی تھی دو بجے رات کا وقت تھا ایک
وٹے سے پل پر سے گاڑی گذر رہی تھی۔ یکایک ایک زور کا دھکا لگا
ر ساتھ ہی ایک زبردست دھماکا ہوا فضا میں دردناک چیخیں گونجنے لگیں
س کے بعد مجھے معلوم نہیں کہ کیا ہوا۔ جب مجھے کچھ ہوش آیا تو میں نے اپنے
ریب ایک نرس کو دیکھا فوراً میں نے اپنے پیارے کو پوچھا اس نے کہا دوسرے
مرے میں ہیں آپ آرام سے لیٹی رہیں ورنہ تکلیف بڑھ جائیگی"۔

"میرے یہ چوٹ کیسے لگی اور میرے شوہر کہاں ہیں؟" میں نے پوچھا

بتا دیا جائیگا" نرس نے تسلی آمیز لہجہ میں کہا۔ میں غافل ہو گئی۔

جب میرے زخم اچھے ہو گئے تو میں نے اپنے شوہر کی بہت تلاش کی
گر وہ کہیں نہ ملے۔ ہاں مجھے وہ ہر وقت دکھائی دیتے ہیں اور اپنے پاس بلاتے ہیں
یہ کہتے کہتے وہ چلائی۔ "دیکھو وہ بلا رہے ہیں، میں جاتی ہوں۔ میرے
سرتاج! میں آ رہی ہوں، میرے پیارے میں آتی ہوں .... میرے پیارے"
کہتی ہوئی ایک سمت وہ بھاگی۔ وہ بھاگی چلی جا رہی تھی کہ ایک جگہ وہ
گر پڑی۔ ہم دوڑ کر وہاں پہونچے۔ مگر آہ! وہاں کچھ نہ تھا — بھکارن
اپنے پیارے سے مل چکی تھی۔

اختر

یادِ مئی

از جناب مولانا انعام اللہ خاں صاحب ناصرؔ حسن پوری

..... مجھکو وہ سبزہ پر لبِ جو بیٹھنا
ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوا وہ گرمیٔ پہلوئے دوست

وہ مہک گلہائے خودرو کی وہ سبزہ کی لہک
وہ ہوائیں عطر افشاں بوئے عنبر بوئے دوست

شام کو وادی ایمن کا سا عالم دشت میں
اور چراغِ طور کی مانند روشن روئے دوست

وہ کنول شاداب وہ موجِ ہوا کی شوخیاں
ان میں بوئے دوست پنہاں ان سے پیدا خوئے دوست

لالہ صحرا سے رخصت خواہ تھا عکسِ شفق
روزِ روشن کی نگاہِ واپسیں تھی روئے دوست

خوگرِ لطفِ مسیحائی دلِ پُر آرزو
مائل معجز نمائی نرگسِ جادوئے دوست

سانپ کیا کیا لوٹتے تھے سینۂ افلاک پر
میرے شانوں پر بکھر جاتے تھے جب گیسوئے دوست

درسِ تسکیں دے رہا تھا دل کو اندازِ کرم
گرم تھا اس محشرِ خاموش سے پہلوئے دوست

دل جو کچھ فریاد کرتا بارگاہِ حسن میں
فیصلہ اس کا سناتی جنبشِ ابروئے دوست

خواب میں بھی اب تو وہ صورت نظر آتی نہیں
پھر رہا ہے گرچہ آنکھوں میں قدِ دلجوئے دوست

قولِ آتش آئینہ ہے آج میرے حال کا
"خشت زیرِ سر نہیں یا تکیہ تھا زانوئے دوست"

جنوبی امریکہ کے مسلمانوں کی علمی و تمدنی سرگرمیاں

ایک بلند پایہ علمی و تحقیقی عربی مقالہ کا ترجمہ

از جناب مولانا عبد القیوم صاحب ندوی

اسلام کو لوگوں نے محض اپنے تعصب اور کینہ باطنی سے بدنام کر دیا ہے اور اسے ظالم و خونخوار مذہب کا لقب دیا ہے۔ یورپ اس پر انتہائی جرات اور بیباکی کے ساتھ یہ الزام لگاتا ہے کہ دنیا میں اسلام بزور شمشیر پھیلا اور مسلمانوں نے جہاں حکومت کی صرف تلوار کے زور سے کی اور بس۔ حالانکہ تاریخی واقعات اور مشاہدات ہمارے سامنے اس کے بالکل خلاف گواہی دے رہے ہیں، اور وہ علی وجہ البصیرت تبلا رہے ہیں کہ اسلام کی نشر و اشاعت میں تلوار تو تلوار ذرہ برابر بھی ظلم و ستم اور قہر و غضب کا دخل نہیں ہے کیونکہ اس کے اصل سرچشمہ قرآن حکیم نے علی الاعلان یہ حکم سنا دیا ہے "لا اکراہ فی الدین" دین کے معاملات میں ذرہ برابر بھی ناپسند باتیں اور تشدد آمیزیاں نہیں ہیں جبکہ یہ حکم صریح موجود ہے تو پھر اسلام ظلم و تعدی کو کیسے جائز رکھ سکتا تھا؟ بلکہ اصل حقیقت اور امر واقعی یہ ہے کہ اسلام ایک آفتاب ہے جب وہ طلوع ہوا تو مشرق و مغرب، شمال و جنوب، بحر و بر، پست و بلند تمام گوشہائے زمین اس کی بے پایاں ضیا باریوں اور بیحد و حساب شعاع پاشیوں سے جگمگا اٹھے اور سارے عالم کو بقعہ نور بنا دیا۔ چنانچہ یورپ کے تعصب خیز اور اسلام دشمن خطے سے بھی بعض محققین اس کا صریحی اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکے۔

چنانچہ پروفیسر سر تھامس آرنلڈ نے اپنی بہترین تحقیقی کتاب میں اس بہتان عظیم کو کس صفائی سے رد کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ غلط ہے (کہ جس کا پروپیگنڈا عیسائی مبلغین کرتے پھرتے ہیں) کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا بلکہ اسلام کی نشر و اشاعت اگر کسی چیز کی رہین منت ہے تو وہ صرف اسلام کی رواداری، اخلاق اور منصفانہ طرز حکومت ہے۔ اسی طرح کی اور بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں لیکن ہم اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے ان سب کو چھوڑتے ہیں۔ بہرحال اگر تعصب اور دشمنی کی پٹی کو آنکھوں سے اتار کر حالات اور واقعات کا مطالعہ کریں تو ہم یقیناً اس نتیجہ پر پہونچیں گے کہ اسلام کی تبلیغ اور اس کی روز افزوں ترقی میں مسلمانوں کے نہ زور و زبردستی کا دخل ہے اور نہ اسلام کے نظام حکومت اور تشدد آمیز پالیسی کا حصہ ہے۔

مثال کے طور پر ہم اس وقت جنوبی امریکہ کے اندر اسلام کی نشر و اشاعت اور وہاں کے مسلمانوں کی حالت کو پیش کرتے ہیں اس کے دیکھنے کے بعد آپ خود فیصلہ کریں گے کہ ہم اپنے دعوی میں کہاں تک صادق ہیں!

اس وقت تک جنوبی امریکہ میں کوئی باقاعدہ اور منظم اسلامی حکومت نہیں ہے بلکہ اس کے باوجود وہاں اسلام روز افزوں ترقی کر رہا ہے اور مسلمانوں کی دینی، دنیاوی، اخلاقی، تمدنی، علمی اور معاشرتی حالت روز بروز عروج و کمال کی طرف تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔

جنوبی امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد

ابھی کچھ عرصہ ہوا ہے امریکہ کی ایک بہت ہی زبردست اور مستند عیسائی مشنری نے برسوں کی تحقیقات اور سالوں کی تلاش و جستجو کے بعد ایک رپورٹ تیار کی ہے جس کی تیاری میں نہ صرف متوسط طبقہ کے انگریزوں نے مدد کی ہے بلکہ بڑے بڑے پروفیسروں، ڈاکٹروں اور

بہترین دماغ والے امریکن علماء اور عیسائی فضلا نے بھی برابر کا حصہ لیا ہے اس محقق اور مستند مشنری کا اعلان ہے جس سے جنوبی امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

نام ممالک	مسلمانوں کی تعداد
(۱) برازیل	۱۱۱۷۰۰
(۲) ارجنٹائن	۹۵۳۰۰
(۳) برگڈی	۷۰۰۰
(۴) چائل	۱۵۰
(۵) فرنچ گوئنا	۲۰۳۱۴
(۶) کوبا	۳۰۰
(۷) ڈچ گینا	۱۶۱۷
(۸) گواڈلوپ	۳۰۰۰۰
(۹) جمیکا	۳۴۰۳
(۱۰) مارٹینی کوئیڈل	۲۰۰۰۰
(۱۱) میرگوائنا	۱۵۳۶
(۱۲) پیسرو	۶۰۰۰
(۱۳) ٹیرینی ڈرڈ	۱۱۱۴۹۳
(۱۴) جزائر ونڈورڈ	۳۰۰۰
(۱۵) پریگ	۲۰۰
میزان	۲۵۹۲۳۳۰۰

برازیل کے مسلم باشندے عام طور پر نرگس کہلاتے ہیں۔ یہ سب لوگ ابی سینیا پایہ تخت حبش کے رہنے والے ہیں انھوں نے عرب تجار کے ہاتھوں اسلام قبول کیا تھا اور پھر انہیں کے ساتھ آ کر جنوبی امریکہ میں آباد ہو گئے تھے صرف برازیل کے علاقہ میں حبشی مسلمان ایک لاکھ سے زاید آباد ہیں ان کے علاوہ بھی اور ممالک میں بکثرت پائے جاتے ہیں جو خوشحال اور اپنے کاروبار میں منہمک ہیں۔

معاشی اور اقتصادی حالت

جنوبی امریکہ میں مسلمانوں کی مالی اور اقتصادی حالت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نہایت عمدہ اور بہتر ہے وہاں کے مسلمان عموماً مالدار اور خوشحال ہیں۔ اور اس کا سبب زیادہ تر ان کی تجارت اور صنعت و حرفت ہے۔ ان میں سے اکثر لوگ تجارت کرتے ہیں اور کچھ لوگ صنعت و حرفت اور کچھ ملازمت یا دیگر کاروبار کرتے ہیں۔ امریکی مسلمانوں کی تجارت زیادہ تر مچھلی، مونگا اور موتیوں پر منحصر ہے۔ کپڑے کی تجارت بھی کرتے ہیں اور اس کے لئے بعض کارخانے بھی کھولے ہیں جو مالکوں کی دیانت داری حسن معاملہ اور حسن انتظام کی وجہ سے روز بروز ترقی کر رہے ہیں کپڑوں کے علاوہ اور بہت سے چھوٹے بڑے کارخانے بھی ہیں جن میں مختلف اقسام کے مفید ترین کام ہوتے ہیں اور بہترین، عمدہ اور خوبصورت اشیاء تیار کی جاتی ہیں۔

برازیل سے مسلمانوں کا ایک کثیر الاشاعت اور نہایت ہی موقر ہفتہ وار اخبار نکلتا ہے جس کے ایڈیٹر ایک نہایت ہی لائق اور فاضل مسلمان عرب ڈاکٹر ہیں انھوں نے اپنے مقالہ افتتاحیہ میں امریکی مسلمانوں کی اقتصادی حالت کے عنوان سے ایک مضمون قلمبند فرمایا تھا جس میں دکھایا تھا کہ یہاں کے مسلمانوں کی مالی حالت سوائے چند مخصوص ممالک کے اور بقیہ تمام مسلمانوں سے بہتر اور قابل اطمینان ہے۔ فاضل ایڈیٹر نے نہ صرف ایک رپورٹ پیش کی تھی بلکہ اسی مقالہ میں امریکی مسلمانوں کی ثروت اور مالداری پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ یہاں کے مسلمانوں نے اپنی مالی حالت صرف تجارت سے درست کی ہے اور اگر دوسرے ممالک کے مسلمان بھی اپنی مالی پستی کو دور کرنا چاہتے ہیں تو تجارت اور صرف تجارت کریں۔

مذہبی اور علمی سرگرمیاں

امریکہ کے عرب مسلمانوں نے نہ صرف اپنی مالی پستی اور زبوں حالی کا ایک موثر علاج کیا بلکہ مسلمانوں کے اندر علم اور عمل کی روح پھونکنے کیلئے بھی بڑی بڑی سرگرمیاں دکھائیں چنانچہ اس وقت مسلمانوں کی مختلف علمی اور مذہبی درسگاہیں جنوبی امریکہ کے مختلف حصوں میں پائی جاتی ہیں جہاں علم اور مذہب کی نہایت عمدہ اور سرگرمی کے ساتھ خدمت کی جا رہی ہے مسلمانوں کے ایک عربی ہفتہ وار اخبار کی رپورٹ ہے کہ اس وقت مختلف بڑی بڑی درسگاہوں میں جو مسلمان طلبہ زیر تعلیم ہیں ان کی تعداد دو لاکھ سے

کسی طرح کم نہیں۔ ان درسگاہوں میں عموماً قرآن، حدیث، تفسیر، تاریخ ادب، سائنس، فلسفہ، ریاضی وغیرہ کی تعلیم ہوتی ہے جہاں سے ہر سال سینکڑوں طلبہ علم وہنر کی سندیں لے کر نکلتے ہیں اور ملک و قوم کی خدمت میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ ان مذہبی درسگاہوں کے علاوہ طبی اور صنعتی درسگاہیں بھی ہیں جن کے اندر حکمت اور صنعت سازی کی بہترین تعلیم ہوتی ہے۔ مسلمانوں نے علم اور مذہب کی خدمات اور اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے اعلیٰ پیمانہ پر بعض تبلیغی ادارے بھی قائم کر رکھے ہیں جہاں تبلیغ کا کام بہت عمدہ طریقے پر ہوتا ہے اور جہاں عمدہ مبلغین اسلام پیدا کئے جاتے ہیں جو علاوہ تالیف اور تصنیف کے ممالک کے اندر دورہ کر کے اسلام کو پھیلاتے ہیں اور عیسائی مشنریوں کے صحیح اور مدلل جوابات دیتے ہیں۔

عام معلومات کے لئے مسلمانوں نے کتب خانے بھی قائم کئے ہیں جہاں علاوہ کتابوں کے بہت سی نادر اور قلمی عربی، فارسی کتابیں بھی موجود ہیں [illegible] کے استفادہ کے لئے دور دور سے لوگ آتے ہیں ان تمام درسگاہوں اور مسلم اداروں میں سوائے چند کے اور سب میں عام اجازت ہے کہ خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم برابری کے ساتھ استفادہ کر سکتا ہے [illegible] تاجروں نے اپنے ایثار اور قربانی سے مساجد بھی اعلیٰ پیمانہ پر اور بکثرت تعمیر کرائی ہیں جن میں سے برازیل اور ٹرینی ڈاڈ کی جامع مسجدیں بہت ہی خوبصورت اور عالیشان ہیں جن کو دیکھنے کے لئے دور دور سے لوگ آیا کرتے ہیں۔ وہاں کی مساجد میں عام طور پر طریقہ ہے کہ نماز فجر کے بعد امام مسجد کچھ دیر قرآن شریف کا درس ضرور دیتے ہیں۔

ادبی اور تمدنی خدمات

مسلمانوں نے اپنی آواز کو مضبوط اور پر اثر بنانے کیلئے ایک گرانقدر سرمایہ سے مختلف شہروں اور ملکوں میں بڑے بڑے وقیع اور معزز اخبارات اور رسائل بھی جاری کر رکھے ہیں چنانچہ امریکہ کے ایک مشہور انگریزی اخبار کی رپورٹ کے مطابق مندرجہ ذیل اخبارات و رسائل مسلمانوں کے نکل رہے ہیں جو اپنی اشاعت و مقبولیت و شہرت کے اعتبار سے سب سے زیادہ ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

(۱) "العدل" یہ اخبار روزنامہ ہے جو دارالسلطنت ریاڈی جنیرو سے شایع ہوتا ہے۔

(۲) الامریکہ۔ یہ بھی روزنامہ ہے اور بہت ہی مشہور اور کثیر الاشاعت ہے۔

(۳) البرید۔ یہ ہفتہ وار ہے۔

(۴) "الافکار" یہ بھی ہفتہ وار [illegible] اخبار ہے اور یہ عام طور پر سیاسی مباحث پر رائے زنی کرتا ہے۔

(۵) الہدیہ۔ یہ پہلے [illegible] زبردست علمی اور ادبی ماہوار مجلہ میں تبدیل ہو گیا ہے۔

(۶) فتح اللسان۔ یہ ایک پندرہ روزہ اخبار ہے اور بہت ضخیم ہے۔

ان کے علاوہ اور بہت سے اخبارات و رسائل امریکی مسلمانوں کی ادارت اور ملکیت میں نکلتے ہیں جو علم و ادب اور مذہب و تمدن کی نہایت زبردست خدمت انجام دے رہے ہیں اور دینی و مذہبی مسائل کے علاوہ قومی اور ملکی معاملات پر بھی [illegible] کا اعتراف خود ان کے مخالفین اور معاندین کو بھی [illegible] وہاں کے مسلمان بعض بہترین خدمات بھی انجام دے رہے ہیں مثلاً بعض بڑے شہروں میں جہاں مسلمانوں کی تعداد زیادہ [illegible] بڑے بڑے علمی اور ادبی مرکز قائم کئے گئے ہیں [illegible] اور مصنفین کو وظیفے دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ اطمینان اور بے فکری کے ساتھ علم و ادب کی خدمت انجام دے سکیں۔ ان [illegible] کی نشر و اشاعت کے لئے بڑے بڑے مسلم پریس [illegible] ہیں۔

شاندار تعمیرات

مسلمان وہاں ایک مدت سے آباد ہیں۔ اس عرصہ میں جہاں انہوں نے علم، مذہب، اخلاق، ادب اور تمدن وغیرہ کی شاندار خدمات انجام دی ہیں وہاں تعمیرات اور صنعت سازی کے بھی اعلیٰ سے اعلیٰ نمونے پیش کئے چنانچہ منجملہ بہت سی عمارتوں کے برازیل کا مسلم ہسپتال و جامع مسجد۔ فیجی گوئنا کی عالیشان جامع مسجد، ٹرینی ڈاڈ کا صنعتی کارخانہ کی عمارتیں نہایت خوبصورت، پائدار اور شاندار ہیں۔ جو عربی صنعت گری اور خوش ذوقی کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔

عبدالقیوم ندوی

رنگ و نور

از جناب مولانا حافظ وکیل احمد صاحب حافظ غازی پوری

امتیازِ رنگ و بو میں وسعتِ کامل کہاں
جس میں عرفاں کی تڑپ ہو اب وہ نبضِ دل کہاں

نور کی کرنیں کہاں فانوس کی منزل کہاں
شمع کشتہ رہ گئی وہ گرمیٔ محفل کہاں

غم کی دنیا بن چلی پھر ایک دنیائے نشاط
لے چلا پھر اے مرے اللہ مجھکو دل کہاں

اُن کے جلوؤں کو چھپا لینے کی مجھکو فکر ہے
ڈھونڈتا ہوں کوئی گوشہ دل میں لیکن دل کہاں

جلوۂ ہمت رہا محویتِ حسن و جمال
ماورائے عشق کیا ہے عشق کا حاصل کہاں

دل کو ہے وابستگی موجِ محیطِ حسن سے
آشنائے بحرِ غم شرمندۂ ساحل کہاں

لمحہ لمحہ زندگی کا بیقرارِ درد ہے
جوشِ الفت میں ہیں فکرِ سکونِ دل کہاں

محو ہو کر تیرے جلوؤں میں ہوا جلوہ پرست
تھا مرا دل، دل کبھی، لیکن مرا اب دل کہاں

ہے غلط اندازیٔ حسنِ نظر سے یہ شرف
ورنہ جلوؤں کا امانت دار میرا دل کہاں

آ بڑھا دیں تیری وسعت اور اے حدِ نظر
یہ تمیزِ غیرِ حق اندیشۂ باطل کہاں

گھر گیا ہے دل مرا وادیٔ محسوسات میں
اک فریبِ آرزو ہے پردۂ محمل کہاں

ہے ترے قدموں کے نیچے جادۂ رازِ حیات
تو پریشاں ہے مگر سرگشتۂ منزل کہاں

گردشِ غم راہِ الفت میں تقاضائے شوق ہے
میں ہوں منزل پہ مگر اب بھی مری منزل کہاں

غرق حافظ جو ہوا بحرِ وفا و عشق میں
اُس کی نظروں میں فریبِ دوریٔ ساحل کہاں

جیسے کو تیسا!

جناب ماسٹر ممتاز حسین صاحب بسمل

راجپوتانہ میں رائے پور ایک مشہور قصبہ ہے۔ پرانے وقتوں میں ایک طاقتور چوہان راجہ نے وہاں ایک زبردست قلعہ بنوایا۔ اور اسے اپنی راجدھانی قرار دیا۔ آج قلعہ ویران اور محلات شکستہ حالت میں ہیں مگر یہ ٹوٹی پھوٹی دیواریں صدیوں تک راجپوت اور افغان حملہ آوروں کی فتوحات کا مذاق اڑاتی رہی ہیں۔ تغلق بادشاہوں کے زمانہ میں حکمران خاندان کی قسمت نے پلٹا کھایا۔ ترک نصرت کا سیلاب بن کر راجستھان پر چھا گئے۔ جسونت سنگھ نے لڑائی میں جان لڑا دی مگر ایک ماہ کے شدید محاصرہ کے بعد حملہ آور فتح کے شادیانے بجاتے ہوئے قلعہ میں داخل ہو گئے اور ان کی شعلہ ریز تلواروں نے راجپوتوں کے اس گہوارۂ تمدن کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ فاتح سپہ سالار کے حکم سے قلعہ کی اکثر عمارتیں گرا دی گئیں اور فوج کی رہائش کے لئے وہاں موزوں مکانات تعمیر کئے گئے مگر راجپوت تاجداروں کی یادگاریں بڑی احتیاط سے ایک جگہ جمع کر دی گئیں اور وہ سب آج تک بانکے راجپوتوں کے علاوہ تاریخ کے شیدائیوں کی زیارت گاہ ہیں۔

آج کل رائے پور راجپوتانہ کی ایک طاقتور ریاست کے قبضہ اقتدار میں ہے۔ قلعہ کے صدر دروازے کے سامنے ایک چھوٹی سی بستی ہے قلعہ کا نگران اور چند ایک دکاندار وہاں رہتے ہیں۔ درخواست دینے پر دربار کی طرف سے قلعہ کی سیر کے لئے پاس مل جاتا ہے۔ سردیوں کے موسم میں انگریز خصوصاً اور ہندوستانی عموماً اس شہرہ آفاق قلعہ کی زیارت کیلئے سینکڑوں میل کا سفر طے کر کے وہاں جاتے ہیں۔

دسمبر کے دنوں میں شوق صحرانوردی مجھے بھی وہاں لے گیا۔ ہم دو آدمی تھے اور صبح سویرے سردی میں ٹھٹھرتے ہوئے میلوں پیدل چل کر قلعہ کے عظیم الشان صدر دروازے تک پہونچے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک راجپوت سردار اور اس کی خوبصورت بیوی ایک کار میں سوار وہاں آئے اور پھاٹک کے کھلنے کا انتظار کرنے لگے۔ راجپوتنی بے پردہ اور حسن و جمال میں بے نظیر تھی۔ راجپوت شوخ طبع بیباک اور ہنس مکھ جوان تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھاٹک کھل گیا اور ہم چاروں بڑے اشتیاق سے اس تاریخی عمارت میں داخل ہوئے جو ہند کی عظمت گذشتہ کا ایک خوبصورت نشان ہے۔

قدموں کے نیچے روندے ہوئے ذرے دلاور راجپوتوں کے خون سے سیراب تھے اور قلعہ کا ہر پتھر ہندوستان کی اس غیور اور شجاع قوم کی داستان سرفروشی کا ایک درخشاں باب تھا۔ محلات ویران اور شکستہ تھے۔ دیواریں ٹوٹی پھوٹی اور ڈراؤنی تھیں مگر میری چشم تصور وہاں ایک عجیب و غریب نظارہ دیکھ رہی تھی۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا قلعہ کی عظمت رفتہ واپس لوٹ آئی ہے۔ قلعہ کے میدان میں بانکے راجپوت کیسری پگڑیاں باندھے کمر سے دوہرے کھانڈے لٹکائے نشہ شجاعت میں کھڑے جھوم رہے ہیں اور ان کے گھوڑے بیتاب ہو کر ہنہنا رہے ہیں۔ محلات میں راجپوت مائیں اپنے پیارے بیٹوں کو ہتھیار سجا رہی ہیں اور بخوشی ان کو جنگ کی آگ میں جھونکنے کے لئے تیار ہیں۔ ایک جانب ایک نئی نویلی دلھن اپنے خاوند کی کمر میں تلوار باندھ رہی ہے اور دل ہی دل میں اس کی کامیابی کے لئے دعا مانگ رہی ہے —— لیجئے صدر دروازہ پر کوچ کا نقارہ بجا —— راجپوت گھوڑوں پر سوار ہوئے اور موت کا سیلاب بن کر دشمن کو بہا لے گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد میری چشم تصور نے ایک اور نظارہ دیکھا۔

ایک طاقتور دشمن قلعہ کو گھیرے ہوئے ہے۔ جنگ کی آندھی چل رہی ہے۔ پیاسی زمین پر خون کا چھڑکاؤ ہو رہا ہے۔ راجپوت خطرات سے آنکھیں بند کرکے اندھادھند دشمن پر حملے کر رہے ہیں مگر بتدریج ان کی تعداد میں کمی واقع ہو رہی ہے اور دشمن قلعہ کی دیواروں کے قریب آ پہنچا ہے۔ ستونتی راجپوتنیاں یہ نظارہ دیکھ کر آپس میں کچھ مشورہ کر رہی ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد انھوں نے ایک احاطہ میں لکڑیاں جمع کرکے آگ لگا دی اور ہنستی کھیلتی ایک دوسرے کے گلے مل کر پروانہ وار آگ کے شعلوں میں کود کر شمع وطن پر قربان ہو رہی ہیں۔ اب پھاٹک ٹوٹ چکا ہے۔ دشمن فتحیاب ہو کر قلعہ میں داخل ہو رہا ہے مگر وہاں ہر طرف سناٹا چھایا ہوا ہے اور ڈھونڈنے سے بھی کسی انسان کا نشان نہیں ملتا۔

میں ان تصورات میں محو تھا اور میرے ساتھی میدان کو طے کرکے سیڑھیوں تک جا پہنچے تھے۔ اچانک میرے رفیق نے میرا کندھا ہلایا اور میں مُردوں کے شہر سے نکل کر زندوں کی بستی میں آگیا۔ قلعہ کی فصیل اور اندرونی عمارتوں کے درمیان ایک وسیع میدان تھا جو کانٹے دار جھاڑیوں اور بے ترتیب درختوں سے پٹا پڑا تھا۔ فصیل کے متوازی دور تک عمارتوں کا سلسلہ چلا گیا تھا اور سیڑھیوں کی راہ اوپر چڑھ کر سیاح ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں ہوتے ہوئے دور تک ایک ہی سمت میں چلے جاتے تھے اس طرح فصیل اور میدان ہر دو نظر کے روبرو رہتے اور بلندی کی وجہ سے قلعہ کے گرد و نواح کا نظارہ بھی جنت نگاہ بن کر دل میں مسرت کی لہر دوڑا دیتا۔

جب ہم پہلے کمرے میں داخل ہوئے تو راجپوت سردار نے جھک کر باہر دیکھا۔ ایک جنگلی بلی دھوپ میں لیٹی ہوئی اپنے ننھے بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔ سردار کو شرارت جو سوجھی تو اس نے شکستہ دیوار سے ایک چھوٹا سا پتھر نکالا اور بلی کو ڈرانے کیلئے اس کی طرف پھینکا۔ ہم سب اشتیاق سے اس کا نتیجہ دیکھ رہے تھے۔ پتھر تڑاق سے بچہ پر گرا اس نے ایک چیخ ماری دو تین بار تڑپا اور ٹھنڈا ہو گیا۔

بچہ کی چیخ سن کر فرط غضب سے بلی کے بال تن گئے اور اس نے غیظ آلود نگاہوں سے سردار کی طرف دیکھا۔ بلی نے مردہ بچے کو پنجوں سے ہلایا، سونگھا اور بھاگ کر دیوانہ وار دیوار پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگی۔

"اُف غضب ہو گیا" سردار نے بچہ کو مرتے ہوئے دیکھ کر کہا اور پھر خاموش ہو گیا۔ بلی دیوار پر چڑھنے کے لئے ہمہ تن کوشش میں مصروف تھی مگر تھوڑی دیر کے بعد اس نے امید کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا اور واپس لوٹ کر اپنے مردہ بچہ کو سونگھنے لگی۔

"شیر کی خالہ" سردار نے کہا "مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہارے بچے کو بلا وجہ ہلاک کر دیا۔ مگر تقدیر کے سامنے کوئی چارہ نہیں۔ اچھا لو، الوداع۔"

عمارتوں کا سلسلہ نصف میل تک پھیلا ہوا تھا۔ اور ہم بلی کے حادثے کو بھلا کر پرانے ہتھیاروں اور مورچوں کو دیکھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد راجپوت نے باہر جھانک کر دیکھا۔ میدان میں بلی مردہ بچے کو منہ میں اٹھائے دیوار کے ساتھ ساتھ آ رہی تھی اور کبھی کبھی اوپر چڑھنے کی کوشش کرتی تھی۔ غیظ سے اس کے منہ میں جھاگ آئے ہوئے تھے اور وہ مجسم انتقام معلوم ہوتی تھی۔

راجپوت نے اس کی دیوانگی کو تعجب سے دیکھا اور کہنے لگا: "معاف کردو۔ یہاں لاکھوں ماتاؤں کے بیٹے ہلاک ہوئے۔ تم بھی ان کی طرح حوصلہ سے کام لو۔" یہ کہہ کر ہم آگے بڑھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد دیکھا تو بلی ہمارا تعاقب کر رہی تھی اور انتقام کے جوش میں ہر قسم کے خطرات کو دل سے بھلا چکی تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد اس نے مردہ بچہ کو جھاڑیوں میں چھپا دیا اور بدلہ لینے کے لئے اچھل اچھل کر دیوار پر چڑھنے لگی۔ اس کے بعد ہم دوسرے کمرے میں مڑ گئے۔ میدان ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ اور آثار قدیمہ کی دلچسپی نے غم نصیب بلی کا خیال صفحۂ دماغ سے مٹا دیا۔ آدھ گھنٹہ کے بعد ہم اس بالاخانہ پر پہنچے جہاں راجپوت تاجداروں کی خاص یادگاریں محفوظ تھیں اور بڑے شوق سے انھیں دیکھنے لگے۔ ایک کونے میں فولاد کی ایک انسان نما بھاری بھرکم مورتی رکھی تھی اور ہماری جماعت اس کی تاریخی حیثیت کے متعلق قیاس دوڑا رہی تھی۔ اتنے میں قلعہ کا نگراں وہاں آ پہنچا اور کہنے لگا۔

"یہ مورتی چوہان راجاؤں کی ذہانت کا ایک عمدہ نمونہ ہے اور درحقیقت خطرناک مجرموں کو عبرت انگیز سزا دینے کا عجیب و غریب آلہ ہے۔"

نگراں نے مورتی کے سینے میں لگے ہوئے چھلے میں رسہ ڈال کر زور سے کھینچا اور ایک تختہ جس کے اندر جا بجا لوہے کی نوکیلی سلاخیں لگی ہوئی تھیں مورتی سے الگ ہو گیا۔

"یہاں مجرم کو کھڑا کر دیا جاتا تھا" نگراں نے مورتی کے پیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "بعد میں جلاد رسہ کو چھوڑ دیتا تھا اور یہ تختہ اچھل کر مجرم سے چپک جاتا تھا۔ یہ دو نوکیلی سلاخیں مجرم کی آنکھوں میں گھس کر دماغ سے پار نکل جاتی تھیں۔ یہ سلاخیں پیٹ کو پھاڑ دیتی تھیں اور یہ سلاخ دل کو چیر دیتی تھی اور بعد میں مجرم کا بھیانک لاشہ عوام کی عبرت کے لئے قلعہ کے دروازے پر ڈال دیا جاتا تھا۔" راجپوت سردار پوری توجہ سے نگراں کی تقریر سن رہا تھا مگر اس کی بیوی تازہ ہوا لینے کیلئے کمرہ سے باہر جا چکی تھی۔

"دوستو!" راجپوت نے کہا۔ "اس مورتی کے پیٹ میں سیکڑوں خطرناک اور بہادر لٹیرے تڑپ تڑپ کر ہلاک ہوئے میں ان کی یاد میں ایک منٹ کے لئے یہاں کھڑا ہوتا ہوں"۔ یہ کہہ کر سردار اچھل کر مورتی کے پیٹ میں جا کھڑا ہوا اور مونچھوں پر تاؤ دیتا ہوا مسکرانے لگا۔

عین اس وقت بلی کمرے میں داخل ہوئی اور غراتی ہوئی نگراں کی آنکھوں کی طرف جھپٹی اس اچانک حملہ کی وجہ سے رسہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اور تختہ نے اچھل کر راجپوت سردار کو ہماری نگاہوں سے اوجھل کر دیا۔ یہ دیکھ کر ہمارے ہوش و حواس گم ہو گئے۔ ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اور چپ چاپ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ نگراں نے ہمت سے کام لے کر رسہ کھینچا مگر ظالم سلاخیں اپنا کام کر چکی تھیں۔ راجپوت کا جسم چھلنی ہو چکا تھا اور اس کا خون میں تیرا ہوا لاشہ فوراً زمین پر آ گرا۔ شور سن کر راجپوت کی بیوی کمرے میں داخل ہوئی مگر جو نظارہ اس نے وہاں دیکھا وہ اسے دیوانہ بنانے کے لئے کافی تھا۔ آثار قدیمہ کے انبار کے عین درمیان اس کے شوہر کی لاش پڑی تھی اور خون کے فوارے اچھل اچھل کر فرش کو رنگین بنا رہے تھے۔

ملازموں کی مدد سے راجپوت کا لاشہ موٹر تک پہنچا دیا گیا اس کی ماہ تمثال بیوی نے اپنی چوڑیاں توڑ تاڑ ڈالیں سر میں خاک ڈالی اور روتی پیٹتی وہاں سے چلی گئی —— صبح جب میں وہاں آیا تھا تو میری چشم تصور قلعہ میں گوناگوں مخلوق دیکھ رہی تھی مگر اب ایک ناشاد بیوہ کی آہ و فغاں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

ممتاز حسین بسمل

رُباعیات

دنیا نے ہمیں اور نہ تم نے سمجھا
اس دور کا انساں یہ دو ہی سمجھے
سر مستی کوثر کو سمجھا شراب
ہم پیر مغاں ہیں ہمیں سمجھے

سب ہیں اسی ایک ہستی جینے کے کارن
ہم ہیں ترے بیتے ہیں اسی کے کارن
آئی ہے اجل ساتھ لئے جاتی ہے
ساجن تیری آمد بھی کسی کے کارن

حضرت نجم آفندی اکبرآبادی

معرکۂ حسن و عشق

— ۱ —

عشق! جرأت! سر بسر دیوانگی!
بے نیازِ جستجو
آشنائے سوز و ساز
نالہ ہائے دل گداز
بے نیاز
بے قرار
اشکبار
دلفگار
پامئے مینا گداز
روشنی
تازگی
تار و پود زندگی
تابندگی
برتر از اندیشۂ سود و زیاں
آشکار
نوبہار
کارزار

— ۲ —

حُسن
عُریاں
آرزوئے زندگی
تابناک
جلوۂ ربِ جلیل
شعلۂ جوالۂ شوق آزما
دلکش
آشنائے بے وفا
بے خطر
مدعیٔ شور و شر
کارفرمائے دوامِ شُتبہات
بے ثبات
زادہ رنگِ خزاں
جان و دل
روحِ رواں
دعوتِ نظارۂ چشمِ حزیں
خونچکاں
نازک و ناز آفریں

— ۳ —

دونوں مل کر
مشتعل
جانگسل
خطرۂ نظمِ جہاں
نقشۂ جنگ و جدال
جذبۂ شوق و وصال
جوشش
وعدہ
اضطراب
بحر و بر
خشک و تر
چشمک برق و شرر
اک ہیولا
ہولناک
برق زار
برق پاش
فتنۂ محشر بدوش
رہزنِ تمکین و ہوش
آسماں نیرنگیٔ حسن و عشق
چشمِ یزداں نکتہ چینِ حسن و عشق
ایک تارا
چاند سے سرگوشیاں کرتا ہوا
ہو گیا
اسرار بینِ حسن و عشق

نذیر احمد خاں مرغوب

انجام

از جناب عروج صاحب

ان دنوں شمیمہ سے میری خط وکتابت پورے عروج پر تھی۔ سینکڑوں کوس دور دل کی تسکین کے لئے یہ بہترین ذریعہ تھا اور عشق ومحبت پرخیال آرائی کے سوا ہمارے پاس اور رکھا ہی کیا تھا۔ یہ بات قدرتی ہے کہ انسان ایسے معاملات کو خوش قسمتی پر محمول کرتا ہے اور انھیں اپنے ہمعصروں میں ایک خاص فخر کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ درحقیقت یہ چیز ہے ہی ایسی۔ مگر اس ضمن میں شمیمہ کی ایک ایسی "حماقت" نے جو چرکہ میرے دل پر لگایا اس کا زخم آج تک نہیں بھرا۔ تاہم شمیمہ بے قصور تھی میں بھی ایسی حماقتوں کا بعض اوقات مرتکب ہوا ہوں مگر بدقسمتی سے شمیمہ کی ناکردہ حماقت نے کچھ اور ہی گل کھلا دیئے اور خواہ مخواہ ایک دوسرے غریب دل کے مالک کو لقمہ اجل بنا دیا۔

شمیمہ کی ایک رازدار سہیلی نوشابہ تھی۔ جس کی شکل وصورت سے میں بخوبی واقف تھا۔ وہ شادی شدہ اور نوجوان تھی۔ اپنے گھر میں آزاد اور مختار کل تھی۔ میرے تمام حالات اور اطوار سے وہ شمیمہ کی معرفت واقف ہوگئی تھی۔ یہاں تک کہ شمیمہ اپنی سادہ لوحی سے میرے تمام خطوط اسے دکھا دیتی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پوشیدہ طور پر وہ بھی مجھے چاہنے لگی اور شمیمہ کی رقیب بن گئی۔ مگر اس نے یہ بات شمیمہ پر کسی طرح ظاہر نہ ہونے دی۔

اس کا پہلا لفافہ مجھے جنوری سنہ [illegible]ء میں ملا جس میں محبت کے موضوع پر جی کھول کر بحث کی گئی تھی اور دعوت محبت کو قبول کرنے کی استدعا کی گئی تھی۔ اس خط کے ساتھ ایک سونے کی انگوٹھی بطور نشانی مجھے ملی جس کے متعلق لکھا تھا کہ دو انگوٹھیاں ایک جیسی بنوائی ہیں ان میں سے ایک آپ کی نظر کرتی ہوں۔ ع گر قبول افتد زہے عز و شرف،

میں اس عنایت نوازش پر بہت حیران تھا اور عجب مشکل میں تھا۔ اس کا جواب دینا مجھے اصولاً ضرور چاہئے تھا مگر میں نے کسی خیال کی بنا پر مناسب نہ سمجھا۔ تاہم انگوٹھی رکھ لی۔ اس کا اصلی خط میں نے شمیمہ کو پوشیدہ طور پر بھیجدیا اور لکھا۔ "دیکھا کسی کو ہمراز بنانے کا نتیجہ۔ یہ تو میری ثابت قدمی ہوگی جو اس کی خواہش محبت کو رد کروں مگر اپنا معاملہ کیوں تمام اس پر واضح کر دیا۔ اب اسے یہ غلط فہمی ہے کہ میں دل کے دو ٹکڑے کرکے اس سے بھی رشتہ محبت منسلک کر دوں۔ مگر آپ خاطر جمع رکھیں یہ ناممکن ہے"۔

جب ایک ہفتہ تک نئی عاشقہ کو میرا کوئی پیغام محبت جواب میں نہ ملا تو اسکی بیقراری کا جذبہ یہاں تک پہنچا کہ مجھے اطلاع کئے بغیر وہ تن تنہا مجھ سے ملنے کے لئے سفر پر روانہ ہوگئی۔ شمیمہ کے خط سے اتنا معلوم ہوا کہ وہ آپ کے شہر میں اپنے کسی عزیز سے ملنے آرہی ہے۔ اور میرا ایک خاص پیغام آپ تک پہنچانے بھی آیگی۔ دیگر جو باتیں آپ نے اس کے متعلق لکھی ہیں مجھے ان پر یقین نہیں آسکتا۔ کیونکہ میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں اور وہ میری امانت میں خیانت کرنے کی جرأت نہیں کرسکتی۔ میں نے اس بارے میں اس سے کچھ گفتگو نہیں کی مگر میرا خیال ہے کہ اس نے یہ سب کچھ میرے ستانے کے لئے کیا ہے۔ اس کی ملاقات پر آپ کو میری بات کا یقین ہو جائیگا۔"

ایک ہفتہ گذر گیا۔

حسب معمول شام کو اقبال اور ضیا آئے اور ہم لوگ سیر کے لئے چل نکلے۔ بڑے بازار میں سے جب گزرے تو اقبال نے کہا۔ آج گھر میں کھانا دیر سے تیار ہوگا۔ تسلی کے لئے کچھ ہوٹل سے کھاتے چلیں۔ چنانچہ ہم ایک مشہور ومعروف ہوٹل میں پہنچے۔ اور کھانے کا آرڈر دے دیا۔

مجھے باوجودیکہ قطعی بھوک نہ تھی مگر ان کے اصرار پر مجھے بھی ان کے ساتھ شامل ہونا پڑا۔ میں نے پہلے بھی اس ہوٹل کے کھانے کی تعریف سنی تھی اور آج میں خود معتقد تھا۔ ہوٹل کا مالک ایک ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ وہ اپنے گاہکوں سے بہت خوش خلقی کے ساتھ پیش آتا تھا۔ گوشت واقعی حد درجہ لذیذ تھا کم از کم میں نے تو عمر بھر ایسا نہ چکھا تھا۔ دوسرے یا تیسرے نوالہ پر میرے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی بوٹی آئی کچھ ایسا معلوم ہوا کہ ہڈی بجائے اندر ہونے کے گوشت کے اوپر ہے اور کچھ گول گول سی ہے۔ دانت بھی مجبور تھے روشنی میں اس ہڈی پر نظر جو پڑی تو کچھ چمکتی ہوئی چیز معلوم ہوئی —— حقیقۃً وہ سونے کی انگوٹھی تھی —— ہوبہو جیسی میرے ہاتھ کی انگلی پر تھی اور جو کچھ عرصہ ہوا مجھے بطور نشانی اس نئی عاشقہ سے موصول ہوئی تھی —— ایک کٹی ہوئی انگلی پر پیوست! —— دہشت کے مارے میری زبان پر مُہر لگ گئی۔ تاہم میں نے دل پر قابو رکھا —— ہم انسانی گوشت کھا رہے اور وہ گوشت شمیمہ کی راز دار کا تھا۔

آدھ گھنٹہ کے اندر میری کوششوں سے ہوٹل کے مالک کو پابجولاں کوتوالی لایا گیا۔ ہوٹل اور اور اس کے گھر پر پولیس نے قبضہ کر لیا اور دوسری صبح تمام دہشتناک رازوں کا انکشاف اور اعتراف اس نے کر لیا۔ اس کے گھر کا تہ خانہ کھول کر دیکھا گیا تو انسانی خون سے دیواریں اور فرش لبریز تھے۔ ہڈیوں کا انبار ایک طرف تھا اور اس مذبح انسانی کی وہ ہیبتناک فضا کہ اکیلا آدمی دہشت سے لرز کر رہ جائے۔

عدالت میں جا کر بوڑھے نے یہ بیان بھی دیا کہ راز فاش ہونے سے ایک دن پیشتر ایک عورت لاہور سے آئی تھی جو افضل بابو (یعنی میرا) نام پوچھتی تھی۔ اور حسب معمول میرے کارکنوں کی معرفت موت کے پنجے میں ادھر آ پھنسی۔ مگر صاحب اس کی موت کا نظارہ بڑا رقت انگیز تھا۔ بیہوشی کی دوا سنگھانے کے بعد میرے خنجر کے پہلے وار نے اس کا کام تمام نہیں کیا۔ شہ رگ آدھی کٹ چکی مگر بیہوشی کا اثر مفقود۔ وہ دیوانہ وار تڑپ کر اٹھی اور خونخوار آنکھوں سے بجلی کی طرح مجھ پر جھپٹی۔ مگر میرے دوسرے وار نے اسی لمحہ اسے زمین پر بے حس و حرکت گرا دیا۔ اور جاں کنی کے وقت وہ "ہائے افضل بابو..... افضل بابو" پکارتی رہی۔ کل رات صرف اس کے بازو کاٹے گئے تھے۔ باقی حصہ جسم ابھی تہ خانے میں ہے"۔

اس آخری واقعہ کی تفصیل نے میرے ہوش و حواس با
اور میرے احساسات محبت کو بیقرار کر دیا اس شہید محبت کے
میرا "حسن ظن" اب پورے عروج پر تھا مگر اس کی غربت کی المناک
پر میرے پاس اب سوائے افسوس کے اور رکھا ہی کیا تھا۔ اور میں
کیا سکتا تھا۔ میرا ذاتی دلچسپ قصہ اب شروع ہوتا ہے۔

قدرتی طور پر میری توجہ تمام تر متوفی کے جذبہ محبت کی ط
ہو گئی۔ پولیس کی اجازت سے لاش حاصل کر کے میں نے اس کو دفن
اور قبر پختہ بنوا دی اور ہفتہ میں ایک آدھ دفعہ ادھر ہو آیا کرتا۔
آبادی قبرستان تک پہنچ گئی تھی اور میرا گھر باوجودیکہ کافی فاصل
مگر میں قطعاً محسوس نہ کرتا کیونکہ ضیا اور اقبال کی جار رہائش سکول
بورڈنگ میں تھی جو قبرستان سے بالکل ملحق تھا۔ اور آتے جاتے میں
مزے سے سستا آیا کرتا۔

ایک دن قبرستان سے واپسی پر میں ضیا کے پاس گیا تو
ہوا کہ وہ مرحومہ ہر جمعرات کو رات کے ۱۲ بجے کے بعد قبر سے نکلتی
اور "میرا نام" اور "ہائے ہائے بابو" بکمال بیکسی کے ساتھ ادھر ادھر بھٹکتی
رہتی ہے۔ آدھ گھنٹہ تک یہ آواز پانچ پانچ دس دس سیکنڈ کے
ہے اس کے بعد آواز میں کچھ رعشہ سا آجاتا ہے اور پھر وہ واپس
چلی جاتی ہے۔ اس منظر کو بعضوں نے اچھی طرح دیکھا ہے مگر خوف
تحقیق کرنے کی کوشش کوئی نہیں کرتا۔

مجھے قدرتی طور پر اس حقیقت کے مشاہدہ کرنے کا شوق
اور میں دوسری جمعرات کی رات کو ضیا کے پاس آگیا اور رات یہ
گذارنے کا قصد کیا۔ رات اندھیری تھی۔ مگر میں نے اس کی قبر پر
سے پیشتر چراغ کا بندوبست کروا دیا تھا۔ ہم سب دوست با
مشغول تھے۔ اور رات کافی گذر چکی تھی۔ اچانک ضیا نے کہا۔"
ہائے افضل بابو.....'' ہم سب اس کھڑکی کے پاس آگئے جو
کی جانب کھلتی تھی۔ کمرے میں بجلی روشن تھی اور باہر بالکل اندھیر
قبر سامنے نظر آرہی تھی۔ وہ قبر پر سبز لباس پہنے کھڑی تھی اور
کی برابر رٹ لگا رہی تھی۔ اس نے اپنے دائیں بائیں دیکھا او
بعد ہمارے کمرے کی طرف چل پڑی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس

لیا۔ ہم میں سے ڈرپوک تو کوئی نہ تھا مگر اس منظر کی ہیبت ہم پر طاری ہوگئی اور ہم نے کھڑکی کا دروازہ بند کرلیا۔۔۔۔۔۔ مگر وہ اپنی آواز کے ساتھ تدریجاً ہماری طرف بڑھ رہی تھی۔ ابھی کیا ہوگا یہ کسی کو خبر نہ تھی اور اس کے ادھر آنے کا مقصد کیا تھا یہ بھی نامعلوم تھا۔ تاہم اندر ہی اندر ہمارے دلوں کے خون خشک ہورہے تھے اور چہروں کا رنگ فق ہوگیا تھا۔ وہ برابر بڑھتی آرہی تھی اور اب ہمارے پاس آخری علاج یہ تھا کہ کمرے کے دوسرے دروازے بھی بند کرکے لحافوں میں گھس جائیں۔ اس بزدلی کے ساتھ غضب یہ ہوا کہ ہم نے روشنی گل نہیں کی۔ اب محسوس ہوا کہ وہ باہر برآمدے میں کھڑکی کے پاس پہنچ گئی ہے۔ خفیف سی جراءت کرکے میں نے لحاف سے جو منہ نکالا تو اسے بند کھڑکی کے شیشہ میں سے جھانکتے ہوئے پایا۔ آنکھوں کی بڑی بڑی پتلیاں تمام کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ چہرے پر مسکراہٹ تھی مگر پُرحسرت "ہائے افضل پانی" کی آواز اب بھی آرہی تھی مگر بہت آہستہ اور لرزتی ہوتی۔ میں اگرچہ خوفزدہ ہورہا تھا مگر دل مضبوط کرکے اٹھا اور روشنی گل کرکے آہستہ سے دروازے سے باہر نکل گیا۔ دوستوں نے مجھے روکنے کی کوشش کی مگر میرا ارادہ پختہ تھا۔ برآمدے تک پہنچا تو وہ وہاں سے رخصت ہوچکی تھی اور واپس قبر کی طرف جارہی تھی۔ چند قدم کا فاصلہ رکھ کر میں بھی اس کے پیچھے روانہ ہوگیا۔ قبر پر پہنچ کر وہ ٹھہر گئی اور کمال نزاکت اور مایوس نگاہوں سے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ میں بت کی طرح خاموش کھڑا تھا اور نہ ہی کچھ بات کرنے کی جرات ہوئی۔ اس نے مجھ پر نظر غائر ڈالی اور ہنس دی اس کے قہقہے کی آواز فضا میں گونج گئی۔ میرے تمام بدن پر سنسناہٹ چھا گئی۔ ایک دفعہ میں نے اور جرات کرکے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ مگر اس کی پتلیاں اب ساکن ہوگئی تھیں۔ شدت خوف سے میری نظریں نیچے ہوگئیں۔ اور جب دوسرے لمحے میں نے پھر نظر اٹھا کر دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ وہ قبر میں واپس چلی گئی تھی۔ مگر اس کے "ہائے افضل پانی" کی پکار میرے دل و دماغ پر اور قبرستان کی فضا میں ابھی تک اثر انداز تھی۔

دوسرے دن صبح میں نے پہلا کام یہ کیا کہ ایک حوض اس کی قبر کے ساتھ تعمیر کرایا اور دوسری جمعرات تک اسے پانی سے بھروا دیا۔ اس کے بعد وہ پھر کبھی نہیں دیکھی گئی۔ اس کی ناکام محبت اور حسرتناک انجام کی خلش گو ابھی میرے دل پر باقی ہے مگر کوئی خاص اثر نہیں۔ ہاں شمیمہ بھی بعض اوقات نوشابہ کے انجام پر ملول ہوجاتی ہے۔

(عروج لقمہ)

غزل

جناب منشی پیارے لال صاحب شاکر میرٹھی

"آہ" منہ دیکھے کی الفت اور ہے — جس کو کہتے ہیں محبت اور ہے
مل گئیں سب آرزوئیں خاک میں — ایک مر مٹنے کی حسرت اور ہے
ہائے کس کا نام تم نے لے دیا — اضطرابِ دل کی حالت اور ہے
مجھ گنہگارِ محبت کے سوا، — کیا کوئی حق دارِ رحمت اور ہے
ذبح کرتے کرتے ظالم رک گیا — کیا کوئی فکر اذیت اور ہے
جب سے دی ساقی نے چوکھی مے مجھے — رنگ پر میری طبیعت اور ہے
ٹھہر جاؤ دیکھ لو انجامِ عشق! — اب مریضِ غم کی حالت اور ہے
پھر گیا دنیائے دوں سے دل مرا — اب خدا کی کچھ مشیت اور ہے
تو ہی کہہ چاہیں نہ ہم کیونکر تجھے — کوئی تجھ سا خوبصورت اور ہے
لے رہے ہیں چٹکیاں وہ پیار سے — دردِ دل میں آج لذت اور ہے
جانتا ہوں خوب اے واعظ تجھے — منہ سے کچھ کہتا ہے نیت اور ہے
میرے دل کے آئینے کو دیکھئے — اس میں اک پیاری سی صورت اور ہے

فکر راحت کیوں ہے اے ... تجھے
تیری او بدبخت قسمت ... ہے

مضطرؔ اور نعت گوئی

جناب سید جان نثار حسین صاحب اخترؔ

مذہبی شاعری کو دنیا کے ادبیات میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ہر ملک کی ابتدائی اور قدیمی شاعری مذہبی خیالات کی علمبردار نظر آتی ہے دنیا کے قدیم مذاہب کا لٹریچر شاعری کے عنصر سے مالا مال ہے۔ شاعری کی قدامت مذہب کی قدامت کے پہلو بہ پہلو نظر آتی ہے۔ مذہب اور شاعری کا تعلق جتنا قدیم ہے اسی قدر گہرا ہے۔ مذہب قلب انسانی کی ایک مرتب کیفیت اور شاعری وجدان روحانی کی ایک منظم صورت ہے دونوں کی لطافت ایک دوسرے کی جزو لاینفک ہے۔

شعور کے ابتدائی مدارج طے کر چکنے کے بعد ہی جس زبردست جذبہ کی تخلیق قلب انسانی میں ہوئی وہ مذہب تھا۔ اس جذبۂ مذہب کے زیر اثر شاعرانہ الہامات کی پیدائش ہوئی۔ والمیکؔ۔ اور تلسی داسؔ کی رامائن۔ ملٹنؔ کی گمشدہ فردوس، فرزدقؔ کے عربی قصائد اور کاشیؔ کا ہفت بند، یہ تمام ادبی ذخیرہ مذہبی اعتقادات اور ایمانی جذبہ سے لبریز ہے علاوہ اس کے اسلامی شاعری میں واقعہ کربلا صدہا بہترین نظموں کا ماخذ ہے فارسی اور فارسی سے زیادہ اردو ادب میں یہ ذخیرہ موجود ہے۔ ان نظموں سے جس علوئے اخلاق اور تہذیب نفس کا سبق ملتا ہے اس کی مثال مشکل ہی سے کہیں دستیاب ہوتی ہے۔ مذہبی شاعری کے تحت اخلاقی شاعری بھی آتی ہے۔ ملٹنؔ۔ کوپرؔ۔ اسپنسرؔ۔ سعدیؔ۔ نظامی گنجویؔ۔ جامیؔ۔ کبیرؔ نانکؔ۔ حالیؔ وغیرہ کا نام زندہ جاوید ہے۔ اخلاقی شاعری کی ایک تبدیل شدہ اور زیادہ مقبول شکل تصوف ہے۔ اخلاق انسانی کا تجزیہ، کائنات کے رموز کی آگہی اور حقیقت کی جستجو اور باخبری اس قسم کی شاعری کا جزو عظم ہے۔ گوئٹےؔ۔ ورڈس ورتھؔ، حافظؔ، علی حزیںؔ، خسروؔ۔ سور داسؔ میرؔ۔ مظہر جانجاناںؔ، میر دردؔ اور اقبالؔ وغیرہ کے استادانہ شاعری کے لئے سرمایہ ناز ہیں۔

توحید، اخلاق اور تصوف کے علاوہ مذہبی شاعری کی ایک مستقل صنف نعت بھی ہے۔ نعتیہ شاعری بھی ایمانیات ہی کے تحت ہے ہر وہ جذبہ جس کی بنیاد روحانی اعتقاد پر ہو ایمانی ہے۔ نعتیہ شاعری آنحضرت صلعم ہی کے زمانہ حیات سے وجود میں آئی۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ کی نعت آج تک محفوظ ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جو شعر آنحضرت صلعم کی وفات پر بطور مرثیہ فرمائے ان کو بھی ایک لحاظ سے نعت کہا جا سکتا ہے۔ اس زمانہ سے اب تک سیکڑوں، ہزاروں، بلکہ لاکھوں ہی نعت گو شعراء گزرے۔ عرب و عجم نے سیکڑوں نعتیں دربار رسالت میں نذر گذاریں۔ "مد و جزر"۔ "رسالت مآب کے حضور میں"۔ "چراغ کعبہ" اور "بادل" جیسی نظمیں ہندوستان نے بھی اظہار عقیدت میں پیش کیں۔ حالیؔ اقبالؔ اور محسنؔ نعت گو شعراء ٹھیرے۔ حفیظؔ نے "شاہنامہ اسلام" لکھ کر ایک اسلامی خدمت انجام دی۔ ان نعت گو شعراء کی فہرست میں مضطرؔ کا نام بھی شامل ہے۔

مضطرؔ آل رسول تھے۔ اور یہ نسبت و وابستگی ایک جذبہ، ایک صداقت، ایک روح بن کر ان کی اس شاعری میں سرایت کئے ہوئے ہے آپ کو جو حد درجہ خلوص اور عقیدت اس ذات مکرم سے تھی اس کا اندازہ ان اشعار سے ہوتا ہے ؎

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے ۔۔۔ جو کچھ مجھے لینا ہے لے لوں گا محمدؐ سے

خدا کی رقابت سے ڈرتا ہوں مضطرؔ ۔۔۔ محمدؐ کا عاشق تو میں بیگماں ہوں

کمال عشق نے مجھکو یہ فتویٰ دیدیا مضطر   کہ جائز ہیں خدا کی یاد میں سجدے محمدؐ کے

یوں تو اپنے ابتدائی دورِ شاعری ہی سے مضطر نے نعت گوئی کی مگر سکونت ٹونک کے آخری ایام اور گوالیار کے مکمل دورِ قیام میں آپ کو اس شاعری سے شغف وانہماک رہا۔ اس چوبیس سال کے عرصہ میں آپ نے حمد اور نعت بکثرت کہی۔ حمد کا دیوان "نذرِ خدا" ۱۹۱۳ء میں مطبع صوفی آگرہ سے شایع ہوا۔ نعتیہ دیوان "نیازِ مصطفےٰ" جو آپ کے ایک شاگرد فریدالدین گوہر کی معرفت طبع ہونے گیا تھا۔ مطبع اور گوہر صاحب کے درمیان غتر بود ہوگیا۔ پھر بھی اس وقت جو ذخیرہ محفوظ ہے وہ ہندوستان کے ہر نعت گو شاعر کے کلام سے کہیں زیادہ ہے۔ آپ کی بہت سی نعتیہ غزلیں اپنی پوری شہرت رکھتی ہیں۔ مختصراً پیش کرتا ہوں۔

ملنا تھا تو مل جاتے اس نورِ مجرد سے   کیوں جاکے چلے آئے دربارِ محمدؐ سے
ہم نے تو محمدؐ کے روضے میں خدا دیکھا   اللہ کی آوازیں آئیں اسی گنبد سے
اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے   جو کچھ مجھے لینا ہے لیلوں گا محمدؐ سے

~~~

رسولِ خداؐ سید الانبیا ہیں   خدائی کے حامی نبیؐ خدا ہیں
اگر میمِ احمدؐ کا اٹھ جائے پردہ   تو بابِ محمدؐ کے سجدے روا ہیں
ڈروں کیوں میں بارِ عصیاں سے مضطر   رسولِ خدا جب مرے ناخدا ہیں

~~~

نظر آتے ہیں خاک گور میں جلوے محمدؐ کے   مٹا دی اپنی ہستی تب مٹے نقشے محمدؐ کے
کمال عشق نے مجھکو یہ فتویٰ دیدیا مضطر   کہ جائز ہیں خدا کی یاد میں سجدے محمدؐ کے

~~~

بتادوں روضۂ اقدس پہ کیا معلوم ہوتا ہے   نبی پردے میں ہیں لیکن خدا معلوم ہوتا ہے

~~~

پار لگ جائیں محبت میں سفینے والے   لے خبر احمدِ مختار مدینے والے
ناوکِ انداز عرب دل کی خبر لیتا جا   چوٹ کھانے کی تمنا میں ہیں سینے والے
اس غریبی میں تو رکھ لیجیے پردہ میرا   یا نبیؐ چاک گریباں مرا سینے والے
مرکے مضطر ہمیں ملنا ہے نبیؐ سے جاکر   جن کو جینا ہو جئیں ہم نہیں جینے والے

~~~

الٰہی دکھادے دیارِ مدینہ   بنا مجھکو گرد و غبارِ مدینہ
گدا کے لیے کل کہ حاصل ہو مجھکو   سلامِ شہ کامگارِ مدینہ
نگاہیں مری ٹھوکریں کھا رہی ہیں   پئے جستجوئے دیارِ مدینہ
مرا باغِ امید وقفِ خزاں ہے   ہے فریاد تجھسے بہارِ مدینہ

~~~

ہندوستان میں مختلف اصحاب نے آنحضرت صلعم کا ذکر شریف قلمبند کیا۔ شبلی نے "سیرۃ النبی" لکھ کر جو ادبی اور اسلامی خدمت انجام دی اس کا احسان دنیا کبھی نہیں بھول سکتی۔ دنیا کے کسی لٹریچر میں اس سے جامع اور مستند کتاب حضرت کی سیرت کے متعلق دستیاب نہیں ہوتی۔ مدارج النبوۃ، قصص الانبیا اور روضۃ الاحباب وغیرہ میں رسول مقبولؐ کا احوال با تفصیل پایا جاتا ہے۔ سوانح شریف کے علاوہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے علیحدہ تذکرے بھی اردو زبان میں لکھے گئے۔ غلام امام شہید اور میلاد اکبر کو ہندوستان میں خاص مقبولیت حاصل ہے۔

۱۹۰۵ء میں جب مضطر نے سات سالانہ محافل میلاد کی بنا ڈالی تو خود میلاد کی سات جلدیں بھی تالیف فرمائیں۔ پہلی جلد میں تخلیق نورِ محمدی سے حضرت آدم کی وفات تک کا حال ہے۔ دوسری جلد حضرت شیثؑ کے ذکر سے شروع ہوکر حضرت ابراہیمؑ پر ختم ہوتی ہے۔ تیسری جلد حضرت اسمٰعیلؑ سے شروع ہوکر حضرت یعقوبؑ و حضرت یوسفؑ پر ختم ہوتی ہے۔ چوتھی جلد حضرت ایوبؑ کے ذکر سے شروع ہوکر حضرت یحییٰ پر ختم ہوتی ہے۔ پانچویں جلد حضرت زکریاؑ سے شروع ہوکر ولادت باسعادت حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہوتی ہے۔ چھٹی جلد معراج اور ہجرت کے ذکر پر مشتمل ہے اور آخری جلد میں حضور صلعم کی وفات اور آیات کا تذکرہ ہے۔

مضطر خوشخط تھے اور یہ تالیفات خود آپ ہی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں۔ ان تالیفات میں مختلف مقامات پر آپ کی حمدیہ اور نعتیہ غزلیں چسپاں ہیں۔ ان غزلوں کے علاوہ۔ واقعات مذکورہ کے لحاظ سے بھی اور نظمیں کہی گئی ہیں۔ یہ غزلیں اور نظمیں مضطر ہر سال تبدیل فرماتے اور اس طرح علاوہ نعت اور حمد کے دیگر واقعات و روایات کے متعلق آپ کی منظومات کا کافی سرمایہ اکٹھا ہوگیا۔ مثلاً آدمؑ کی توبہ، آدمؑ کی شیثؑ کو وصیت، ابراہیمؑ کی آزمائش، اسمٰعیلؑ کا ذبح ہونا

اور یوسفؑ کی جدائی۔ یوسفؑ کے بھائیوں کا ظلم، صبر ایوبی، یونس کا شکم ماہی میں دعا کرنا، سلیمانؑ اور مچھلی کا واقعہ، زکریاؑ کا اولاد مانگنا وغیرہ۔ یہ سالانہ محفلیں دس شعبان المبارک سے ۱۶ شعبان المبارک تک بڑی دھوم سے ہوا کرتیں۔ نثر مضطر خود پڑھتے تھے۔ نظم کیلئے چند میلاد خواں مخصوص تھے جن میں حافظ نبی محمد کا نام قابل ذکر ہے۔ مضطر کو ان محفلوں سے قلبی لگاؤ اور دلی وابستگی تھی جس کا اظہار ان کے اس شعر سے ہوتا ہے ؎

محفلیں ہونگی مگر میں نہ رہوں گا مضطر
چھوڑ جاؤنگا میں دنیا میں یہ چرچا اپنا

پانچویں محفل جیسا اوپر عرض کر چکا ہوں رسول مقبولؐ کے احوال ولادت پر مشتمل ہے اس محفل کی ابتدائی غزلوں سے مختلف شعر نقل کرتا ہوں ؎

چار دن گزرے ہیں دیتے ہوئے آواز تجھے پانچویں شب کو سناتا ہوں نیا راز تجھے
راز وہ یہ ہے کہ مہمانِ جہاں ہوتی ہے ایسی اک ذات کہ جس پہ ہے بڑا ناز تجھے
کون وہ یعنی محمد شہ مکی مدنیؐ جس نے دیکھا ہے پس پردہ صد راز تجھے
مظہر ذات کا جلوہ مرے گھر آتا ہے آ ادھر آ میں دکھاؤں ترے انداز تجھے

ڈھل گئی رات اب آنکھوں کو درخشاں کر دے اپنے محبوب کے جلوے کو نمایاں کر دے
میرے گھر میں جو غریبی کا دیا جلتا ہے آج کی شب اسے رشکِ مہِ تاباں کر دے
اے خدا بھیج محمدؐ کو پئے داد رسی تیری مخلوق مری جاتی ہے احساں کر دے

آج خالق کی تجلی مرے گھر آتی ہے جلوۂ خاص کے پردے میں سحر آتی ہے
جس پہ موسیٰ سے ملاقات خدا نے کی تھی آج وہ طور کی چوٹی بھی نظر آتی ہے
اس کی آمد ہے جسے دیکھ کے دل کہتا ہے خود بخود عیش کی تصویر اتر آتی ہے

واقعہ معراج کے متعلق اردو لٹریچر میں کئی نظمیں پائی جاتی ہیں۔ ترجیع بند کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ جلیل مانکپوری نے قدسی کے مشہور و مقبول شعر پر ایک ترجیع بند معراج کے متعلق لکھا ہے۔ مضطر نے قدسی کی اس پوری غزل کو مسدس بنایا ہے اور شب معراج کی سرگزشت بیان کی ہے۔ دونوں نظمیں سادہ ہیں مگر مضطر کے یہاں سادگی میں ایک کیفیت پائی جاتی ہے۔ نظمیں مختصراً پیش کرتا ہوں۔

جلیل

اللہ اللہ عجب انوار ہیں معراج کی رات نور افشاں در و دیوار ہیں معراج کی رات
وصل محبوب کے آثار ہیں معراج کی رات کہنے کو پردۂ اسرار ہیں معراج کی رات
جلوے رحمت کی نمودار ہیں معراج کی رات ملک اس طرح گہربار ہیں معراج کی رات

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

جبرئیل آتے ہیں لینے کو یہ رتبا دیکھو عرش سے آگے ہے جانے کا ارادا دیکھو
سر اقدس پہ ہے کیا بانکا عمامہ دیکھو حق نما آنکھ میں مازاغ کا سرمہ دیکھو
آؤ اس حسن مجسم کا تماشا دیکھو بڑھ کے مطلع یہ پڑھو جب رخ زیبا دیکھو

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

آسمانوں سے گذر کر وہ امام جبریل پہنچے سدرہ کو جو ہے خاص مقام جبریل
بھر دیا بادۂ مقصود سے جام جبریل آپ کے نور سے روشن ہوا نام جبریل
واں سے آگے جو بڑھے لیکے سلام جبریل تھا یہی شاہ سے اس وقت کلام جبریل

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

آپ تنہا ہوئے راہی سوئے عرش اعظم عرش نے فخر کیا چوم کے حضرت کے قدم
اس جگہ ہوتے تھے مفہوم یہ مضمون بہم آ قریب آ کہ بہت دیر سے مشتاق ہیں ہم
تیرے لینے کو ہے پھیلائے آغوش کرم دیکھو کہتے ہیں تری شان میں کیا لوح و قلم

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

مضطر

ام ہانی کے یہاں رات کو سوئے تھے نبیؐ کہ اسی حال میں معراج کی نوبت پہنچی
آئے جبریل جگانے کو بصد شوق دلی منہ ملا پائے مبارک پہ اور آواز یہ دی

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

سرورِ پاک نے جب چشم مبارک کھولی تو یہ پوچھا کہ اس وقت کہاں آئے اخی
بولے جبریل کہ خالق نے بلایا ہے ابھی اور کہا ہے کہ یہ کہتے ہوئے لائیں قدسی

مرحبا ——— الخ دل ——— الخ

آپ سُن کے چلے ہو صال اصلی   پیشوائی کے لئے حق کی تجلی دوڑی
شعلۂ حسن بڑھا طور کی چوٹی کتری   روح موسیٰ یہ پکاری کہ میں قربان گئی

مرحبا سید کی مدنی العربی
دل وجاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

جب تھا قرب کی حالت میں دوئی کا پردا   اُدْنُ مِنّی کا خطاب آپ کی خاطر آیا
مرتبہ قرب کا جب ایک بھی باقی نہ رہا   تب تو وحدت بھی یہ کہنے لگی اے صل علی

نسبتے نیست بذات تو بنی آدم را
بہتر از عالم و آدم چو تو عالی نسبی

اردو شعراء نے جہاں بھی آنحضرت سے خطاب کیا ہے "آپ" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ مضطر نے انتہائے محبت کے عالم میں اکثر "تو" لکھا ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس طرز تخاطب سے ایک شدت خلوص کا اظہار ہوتا ہے۔

بچالے محمدؐ، محمدؐ بچالے   غریبوں کی عزت ہے تیرے حوالے
خدا ہم سے روٹھا ہے ترک عمل سے   منالے محمدؐ، محمدؐ منالے
تڑپتا ہے مضطر برائے مدینہ   بُلالے محمدؐ، محمدؐ بُلالے

کہیں وقت آخر نہ پیاسا اٹھوں   مرا جام بھر یا رسول کریم
یہاں کوئی مضطر کی سنتا نہیں   تو ہی لے خبر یا رسول کریم

حشر کے روز مجھے پار لگائیگا رسول   جس کے دریائے شفاعت کی کوئی تھاہ نہیں

قبلہ بن جائے جہاں تو کوئی پتھر رکھدے   دست اسلام وہیں دین کا ممبر رکھدے

یا رسول دوسرا لاج مری رکھ لینا   مدتیں ہوگئیں کرتا ہوں گدائی تیری

مضطر کی نعت میں احترام عشق کا زبردست پہلو بھی پایا جاتا ہے یہ عنصر مضطر کی نعتیہ شاعری کی عظیم الشان خصوصیت ہے۔

غش آیا ہے یاد رخ احمدی میں   مجھے شاخ طوبیٰ ہوا دے رہی ہے

میں نے تو فرشتوں کی صورت بھی نہیں دیکھی
تربت میں جگانے کو مکی مدنی آئے

بیچین دیکھ کر مجھے جلوہ رسولؐ کا   تربت میں آکے خود مری کروٹ بدل گیا

میں اپنی لحد کے اندھیرے کے صدقے   محمدؐ کا جلوہ مزہ دے رہا ہے
اب آجاؤ تم ہوش میں اپنے مضطر   محمدؐ کا دامن ہوا دے رہا ہے

خود اپنے لئے مضطر میں نے یہ دعا مانگی   عاشق ہے محمدؐ کا اس دل کو خدا رکھے

مضطر کا ذخیرہ نعت بیحد ہے۔ اس وقت جو کچھ میں نے آپ کے سامنے پیش کیا اس کی مثال مشتے نمونہ از خروارے سے زیادہ نہیں مگر بھی اس نمونہ کلام سے مضطر کی نعت گوئی کا صحیح اندازہ ہوتا ہے مضطر کے ہاں محسن کی سی نعتیہ نظموں کی کمی ہے لیکن محسن کی نعتیہ غزلیات کی کمی مضطر کے ہاں پوری ہوتی ہے آپ نے اپنی شاعری میں غزلیات ہی پر ہمیشہ زیادہ زور دیا نظموں وغیرہ کی جانب آپکی توجہ کم رہی عشقیہ، حمدیہ، متصوفانہ کلام کی طرح نعتیہ کلام بھی زیادہ تر غزلیات ہی پر مشتمل ہے دوسرے نعت گو شعرا کی غزلیات سے آپ کی غزلیں کہیں ممتاز اور اعلیٰ ہیں آپ کا طرز تغزل نپا تلا اور کملی والے جیسے حرف غلط سے مبرا اور بلند ہے۔ اب اگر ہمارے دماغ منصف اور ہماری نگاہیں منتشر ہیں تو ہم جان سکتے ہیں کہ جس طرح محسن کاکوروی نعتیہ نظمیات کے امام ہیں اسی طرح مضطر نعتیہ غزلیات کے بادشاہ کہے جانے کے مستحق ہیں ۱۹۲۷ء میں مضطر اس دار فانی کو خیرباد کہا اور بزم شاعری سے ایک بڑا نعت گو اٹھ گیا۔

مضطر دلفگار کی لاش کا اب پتہ کہاں
شاہ عرب کو ڈھونڈھنے وہ بھی کہیں نکل گئی

محسوساتِ ماہر

(از حضرت ماہر القادری)

ساقی نے جسے مست نگاہوں سے پلا دی — اس کے لئے جنت ہے بیاباں ہو کہ وادی
ہاں! پھر تو کہو "ہم نے تجھے دادِ وفا دی" — تم نے تو مرے دل کی کہانی ہی سنا دی
اُس نے سرِ محشر نگہِ ناز جھکا دی — کہنا ہی پڑا مجھکو کہ میں نے ہی دغا دی
اکبار تجھے عقل نے چاہا تھا بھلانا — سو بار جنوں نے تری تصویر دکھا دی
پھیرا مجھے انکار سے اقرار کی جانب — اک شمع کو روشن کیا اک شمع بجھا دی
اے چارہ گرو! درد کو للہ نہ چھیڑو — اس نے تو مرے آئینۂ دل کو جِلا دی
اللہ رے! ترے وصل و جدائی کے کرشمے — دوزخ بھی دکھا دی مجھے جنت بھی دکھا دی
اتنی تو مئے ناب میں گرمی نہیں ہوتی — ساقی نے کوئی چیز نگاہوں سے ملا دی
اے بادِ چمن تجھ کو نہ آنا تھا قفس میں — تو نے تو مری قید کی میعاد بڑھا دی
وہ چین سے بیٹھے ہیں مرے دل کو مٹا کر — یہ بھی نہیں احساس کہ کیا چیز مٹا دی

لے دے کے مرے دامنِ امید میں ماہر
اک چیز جوانی تھی، جوانی بھی لٹا دی

احساسِ گناہ

از مسٹر اقبال گورنمنٹ کالج - لاہور

کارویل نے تکئے سے سر اٹھایا اور بغور سننے لگا۔ مارے خوف کے اس کے بدن سے پسینہ چھوٹ رہا تھا۔ باہر بارش انتہائی تیزی و قوت کے ساتھ برس رہی تھی بنگلے کی چھت پر ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ڈھول بج رہے ہیں چھت سے پانی مہیب سرسراہٹ پیدا کرتے ہوئے نیچے گر رہا تھا۔

گھپ اندھیرا۔ کارویل نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ مگر اس کی چارپائی سے ایک فٹ کے فاصلے پر پڑی ہوئی چیزیں بھی تاریکی میں ملفوف ہیں.... اب تو سوائے بارش کی آواز کے اور کچھ سنائی نہ دیتا تھا لیکن اسے یقین تھا کہ ایک لمحہ پیشتر اس نے برآمدے میں کسی کے پاؤں کی آہٹ سنی ہے۔

مانگ پو! اس نے زور سے پکارا۔

کسی نے جواب نہ دیا اسے کسی جواب کی امید بھی نہ تھی۔ کیونکہ وہ اپنے برمی ملازم کی روش سے آشنا تھا۔ اس نے صبح اسے اپنی ڈاک لینے بھیجا تھا۔ دو میل کے فاصلے پر ڈاکخانہ تھا۔ شام ہو گئی۔ مگر مانگ پو واپس نہ آیا۔ کارویل نے سمجھ لیا کہ بدمعاش نے شراب پی لی ہو گی صبح کوئی بہانہ بنا کر آجائیگا۔ یہ جانتے ہوئے بھی اس نے پھر پکارا۔

"مانگ پو! آ گئے مانگ پو!"

... چارپائی کے قریب میز پر برقی لیمپ رکھا تھا مسہری سے موزی دبہ جدوجہد کرنے کے بعد وہ اپنا ہاتھ باہر نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔ لیمپ روشن ہوا۔ ہر ایک چیز بدستور اپنی جگہ پر پڑی ہوئی تھی۔ علاوہ ازیں ان چھوٹی چھوٹی کرسیوں کے پیچھے یا نیچے تو کوئی چھپ ہی نہیں سکتا تھا گرمی کا موسم تھا۔ دروازے اور کھڑکیاں چوپٹ کھلی ہوئی تھیں۔ موسلا دھار ڈراؤنی آواز پیدا کرتا ہوا برس رہا تھا شاید کسی آسمانی سمندر کا منہ کھل گیا تھا!

مسہری پر سے پھینکتے ہوئے کارویل لیمپ ہاتھ میں۔ برآمدے میں نکلا۔ فرش گیلا تھا۔ وہ کھلے دروازے میں کھڑا ہو گیا۔ اس کا چہرہ پسینے سے تر تھا۔ اس کی قمیض بھیگی ہوئی تھی برآمدہ خالی تھا۔ میز اور تینوں کرسیاں صاف نظر آ رہی تھیں دیوار میں ایک کیل پر اس کی ٹوپی اور اس کی سیر کرنے کی چھڑی لٹک رہی تھی۔ اور کچھ بھی نہ تھا۔ ایک بلی کے چھپنے کیلئے بھی جگہ نہ تھی!

اگرچہ اس کی پوری تسلی نہیں ہوئی تھی تاہم اطمینان کا سانس لیتے ہوئے وہ کمرے میں واپس آ گیا۔ لیکن دوبارہ چارپائی کی طرف جانے سے پیشتر اس نے ٹین کے ڈبے سے اپنا ریوالور نکالا۔ ریوالور میں گولیاں بھرتے ہوئے اس نے تہیہ کر لیا کہ صبح اٹھتے ہی مانگ پو کو برخاست کر دیگا۔ پاجی نکما۔ آوارہ۔ اس کا مالک ایک جنگل میں سو رہا ہے اور اسے پروا تک نہیں۔ آبادی کا نام و نشان ہی نہ تھا۔ قلیوں کے جھونپڑے بھی آدھ میل کے فاصلے پر تھے۔ پاجی مانگ پو! یہ جانتے ہوئے بھی واپس نہیں لوٹا کہ اس کا مالک ہر دلعزیز نہیں۔ قلیوں کو تلاش کرنے میں اسے کتنی دقت ہوئی تھی۔ جنگل کا یہ حصہ اسے ربڑ کی کاشت کے لئے تیار کرنا تھا گاؤں والے اس تجویز کے مخالف تھے۔ کیونکہ ایسا کرنا ان کی جنگلی آزادی چھین لینے کے مترادف تھا۔

آہ فوک!؟ کارویل اس کے باپ کی لڑکی ما کیٹ کیتا سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ آہ فوک ابھی رنگون جیل میں قید ہوگا!

کے پاس افیون کا ایک بڑا ذخیرہ نکلا تھا۔ اور اسے دو سال قید کی سزا ملی تھی۔

چارپائی پر لیٹ کر کارَول نے بذریعہ زبانی حساب ایک سوال حل کیا۔ آہفوک کی قید کی مدت اب ختم ہونے والی تھی۔ قیدیوں کی سزائیں عموماً کچھ تخفیف ہو جایا کرتی تھی۔

یہ سوچتے ہی وہ دفعتہً دہشت زدہ ہو گیا۔ اس نے تکیئے کے نیچے پڑے ہوئے ریوالور پر ہاتھ مارا۔ اس کے سخت دستے کو مس کرنے سے اسے قرار آیا..... لیکن فرض کیا کہ جس پاؤں کی چاپ اس نے سنی تھی وہ پاؤں آہفوک کا ہے۔

کارَول نے اپنے خوف کو مسکرا کر بھول جانے کی کوشش کی۔ آہفوک ابھی جیل میں ہو گا۔ اور اس کے رنگون والے دوست تھامپسن نے وعدہ کیا تھا کہ آہفوک کے رہا ہوتے ہی اسے اطلاع دیگا۔ تاہم اس وقت اس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ آہفوک غیرحاضر نہ ہوتا...

ریوالور تکئے کے نیچے ہونے پر بھی محسوس ہو سکتا تھا۔ اس نے آہفوک کا خیال دماغ سے نکال دینے کی کوشش کی ہے۔ بارش بدستور جاری تھی لیکن اُس نے سُنا کہ اب بھی کوئی غیرمانوس آواز تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد پیدا ہو رہی ہے۔

آہفوک کی لڑکی مالیٹ! آہفوک کی چینی بیوی سے پیدا ہوئی تھی۔ اس کے باپ کو اس پر بہت ناز تھا۔ کارَول اسے پہلی دفعہ موڈن بازار میں ایک چینی کی دکان پر ملا تھا۔ مُسکرا مُسکرا کر برمی زبان میں اس سے بے تکلف ہو کر باتیں کرنے لگی۔ ایک انگریز کے متوجہ ہونے پر وہ بہت مسرور ہوئی تھی۔ اس وقت کارَول نے اسے اپنا بنانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ ایک دیسی عورت اس کے لئے ایک ایسے کھلونے سے زیادہ وقعت نہ رکھتی تھی جسے استعمال کر کے پھینک دیا جائے۔ اور مالیٹ اس کھیل کے لئے موزوں بھی تھی۔ اسے اس کا ریشمی لباس یاد آیا۔ گلابی رنگ کا جس میں سبز دھاریاں تھیں۔ اس کے بالوں میں یاسمین کے پھول بنے ہوئے تھے۔ وہ ایک سیاہ سگار پی رہی تھی جو اس نے خود بنایا تھا۔ ایسے چھ سگار اس نے اُسے بطور نمونہ دئے تھے۔ مگر جہنم میں جائے یہ مالیٹ والیٹ۔ اسے کیا؟ کاش وہ اسے کبھی نہ ملا ہوتا....

لیکن پوشیدہ تعلقات جاری رہتے تھے۔ اس کے باپ کو معلوم تک نہ تھا۔

آہفوک پرلے درجے کا چھٹا ہوا انسان! پولیس سے لڑتے ہوئے ٹانگ زخمی کر بیٹھا تھا۔ اس سے اس کی چال میں قدرے لغزش پیدا ہو گئی تھی۔ موڈن لوگ اس سے خائف تھے۔ اس کی مخالفت سے احتراز کرتے تھے۔ یہی خطرہ تھا۔ اس پوشیدہ تعلق میں یہی خطرہ تھا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ کارَول اس وقت چور کو مور دالا مقولہ دُہرا کر خوش ہوا کرتا کہ ایسے گرو گھنٹال کی بلک پر قبضہ جمایا۔ لیکن اب — اب اُس کی آرزو تھی کہ وہ لڑکی سے راہ و رسم نہ بڑھاتا۔

بارش ابھی بنگلے کی چھت پر کھڑکھڑاہٹ پیدا کر رہی تھی۔ اب کوئی اور آواز نہیں آ رہی تھی۔ وہ یونہی ہراساں ہو رہا تھا۔ اس کا خوف بے بنیاد تھا۔ اور آہفوک؟ او ہوں آہفوک تو رنگون جیل میں مقفل لوہے کے دروازوں کے پیچھے بند تھا!

مصیبت تو تب آئی جبکہ وہ جنگل میں دورے پر جانے والا تھا۔ مالیٹ نے اس کے ساتھ جانے پر اصرار کیا۔ وہ آنکھ بچا کر کھسک گیا۔ مگر اس نے تعاقب کیا۔ اور پہلی منزل پر ہی اس سے جا ملی۔ دو ہفتے انہوں نے یکجا گزارے۔ تب ایک شام جس منزل پر انہوں نے قیام کیا تھا۔ آہفوک آ پہنچا۔ وہ پیدل چل کر یہاں آیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے غصّے اور نفرت کی چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ چونکہ تم ایک صاحب ہو اس لئے تمہارا خیال ہے کہ میری لڑکی چرا سکتے ہو۔ کوئی آدمی میری چیز نہیں چرا سکتا — میں قانون کو مدد کے لئے نہیں پکارونگا — میں خود بہتر انتظام کر سکتا ہوں۔

کارَول یہ سُن کر ہنسا تھا اس نے ایک کونے میں پڑے ہوئے سامان کی طرف اشارہ کیا تھا اور کہا تھا۔

سامان اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولس کا ہے وہ آج رات یہیں ٹھہریگا۔ اس کے ہوتے ہوئے تمہاری مجال نہیں کہ میرا کچھ بگاڑ سکو۔ اس پر آہفوک نے دانت پیسے تھے اور کہا تھا کہ وہ انتقام ضرور لیگا خواہ اُسے کتنی دیر انتظار کرنا پڑے اور یہ کہہ کر وہ لنگڑاتا ہوا چلا گیا تھا۔

کارویل نے اُسے پھر کبھی نہ دیکھا۔ ایک ماہ بعد وہ گرفتار کر لیا تھا۔ پٹھا بغیر محصول دئے افیون کا بیوپار کرتا تھا۔ وہ ایک پرانا پاپی تھا۔ حکام اُس کے ساتھ سختی کرنے پہ مجبور تھے۔

کارویل چند ماہ بعد لڑکی سے سیر ہو گیا تھا۔ آخر وہ تھی کیا؟ چینی کی گڑیا۔ وہ اُس کی دلدادہ ضرور تھی مگر کیا ہوا کئی عورتیں اس کی دلدادہ تھیں اور ہونگی۔ لیکن جب اس نے اسے چھوڑ دیا تو زہر کھا کر وہ کیوں مر گئی؟ کارویل کا کوئی قصور نہ تھا۔ وہ جانتی نہ تھی کہ ان کے تعلقات عارضی ہیں یقیناً کارویل بری الذمہ تھا ... مگر آہفوک اُسے ہی مجرم ٹھہرائیگا۔ اگر وہ مجرم نہ تھا تو پھر آہفوک یا کسی اور کا ڈر کیا؟ مگر دل کے کسی پوشیدہ گوشے سے مدھم سی آواز پیدا ہو رہی تھی۔

"تم مجرم ہو۔ گناہگار۔"

پھر وہی آہٹ! یقیناً یہ بارش نہ تھی۔ ایک ہلکی سی آواز جیسے کوئی برآمدے میں دبے پاؤں چل رہا تھا۔ وہ اوڑھنی اُتار کر اُٹھ بیٹھا غضب کا اندھیرا تھا۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ برقی لیمپ اور ریوالور دونو چیزیں اُس کے پاس تھیں۔ سر کو چاروں طرف پھیرا۔ کچھ دیکھنے کی کوشش بھی ناکام رہی۔ یہ اس کا وہم تھا۔ محض وہم تھا۔ لیکن آواز ایسی تھی جیسے کوئی سخت چمڑے کا دیہاتی جُوتا پہنے چل رہا ہو۔ مالیٹ کا باپ ایسا ہی جُوتا پہنا کرتا تھا۔

ہوا اور تیز ہوئی۔ سیٹیاں بجنے لگیں۔ درختوں کی سائیں سائیں اس کا دل دہلا رہی تھی۔ اسے پھر پسینہ آ گیا۔ اس کی قمیض اس کے بدن سے ساتھ چپک گئی۔

کیا کیا جائے؟ دوبارہ لیمپ روشن کرتے ہوئے اس نے کمرے کو ازسرِ نو غور سے دیکھا۔ پھر دروازے تک گیا۔ لیمپ اور ریوالور اس کے ہاتھ میں تھے اس نے پھر کیلے اور خالی برآمدے کا جائزہ لیا۔

مگر لیمپ تو نہیں جلانا چاہئے تھا۔ دشمن آگاہ ہو کر کہیں چھپ جائیگا۔ برآمدے سے باہر جا کر بنگلے کے پیچھے چھپ رہوں؟ ... اندھیرے میں کھڑے ہو کر دیکھوں کیا ہوتا ہے۔ لیکن اس نے فوراً ہی اس تجویز کو رد کر دیا۔ یہ بہت خطرناک تھی۔ اگر کوئی اندھیرے میں حملہ کر دے تو؟

وہ چارپائی کی طرف بڑھا ... کیا آہفوک سچ مچ اسے قتل کرنے آیا ... اُسے پکڑنا چاہئے ... مگر تاریکی بہت زیادہ تھی ... گاؤں کو بھاگوں یا قلیوں کے جھونپڑے میں جا کر پناہ لوں ... ناممکن۔ جنگل کے تنگ پیچدار راستوں پر چلنا موت کو دعوت دینا تھا پھر کیچڑ۔ پانی کے گڑھے۔ خاردار جھاڑیاں۔ نہیں۔ نہیں۔ نہیں ایسا دشمن کو جان بوجھ کر موقع دینا تھا۔ اور قلیوں کو جا کر کیا کہے کہ کیوں اس وقت ان کے پاس آیا تھا۔

اس نے تمام باتیں فراموش کر کے سونے کی کوشش کی چند لمحوں کے بعد اس نے پھر بارش اور ان قدموں کی آواز سننے کیلئے کان لگا دیئے۔ منٹ گھنٹوں کی طرح گزر رہے تھے

بہت دیر کے بعد اس نے پھر وہی چاپ سُنی۔ ٹپ۔ ٹپ۔ ٹپ ... ٹپ ... ہوا پہلے کی نسبت زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ اس دفعہ کسی شک کی گنجائش نہ تھی۔ برآمدے کی دوسری طرف سے یہ آواز آ رہی تھی ... ٹپ ... ٹپ ٹپ ... ٹپ آہفوک بالکل اسی طرح قدم اُٹھاتا تھا۔ کارویل اس جانب کو طرح پہچانتا تھا۔

ٹپ ... ٹپ ٹپ ... ٹپ ...

ریوالور اور لیمپ ... لیکن لیمپ روشن نہیں کرنا چاہئے ہاتھ کو تکئے کے نیچے گھسیڑ کر اس نے ریوالور نکالنے کی کوشش کی

ٹپ ... ٹپ ٹپ ... ٹپ ...

موذی آہفوک دروازے کے قریب ہے ... اندھیرا اس تاریکی کو برداشت نہیں کر سکتا تھا ... برقی شعاعیں کمرے پر رقص کرنے لگیں۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ وہ دروازے کی جانب اُچھلا۔ ہاں ——— ایک شکل تھی۔ مدھم سا سایہ۔ کارویل نے ریوالور کا گھوڑا دبانا چاہا ... مگر اس کا ہاتھ تو خالی تھا۔ پھاڑ کھائے یہ ریوالور۔ ابھی تک تکئے کے نیچے ہی پڑا تھا۔ وہ تکئے کی طرف جھپٹا ... آہفوک اس وقت کمرے میں پہنچ چکا ہوگا ... کچھ دیر کے لئے کارویل تکئے پر ڈھیر بنا پڑا رہا۔ پھر بیجان ہو کر

گر بیگا۔ اپنی گولی کا شکار.....

صبح ہو گئی بارش سے جنگل دھل گیا تھا۔ راستے صاف ہو گئے تھے۔ مانگ پو بنگلے کی جانب تیزی سے قدم اٹھاتا آ رہا تھا۔ رات اُس نے بہت پی تھی۔ اپنی غیر حاضری کا کوئی موزوں بہانہ ابھی تک اس کے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ اس کے سر میں سخت درد ہو رہا تھا وہ جانتا تھا کہ کارویل بہت غضبناک ہوگا۔

بنگلے پر نکلتے ہوئے سورج کی کرنیں ناچ رہی تھیں۔ کھجور کے درخت ہوا میں جھول رہے تھے۔ ان کی بڑی بڑی ٹہنیوں پر بارش کے قطرے ابھی تک چمک رہے تھے۔ مانگ پو بنگلے سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہو گیا اور ادھر اُدھر نگاہ دوڑانے لگا۔ اس کا مالک تو کہیں بھی نظر نہ آتا تھا۔ اگر وہ بھاگ جائے تو کارویل کی سزا سے تو نجات مل جائے۔

اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے لفافوں کی طرف متذبذب ہو کر دیکھا۔ تین لفافے تھے۔ ایک تار والا اور دو معمولی۔ پہلا لفافہ آج صبح ڈاکخانہ کے قریب سے گزرتے ہوئے پوسٹ ماسٹر نے اسے دیا تھا۔ شاید یہ ضروری تھے۔ مگر کارویل کی سزا کون برداشت کرے؟

اس نے لفافے ایک جھاڑی میں پھینک دئے۔ اور بنگلے کی طرف مڑ مڑ کر دیکھتے ہوئے بھاگنے لگا۔

"تار اُسی صبح رنگون سے آ رہا تھا۔ تھامپسن کی طرف سے تھا۔ اس میں یہ الفاظ مرقوم تھے۔

"آہسفوک کل جیل میں مر گیا"۔

تمام دن بنگلے میں خاموشی طاری رہی سوائے اس کے کہ جب ہوا تیز ہو جاتی تو برامدے میں کیل پر لٹکی ہوئی چھڑی ہلنے لگتی اور بعض اوقات دیوار سے ٹکرا جاتی.... ٹپ..... ٹپ ٹپ..... ٹپ

..... (ترجمہ)

سیلابِ تمنّا

(لسان الاسرار۔ حضرت **نشورِ واحدی** کے پُرجوش قلم سے)

مہِ ساون میں جُوں جُوں رودِ گنگا بڑھتی جاتی ہے　　تمنّا آپ کی جانِ تمنّا۔ بڑھتی جاتی ہے
گھٹاؤں میں بہارِ آرزو! جب تم نہیں ہوتے　　بلائے غم بہ کلبانگِ پپیہا بڑھتی جاتی ہے
ہوا برسات کی نغمے جنوں کے چھیڑ دیتی ہے　　گھٹا کے ساتھ یادِ حُسنِ لیلیٰ بڑھتی جاتی ہے
وہ ہریالی۔ وہ صحرا وہ فروغِ جلوۂ گلشن　　بہارِ سبز میں برقِ تجلّی بڑھتی جاتی ہے
وہ جُھولے پر کوئی نظارۂ جُنبیاں معاذ اللہ!　　تڑپ جاتا ہے دِل چشمِ تماشا بڑھتی جاتی ہے
ہوا برسات کی صحرا بہ صحرا ہوتی آتی ہے　　گھٹا سیلاب کی دریا بہ دریا بڑھتی جاتی ہے
چڑھے ساون میں اللہ رے کسی کا حُسنِ روز افزوں　　ہر اک چھینٹے پہ آبِ رُوئے زیبا بڑھتی جاتی ہے
شروعاتِ جوانی میں ہر اک لحظہ ہر اک لمحہ　　قیامت خیزئ حُسن سراپا بڑھتی جاتی ہے

اُدھر تھمتا نہیں پانی اِدھر رکتے نہیں مضموں
نشورِ واحدی کی طبع والا بڑھتی جاتی ہے

جذباتِ عزیز

(از جناب عزیز احمد صاحب - عزیز گورکھپوری)

قدم قدم پہ نئے گُل کھلائے جاتے ہیں
وہ کائنات کو رنگیں بنائے جاتے ہیں

تصورات میں چھپ چھپ کے آئے جاتے ہیں
تخیلات کی وسعت بڑھائے جاتے ہیں

ہم اپنے غم کا فسانہ سنائے جاتے ہیں
وہ سنتے جاتے ہیں اور مسکرائے جاتے ہیں

وہ جھوم جھوم کے مستی لُٹائے جاتے ہیں
فضا کو کیف "مکمل" بنائے جاتے ہیں

فضا میں ہوتی ہے تعمیر برق شعلہ فشاں
ترے شباب کے لمحے اُڑائے جاتے ہیں

وداعِ ہوش میں ہمدم یہ میں نے کیا دیکھا
وہ میرے پاس کھڑے مسکرائے جاتے ہیں

یہ ذوقِ سجدہ یہ جوشِ سپردگی توبہ
کہ ہر قدم پہ قدم ڈگمگائے جاتے ہیں

بھری جوانی میں لُٹتے ہیں تیرے دیوانے
یہ تارے شام ہی سے جھلملائے جاتے ہیں

سمجھ رہا ہوں میں ان کی "سیاستِ رنگیں"
وہ آنسوؤں میں تبسم چھپائے جاتے ہیں

عزیز ڈوب کے وہ آج کیف و مستی میں
تمام عالمِ امکاں پہ چھائے جاتے ہیں

مولانا غلام احمد فروعی

از مولانا مقبول حسین صاحب احمد پوری

اُردو زبان کی نظم میں یہ ایک خصوصیت قابل توجہ ہے کہ اُس کا پہلو دنیا بھر کی نظم سے وسیع ہے۔ اگرچہ اُردو نظم زیادہ محبت کے گیت رہی لیکن اُس نے کبھی کبھی فلسفہ۔ رجز۔ تنقید، اور آرٹ کی خدمات بھی م دی ہیں۔ اور کبھی اُردو نظم میں تاریخ اور جغرافیہ بھی لکھا گیا تھا۔ فقہ ۔ شریعت کے احکام۔ اخلاقیات۔ غرض کوئی ایسا علم نہیں جس کا دخل و نظم میں نہ ہو۔ ایک ہندو شاعر کے چند اشعار راقم کو ابھی تک یاد ہیں۔ س کے جغرافیہ منظوم سے ماخوذ ہیں۔ یہ جغرافیہ دنیا بھر کا جغرافیہ ہے۔ ں کی اشاعت اس وقت ہوئی جب ملک اودھ مسلمانوں کے پاس تھا۔ ں کی ایک کاپی راقم کے پاس موجود ہے مگر افسوس وہ بھوپال میں کتابوں ں پڑی ہے۔ دیکھئے اُس وقت کا ایک ہندو شاعر عرب کا جغرافیہ ن کرتے وقت لکھتا ہے۔

(مکہ) دارِ حکم اور مولدِ احمدؐ
(مدینہ) ہے مدینہ میں مرقد احمدؐ

اسی طرح عرب کی پیداوار وہاں کی تجارت۔ باشندوں کی بودوباش طریقہ سب اُردو میں نظم کیا گیا ہے۔ اور عرب کی طرح ہر ملک کا بیان موجود ہے۔ اتنا جتنا کہ مصنف کو معلوم ہو سکا۔

ہماری زبان میں فقہ اور شریعت کے احکام بھی متعدد نظموں ں صورت میں ڈھالے گئے ہیں۔ خلاصۃ الفقہ کے اشعار جو یاد ہیں۔ اسی نظم ی تمثیل ہے مثلاً۔

پانچ ہیں اسلام کے ارکان سب اول اقرار زبان سے کھول لب

یعنی کلمہ شہادت۔ اسی طرح ارکان کی تفسیر کے بعد پانچویں رُکن کی بابت لکھا جاتا ہے۔

رُکنِ پنجم حج بیت اللہ ہے گر سواری اور خرچ راہ ہے

اس قسم کی تمثیلیں لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اُردو نظم میں علوم و فنون کا کوئی پہلو ایسا نہیں۔ جو موجود نہ ہو۔ تاریخ منظوم جغرافیہ منظوم۔ فلسفہ منظوم۔ جنگ نامہ۔ جادو نامہ۔ بنیٹ نامہ۔ حکمت نامہ۔ قصص و حکایات غرض سب کچھ ہے۔ اور اگر اُردو نثر نے ترقی نہ کر لی ہوتی تو غالباً آجکل کا سائنس بھی نظم کر لیا جاتا۔ تعزیرات ہند کا ترجمہ نظم ہی میں ہوتا۔ اور کونسلوں اور پارلیمنٹوں کی روداد نظم ہی میں چھپا کرتی۔ اور اُردو زبان میں نثر کے بجائے نظم ہی کا رواج عام ہوتا۔ تاجروں کی مراسلات۔ دفاتر کے احکامات۔ سمن۔ وارنٹ۔ غرض ہر چیز نظم کا پہلو اختیار کرتی جیسے کہ ہائی کورٹ الہ آباد میں اُردو نظم بطور ایک نظیر کے پیش کی گئی تھی۔ یعنی جسٹس محمود کی طرف سے پیش کیا ہوا مشہور شعر کہ

"جو چپ رہیگی زبانِ خنجر لہو پکار یگا آستین کا"

اُردو نظم کی اسی ہمہ گیری کی بنا پہ اُردو زبان میں ہر شخص شاعر ہونے کا دعویدار ہے۔ اگر ایک تعلیم یافتہ آدمی شعر کہنا نہ جانتا ہو تو لوگ اس کو عجیب الخلقت انسان تصور کرتے تھے۔ گویا شعر کہنا ہماری سرشت میں شامل ہے۔ اور یہ شکوہ کرنا کہ ہندوستانی مسلمانوں میں شاعر "مردم شماری سے بھی سوا ہیں" حق بجانب نہیں۔ شاعری مسلمانوں کیلئے عرصے تک معلم کا کام بھی کرتی رہی۔ دیکھئے کسی نے فارسی حروف استفہام کو نظم کیا ہے کہ طالب علم کو اچھی طرح یاد ہو جائیں۔

حرفِ استفہام:۔ کہ۔ چہ۔ چیست۔ کیست۔ آیا۔ کدام
کو۔ کجا۔ چند و چگونہ اور چرا چوں ہیں تمام

ممکن ہے ان میں کوئی رہ گیا ہو۔ مگر شعر نہیں بحرِ رمل میں "فاعلاتن" (وزن پر) تقطیع کر لیجئے۔

ان مثالوں کے ذریعے سے ہمیں یہ ثابت کرنا تھا کہ اُردو زبان کی نظم نے اپنی ہمہ گیری اور وسعت کے ذریعہ سے غیر زبانوں کی نظم کو بھی مات کر دیا ہے۔ لیکن سب سے دلچسپ بات اُردو میں یہ دیکھی گئی کہ دلکشی کا

کام بھی اُردو نظم سے لیا گیا۔ نہیں معلوم کتنی لغات اور کتنی فرہنگیں اس قبیل سے ملینگی۔ اس قسم کی ڈکشنری کو لغات منظوم کہنا چاہئے۔

لغت کو منظوم کرنے کا دستور فارسی زبان میں بھی عام تھا اور یہ عمومیت ہندوستان کے فارسی دان طبقہ میں زیادہ پائی گئی مگر یہ دستور فارسی زبان تک ہی عام رہا۔ انگریزی زبان کے رواج پر ایک قدیم اور فرسودہ دستور خیال کیا جانے لگا۔ البتہ کوشش کرنے والوں نے انگریزی الفاظ کو بھی منظوم ڈکشنری کی صورت میں پیش کرنا چاہا مگر ان کی سعی کارگر نہ ہوئی۔ کیونکہ مشرقی نغمہ اور مغربی الفاظ میں موافقت مشکل تھی اور بمصداق بُعد المشرقین ناممکن تھی۔

الغرض اُردو زبان میں فارسی روش پر بہت سی منظوم لغات دیکھی گئی ہیں مشہور ترین خسرو علیہ الرحمتہ کی "خالق باری" ہے اسی روش پر ایک صاحب نے "اللہ خدائی" لکھی اور اسی ڈھنگ پر "نصاب الصبیان" وغیرہ کتابیں بھی پائی گئیں۔ یہ سب خالق باری کی تقلید میں لکھی گئیں۔ "اللہ خدائی" کے مصنف نے تو نمایاں طور پر خسرو کی روح پاک سے استعانت طلب کی ہے یعنی انہوں نے لکھا ہے۔

شاید از لطف و رحمت باری ۔ روح خسرو نمایدم یاری

حرمِ سلاطین مغلیہ کے بعد اس قسم کے مصنفین کم ہوئے ہیں حالانکہ فارسی، ہندی اور انگریزی زبانوں سے متعلق لغات منظوم جا بجا دیکھے گئے ہیں۔ بشرط فرصت ان کے مصنفین کے حالات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس مضمون میں عہد حال کے ایک گمنام فاضل مصنف کا ذکر مقصود ہے جو راجپوتانے میں پیدا ہوا۔ اور یہ پی کا گوہر ہو کے متوسط ہند میں پیوند خاک ہوا۔

مولوی غلام احمد المتخلص بہ فروغی جہانگیریہ ہائی اسکول بھوپال میں ہیڈ مولوی تھے۔ راقم کو مولانا مرحوم سے تلمذ کا فخر حاصل ہے۔ اُس وقت شہر بھوپال میں دو بڑے انگریزی اسکول تھے۔ ایک جہانگیریہ ہائی اسکول جس میں عام طلبا تعلیم حاصل کرتے تھے۔ دوسرا الگزنڈرا ہائی اسکول جس کو نارمل اسکول بھی کہتے ہیں۔ موجودہ نواب نے غریب و امیر کی تفریق سے برگشتہ ہو کر ان دونوں اسکولوں کو ایک کر دیا ہے۔ مولانا فروغی کے وقت میں

جہانگیریہ ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر مولوی احسان حسین صاحب ایم۔ اے۔ فاضل عربی و فارسی تھے۔ مولانا فروغی کے تلامذہ میں سے اس وقت تک کئی ممتاز ادیب ہیں جن میں ڈاکٹر عابد حسین (جامعہ ملیہ دہلی) کو مولانا سے خاص قربت تھی۔ جس وقت ڈاکٹر صاحب دسویں جماعت میں تھے۔ راقم شاید چوتھے یا پانچویں کلاس میں تھا۔ مولانا فروغی انگریزی زبان سے واقف نہ تھے۔ مگر انگریزی لغت منظوم تیار کرنے کا شوق انہیں ضرور تھا۔ اس لئے اکثر عابد حسین صاحب سے انگریزی الفاظ کے تلفظ و تصحیح کے متعلق مشورہ کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک کتاب لکھ بھی ڈالی۔ جو غالباً طبع نہ ہو سکی۔ شاید اس کتاب کا مسودہ مولانا مرحوم کے اعزہ کے پاس اب بھی بھوپال میں محفوظ ہے۔ اس کتاب کے شائع نہ ہونے کے باوجود مولانا کی تصانیف میں سے دو غیر فانی تصانیف موجود ہیں۔ جو طالب علموں کے لئے بہت مفید ہیں۔ اور متعدد بار طبع ہو چکی ہیں۔ ان کتابوں کا ذکر کرنے سے پیشتر مولانا کے حالات پر ایک سرسری نظر ڈال لینا چاہئے۔

مولانا غلام احمد فروغی کے والد ماجد کا نام گرامی غلام منصور تھا۔ آپ علوی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ حنفی المذہب پابند شریعت اور ٹونک والی ریاست کے تھے۔ علاقہ الور میں تجارت ایک پیشہ سے جو آپ کا وطن مالوف تھا۔ نواب شاہجہان بیگم مرحومہ کے عہد میں بھوپال آئے۔ اس وقت بھوپال میں نواب صدیق حسن خاں مرحوم کی ذات والا صفات کی وجہ سے علماء کی بڑی قدر تھی۔ اور شرعی و اخلاقی علوم و فنون کا عام رواج تھا۔ چنانچہ مولانا کا شغل انہیں علوم سے متعلق رہا۔ اس کے علاوہ راقم کو اور حال معلوم نہ ہو سکا۔

نواب شاہجہان بیگم مرحومہ و مغفورہ کے نام سے آپنے ایک لغت منظوم تیار کی تھی جس کا نام "فیض شاہجہانی" رکھا۔ نواب سلطان جہان بیگم مرحومہ سے بڑھ کر علم دوست تو شاید اس عہد میں دنیا کی کوئی خاتون نہیں ہوئی۔ خود گاندھی جی نے مرحومہ کو "علم کی روشنی" کہا تھا۔ اور مولانا محمد علی مرحوم نے مالوی جی کے ایک دلچسپ جملے کے جواب میں فرمایا تھا کہ "بیگم بھوپال ایسی بہادر اور مردانی خاتون بعد عورت

ن ممبران پارلیمنٹ (انگلینڈ) کی مجلس میں کیوں جانے لگیں"۔ خود راقم علیم کے اخراجات مرحومہ نے ادا کیئے۔ اور اگر وہ حیات رہتیں۔ تو غالباً یال نہ چھوٹتا۔ غرض فیض سلطانی کی بدولت نہیں معلوم کتنے ہوں گے اُنزالمرام ہوئے۔ یادیں بیگم ہندوستان کو عرصہ تک یاد رہیں گی۔ ان کی قت سے جو بھی فیضیاب ہوا۔ ان کو یاد کر کے اس وقت بھی ضرور یدہ ہو جاتا ہوگا۔ چنانچہ فیض سلطانی کی بدولت ہی مولانا فرخی بھی عزت مت کی زندگی گذار گئے۔

ہمیں یہ نہیں معلوم کہ مولانا فرخی الور سے بھوپال کب آئے یُیریہ اسکول کی ملازمت سے پیشتر ان کا کیا شغل رہا۔ شاید جہانگیریہ ول میں آنے سے پیشتر وہ کسی اور اسکول میں فارسی کی تعلیم دیتے تھے۔ یُیریہ اسکول کا ہر طالب علم آپ کی قابلیت اور بزرگی کا قائل تھا۔ ماسٹر صاحبان بھی آپ سے مستفید ہوا کرتے تھے۔ مولانا دُبلے پتلے ذی۔ فرشتہ خصلت اور نرم گفتار انسان تھے۔ ہر وقت ان کو لڑکوں کی بہبودی کا خیال رہتا تھا۔ کلاس میں حسب معمول درس دینے بعد کسی نہ کسی بات کا ذکر جو انہیں سے متعلق ہو ضرور کرتے۔ کبھی ایسا ، کہ لڑکوں کو پہیلیاں سُناتے۔ ان کی ہر پہیلی فارسی الفاظ کا ترجمہ ہوا تی تھی۔ بعض دلچسپ پہیلیاں تو بہت عام ہو گئی ہیں۔ مثلاً ؎

یہ بھی نسے ہشت میں ...۔ اُلٹی سب کے پاس ... شعر و شاعری سے لق دل بہلانے کا وہ ذریعہ جو اسکول کے لڑکوں کی اصلاح میں بیت بازی بانا ہے۔ ایک ایسا تفریحی شغل ہے جو افادیت سے خالی ہیں۔ مولانا ی کو اس سے خاص موافقت تھی۔ کیونکہ لڑکوں کو فارسی الفاظ یاد کرانے یہ ایک ہر دلعزیز ذریعہ تھا۔ چنانچہ اسی بیت بازی کے لئے انھوں نے ی کتاب فیض شاہجہانی تصنیف کی۔ یہ کتاب قصائد کا مجموعہ ہے۔ ت تہجی میں سے ہر حرف کا قصیدہ الگ الگ ہے۔ کتاب کے نا حروف تہجی کی ترتیب سے شروع ہوتے ہیں۔ ہر قصیدے کے لیف حرف" ز ... "الف" کی تختی کے ابتدائی اشعار یہ ہیں۔

ز۔ ایزد و اللہ باری کردگار۔ خالق و رحمٰن خدا پروردگار
ت۔ احمد و حامد محمد مصطفٰے۔ پارسا، زاہد، تقی، پرہیزگار

اب اصلی نعت اس طرح شروع ہوتی ہے۔

(آسمان، آسمان، چرخ و سما، گردون فلک
زمین، دھرتی، بوم، ارض و زمین، غبرا، عقار)

حرف "ث" کی تختی اس طرح ہے:۔

ثُلث حصہ تیسرا، دسواں عشیر۔ اگلا، پیشین و سلف پچھلا اخیر

ان اشعار سے دو فائدے تھے۔ ایک تو فارسی زبان کے الفاظ بخوبی یاد ہوتے تھے۔ دوسرے یہ کہ اسکول میں جس لڑکے کو فیض شاہجہانی یاد ہوتی تھی۔ (اکثر لڑکوں نے یاد کر لی تھی۔ اس کا مقابلہ بیت بازی میں کوئی دوسرا نہ کر سکتا تھا۔ بیت بازی کے مقابلے میں جہانگیریہ اسکول ... بہت سے اسکول والے اس ترکیب پر عمل کرنے لگے۔ تو مولانا نے ... اسکول کے لڑکوں کو اپنے نو تصنیف اشعار یاد کرا دینے ...

اس خصوصیت کے علاوہ فیض شاہجہانی میں کوئی اور بات نہیں۔ البتہ ان کی دوسری تصنیف "تحفہ حامدیہ" ضرور ایک نئی چیز کہی جا سکتی ہے۔ فارسی صنائع بدائع پر متعدد کتابیں لکھی گئیں ہیں۔ مگر اس نوعیت کی کوئی کتاب آج تک نظر سے نہیں گذری۔ فارسی زبان کی عام صنعتوں کو بطور لغات منظوم پیش کرنا مولانا مرحوم ہی کا کام تھا۔ بعض صنعتوں کا ذکر بہت کم اساتذہ نے کیا ہے۔ مگر مولانا نے اس کو بھی نظم کر دیا جس کی مثال یہاں تکلف سے خالی نہیں۔ اس لئے چھوڑ دی گئی۔

تحفہ حامدیہ نواب حامد علی خاں مرحوم والی رامپور کے نام سے معنون ہے۔ اس کتاب کی تیاری میں مولانا نے جن جن کتابوں کا مطالعہ کیا ان کے نام وہ خود لکھتے ہیں:۔

قاموس، صراح، منتہی الادب، منتخب اللغات، کشف اللغات،
غیاث اللغات، فرہنگ جہانگیری، بہار عجم، برہان قاطع،
چراغ ہدایت، مؤید الفضلا، دری کشا، بحر الجواہر، تحفۃ المومنین
لاوق ترکی، زبدۃ الفوائد، خزانۃ اللغات اور مخزن الادویہ وغیرہ

تحفہ حامدیہ متضمن بر پانصد و پنج شعر مولانا کی دو سالہ عرق ریزی کا نتیجہ ہے۔ اس کتاب میں مختلف چھوٹی بڑی مثنویاں ہیں۔ جو فارسی زبان کی

کسی نہ کسی صنعت سے متعلق ہیں۔ ان صنائع کی مثالیں لکھنا خالی از دلچسپی نہیں۔ چنانچہ تجنیس تام تجنیس ترشیح سے متعلق یہ اشعار ہیں:-

عہد پیماں، عہد حلف و عہد پند   اند شکر، اند امید، اند چند
لال احمر، لال ابلم، لعل لال   یال گردن، یال بازو روی یال
بال قامت، بال بازو، بال حال   سال کشتی، سال سکھو ہستن سال
تر مولا، گیلا تر، شاداب تر   مہر مردن، مہر الفت، مہر خور
لاج ننگا، لاج رشوت لاج ننگ   تیر حصہ، تیر غصہ، تیر تنگ و غیرہ

صنعت مترادف یہ اشعار اس میں ہر لفظ ہم معنی ہوتا ہے ؎

خدا، اللہ باری، رب و یزداں   الٰہ و بار آیزد حق و رحمٰن
رسول و مرسل و قاصد فرخشور   فرستادہ پیمبر پیک وخشور
ملک شہ پادشہ دارا و سلطاں   خدیو و شہریار و شاہ خاقاں
شہی، شاہی و ملکت شہریاری   جہانداری خلافت تاجداری
ثنا حمد و ستائش وصف تعریف   صفت تحسین و مدحت مدح و توصیف

اگر اس طرح ہر صنعت سے متعلق مثالیں لکھی جائیں۔ تو مضمون طویل ہو جائیگا۔ اس لئے بطور تمثیل اور بغرض آگاہی طلبا صرف ایک ایک یا دو اشعار لکھے جاتے ہیں۔

صنعت ذو لسانین میں ایک لفظ دو زبانوں میں علیحدہ معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ مثلاً ؎

خوف سہم و سہم حصہ لحیہ ریش و ریش پر   سال زادہ زاد توشہ پارہ باپ باپ در

صنعت ذو ثلاثہ یعنی ایسے الفاظ جن کو تین زبانوں میں پڑھا جا سکے ؎

باس قدرت، باس دہشت، باس بوئے   بال قلب و بال بازو بال موئے

صنعت مثلث جس میں ایک لفظ تین حرکتوں اول زبر دوم زیر سوم پیش پر مستعمل ہو۔ اور معانی مختلف ہوں ؎

جنہ بستاں، جنہ شیطان جنہ ڈھال   عرف خوشبو عرف صبر عرف یال

صنعت مثلث جس میں ایک حرف تینوں حرکتوں کے ساتھ ایک ہی معنی میں مستعمل ہو۔ مثلاً ؎

قدوہ قدوہ قدوہ اگوا پیشوا   قطب قطب و قطب میخ آسیا

صنعت مہمل جس میں لفظ کا کوئی حرف نقطہ نہیں رکھتا ؎

حاکم آمر سرور و سردار سر   داور و داد ار عادل داد گر

صنعت معجم یا منقوطہ جس کے الفاظ سب حروف نقطہ رکھتے ہیں ؎

بنت بنتی جفت تنی غفن چین   شیب شیبت شیخی زینت زیب زین

صنعت رقطا یعنی ایسے الفاظ جس کے ایک حرف پر نقطہ ہوتا ہے دوسرے پر نہیں ہوتا ؎

ثروں صنم نمک چانہ شانسنہ جدیر   سیم چاندی عضد بازو، جو شعیر

صنعت خیفا یعنی ایسا کلام جس کا ایک لفظ منقوطہ ہوتا ہے۔ دوسرا غیر منقوطہ ؎

بخت طالع جنت ساحر جز سوا   تیز ہم بی بی حرم بخشش عطا

صنعت مقطع یعنی ایسا کلام جس کے حروف جدا جدا لکھے جا سکیں ؎

رزق روزی، روع دل، دروازہ در   داور اخ دادار داور دوار در

صنعت مقطع و موصل جس کا ایک لفظ تو ملے حروف لئے ہو۔ دوسرا جدا جدا حروف ؎

ذرت خصلت دل کیہ ردو نہر   آج قیمت ذاب تشنہ، ای شہر

صنعت موصل بہ دو حرف ؎

لولو، موتی   جوہر گوہر
بانو، بی بی   فائق برتر
قائم، سوتا   ساہی غافل
طوطی، توتا   فاطن عاقل

صنعت موصل بہ سہ حرف ؎

پیڑ شجر، قطف ثمر مصر شہر
جیت ظفر، خضر کمر پشت ظہر

صنعت موصل بہ چہار حرف ؎

چفتہ تہمت، خفیہ مخفی   جلیہ ضعت جعلی نقلی

صنعت موصل بہ پنج حرف ؎

لطیفہ چٹکلا، تلقین تفہیم   کلکل غلغلہ، تفخیم تعظیم

صنعت فوق النقاط یعنی ایسے الفاظ جن کا کوئی حرف نیچے کا نقطہ نہ رکھے ؎

ڈر، مخافت، فزع، ہراس خطر   دغدغہ، ترس، خوف، سہم و خذر

ـت تحت النقاط یعنی ایسے الفاظ جن کا کوئی حرف نیچے کا نقطہ نہیں

ـے ۔ ـ جرم ـ جو با جسد ـ وجود ـ سر ـ بر ـ پاک طیب ـ بری طہو طہیر

صنعت واسع الشفتین یعنی ایسا کلام جس کو پڑھنے سے

ـ نہیں ملتے ـ

دستگیر و یاور و ناصر ظہیر ـ دستیار و یاری و عائش نصیر

صنعت ضم الشفتین یعنی ایسا کلام جس کو پڑھنے سے

ـ آپس میں ملیں ـ

پشہ ـ بق مچھر ـ مگس مکھی ذباب ـ بدلی مزن و غیم میغ ابر و سحاب

صنعت جس میں ایک لفظ نیچے کا نقطہ رکھتا ہے ـ اور ایک

ـ کا اور پڑھنے میں ایک لفظ سے لب ملتے ہیں اور ایک سے

ـ ہیں ملتے ـ

ـہ بازی ـ شاق دو بھر ـ قضہ بیم ـ حوت مچھلی تاج برادر خوف بیم

صنعت ترصیع ـ اس کو راست و چپ ـ فوق و تحت میں ایک

ـ ر (یعنی بحر رجز مثمن سالم) میں پڑھ سکتے ہیں ـ ایک شعر یہاں

ـ جاتا ہے جو راست و چپ کی تمثیل ہے ـ

بہ جلال خدا روشن جلی ـ مدحت ثنا ملکت غنی

قربان فدا برزن گلی ثروت غنا بہجت خوشی

صنعت تجنیس تام و تجنیس زائد ـ

ـان و شوکت کر و فر جھنڈا نشاں ـ نشان چھپا آیت و سیما نشان

صنعت تجنیس تام و تجنیس ناقص ـ

ـ نگا ـ سنی اعضا کلال ـ لال احمر سرخ ـ کوزہ گر کلال

صنعت تجنیس خطی و تجنیس زائد ـ

ـ خیال و فکر تم آخر بسر ـ شہر برائی قبح ناس انسان بشر

صنعت تجنیس ناقص جس کے الفاظ تحریر میں ہم صورت

ـ ں لیکن اعراب میں مختلف ـ

ـب گولی ـ حب محبت رخ سگاف و رخ عذار

خلق گیہان ـ خلق عادت ـ خل سرکہ خل مار

صنعت تجنیس زائد یک حرفی ـ

طفل کودک ـ کودکی طفلی کنواں جُبّ جبن ترف

خرد کودک کوچکی خردی گدھا خر خچ حرف

صنعت تجنیس زائد دو حرفی ـ

چہرہ رخ ـ رخصت اجازت کمان کان کالور نذیر

چھیڑ دع دعوت ضیافت باز وا ـ وافر کثیر

صنعت تجنیس سہ حرفی ـ

زشت وش ـ دشنام گالی صاد مس ـ مسکین گدا

سال سن ـ سندان نہائی بنج در درمان دوا

صنعت تجنیس لفظی جس میں الفاظ تلفظ میں تو ایک

معلوم ہوں مگر تحریر میں علیحدہ ـ

ثقل قضا ـ سفل پستی ـ ضیف مہمان ـ موم زیف

سرہ ناف ـ صرہ تھیلی ـ صیف گرما ـ نغ صیف

صنعت تجنیس خطی الفاظ عربی ـ

جُد بزرگی ـ جد بریدن ـ حد کنار ـ خذ پکڑ ـ خذ تیز ناخن ـ خد عذار

صنعت تجنیس خطی الفاظ فارسی ـ

سپر توم ـ اشتر شتر خچر ستر ـ سبز اخضر سبز دودہ ـ اسپر سپر

صنعت تجنیس خطی الفاظ ہندی ـ

باپ والد ـ پاپ عصیاں ـ بات حرف ـ بال فرط و قفل تالا ـ پالا برف

صنعت دو بحرین ـ یعنی ہر مصرعہ کو بحر رمل و سریع میں پڑھا

جاسکتا ہے ـ

بازغہ تابندہ و روشن جلی ـ لامعہ رخشندہ و بیضا سلی

صنعت قلب مستوی ـ

ان الفاظ کے معانی درجہ بدرجہ یہ ہیں :ـ

لمع و فرط و راح و ماء و طرف و حل

(دیدن و افزونی و شادی و گرم و چشم و بار)

صنعت قلب اللفظین یعنی ایک لفظ کے قلب سے دوسرا

لفظ عربی نمایاں ہوتا ہے ـ

ردع عقل ـ عور ننگا ـ عرض سامان ـ ضرع شن

سلک رشتہ ۔ کلس چونہ ۔ سوق راندن ۔ توس دُھن

صنعت تجنیس اللفظین یعنی ایک لفظ کے قلب سے دوسرا لفظ فارسی پیدا ہو ۔

میر سرور ۔ ریم بدّہ ۔ شیر ضیغم ۔ ریش گھاؤ

نفش طعنہ ۔ شغنت فربہ ۔ وان مشابہ ۔ ُفلک ماہ

صنعت جس میں فارسی لفظ کے قلب سے عربی لفظ آشکارا ہو

سر دِ ٹھنڈا ۔ درس خواندن ۔ فرشکوہ ورف بجان

کم قلیل و سک تکیدن ۔ کش کنار و شک گمان

صنعت جس میں الفاظ ہندی کے قلب سے فارسی لفظ پیدا ہو ۔

مرچ فلفل ۔ چرم چمڑا ۔ رات بیل و رستنہ تار ۔

روپ شکل د کور بیٹا ۔ ہچ حمایت ۔ چپ یسار

صنعت لقنیبر الادب بحرف العلت ۔

سار اشتر ۔ بیر لبس ۔ خشن سور

نار آتش ۔ نیر بانا لمع نُور

صنعت مربع در بحر متقارب سالم ۔

شریعت	جزالت	نجابت	فخامت
فضیلت	جلالت	نبالت	کرامت
فراست	کیاست	درایت	دراست
ظرافت	نقاہت	ذکاوت	فطانت

صنعت مدوّرہ کی تمثیل اصل کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے یہاں جگہ نہیں ۔

یہ صنائع فارسی و عربی کورس لینے والے طالب علموں کو جاننا ضروری ہیں ۔ ان کے علاوہ کتاب میں اور بھی مشکل اور آسان اقسام بیان کئے گئے ہیں ۔ جن کو یہاں طوالت کے خیال سے قلم انداز کیا گیا ۔

تحفہ حامدیہ میں مختلف زبانوں کے الفاظ بھی نظم کئے گئے ہیں ۔

وہ الفاظ جو فارسی اور عربی زبان میں یکساں مستعمل ہیں انکی مثال یہ شعر ہے ۔

صابون ورکاب و موم و تابوت کاغذ قلم و دوات و یاقوت ۔

معرب الفاظ :۔ شلغم وگلنار بابونہ گذر ۔ شلجم وجلنار بابونج جذر

لغات یونانی ۔ اروئس کرسنہ قرمہ بنفشہ ۔ جونزی مافنی وحلیہ فرلیقہ

لغات سریانی ۔ عدرنا گندش و بارود دشورا ۔ قرنفان کردیا جلماثا کھیرا

لغات رومی ۔ نشان سنجوق و سجق اردی قلقاس ۔ قرسطون کلکیان میزان صطاس

لغات ترکی ۔ جُدری چیچک ۔ آپا خواہر ۔ ناخہ ویلان ۔ برف قار

نان اتمک ۔ الکہ کشور ۔ تیش دندان تنک وتار

لغات پشتو ۔ چرگ مرغا ۔ چرگہ مرغی ۔ کل صبا ۔ بکری مزد

تور کالا ۔ اسپہ گھوڑا ۔ پیٹھ شا ۔ ڈاڑھی گرہ

لغات انگریزی جو آجکل بچہ بچہ جانتا ہے ۔

ڈاگ کتا ۔ کیٹ بلی ۔ ریٹ چوہا ۔ ہیڈ سر

برتھ چوٹھا ۔ بال گیند ۔ لیڈ سیسا ۔ ڈور در

لغات سنسکرت دبھاشا ۔

مانس آدمی ۔ ناری عورت ۔ دیپ کشور جگت جہاں

خ شنک شکم ۔ جنگ بھارت ۔ نال سرور ۔ جیو د جان

کتاب کے آخر میں چند الفاظ برائے امتحان اطفال ذکی الطبع اس طرح لکھے گئے ہیں ۔ ایک شعر ملاحظہ ہو ۔

خود مغفر بیضہ ہے انڈا نہیں (نہیں یعنی کہ نہیں)

کنگھا مشط وشانہ ہے کندھا نہیں

یہ نہیں معلوم کہ مولانا نے غزلیں بھی لکھیں یا نہیں لیکن نعتیہ اشعار متعدد دیکھے گئے ہیں ان کا رنگ بھی دینی ہے جو لغات منسوخ نہ ہے ۔ مثلاً ۔

روشنی برج رافت ماہ برج اعتلا ۔ مہر جہرخ قدر دانی سایۂ ذات خدا

شیر افگن صف شکن سیمرغ قاف مردمی ۔ فارسی مضمار نصرت مرد میدان وفا

ذیل کے اشعار تو بالکل "خالق باری نما" اشعار ہیں ۔

ذکاوت ہے تو اس میں ہے ذہانت ہے تو اس میں ہے

فراست ہے تو اس میں ہے فقاہت ہے تو اس میں ہے

سخاوت ہے تو اس میں ہے عدالت ہے تو اس میں ہے

شجاعت ہے تو اس میں ہے ۔ متانت ہے تو اس میں ہے

[redacted]

الغرض "فیض شاہجہانی" اور "تحفہ حامدیہ" اسکول اور کالج کے طالبعلموں کے لئے نہایت مفید اور دلچسپ کتابیں ہیں۔ ان کو اگر غور سے صرف دو مرتبہ مطالعہ کر لیا جائے تو اردو۔ ہندی۔ فارسی۔ عربی۔ ترکی اور یونانی عام الفاظ حتیٰ کہ انگریزی۔ سریانی۔ پشتو۔ پنجابی وغیرہ کے بعض مشہور الفاظ سے بخوبی آگاہی حاصل ہو سکتی ہے اور ان کے ایک دوسرے سے روابط کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہ دونوں کتابیں فارسی اور عربی لغات کا خزانہ ہیں۔ اور نہایت دلچسپ و دل خوش کن خزانہ ہیں۔ اس مضمون میں تو سرسری طور پر نہایت خشک لب و لہجہ میں ان پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ مگر مولانا مرحوم نے اپنے فرض کو بخوبی ادا کیا ہے۔ وہ فارسی اور عربی پڑھاتے تھے۔ ان کے شاگردوں کو الفاظ یاد نہ رہتے تھے اس لئے انہوں نے لغت نظم کر دی اور یاد کرا دی۔ فارسی اور عربی قواعد کے صنائع بدائع نہایت ہی خشک اور تکلیف دہ مضمون سے تعلق رکھتے ہیں۔ مولانا نے انہیں نظم کر کے آسان کر دیا اور اس طرح اپنی محنت کا حق ادا کر دیا۔ ان کی کتابیں طالبعلموں ہی نہیں بلکہ اساتذہ کے کام بھی آسکتی ہیں۔ لغات منظوم ہونے کی حیثیت سے یہ دونوں کتابیں مولانا فروغی کی غیر فانی یادگار ہیں۔ اگرچہ اُن کا موضوع تلخ، کھُردرا اور نہایت ہی خشک ہے اور ان کو یاد کرنا ایک مشکل کام (TEDIOUS TASK.) ہے تاہم اسکے فوائد بھی فراواں ہیں۔

مولانا کا انتقال شاید ۱۹۲۰ء (اُنیس سو بیس عیسوی) میں ہؤا۔ اتنا یاد ہے کہ مولانا کی تجہیز و تکفین میں ہندو مسلمان دونو طلبا شریک تھے۔ مولانا کا مزار محلہ جہانگیر آباد بھوپال میں ہے جہانگیر آباد بھوپال کا نہایت ہی پُر فضا مقام ہے۔ یہاں بھوپال تال کا آبشار ہمیشہ آنکھوں کو تر و تازہ کیا کرتا ہے۔ مولانا کا مکان بھی محلہ جہانگیر آباد میں تھا۔ خدا اس مرحوم کی روح کو غریقِ رحمت کرے جس کی زندگی کا بیشتر حصہ طالب علموں کی مشکلات کو آسان کرنے اور ان کی بہبودی و تعلیم میں صرف ہؤا۔

روح قالب سے نکل کر اصل میں گُم ہو گئی
نے سے جُدا ہوتے ہی نغمہ پریشاں ہو گیا

التجا

از
جناب فضاؔ جالندھری فاضل ادب

میری ناکامیٔ قسمت پہ چند آنسو بہانا تم
محبت کا ہے افسانہ اسے رنگیں بنانا تم

یہی ہے حسن کی فطرت تغافل اس کو کہتے ہیں
مرا جوشِ وفا جب یاد آئے بھول جانا تم

جو مکتوبِ محبت خونِ دل سے میں نے لکھے تھے
انہیں پڑھ کر نہ ہرگز اشک کے گوہر لٹانا تم

نگاہِ لطف پرور پر متاعِ دل فدا کرنا!!
یہ باتیں بھول جانے کی ہیں انکو بھول جانا تم

خبر اس کی نہیں شاید زمانہ رنگ بھر دیگا
مرے دردِ محبت کا نہ افسانہ سنانا تم

گزشتہ صحبتوں کو قصۂ باطل سمجھ لینا
کبھی بھولے سے انکی یاد بھی دل میں نہ لانا تم

یہی اس نامرادِ عشق کی تسکیں کا باعث ہو
نہ پڑھنا فاتحہ لیکن مزارِ دل پہ آنا تم

یہی آئینِ عالم ہے یہی قانونِ فطرت ہے۔
وفائیں یاد کر لینا جفائیں بھول جانا تم

فضائیں رنگ برسائیں ہوائیں کیف چھڑکائیں
اسی انداز سے اک بار پھر جلوہ دکھانا تم

کوئی شکوہ نہیں رکھو نہ رکھو لاج الفت کی
بہر صورت فضاؔ با وفا کو آزمانا تم

سرودِ بہار

از جناب علی احمد صاحب علیؔ فرزند حضرت نواب فصاحت جنگ جلیلؔ مدظلہ

میں گھومتی رہی —— میں پھرتی رہی۔ وہاں —— جہاں شبنم کے موتیوں کا فرش بچھا رہتا ہے اور —— میں اس ملکہ کی طرح آ رہی ہوں —— جس کے پاؤں میں شبنمی ہیرے اور جواہر بچھے ہوتے ہیں۔

میں گھومتی رہی —— میں پھرتی رہی۔ وہاں —— جہاں سرخ گلاب اور سوسن اُگے ہوں اور —— میں اس دوشیزہ کی طرح آ رہی ہوں —— جس کے سنہری بالوں میں پھول ہی پھول لگے ہوتے ہیں۔

میں گھومتی رہی —— میں پھرتی رہی۔ وہاں —— جہاں بھونرے پھولوں کا رس چوستے ہیں اور —— میں اس بھونرے کی طرح آ رہی ہوں —— جس کے ہونٹوں پر پھولوں کو چوستے چوستے بوسوں کے داغ پڑ گئے ہوں۔

میں گھومتی رہی —— میں پھرتی رہی۔ وہاں —— جہاں سرسبز مرغزار، پہاڑ اور وادیاں ہیں اور —— میں اس طائر کی طرح آ رہی ہوں —— جو تمام دن پھرنے کے بعد شام کو اپنے نشیمن کو لوٹتا ہے۔

میں اور وہ

ہوا نے کہا —— "اے دوشیزہ! باہر آ اور میرے ساتھ کھیل۔"

چاند نے کہا —— "اے حسینہ! ادھر آ میں تجھ کو دیکھنے کے لئے آیا ہوں۔"

تاروں نے کہا —— "ہم یہاں ہیں اور تیری ضرورت محسوس کرتے ہیں۔"

میں نے کہا —— "اے محبوبہ! میرے پاس آ میں کب سے تیرا منتظر ہوں۔"

ہوا نے پھر کہا —— "اے ساحرہ! میں تیرے ہی واسطے رات کی خاموش تاریکی میں چلا رہی ہوں۔"

چاند نے پھر کہا —— "اے حسن کی دیوی! میں نے تیرے ہی لئے نور کی قندیل روشن کر رکھی ہے۔"

تاروں نے پھر کہا —— "ہم سب تیری آمد کے منتظر ہیں۔"

میں نے پھر کہا —— "اے محبوبہ! میرے پاس آ۔ میں کب سے تیرا منتظر ہوں۔"

ہوا —— ساری رات چلاتی اور شور کرتی رہی۔

چاند —— آسمان پر اونچا —— بہت اونچا چڑھ گیا اور صبح تک انتظار کرتا رہا۔ تاروں کی منتظر آنکھیں جھپکنے لگیں۔

لیکن —— میں اور وہ اب تک مصروف گفتگو تھے۔

اعجازِ سخن

از جناب سید احمد صاحب اعجاز،

زندگانی کا ٹھکانا کچھ نہیں — روز کا حیلہ بہانا کچھ نہیں
کاش تم ہوتے مری تقدیر میں — تم نہیں تو اک زمانا کچھ نہیں
وعدۂ فردا کا کروں اعتبار — تیری باتوں کا ٹھکانا کچھ نہیں
جو تمھیں رکھتا ہو جاں سے بھی عزیز — میری جاں اس کا ستانا کچھ نہیں
میں بھی رکھتا ہوں مگر پہلو میں دل — جانتا ہوں دل لگانا کچھ نہیں
ہے غنیمت یہ کہ اک حسرت تو ہے — حسرتِ دل میں نے مانا کچھ نہیں
جا بھی اے امید کی سیمیں شعاع — جا بھی تجھکو مجھ سے پانا کچھ نہیں
کھل کے محفل میں لنڈھا ہیں آ ندیم — چھپ کے یوں پینا پلانا کچھ نہیں

قرض کی دینا نہ مے اعجاز کو
ایسے مفلس کا ٹھکانا کچھ نہیں

ایک بہترین افسانہ

انتقام

جناب راجندر سنگھ صاحب بیدی

"کیا یہ حقیقت ہے کہ تم میری بیوی سے محبت کرتے تھے؟" رام ساگر نے دوبارہ پوچھا۔

میں نے مسکراتے ہوئے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا۔

سردیوں کی اس تیرہ و تار اور سخت سرد رات میں سرد خون والے جانور مثلاً اسفنجی کیڑے، ہزار پا، چھپکلیاں اور ان کے رینگنے والے بھائی تو بالکل منجمد ہی ہو چکے تھے۔ خون کا دوران ان کی رگوں میں بہت ہی سست ہو گیا تھا یہاں تک کہ انھوں نے خوراک کے لئے بھی جد و جہد چھوڑ دی تھی جھینگروں نے بھی تو سر شام ہی شور مچایا تھا جبکہ سورج کی آخری شعاعوں کی گرمی کو برودت تسخیر کر رہی تھی۔ آغاز زمستاں میں میدان میں اترنے والی ابابیل جس نے رام ساگر کے گھر کی چھت کے ایک شہتیر کے نیچے اپنا گھونسلا بنا رکھا تھا پر پھڑ پھڑا کر اپنے ننھے بچوں کو ان میں لپیٹتے ہوئے ان کی حرارت کو خرچ ہونے سے بچا رہی تھی۔

"اب جبکہ تمھاری بیوی کو مرے ہوئے پانچ سال اور کچھ ماہ ہو چکے ہیں..... کیا اس امر کا اعتراف ناموزوں نہیں"۔ میں نے اپنے جیٹ کے اٹھائے ہوئے کالروں میں سے سر کو اٹھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں، نہیں، اتنی مدت کے بعد!..... اب جبکہ وہ فنا کی لہروں میں گم ہو چکی ہے۔ اور ان لہروں پر خاموشی کا عمل تسخیر ہو رہا ہے....." رام ساگر نے جواب دیا۔

اس کے بعد ہم دونوں خاموش ہو گئے۔ یکایک کسی خیال کے آنے سے رام ساگر نے پھر وہی مضمون چھیڑا۔ وہ بولا۔ "یہ تم نے عجب خبر سنائی موتی لال..... اس سخت سردی میں یہ خبر..... یہ گرمی پیدا کرنے والی خبر اچھی ہے"۔

میں نے غور سے رام ساگر کے اس چہرے کی طرف دیکھا جس پر سے شباب کی سرخی کو اڑے کئی برس ہو چکنے کا گمان ہوتا تھا حالانکہ اس کی عمر تیس سال سے زاید نہ تھی۔ میں نے اس کی آنکھ اور دائیں جبڑے کے درمیانی حصے میں پڑتی ہوئی دو ایک جھریوں کو جانچتے ہوئے کہا۔

"..... ساگر! اس سے بھی بہت پہلے جبکہ وہ تم سے بیاہی گئی ہم دونوں ایک دوسرے سے پیار کرتے تھے۔ تمھارے پڑوس میں یہ جو لالجی بھارتی جی اسٹیٹ ہے نا..... اس کے چھوٹے سے خوبصورت باغ میں ہم نے محبت کے بہترین لمحے گذارے تھے"۔

پھر میں نے اپنی بات کا رخ یکایک بدلتے ہوئے کہا۔ "مگر میں سخت متحیر ہوں بھائی رام سگر..... اس حقیقت کو جسے میں برسوں بمشکل تم سے چھپائے رکھا آج یک بیک یوں آشکارا کر دینے پر تم نے کسی قسم کا تحیر ظاہر نہیں کیا اور نہ ہی کسی اور نوعیت کے تاثرات تمھارے کتاب جیسے چہرہ پر دکھائی دیتے ہیں"۔

"کس قسم کے تاثرات؟" ساگر نے ایک سوکھی ہنسی ہنستے ہوئے کہا "کیا تم حسد کے جذبات میرے چہرے پر دیکھنا چاہتے ہو؟"

"حسد کے بھی ممکن ہیں اور تحیر کے بھی، اور دونوں بالکل ہی مفقود ہیں" رام ساگر نے بھورے رنگ کی کلا نوری چھینٹ کے لحاف کے نیچے اپنی ٹانگیں سکیڑ لیں۔ لحاف میں اس کے اٹھے ہوئے گھٹنے اونٹ کے کوہان کی مانند دکھائی دینے لگے۔ اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے برف سے ٹھنڈے پاؤں کو گرم کرنے کیلئے لحاف میں مدفون کرتے ہوئے رام ساگر نے نہایت سنجیدہ آواز میں کہا۔

"حسد؟..... آدرش بالاک مر چکنے کے پانچ سال بعد حسد!

اتنی مدت کے بعد کوسنے کی بجائے اپنی بیوی کی تعریف میں رطب اللسان ہوں بھائی ——— اس وجہ سے .... اس راز سے جو تم نے مجھ پر آشکار کیا ہے۔ مجھے وہ زیادہ بلند سیرت دکھائی دینے لگی ہے۔ تم سے محبت کرنے کے باوجود اس نے نیک بیوی کی مانند اپنے تمام فرائض نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیئے ہیں۔ اس نے میرا سخت مزاج نہایت ٹھنڈے دل سے برداشت کیا۔ میں نے کبھی اس کی پیشانی پر تیور نہیں دیکھے۔ باقی رہا تحیّر میرے لئے کوئی بھی حادثہ، کوئی بھی سانحہ نیا اور عجیب نہیں ہوتا۔ میں ہر ایک بات کو ممکن سمجھتا ہوں۔ اس کی اس آناً فاناً قدرتی موت نے مجھ میں ایک جمود سا پیدا کر دیا ہے۔ تم پھیپھڑوں تک زور لگا کر ہنستے ہو کیا مجھے بھی کبھی اس طرح بے تحاشہ ہنستے دیکھا ہے؟"

میں نے گہری ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "کبھی نہیں، ساگر کبھی نہیں ———" اور میں نے اپنی نگاہ بیت کی کرسی کے پاؤں میں پڑی ہوئی چائے کی اس پیالی پر لگا دی جس میں ابھی ابھی رام ساگر نے چائے پی تھی۔ میں نے اپنی نظر وہاں سے اس وقت اٹھائی جبکہ رام ساگر کی کانپتی ہوئی آواز میرے کانوں میں گونجنے لگی۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ رام ساگر کا چہرہ خلاف معمول برف کی مانند سفید ہو گیا تھا۔ میں نے کہا۔

"اور یہ بات اور بھی غم افزا ہے ——— کہ پانچ برس تک آدرش کے قاتل کا سراغ نہیں ملا .... یہ پولیس، یہ سراغرسانی سب قصے کہانیاں ہی تو ہیں"

میری اس بات کو سن کر ساگر جوش میں آنے لگا اس کا برف سا سفید چہرہ آہستہ آہستہ سرخ ہونے لگا۔ پھر سخت اور ارغوانی سا ہونے لگا۔ اپنے جذبات کو دباتے ہوئے اس نے کہا۔

"پانچ برس کی طویل مدت تک وہ اپنے آپ کو روپوش رکھنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ مگر وہ خدا سے چھپ کر کہاں جائیگا؟ .... کیا قدرت اس بیگناہ کے خون کا بدلہ نہ لیگی؟"

"بدلہ لیگی ——— اور یقیناً!" میں نے مزید کہا۔ "اور تمہارے اس دکھ درد سے بھی جو کہ تم نے اپنی محبوب بیوی سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو کر اٹھائی ہے اسے اس کی بھی قیمت دینی ہوگی۔"

ساگر نے التجا آمیز لہجہ میں کہا۔ "موتی لال! ابھی ابھی تم نے کہا تھا کہ آدرش اور تم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ کیا تم بھی میری طرح نصف شب کو اٹھ کر آہیں بھرا کرتے ہو اور پھر اس سنگدل کو جی بھر کر کوستے ہو۔ وہ جو اتنی طویل مدت تک اپنے آپ کو روپوش رکھنے میں کامیاب ہو گیا ہے .... اگر ایسا نہیں کرتے تو اب ضرور کیا کرو، یہی ہے نا جو ہم کر سکتے ہیں۔ ہماری آہوں سے وہ بچ کر کہاں جا سکتا ہے ———"

میں نے فی الفور ساگر کے سامنے ایک سرد آہ بھری۔

اس کے بعد میں رام ساگر سے رخصت لے کر اس کے مکان کے بوسیدہ دیو داری زینہ پر سے نیچے اترنے لگا۔ مجھ سے ہلکے پھلکے آدمی کے بوجھ کے نیچے وہ دیو داری زینہ ٹوٹتا نظر آتا تھا۔ زینے کے کھوکھلے ہونے کی وجہ سے زور زور سے اترنے پر ایک دھمک پیدا ہوتی جو سونے والوں کی نیندوں میں مخل ہو رہی تھی۔ میں نے دیکھا زینے میں کئی جگہ ڈنڈے اکھڑے ہوئے تھے۔ پکڑنے والی جگہ کہیں سے تو بالکل اکھڑی ہوئی تھی۔ صرف اس کی کیلیں باہر نظر آ رہی تھیں۔ جو کہ اترنے والوں کے کپڑوں کو پھاڑ دیا کرتیں۔ جہاں کہیں پکڑنے والی جگہ تھی تو اس پر میل کی تہیں جمی ہوئی تھیں ——— زینہ تو ایک طرف آدرش کی موت کے بعد کسی نے گھر کی طرف توجہ دی ہی نہ تھی۔ رام ساگر نے تو اپنی ہشت سالہ لڑکی کو بھی کبھی نہ پوچھا کہ وہ کہاں ہے اور کہاں نہیں، جس طرح کسی نامعلوم جگہ پر خود رو بیل بڑھتی جاتی ہے۔ اسی طرح وہ لڑکی بھی خود بخود پل رہی تھی۔

ان دنوں کچہری میں چند ایک دیوانی مقدمات مجھ پر دائر تھے، جنھوں نے میری زندگی کو اجیرن بنا رکھا تھا۔ مزید براں میرے منجھلے لڑکے کو تشنج کی شکایت تھی۔ اور وہ بیمار پڑا تھا۔ دن میں دو دو بار دورہ ہوتا تھا۔ غرض کہ کئی ایسی تکالیف تھیں جنھوں نے مجھے زندہ درگور کر دیا تھا۔ تمام دن کا تھکا ماندہ اور پھر رام ساگر کے پاس چند گھنٹے گذارنے کے بعد گھر پہنچنے پر میں چارپائی پر پڑتے ہی سو گیا۔ ابھی بمشکل ایک گھنٹہ سویا ہونگا کہ نیچے سے آوازیں آنے لگیں۔

"بابو جی! ——— بابو جی!"

میں نے رام ساگر کے نوکر کی آواز پہچانی اور اس کی آواز میں گھبراہٹ اور ارتعاش محسوس کرتے ہوئے میں نے فوراً دروازہ کھول دیا۔ ایک ہی سانس میں رام ساگر کا بے سمجھ اور گنوار نوکر بہت کچھ کہہ گیا۔

"بابو جی! ——— سیٹھ جی دم توڑ رہے ہیں .... آپ نے کبھی اس

[redacted]

کتے کو مرتے دیکھا ہے جس کو سرکاری آدمی (ملازم محکمہ حفظانِ صحت) دُم کاٹنے کے لئے انہیں آٹے میں جُہر (زہر) لپیٹ کر کھانے کو دیتے ہیں۔ کس طرح تڑپتا ہے وہ ــــ بالکل اسی مانند ان کے ہاتھ پاؤں کھنچنے لگے۔ آنکھیں اُبل کر باہر آگئیں اور ان میں سبز (سبزا پھروجی (فیروزی) اور سپید سپید رنگ دمکنے لگے۔ پھر ناک سے کُہون بہنے لگا۔ مُنہ سے جھاگ اٹھتا رہا۔ اب ان کا پیٹ اپھر گیا ہے۔ دم نہیں چلتا۔ جلدی چلئے"

جلدی میں مَیں چسٹر بھول ہی گیا۔ چھوٹا کوٹ اوڑھ کر اور پاؤں میں سلیپر پہن کر میں رام ساگر کے مکان کی طرف دوڑا۔ راستے میں ہانپتے ہوئے میں نے نوکر سے پوچھا۔

"کیا میرے جانے کے بعد ان کے پاس کوئی آیا؟"

"ہاں ــــ صرف نیتوا کے بابو آئے ــــ جنھوں نے سیٹھ جی کا پیسہ دینا ہے"

جب میں رام ساگر کی چارپائی کے نزدیک پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ مر چکا تھا۔

ڈاکٹر نے رام ساگر کی لاش کا معاینہ کیا۔ آنکھوں کی رنگت اور جلد کی سی ہلکی ہلکی بو پاتے ہوئے اس نے کہا: "بابو رام ساگر کی موت (آرسینک) زہر کی ایک قسم کھانے سے ہوئی ہے"۔

میں دم بخود دکھڑا اپنی اور رام ساگر کی گذشتہ شب کی باتوں پر غور کر رہا تھا۔ یکایک میرے ضمیر نے مجھ پر لعن طعن شروع کر دی۔

"کیا عجب ہے" میں نے اپنے آپ کو کہا۔ "کہ میرے اس راز نے رام ساگر پر بہت اثر کیا ہو...... اگرچہ اس نے ملاقات کے وقت اپنے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نہ آنے دیئے ہوں ــــ مگر اندر ہی اندر وہ ایک زبردست جذبۂ حسد و رقابت میں جل بھن گیا ہو"

حتیٰ کہ میں نے یہی اخذ کیا کہ پانچ سال کی طول و طویل مدت میں رام ساگر یہی سمجھتا آیا ہوگا کہ آدرش اس سے اور صرف اسی سے محبت کرتی تھی ــــ اس کی نظروں میں آدرش بالا کو ایک عظیم وقار حاصل ہو چکا تھا اور اس باوقار، نہایت حسین و جمیل بیوی کی محبت کو جیتنے کے فخر نے اسے زندہ رکھا تھا۔ مگر چونکہ گذشتہ شب میں نے ــــ ایک رقیب نے پیدا ہو کر اس کے تمام ہوائی قلعوں کو آناً فاناً مسمار کر دیا تھا۔ یعنی آدرش بالا کے وقار کو اس کی نظروں میں گرا دیا تھا اس لئے ساگر نے اپنی زندگی کو بے معنی اور بے مطلب سمجھا... اور حسد و رقابت کے ایک زبردست جذبہ کے زیرِ اثر اس نے خودکشی کر لی"

نیتوا کے بابو ــــ جن کو سیٹھ جی کا پیسا دینا تھا ایک سراسیمگی کے عالم میں متوفی کے پاس دبک کر بیٹھے تھے۔

"آہ، کیا ہی اچھا ہوتا" میں نے دل میں کہا: "اگر اس راز کو جسے میں نے بمشکل برسوں چھپائے رکھا۔ ہمیشہ کے لئے چھپائے رکھتا۔ محبت کی ٹیسیں جو رہ رہ کر میرے دل میں اٹھتی تھیں کم از کم ان کو چھپا رکھنے سے اس عجیب و غریب دنیا جس کی تخلیق مرنے والے نے کی تھی اور جس کی رومانوی زندگی میں وہ ہیرو کی اداکاری کر رہا تھا اس میں کم از کم ایک زیادہ جوان، زیادہ مضبوط، زیادہ خوبصورت کریکٹر کے آجانے سے اس کی اداکاری تو پسِ پشت نہ پڑ جاتی ــــ وہ اپنی رومانوی زندگی میں ہیرو ہی رہتا اور ہیرو ہی مرجاتا تو اس کی روح کو کتنا سکون حاصل رہتا"۔

پھر جس طرح عام طور پر مرنے والے کے چال چلن کے مستحسن پہلو ہی نظر آیا کرتے ہیں۔ میں رام ساگر کو ایک شریف الخلق، صاف گو اور سادہ شخصیت کے طور پر دیکھنے لگا اور اس کے چال چلن میں اس فولادی عجز و ــــ سختی کو بھول ہی گیا ــــ وہی سختی اور درشتی جو اس نے کبھی کبھی میری محبوب آدرش بالا پر روا رکھی تھی اور جسے اس نے ایک نیک بیوی کے مانند صبر و سکون سے برداشت کیا تھا۔ وہ سختی اور جلد بازی جس نے رام ساگر کو اس حالت تک پہنچایا تھا یعنی موت ــــ خودکشی تک!

اچانک مجھے خیال آیا ــــ "یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ نیتوا کے بابو ــــ ان مقروض اشخاص میں سے کسی نے ساگر کو ٹھکانے لگا دیا ہو"۔

اور اس خیال کے پیدا ہونے پر میں نے ان کے چہروں کا بنظرِ غور مطالعہ شروع کیا۔ میں یہ دیکھ کر کانپ گیا کہ اسی نوعیت کی ایک تیکھی اور عود کی نظر سے وہ میری طرف گھور رہے تھے۔ اور جس طرح مشکوک طور پر میں دل میں کہہ رہا تھا کہ شاید انھوں نے قرضہ کی مصیبت سے چھٹکارا پانے کے لئے ساگر کو ٹھکانے لگا دیا ہو ــــ "اسی طرح وہ بھی نگاہوں ہی نگاہوں میں میرے متعلق ایسا کہہ رہے تھے کہ نامعلوم اس شخص نے کس ذاتی عناد کی بنا پر سیٹھ جی کو مار ڈالا ہو"۔

میں نے پلٹ کر اپنے دوست کی لاش کی طرف دیکھا۔ میرا رونا تھم نہ سکا اور میں ساگر سے بے اختیار لپٹ گیا۔ لپٹتے ہوئے میرا ایک ہاتھ سرہانے کے نیچے چلا گیا۔ مجھے ایک خستہ کاغذ کی سرسراہٹ کی آواز آئی۔ میں نے سرہانے کے نیچے سے وہ کاغذ کھینچ لیا۔ کاغذ آنکھوں کے سامنے لانے پر سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ وہ ایک محبت نامہ تھا جو اس دن سے آٹھ سال پہلے میں نے آدرش بالا کے نام لکھا تھا جن دنوں اس کی شادی رام ساگر سے قرار پا چکی تھی۔ میں نے کئی بار آنکھیں ملتے ہوئے اس محبت نامہ کو پڑھا۔ مجھے یقین نہ آتا تھا کہ اتنے اتنے جوشیلے اور خوبصورت الفاظ کا کبھی میں نے انتخاب کیا ہوگا وہ الفاظ جنہیں میں آج بالکل بھول چکا تھا۔ ایسے الفاظ جو صرف محبت میں غرق ہونے والے آدمی ہی کو سوجھ سکتے ہیں۔ یہ خط کبھی آدرش بالا کے ہاتھ میں رہا ہوگا اور اس کے الفاظ پر کبھی اس کی نظریں دوڑ چکی تھیں اس لئے میں نے اپنے گرد و پیش کو ایک لمحہ کے لئے فراموش کرتے ہوئے اس کاغذ کو لبوں سے لگا لیا —— یہ تھی زندگی!! اور سامنے رام ساگر کی لاش جس کی کھلی ہوئی آنکھیں میری ہی طرف دیکھتی ہوئی نظر آتی تھیں —— وہ تھی موت۔

میں دیر تک خط میں حروف کے اعراب کو ناچتے ہوئے دیکھتا رہا۔ حتیٰ کہ پولیس کے ایک افسر نے وہ خط میرے ہاتھ سے لے لیا۔ چند لمحات کے بعد تھانیدار نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ گذشتہ شب آپ میں اور متوفی میں کیا بات چیت ہوئی ہے"۔

چونکہ میرے اس گھرانے سے تعلق کو وہ خط سے بخوبی جان چکے تھے لہٰذا میں نے گذشتہ شب کی تمام گفتگو بے کم و کاست کہہ سنائی اور دل میں سوچتا رہا کہ اگر پولیس والوں نے میرے بیان سے یہ اخذ کیا کہ میرے اس راز کو یوں آشکارا کر دینے پر متوفی کے دل میں ایک ناقابل برداشت جذبہ رشک و حسد و رقابت پیدا ہوا جس کے نتیجہ کے طور پر اس نے اپنی زندگی کا اپنے ہاتھوں خاتمہ کر لیا تو میری ذات کو چنداں گزند نہیں پہنچ سکتا۔

ایک دفعہ میں نے پُر مشکوک انداز سے نینو اکے بابوؤں کی طرف دیکھا اور وہی نگاہیں انھوں نے مجھ پر پھینکیں۔

تھانیدار نے اپنی جھالردار پگڑی کو آگے سرکاتے ہوئے پوچھا۔ "کیا گذشتہ شب جناب نے متوفی کے ساتھ چائے پی؟"

"نہیں ——" میں نے جواب دیا۔

نفی میں سر ہلا دینے کے بعد مجھے خیال آیا کہ میں نے ساگر کے ساتھ چائے پی تھی۔ کیونکہ میں کل رات چائے کی پیالی کے کنارے پر ایک خوبصورت نقش بغور دیکھ رہا تھا جبکہ باتوں ہی باتوں میں ساگر کا چہرہ برف کے گالے کے مانند سفید ہو گیا۔ اب چونکہ میں اپنے بیان میں تضاد پیدا کرنا نہیں چاہتا تھا لہٰذا میں خاموش رہا۔ رام ساگر کے نوکر کو بلایا گیا۔ تھانیدار نے اس سے بھی چائے کے متعلق پوچھا اس نے جواب دیا۔

"حضور کل ...... سیٹھ جی —— اور ان بابو جی کے لئے میں کھد چائے لے کر گیا رہا —— دونوں لوگ پی —— چائے ——"

تھانیدار نے ایک شک کی نگاہ سے میری طرف دیکھا۔ میرے دل میں مطلق خوف و ہراس پیدا نہ ہوا۔ اگر میں قصوروار ہوتا تو ڈرتا۔ چنانچہ جب تھانہ دار نے میری خانہ تلاشی کے متعلق کہا تو میں نے جواب دیا۔ "آپ شوق سے میرے گھر کی تلاشی لیجئے"۔

چند سپاہی یہ سن کر میرے گھر کی طرف لپکے ......

ان دیوانی مقدمات کی وجہ سے جن کی سماعت میرے خلاف ان دنوں عدالت میں ہو رہی تھی اور اپنے منجھلے بیٹے کے تشنج کے عارضہ سے میں گھبرایا رہتا تھا۔ میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ ان کی وجہ سے میں زندہ در گور تھا اس لئے میرے دل میں خیال آیا۔ "ایسا نہ ہو کہ کوئی نئی مصیبت کھڑی ہو جائے میری زندگی تو پہلے ہی اجیرن ہو رہی ہے ——"

مگر میری بے گناہی نے میری ڈھارس بندھائی۔

سپاہی واپس لوٹے تو ان کے ایک سرکردہ نے کہا۔ "بابو موتی لال کے لمبے کوٹ کی داہنی جیب سے آرسینک نکلا ہے!!"

اب کوٹ کی جیب سے آرسینک نکلنے کے بعد مجھے اس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ رام ساگر کی موت کم از کم خودکشی سے واقع نہیں ہوئی کیونکہ اگر اس نے خودکشی کی ہوتی تو میری جیب سے آرسینک نکلنے کے کیا معنی ——؟ یہ تو محض نینو اکے ان بابوؤں کا سنگین گناہ ہے جنھوں نے رام ساگر کو میرے اس کے مکان سے واپس آجانے کے بعد کسی طریقے سے کھلا دیا ہے اور خود ان کے نوکر سے مل کر میری جیب میں بھی پھینک دیا ہے ...... اسے مار کر اب آپ خود حراست سے باہر کہیں عیش و عشرت کی گھڑیاں گذار رہے ہیں کیونکہ اب

انھیں قرضہ نہ دینا ہوگا، اور میں ایک زبردست ذہنی کوفت اور جسمانی ایذا میں مبتلا تنہائی کوٹھری میں پڑا سڑ رہا ہوں۔

کبھی کبھی میرے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ یہ تو اچھا ہوا کہ میری وجہ سے رام ساگر کی موت واقع نہیں ہوئی اور وہ اپنی نظروں میں آدرش بالا کا عظیم الشان وقار لئے اور اپنی اس رومانوی تخلیق میں بطور ہیرو کے ہی مرا ہے اور میری اس اچانک زبردست ضرب سے اس نے اپنے قلعے مسمار ہوتے نہیں دیکھے اور اس کا دل حسد و رقابت کے جذبہ سے مطلق معرا رہا ہے۔

مقدمہ کی سماعت ہوتی ہے۔ میری بیوی روتی ہوئی آتی ہے۔ وہ بیکس ہے اور چونکہ میرے مرنے سے اس پر گرانبار ذمہ داریاں آجائینگی اس لئے اس کی خاطر میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ اپنے بچاؤ کے لئے میں نے جج کو کئی ایک ایسی دلائل پیش کیں: "جناب! اگر رام ساگر کا قتل میں نے کیا ہوتا تو تلاشی لینے والے تھانیدار کو بغیر سرکاری وارنٹ کے تلاشی لینے کی اجازت کیوں دیتا اور پھر تلاشی کے وقت میرا چہرہ پرسکون کیوں رہتا۔ میں کیوں سراسیمہ اور بدحواس دکھائی نہ دیتا۔ اگر رام ساگر کی جان میں نے لی ہوتی تو میں آرسینک کو اپنی جیب میں کیوں پڑا رہنے دیتا اور کیوں جان بوجھ کر اپنی ہلاکت کے سامان پیدا کرتا۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ کسی اور شخص کا جرم ہے"۔

اور جوں جوں میں ایسے دلائل پیش کرتا ہوں لوگ ہنستے ہیں۔ فاضل جج ایک روکھی پھیکی مسکراہٹ سے مسکراتا ہے اور ایک عجیب انداز سے اپنی چھوری گون کو ایک جانب جھٹکا دیتا ہے مسکراتے ہوئے اس کے بدنما دانت کتنے گھناونے دکھائی دیتے ہیں۔ ظاہری شکل سے وہ بہت کچھ عقلمند اور ایک بلند تخیل مفکر دکھائی دیتا ہے مگر اس مقدمہ میں نہ معلوم وہ کیوں صحیح صورت حالات کو نہیں پہنچا۔ نہ معلوم کیوں میری بیوی کے کئے ہوئے وکیل کے ایک ایک نقطہ کو رد کر دیتا ہے آخر اسے کیا ہوگیا ہے۔ اس کو بیانات ایک ایک لفظ اور ایک ایک رخ میں میں ہی گنہگار دکھائی دیتا ہوں حالانکہ میں بالکل بے گناہ ہوں۔ جج میری زندگی کا چراغ گل کر دینے کی فکر میں ہے۔ یہ تو اس کے لئے معمولی بات ہے زندگی کا یہ ٹمٹماتا ہوا دیا اس کی ایک ہلکی سی پھونک مارنے پر بجھ جائیگا — آج اس نے میرے خلاف پھانسی کا حکم صادر کر دیا ہے —— میں خوش ہوں۔ میں نے اپنے وکیل سے درخواست کی ہے کہ وہ اپیل نہ کرے۔ میں جانتا ہوں اپیل سے کچھ نہ بنے گا۔ میں صابر ہوں۔

خوش اس لئے کہ ان تمام دیوانی مقدمات سے جو میرے خلاف عدالتوں میں جاری ہیں اور جنھوں نے میری زندگی کو اجیرن بنا رکھا ہے ان سے نجات پا جاؤنگا اور اس لئے بھی کہ اپنے منجھلے بیٹے کا تشنج کا عارضہ جس کا خوف دیمک بن کر میرا گوداگود چٹ کر گیا ہے مرنے کے بعد مجھے تنگ نہ کر سکے گا۔

ہاں! — جوں جوں پھانسی کا وقت قریب آتا جاتا ہے رام ساگر کے وہ الفاظ میرے کانوں میں دن میں کئی کئی بار گونجتے ہیں۔ "قدرت اس بیگناہ کے خون کا بدلہ لیگی۔ وہ پانچ برس کی طویل مدت تک اپنے آپ کو روپوش رکھنے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ مگر وہ خدا سے چھپ کر کہاں جا سکے گا"۔

اس کے فوراً بعد ہی مجھے متوفی کے وہ الفاظ بھی یاد آتے ہیں "بجائے حسد پیدا کرنے — اور اتنی مدت کے بعد اسے کو سننے کے میں اس کی تعریف میں زیادہ رطب اللسان ہوں، باوجود تمھاری محبت کو دل میں پالنے کے اس نے ایک نیک بیوی کے مانند اپنے تمام فرائض نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیئے ہیں"۔

"محض یہی ایک بات تھی"۔ میں دل میں کئی بار کہتا ہوں۔ "جو مجھے چبھتی تھی کہ بیک ساعت وہ دونوں کی محبت کیوں دل میں رکھتے۔ میری محبت کو ٹھکراتے ہوئے وہ رام ساگر کے ساتھ کیوں اپنی زندگی نبھائے اور اسی بات کے غیض و غضب میں میں نے ایک شب اپنی پیاری آدرش بالا — باوقار، حسین و جمیل آدرش بالا کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا ... اور پانچ سال چند ماہ سے اب تک کسی کو اس واقعہ کا علم نہ ہوسکا۔

دیوانی مقدمات اور بیٹے کی خوفناک بیماری کا غم تو مجھے رام ساگر کی ان آہوں کے بدلے ملتا تھا جو اس نے نصف شب کو اٹھ کر کھینچی تھیں اور اب آدرش بالا کے قتل کا انتقام قدرت مجھ سے لے رہی تھی۔

میں خوش ہوں —— کل اسی وقت مجھے پھانسی ملنی ہے۔ قدرت نے اپنا انتقام لینا ہی تھا۔ سو وہ لے رہی ہے۔ میں بھی اپنے بار سے سبکدوش ہو جاؤنگا۔ ہاں! —— رام ساگر کے قتل، جس کا الزام مجھ پر لگایا گیا ہے اس کا ارتکاب میں نے نہیں کیا۔ کسی اور نے کیا ہے۔ جس طرح قدرت آدرش کے قتل کا انتقام مجھ سے لے رہی ہے۔ اسی طرح رام ساگر کے اصل قاتل سے وہ انتقام کسی نہ کسی طرح لے ہی لیگی۔

بطلِ حریت

مصطفےٰ کمال پاشا!

از جناب حاجی نبی احمد صاحب بریلوی

اے کہ تو ہے آسمانِ ترکیہ کا آفتاب
کر سکی دُنیا نہ پیدا آج تک تیرا جواب

تیرے استقلال سے پیدا ہُوا نورِ وطن
تیری تابش سے منوّر ہو گیا طورِ وطن

کر دیا تو نے نظامِ بربریت کو تباہ
دور رس ہے کس قدر تیری حقیقت بیں نگاہ

انقلاباتِ مسلسل تجھ کو پیش آتے رہے
تیری قسمت کو وہ مثلِ ماہ چمکاتے رہے

ہو گئی آخر تجھے حاصل حیاتِ جاوداں
معترف ہے شخصیت کا تیری ہر پیر و جواں

زندگی کی ہر روش کا مستند ناقد ہے تو
جھک گئی دُنیا ترے قدموں پہ وہ قائد ہے تو

اے اتاترک، اے مفکر، بے بہا گوہر ہے تو
قیصریت کو مٹایا جس نے وہ قیصر ہے تو

اشتراکیت کو تو نے پارہ پارہ کر دیا،
ترکیہ کے ذرے ذرے کو ستارہ کر دیا،

معرکہ فتح سکاریہ کا تازہ ہے ہنوز!
زورِ بازو کا ترے' عالم میں چرچا ہے ہنوز

ترکیوں میں تو نے پیدا کی ہے روحِ زندگی
ہو رہی ہے ہر طرف جمہوریت کی روشنی

اب سمرنا اور انگورہ میں تیرا راج ہے
ارتقائے قومیت کا تیرے سر پر تاج ہے

تو نے پیدا کی مساوات و محبت کی فضا
امن کوشی سے بڑھایا اتحادِ ایشیا

قسمتِ مشرق ہوئی تاباں ترے پیغام سے
تو نے پیدا کی مئے نو زندگی کے جام سے

تو سیاسیات کا اک ماہر و استاد ہے
تجھ سے مستحکم ابھی اسلام کی بنیاد ہے

تو ہے غازی، قوم کا نبّاض و چارہ ساز بھی
تجھ سے لرزہ خیز ہے مغرب کا حیلہ باز بھی

ساری دنیا حیرتی ہے دیکھ کر عظمت تری
بڑھ گئی اپنی حدوں سے فطرتاً رفعت تری

تو صداقت کا زمانے میں علمبردار رہے
خادمِ ملک و وطن ہے سید الاحرار رہے

نیم کا درخت!

جناب مولانا ظفر واسطی صاحب

ذیل کا مضمون میں نے حضرت خواجہ حسن نظامی کی "بے جان اشیاء کی گفتگو" سے متاثر ہو کر لکھا تھا۔ لہذا میں اسے انہیں کی خدمت میں پیش کرتا ہوں ظفر

میں ایک نیم کا درخت ہوں اور نئی دہلی کے ایک اسکوئر کے واٹر میں کھڑا ہوں۔ میں نے اپنی عمر کی چھ سات بہاریں دیکھی ہیں نہیں ـــــ دو برس سے تو بہار بھی میرے لئے خزاں ہی بن ہے۔ اس لئے زیادہ مناسب ہے اگر یہ کہوں کہ میں نے چار یں اور آٹھ خزائیں دیکھی ہیں۔ اسی کوارٹر میں ایک آم کا بھی ت ہے۔ یہ میرا بڑا بھائی ہے۔ میں اس کے غم کا شریک ہوں ے درد کا ساتھی ہے۔ جب میں پیدا ہوا تو یہ مجھ سے بہت بڑا تھا۔ خدا معلوم کیوں یہ میرے مقابلہ میں بہت کم بڑھتا تھا۔ چند ہی سال یں اور یہ قد کے لحاظ سے برابر ہوگئے۔

گو ہم آپس میں بات نہیں کرسکتے تھے لیکن ایک دوسرے ذبات کو خوب سمجھتے ہیں۔ جب یہ سوتا ہے تو میں بھی سو جاتا ہوں جب میں بیدار ہوتا ہوں تو یہ بھی جاگ اٹھتا ہے ہمیں ایک دوسرے بڑی محبت ہے اور کیوں نہ ہو کئی کوارٹروں میں جہاں جہاں میری جا سکتی ہے بس مجھے یہی ہم جنس نظر آتا ہے یوں ہونے کو تو ہمارے ٹر میں اور دوسرے کوارٹروں میں کئی قسم کے پودے ہیں لیکن وہ ے مزاج میں رہتے ہیں۔ گلاب ہے تو اس کا دماغ عرش بریں پر ہے رائے بیل ہے تو خبر نہیں وہ اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہے۔

کئی برس کا ذکر ہے کہ ہم میں دشمنی سی ہوگئی تھی۔ بات یہ تھی س کوارٹر کے رہنے والوں میں ایک لڑکا تھا اور ایک لڑکی تھی۔ دونوں ن بھائی مجھے نہایت صاف و شفاف پانی پلاتے تھے اور میری شاخوں سے کھیلتے رہتے تھے۔ یہ بات آم کو ناگوار گذری۔ کیونکہ پہلے تنہا وہی ان کی توجہ کا مرکز تھا۔ لہذا اس نے "بھوک ہڑتال" شروع کردی اور غمگین ہوگیا۔ سورج اور زمین سب سے "بائیکاٹ" کرلیا۔ نتیجہ ظاہر تھا۔ دو ہی دن میں اس کی نازک نازک شاخیں اور سبز پتے مرجھا گئے۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر پہلے تو مجھے رنج ہوا کہ یہ کتنا حاسد ہے لیکن پھر خیال آیا کہ یہ حسد نہیں۔ یہ اپنا حق مانگتا ہے اور اپنا حق مانگنا کوئی برائی کی بات نہیں، لڑکے، لڑکی کو بھی اس کے "مطالبات" کے جائز ہونے کا احساس ہوگیا لہذا انھوں نے اس سے "باہمی سمجھوتہ" کرلیا۔ اسے پھر سے سرسبز و شاداب دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔

ایک روز بہن بھائی میں جھگڑا ہوگیا اور جھگڑے کی کوئی بات بھی نہیں تھی۔ لڑکے کو سواک کرنی تھی۔ بجائے اس کے کہ وہ باہر سے کسی بڑے درخت سے سواک توڑ کر لاتا اس نے میری ایک ننھی سی شاخ کو توڑ لیا۔ لڑکی دوسرے کوارٹر میں اپنی ایک سہیلی کے پاس گئی ہوئی تھی، جب وہ واپس آئی اور اس نے صحن میں قدم رکھا تو اس کی نظر زمین پر بکھرے ہوئے پتوں پر پڑی۔ پھر اس نے مجھ پر ایک نگاہ ڈالی اور پہلی نظر میں اسے دکھائی دے گیا کہ میری شاخ توڑ لی گئی ہے۔ وہ وہیں سے چلائی۔

"میرا نیم کس نے توڑا؟"

لڑکا غسل خانہ میں دانتن کر رہا تھا بولا۔

"بڑی آئی نیم والی!"

"اچھا تو نے توڑا ہے تو میں تیرا آم توڑتی ہوں۔"

وہ بڑھی اور غصے میں آم کی کئی شاخیں توڑ ڈالیں مجھے اس بات سے خوشی بھی ہوئی اور رنج بھی ہوا۔ خوشی اس لئے کہ وہ مجھے اپنا نیم کہتی تھی اور رنج اس لئے کہ اس نے مفت میں میرے بھائی کو نقصان پہنچایا۔ مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ شاخ ٹوٹنے سے کتنی تکلیف ہوتی ہے۔

اس کے بعد لڑکے کو غصہ آیا۔ غسل خانے میں سے منہ نہاتے ہوئے نکلا اور میری طرف بڑھا خوف سے میری شاخیں کانپنے لگیں۔ لڑکی نے کہا۔

"اگر اب کے میرے نیم کو ہاتھ لگایا تو آم کی خیر نہیں۔"

ٹھیک اس وقت ان کی ماں کمرے میں سے نکل آئی اور اس نے سمجھا بجھا کر ان میں صلح کرا دی ورنہ خبر نہیں صبح۔ اور غصہ میں ہم دونوں بھائیوں کی کتنی شاخیں اور توڑ دی جاتیں۔

اس دن سے مجھ پر ایک عجیب خمار سا رہنے لگا۔ اس بات کا احساس مجھے مست رکھنے لگا کہ لڑکی مجھے اپنا نیم کہتی ہے۔ جب وہ قریب آتی تو میری شاخیں جھومنے لگتیں اور جب وہ اپنی انگلیوں سے میرے پتوں اور ٹہنیوں کو چھوتی تو میری خوشی کی انتہا نہ رہتی۔ میں چاہتا تھا کہ تمام عمر اتنا ہی چھوٹا رہوں اور لڑکی مجھے چھوتی رہے۔ اپنی معصوم اور ننھی سی آغوش میں لیتی رہے۔ لیکن دنیا میں ہر چیز پر انقلاب آتا ہے۔ مجھ پر بھی انقلاب آیا اور میں اتنا بڑا ہو گیا کہ اس کے ننھے ننھے ہاتھ میری شاخوں تک نہ پہنچ سکتے تھے۔ اسے اس بات کا اتنا شوق تھا کہ چارپائی میرے قریب کھینچ لاتی۔ اس پر چڑھ کر کبھی ایک شاخ کو کھینچتی کبھی دوسری کو۔ جانے اسے کونپلیں اچھی معلوم ہوتی تھیں یا کیا۔ اس کا یہ شوق برسات کے موسم میں اور ترقی کر جاتا۔ جب چاروں طرف سے کالی کالی گھٹائیں جھوم جھوم کر آتیں اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے انسانوں کو مست کر دیتے تو وہ اٹھلاتی ہوئی میرے قریب آتی اور چارپائی پر چڑھ کر شاخوں کو چھونے لگتی اور جب بارش شروع ہو جاتی تو میری ٹہنیوں کے نیچے کھڑی ہو جاتی۔ جہاں تک مجھ سے ہو سکتا میں اسے پانی کی گستاخ اور بے ادب بوندوں سے بچاتا۔ لیکن جب میں بھی مجبور ہو جاتا تو وہ بھاگ کر برآمدے میں چلی جاتی۔ وہاں کرسی کھینچ کر بیٹھ جاتی۔ یہ سارا منظر مجھ پر ایک عجیب کیفیت طاری کر دیتا۔ میں خوشی میں خوب جھومتا اور وہ مست و بیخود کھڑی ہوئی مجھ کو تکتی رہتی۔

برا بارش تھمتی تو پھر میرے قریب بھاگ آتی اور اگر میری شاخوں سے کھیلنے لگتی۔ کبھی کبھی اپنے بھائی کو بھی لے آتی اور اس پر میری شاخیں ہلا ہلا کر مصنوعی بارش برساتی۔

یہ دن میری زندگی کے بہترین دن تھے۔

پھر میں اتنا بڑا ہو گیا کہ وہ چارپائی پر کھڑی ہو کر بھی میری ٹہنیوں تک نہ پہنچ سکتی۔ شاید میری اس بات سے ناراض ہو کر یا کسی اور وجہ سے وہ دوسرے کوارٹر میں چلے گئے۔ اب مجھے وہ باتیں تو نصیب نہ تھیں لیکن میں اپنی مہربان کو تقریباً ہر وقت ہی دیکھ سکتا تھا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ انھوں نے اس وقت کوارٹر بدلا جب میں دیواروں سے بڑا ہو گیا۔ ورنہ میں اپنی کرم فرما کی دید سے بھی محروم رہ جاتا۔

ان کے جانے کے بعد ہی میرے برے دن آ گئے کوارٹر میں پہلے کی سی رونق تو کبھی نظر آئی ہی نہیں۔ اور اگر آئی بھی تو صرف کچھ ہی دنوں کے لئے اور پھر کسی نے میری طرف توجہ نہیں کی۔ میں پیاسا اور بھوکا مرنے لگا۔ جیسے کوئی یتیم بچہ۔ جس کے ماں باپ اسے دنیا میں تنہا اور بے یار و مددگار چھوڑ گئے ہوں اور اس پر ستم یہ کہ میری شاخیں توڑی جانے لگیں چونکہ میں باہر کے آدمیوں کو نظر آنے لگا تھا۔ اس لئے ہر صاحب ضرورت آ کر صاحب مکان سے میرے اعضا کاٹ لے جانے کے متعلق درخواست کرنے لگا۔ اور صاحب مکان ایسے نیک دل ہیں کہ انکار کرنا جانتے ہی نہیں۔ جب کوئی میری شاخ توڑتا ہے تو بچپن کا وہ زمانہ میری آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ [illegible] توڑنے پر لڑکی اپنے بھائی سے لڑ پڑی [illegible]۔

[illegible]

دیکھتی اور دانت پیس کر رہ جاتی پھر کچھ نہ کہتی اور خاموش ہو جاتی۔ میں اسی میں خوش تھا کہ کسی کو تو میری تکلیف اور مصیبت کا احساس ہے اب وہ بھی ہفتوں نظر نہیں آتی۔ لڑکا ہر روز گھر میں رہتا ہے لیکن لڑکی کا پتہ نہیں۔ البتہ اس کی جگہ ان کے یہاں ایک اور لڑکی آ گئی ہے۔ لیکن یہ تو میری طرف کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتی۔ لڑکے کو دیکھ دیکھ کر مسکراتی رہتی ہے۔ آم کی حالت بھی خراب ہے اسے بھی ان کی جدائی کا غم ہے ہمارا جی اکثر چاہتا ہے کہ ہم گلے مل کر خوب روئیں لیکن ہماری شاخیں ایک دوسرے کے قریب قریب پہنچ کر رہ جاتی ہیں۔ ظفر واسطی

سمن بغرض انفصال مقدمہ (آرڈر ۵ قواعد ۱ و ۵ مجموعہ ضابطہ دیوانی سنہ ۱۹۰۸ء) نمبر مقدمہ ۲۳۹ سنہ ۱۹۳۸ء

بعدالت جناب تحصیلدار صاحب مقام محمد آباد ضلع غازی پور

مہاراجہ بہادر رام رن بجے پرساد سنگھ مالک ریاست دوہراواں مدعی بنام سیتا رام رائے ولد رام دھاری رائے ساکن موضع سوروت پرگنہ محمد آباد ضلع غازی پور واضح ہو کہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابتہ بقایا لگان کے دائر کی ہے لہٰذا تم کو حکم ہوتا ہے کہ تم بتاریخ ۲ ماہ اپریل سنہ ۱۹۳۸ء بوقت ۱۰ بجے دن مقام محمد آباد اصالتاً یا معرفت وکیل کے جو مقدمہ کے حالات سے قرار واقعی واقف کیا گیا ہو اور جو کل [illegible] متعلقہ مقدمہ کا جواب دے سکے یا جس کے ساتھ کوئی اور شخص ہو کہ جواب ایسے سوالات کا دے سکے حاضر ہو اور جوابدہی دعویٰ کی کرو اور چونکہ [illegible] مقرر ہے واسطے انفصال قطعی مقدمہ کے تجویز ہوئی ہے پس تم کو لازم ہے کہ اسی روز اپنے جملہ گواہوں کو [illegible] دستاویزات جن پر تم تائید اپنے جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو پیش کرو۔ اور تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بغیر حاضری تمہارے مسموع و فیصل ہوگا۔ بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۷ ماہ مارچ سنہ ۱۹۳۸ء جاری کیا گیا۔ دستخط بخط انگریزی

اطلاع۔ اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تمہارے گواہ اپنی مرضی سے حاضر نہ ہوں گے تو تم عدالت ہذا سے سمن بایں مراد جاری کرا سکتے ہو کہ جو گواہ نہ حاضر ہو وہ جبراً حاضر کرایا جائے اور جس دستاویز کو کسی گواہ سے پیش کرانے کا استحقاق رکھتے ہو اس سے پیش کرائی جائے بشرطیکہ تم خرچہ ضروری عدالت میں داخل کر کے اس امر کی درخواست کرو (۲) اگر تم مطالبہ مدعی کو تسلیم کرتے ہو تو تم کو لازم ہے کہ روپیہ مع خرچہ نالش عدالت میں داخل کرو تاکہ کارروائی اجرائے ڈگری کی جو تمہاری ذات یا مال یا دونوں پر ہو کرنا نہ پڑے۔

مہر عدالت ، دستخط

غزل

از جناب چوہدری عبدالرشید صاحب تبسم بی اے

فکر فردا اور مآلِ کار کی باتیں کریں
یا یہ سب کچھ چھوڑ دیں اور پیار کی باتیں کریں

کیا عجب کوئی تڑپ کر پھر انا الحق کہہ اُٹھے
آؤ ہم افشائے رازِ دار کی باتیں کریں

جھانک کر دیکھے کوئی شاید غرورِ حُسن سے
زیرِ روزن طاقتِ دیدار کی باتیں کریں

دل کے ہر ذرے پہ ناگہ بجلیاں گرنے لگیں
ہم ذرا چھپ کر نگاہِ یار کی باتیں کریں

وہ خفا ہوتے ہیں ذکرِ چشم سُن کر بار بار
آؤ اب ہم نرگسِ بیمار کی باتیں کریں

عقل نے چھیڑی ہے پھر محفل میں بحثِ ممکنات
آتشِ نمرود اور گلزار کی باتیں کریں

کم نہیں دلچسپ کچھ اپنوں کی روداد کرم
کس لئے ہم بیٹھ کر اغیار کی باتیں کریں

حُسن نے ہم کو سنا کر ذکرِ رسوائی کیا
کیوں نہ ہم بھی مصر کے بازار کی باتیں کریں

آج ان کے روبرو ہو دل کے زخموں کا شمار
اور بظاہر ان سے لالہ زار کی باتیں کریں

ان پہ اپنی لغزشوں کی سب حقیقت کھول دیں
مصلحت یہ ہے کسی میخوار کی باتیں کریں

پھر فرشتے شرم سے اقرارِ لاعلمی کریں!
ہم اگر اسمائے پر اسرار کی باتیں کریں

نہیں گذریں تبسم مرگیا جانے بھی دو
تا کجا ہم اس خدائی خوار کی باتیں کریں

خواب[1]

محترمہ ریحانہ بیگم صاحبہ

۱

ابھی انٹرول میں چار یا پنچ منٹ باقی تھے کہ بیرے نے آواز دی "ریحانہ بی یہ خط لو۔ بس "لاؤ" کہتی ہوئی آگے بڑھی اور خط لے آئی پہلے لفافہ کو ادھر ادھر گھما کر دیکھا اور اس کے بعد مُہر دیکھی جس سے معلوم ہوا کہ جامع مسجد سے ڈالا گیا ہے۔ میں مجسمہ حیرت بنی ہوئی تھی کہ آخر یہ کون ہے؟ جس نے مجھے یہ لال لال خط لکھا ہے۔ لفافہ پر بھی کہیں نام نہ تھا آخر لفافہ چاک کیا اور خط پڑھنا شروع کیا۔

۱۵۔ اروِن روڈ، نئی دہلی،

مائی ڈیرسٹ ریحانہ!

مجھے تم نہیں جانتیں لیکن میں تو ضرور واقف ہوں میں کون ہوں اور تم کو کیونکر جانا؟ یہ بھی سن لو۔ میرا نام احمد جمال ہے۔ میں نے تمھیں ایک دن تمھارے سکول کی چھت پر دیکھا تھا۔ تم اپنی چند سہیلیوں کے ساتھ اچک پھاند کر رہی تھیں۔ میں تمھاری متوالی صورت دیکھ کر ٹھیر گیا۔ دیر تک تمھیں کو تکتا رہا بالآخر تمھارا گھنٹہ ختم ہو گیا اور تم چھت سے نیچے اتر آئیں۔ میں تمھارے سکول کے ارد گرد چکر کاٹتا اور ڈھونڈھتا رہا، لیکن آہ — تمھاری وہی — اور بھولی بھالی صورت پھر نظر نہ آئی۔

میں ناکام واپس آیا۔ دوسرے دن پھر تمھاری جستجو میں تمھارے سکول پہنچا۔ تمھاری چھٹی ہو چکی تھی۔ تم اپنی چند سہیلیوں کے ساتھ اسکول کے کسی موضوع پر بحث کرتی ہوئی باہر آئیں۔ تمھارے برقعہ کی نقاب الٹی ہوئی تھی۔ میں فوراً پہچان گیا کہ تم ہو۔ اب میرے دل میں خلش پیدا ہوئی کہ تمھارا نام معلوم کروں۔

میں داہنی جانب تمھارے ساتھ ساتھ چل رہا تھا اور تم سب کی پرلطف تکرار سن رہا تھا.... کہ میں "ریحانہ" کے نام سے چونک پڑا۔ تمھاری کسی سہیلی نے تمھیں مخاطب کرنے کے لئے تمھارا نام لیا تھا۔ میری خوشی کی کوئی حد نہ رہی جب میں نے تمھارا پیارا پیارا نام سنا۔

میں نے اکثر تمھیں خواب میں بھی دیکھا اور اب ایک عرصہ بعد تمھاری یاد نے میرے دل کو پھر بیقرار کیا اب میری صرف ایک آرزو تمھیں دیکھنے کی ہے۔ کیا تم ایک بار پھر اپنی پیاری صورت دکھا دو گی؟

خدا کے لئے اس خط کا جواب جلد دینا۔ امید ہے کہ تم بخیریت ہو گی۔ تمھارا اور صرف تمھارا

احمد جمال

۲

میں نے خط کو چپکے سے انگریزی کی کتاب میں رکھ دیا اور مسکرانے لگی۔ یہ خیال کر کے کہ دنیا میں میرے بھی چاہنے والے ہیں۔ انٹرول بھی شروع ہو گیا۔ آدھ گھنٹہ کا طویل وقفہ تھا۔ اس وقفہ کو ختم کرنے کی غرض اسکول کے باغ میں چلی آئی۔ ایک درخت سے پھول توڑ رہی تھی کہ ... کی آواز قہقہہ کے ساتھ میرے کانوں میں گونجی ... مائی ڈیرسٹ ...

[1] یہ ایک سچا خواب ہے جسے افسانہ کی شکل میں پیش کر رہی ہوں۔ (ریحانہ)

آہا! کتنا مزہ ہے- میں نے مُنہ پھیر کر دیکھا تو سعیدہ، شیلا اور حمیرا، کھڑی ہوئی قہقہہ پر قہقہہ لگا رہی تھیں- حمیرا کے ہاتھ میں وہی "احمد" کا خط تھا جو میں ابھی ابھی کتاب میں رکھ کر آئی تھی- میرے تمام جسم میں بجلی کی ایک لہر سی دوڑ گئی- سنبھل کر کے چپکے چپکے آگے کو بڑھ گئی- ان لوگوں نے بھی میرا تعاقب کیا- میں سیدھی کلاس میں آئی اور کرسی پر بیٹھ کر کتابیں الٹنے پلٹنے لگی- فوراً ہی وہ سب بھی آ گئیں- اور مجھے خط کے جملوں کو پڑھ پڑھ کے چھیڑنے لگیں- میں عاجز آ گئی تھی اتنے میں حمیرا میری پشت کی کرسی پر بیٹھ گئی اور ذرا اونچی آواز سے اس خط کو پڑھنے لگی- بعض جملوں کو مسکرا کر اور ذرا بلند آواز سے پڑھتی-

مجھے ان باتوں سے حمیرا پر غصہ آ گیا- اور میں نے کہا "جاؤ بس رہنے دو یہ فضول مذاق"۔

"ہونہہ، میں بھلا کیا کر رہی ہوں، اپنے احمد کا خط پڑھتی ہوں اور کیا کرتی ہوں"۔ حمیرا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا کرتی ہوں"۔ میں نے ذرا مُنہ بنا کر اس کے آخری جملہ کو دہرایا۔

"ارے پاگل ہو گئی ہے- خط پڑھنا بھی کوئی گناہ ہے- کیا خوب؟" حمیرا نے کہا-

میں نے زور دیتے ہوئے لہجہ میں جواب دیا "ہاں گناہ ہے"۔

(۳)

(ابھی انٹرول ختم نہیں ہوا سب کلاس میں بیٹھی ہیں)

"شیلا! ذرا دیکھو، احمد جمال کو جواب تو لکھ دو"۔ حمیرا نے شیلا سے کہا۔

شیلا نے کہا- "کون احمد جمال، میں کیا جانوں؟"

"ارے وہی ڈیرسٹ کے ڈیرسٹ" حمیرا نے کہا-

"اچھا..... ہاں سمجھ گئی"۔ شیلا نے کہا-

"تو میں کیوں خط لکھنے لگی- لکھیں وہ جن کے پاس خط آیا ہے جن کے ڈیرسٹ ہیں"۔ شیلا نے پھر کہا۔

"ارے تو بھئی ریحانہ ہی کی طرف سے لکھ دو نا؟" حمیرا کہنے لگی-

"ہاں لکھ دوں گی مگر حمیرا ذرا پتہ تو بتا دو"۔ شیلا نے کہا-

"۱۵- ارون روڈ- نئی دہلی" حمیرا نے جواب دیا-

شیلا نے خط لکھنا شروع کیا-

.......سکول- نئی دہلی!

میرے بہت پیارے احمد جمال!

پیام محبت! تمہارا پیارا نامہ محبت ابھی ابھی ملا- جس کے جواب میں یہ دو چار سطریں لکھ رہی ہوں- ہاں مجھے اپنا ایک فوٹو بھیج دو- گر ذرا اچھا ہو- میں بھی اپنی فوٹو بھیجدونگی- لیکن پہلے تم بھیجو- مفصل خط بعد میں لکھونگی ابھی فرصت نہیں ہے- اپنا فوٹو بہت جلد بھیجدو میں منتظر رہونگی- تمہاری

ریحانہ بیگم

"حمیرا دیکھو! خط ٹھیک ہے نا؟" اور شیلا خط کو زور زور پڑھنے لگی- مجھ سے اب نہ رہا گیا- میں بیتاب ہو کر شیلا پر جھپٹی- وہ بچکر باہر نکل گئی- حمیرا شرارتی قہقہہ لگانے لگی- میں آ کر کرسی پر بیٹھ گئی- اتنے میں انٹرول کے ختم ہونے کا گھنٹہ بج گیا-

(۴)

آج اس واقعہ کا چوتھا دن ہے- میں انٹرول میں اسکول کے باغ کے ایک درخت کی شاخ پر بیٹھی ایک گیت گا رہی تھی......

دل گیا جانے دو اس بت کی ہے ایمانِ نظر
آنکھ میں اپنی مروت ہے خدا خیر کرے

ابھی دوسرا شعر شروع نہ کرنے پائی تھی کہ پیچھے سے کسی نے میرے دونوں لبوں پر ایک تصویر لگا دی- میں نے مڑ کر دیکھا تو وہی حمیرا- میں جیسے ہی مڑی ویسے ہی حمیرا کے نازک لبوں کو جنبش ہوئی اور میرے کانوں نے اسے یہ کہتے ہوئے سُنا- "اے ہے کتنی پیاری صورت ہے"۔

میں نے بیتاب ہو کر حمیرا کے موٹے موٹے اور انگارہ جیسے سُرخ رخساروں پر ایک زور کا تھپڑ رسید کیا- نتیجہ برخلاف نکلا یعنی بجائے رونے کے وہ ہنسنے لگی- ہنسی کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ سے تصویر گر گئی- لیکن اسے نہ معلوم ہوا- میں آہستہ سے نیچے اتر آئی اور حمیرا کو پیچھے دھکیل کر وہ تصویر اٹھائی اور بھاگ کر چنبیلی کے پودوں میں چھپ کر بیٹھ گئی- حمیرا نے نہ دیکھا اور اِدھر اُدھر کہیں ڈھونڈنے چلی گئی- میں نے اس تصویر کو غور سے دیکھا- نیچے نیلی روشنائی سے "احمد" لکھا تھا- اُف

کس غضب کا حسن خدا نے احمد کو دیا ہے۔ میں کبھی اس تصویر کو چومتی کبھی دل کے قریب لے جاتی لیکن تسکین نہ ہوتی۔ اس تصویر کو پھر اپنے لبوں کے قریب کرنے ہی والی تھی کہ ٹن ٹن کی آواز آئی اور پھر میں دوڑ کر اپنے کلاس میں گھس گئی۔

۵

انگریزی کا گھنٹہ تھا۔ مس ممتاز نے اس گھنٹہ کو اٹنڈ Attend کیا۔ مس ممتاز سے ہم لوگ خوب باتیں کرتے اور اکثر مذاق بھی کرتے تھے۔ لیکن وہ کچھ کہتی نہ تھیں اور ہنسکر ٹالدیتی تھیں۔ آج بھی محض مجھے چھیڑنے کی غرض سے حمیرا نے کھڑی ہو کر مس ممتاز سے پوچھا۔ "مس ممتاز! ڈیرسٹ کے کیا معنی ہیں؟" مس ممتاز نے بات کو سمجھتے ہوئے ہنسکر ٹال دیا حمیرا ہنستی ہنستی اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی اور مجھے کنکھیوں سے دیکھتی اور اشاروں سے چھیڑتی رہی۔ میں نے سوچا کہ عرضی لکھدوں اور جا کر گھر میں تنہا لیٹ رہوں تب شاید ان لوگوں سے نجات ملے۔ میں نے یہی کیا اور عرضی دے کر گھر آ گئی اور بستر پر لیٹ گئی۔ احمد کی خیالی دنیا میں پہنچی۔ کچھ غنودگی سی معلوم ہوئی تھوڑی دیر بعد گہری نیند سو گئی۔

۶

"ریحانہ آپا، ریحانہ آپا۔ اٹھئے دیکھئے آٹھ بج گئے۔ آپ ابھی تک سو رہی ہیں اسکول کو دیر ہو رہی ہے۔" ان الفاظ نے مجھے نیند سے بیدار کر دیا میں آنکھیں ملتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔ سامنے میرا چھوٹا بھائی احمد کھڑا تھا۔ میں اسے دیکھ کر مسکرا دی وہ بھی نہ جانے کیا سمجھا اور باہر بھاگ گیا.....

میں چارپائی پر بیٹھی خواب کے متعلق سوچ رہی تھی کہ اتنے میں ٹیلیفون کی گھنٹی بجی میں نے ریسیو کیا۔ یہ فون حمیرا نے سکول سے کیا تھا اور دیر ہونے کا سبب دریافت کیا تھا۔ میں نے جواب میں "اچھا آ رہی ہوں" کہا اور سلسلہ کلام منقطع کر دیا۔

نوجوان بیوہ کی فریاد

از جناب محمد حسین صاحب مکی العربی

کبھی یہ پھول کھلے تھے بہار آئی تھی ۔۔۔ نسیمِ خلد گلستاں میں مسکرائی تھی
مرے شباب میں رنگینیٔ محبت تھی ۔۔۔ مرے خیال میں آباد ایک جنت تھی
نشاطِ گلشن ہستی تھی روبرو میرے ۔۔۔ مچل رہی تھی کبھی دل میں آرزو میرے
مری حیات کو دلچسپیاں میسّر تھیں ۔۔۔ مرے خیال کو رنگینیاں میسّر تھیں
منا منا کے انھیں رات بھر ستانا بھی ۔۔۔ ادا بھی، ناز بھی رونا بھی مسکرانا بھی
وہ شوخیاں مری وہ روٹھنا کسی سے مرا ۔۔۔ وہ ان کا ہاتھ پکڑ لینا عاجزی سے مرا
مرے دماغ میں بس اک خیالِ رنگیں تھا ۔۔۔ مری نظر میں مرقّعِ جمالِ رنگیں تھا
خوشی کے دن تھے وہ میرے خوشی کی رات مری ۔۔۔ شراب و شعر میں تھی غرق کائنات مری

اُجڑ گئی مری اب وہ سہاگ کی دُنیا
کسی کی یاد ہے، میں ہوں اور آگ کی دُنیا

دنیا کا سب سے پہلا روشنی کا مینار

ایک تاریخی مکاشفہ

از جناب سجاد ہاشمی صاحب چنیوٹوی

ایشیائے کوچک کی فتح کے چند سال بعد سکندر اعظم نے ملک مصر کو تحت میں لانے کا فیصلہ کیا۔ سخت جنگ و جدل کے بعد وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا۔ جب لڑائی ختم ہوئی تو اس نے ایک بہت بڑی کشتی بنانے کا حکم دیا۔ جس میں بیٹھ کر اس نے دریائے نیل کے دہانے کی طرف سفر کرنا شروع کیا۔ جب بڑی مشکلات کے بعد وہ دہانے پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہاں صرف مٹی کی بنی ہوئی چند جھونپڑیاں ہیں اس نے فوراً تاڑ لیا کہ یہ جگہ بندرگاہ کے لئے نہایت موزوں ہے جس کے باعث اس کے نئے ملک کی تجارت کو بہت فروغ ہوگا۔ چنانچہ اس نے اس مقام پر اپنے نام کا ایک شہر آباد کرنے کا ارادہ کیا تاکہ آئندہ اقوام کو معلوم ہو سکے کہ یہ شہر مصر کے فاتح نے بسایا تھا۔

سکندر نے ایک ماہر فن تعمیر کو بھیجا کہ وہ جلد مصر پہنچے اور اسکندریہ کے نام سے ایک نہایت عالیشان شہر تعمیر کرے۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں سکندر کی سعی و کوشش سے وہاں ایک عظیم الشان شہر بن گیا جس کے محلات اور باغات کے زینے سمندر تک پہنچے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے اس شہر کی عظمت و شوکت دور و نزدیک پھیل گئی اور یہ شہر تعلیم کا مرکز بھی بن گیا۔ کیونکہ کئی کالج اور سکول وہاں کھول دیئے گئے تھے ہزارہا عالموں اور فاضلوں کو اس جگہ بلایا گیا۔ ان میں یونان کا مشہور فلاسفر ارسطو بھی تھا جو کہ سکندر کا اتالیق تھا۔

اگرچہ سکندر نے اس شہر کو اپنے نام پر آباد کیا لیکن اس کو پایہ تکمیل کے بعد نہ دیکھ سکا جیسا کہ نپولین بونا پارٹ نے کہا ہے: "سکندر نے اپنی تمام فتوحات کی بہ نسبت شہر اسکندریہ کو آباد کر کے زیادہ نام پیدا کیا ہے" اگرچہ اپنی زندگی میں سکندر یہاں نہ آیا لیکن وفات کے بعد اس کی لاش کو دفن کرنے کے لئے یہیں لایا گیا۔ اور اس بہادر شہنشاہ کو ایک نہایت شاندار مقبرے میں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ دفن کیا گیا۔ یہ مقبرہ اب بہت خستہ حالت میں ہے اور شہر کے ایک معمولی اور قدیم کوچہ میں واقع ہے۔

سکندر کی وفات کے بعد اس کے تمام مفتوحہ ممالک اس کے مشہور جرنیلوں میں تقسیم ہوگئے چنانچہ مصر اور بندرگاہ اسکندریہ مشہور سپہ سالار ٹالمی Ptolemy کے حصہ میں آئی۔ اس کے عہد میں تجارت کو نہایت فروغ ہوا اور باشندگان شہر نہایت خوشحال اور فارغ البال ہوگئے۔ اسباب سے لدے ہوئے بحیرۂ روم کی بندرگاہوں سے آتے اور مصر کی پیداوار لاد کر لے جاتے۔ اس زمانہ کے جہاز زمانہ جدید کے جہازوں سے بالکل مختلف تھے۔ وہ محض بڑی کشتیاں تھیں یا ہلکے بادبانی جہاز۔ چنانچہ اگر کافی روشنی کا انتظام نہ ہوتا تو یہ بڑی بڑی چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتے۔ لاتعداد چٹانوں کی وجہ سے اسکندریہ کی بندرگاہ نہایت خطرناک تھی۔ کئی جہاز ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ بیش بہا سامان تجارت کے علاوہ کئی جانیں بھی تلف ہوگئیں۔

ایک شب کو دو جہاز آندھی کی وجہ سے چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہوگئے اور تمام ملاح غرق ہوگئے۔ ایک آدمی کو خیال آیا کہ یہاں روشنی کا ایک بہت اونچا مینار بنانا چاہیئے جس کی روشنی دس بارہ میل تک پہنچے اور بندرگاہ میں جہاز بحفاظت داخل ہو سکیں۔ یہ ایک [illegible] اچھوتا خیال تھا اس سے پہلے کہیں بھی روشنی کا کوئی مینار موجود

اس خیال کو بہت پسند کیا اور شاہ ٹالمی سے درخواست کی کہ ایک ایسا مینار فوراً تعمیر کیا جائے اور اس کو مضبوط بنانے کے لئے بیدریغ روپیہ خرچ کیا جائے۔ بادشاہ نے اس درخواست کو بسروچشم قبول کیا اور بے اندازہ روپیہ خرچ کرنے کا حکم دیا تاکہ یہ مینار آندھی اور طوفان کا مقابلہ کرسکے اس کے علاوہ یہ بھی حکم دیا کہ یہ مینار بہت اونچا ہو تاکہ اس کی روشنی دور تک جاسکے اور عظیم الشان بندرگاہ اسکندریہ کے شایان شان ہو۔ پھر محل وقوع کا سوال پیدا ہوا۔ آخر کار یہ طے ہوا کہ یہ مینار جزیرہ فارس میں جو کہ اسکندریہ کے ساتھ ملا ہوا تھا بنایا جائے۔ مینار کا نقشہ ایک یونانی ماہر نے بنایا اور اسی نقشے پر تعمیر کیا گیا۔ یہ مینار صنعت اور کاریگری کا نہایت اعلیٰ نمونہ ہے۔ پتھر کے بڑے بڑے ٹکڑوں کو پگھلائے ہوئے سیسے سے جوڑا گیا تھا۔ چھ سو فٹ اونچا اور آٹھ منزلہ تھا۔ اس میں آٹھ سو کمرے تھے سمندر کی طرف کھلنے والی کھڑکیوں میں رات کو بہت زیادہ آگ جلائی جاتی تھی۔ اس مینار پر پالش شدہ دھات کی تہ چڑھی ہوئی تھی۔ یہ اتنی صاف تھی کہ جہازوں کا عکس اس میں دکھائی دیتا تھا اور اسی وجہ سے روشنی اور بہت زیادہ تیز نظر آتی تھی۔ چونکہ یہ مینار بہت بلند تھا۔ اس لئے اس کی روشنی تقریباً سو میل تک دکھائی دیتی تھی۔

کہتے ہیں کہ لڑائی کے دنوں میں مصری لوگ اس پر بڑے بڑے شیشے رکھ دیتے تھے جن کا عکس دشمنوں کے جہازوں پر پڑتا اور ان کی تپش کی تیزی سے آگ لگ جاتی تھی۔ جب مینار مکمل ہو چکا تو شاہ ٹالمی نے اس پر اپنا نام کندہ کرایا۔ یہ مینار دنیا میں سب سے پہلا روشنی کا مینار تھا۔

صدیوں کے بعد جب اہل عرب نے اسکندریہ کو فتح کیا تو کسی نجومی نے کہا کہ اس مینار کی تہ میں بے شمار دولت دبی پڑی ہے۔ جب مینار کو گرایا گیا تو معلوم ہوا کہ نجومی نے جھوٹ کہا تھا۔ اور جو باقیماندہ حصہ تھا وہ چودھویں صدی کے زلزلے سے تباہ ہو گیا۔

سجاد ہاشمی چنیوٹی

افکار

(از جناب سجاد ہاشمی صاحب چنیوٹی)

غمزدوں کو راحتوں سے کام کیا — عاشقوں کے واسطے آرام کیا
بے پئے جب مجھکو آتا ہو سرور — پھر خیال بادۂ گلفام کیا
ہوں مبارک یہ تمھیں کو زاہدو — خلد کی حوروں سے ہم کو کام کیا
عمر بھر مانگی بت کافر کی خیر — اب بدن پر جامۂ احرام کیا
رات دن بھرتا ہے آہیں کس لئے — ہو گیا تجھکو دل ناکام کیا
عشق میں دیدیں اگر جان حزیں — دہر میں ہو جائیں گے بدنام کیا
پھر نہ پوچھو کس طرح کٹتے ہیں دن — دل جلوں کی صبح کیا اور شام کیا
عشق کا آغاز اچھا ہو گیا — دیکھئے ہوتا ہے اب انجام کیا

فرقت دل میں نہ اب سجاد رو
پھر ترے سر میں خیال خام کیا


اس نادر موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیجئے!
KAMINIA OIL
کامینا
حسن و خوبصورتی کا معاون ہے
پورے سیٹ کی قیمت چار روپے للعہ
سافٹ گلاسی ہیر کامینیا آئیل (رجسٹرڈ) قیمت فی بوتل ایک روپیہ علاوہ محصولڈاک
مرجھائے ہوئے اور پژمردہ بالوں کیلئے جو اپنی چمک زائل کر چکے ہوں بہت مفید ہے اس کے باقاعدہ استعمال سے بال گھنے اور لمبے ہو جاتے ہیں
کامینیا سنو (رجسٹرڈ) نہایت عمدہ برف کی سی سفید ہے۔ خوشبو نہایت دلکش ہے جلد کو بالکل صاف کر دیتی ہے اور اس کے استعمال سے جلد مخمل کی طرح نرم ہو جاتی ہے۔ قیمت بارہ آنے فی شیشی علاوہ محصولڈاک
KAMINIA SNOW
کامینیا وائٹ روز سوپ (رجسٹرڈ) آپ کے روزانہ غسل کے لئے ایک خوشبودار صابن ہے جس کے
اجزائے ترکیبی صفائی اور جراثیم کشی میں بہترین امتیازی حیثیت رکھتے ہیں قیمت فی ڈبہ (۳ ٹکیاں) چھ آنے علاوہ محصول
او ڈی کولون دل بہار غسل کرنے یا شیو کرنے کے بعد او ڈی کولون دل بہار ضرور استعمال کیجئے۔ یہ خوشبو خوشبوؤں کی رانی ہے اس کے چند قطرے لگانے سے آپ جنت کی خوشبوؤں میں گھر جاتے ہیں قیمت بارہ آنے فی ڈرام قیمت ½ اونس ایک روپیہ چار آنے علاوہ محصولڈاک،
نمونہ مفت طلب کرنے کیلئے او ڈی کولون دل بہار کے لئے ۲ ارادسانی ہر چیز کے نمونے کیلئے تین پیسے کے ٹکٹ
Dil BahaR
یہ کوپن کاٹ لیجئے
میسرز، اینگلو انڈین ڈرگ اینڈ کیمیکل کمپنی بمبئی نمبر ۲ (زیڈ)
براہ کرم مجھے کامینیا سیٹ جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے رجسٹرڈ پوسٹ پارسل
یا انڈین پوسٹل آرڈر کے ذریعہ بھیج رہا ہوں۔
کامینیا
تیل۔ ایک بوتل
سنو ایک شیشی
وائٹ روز سوپ
او ڈی کولون
نام
پورا پتہ
ڈاکخانہ
ضلع



علم الجمال میں حیرت انگیز اضافہ
دل روز
رجسٹرڈ
تاجر الدین لینڈ منسٹر دل روز دوا
لاہور

اپنے لمحات فرصت کی قدر کرنا سیکھیں!

مندرجہ ذیل علمی و ادبی جواہر پارے ضرور ملاحظہ فرمائیں

علامہ سر اقبال کا پیغام مسلمانان عالم کے نام

اے نوجوان مسلم تدبر بھی کیا تو نے — وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
اس قوم نے پالا ہے آغوش محبت میں — کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاج سر دارا

چودہ سو سال کی مستند اسلامی تاریخ

العز ... جس پر تمام اسلامی مقتدر اخبارات نے شاندار ریویو کئے ہیں

تاریخ اسلام مکمل پانچوں حصے میں مجلد سنہری جس میں زمانہ اسلام سے قبل ایکسو سال کے زمانہ جاہلیت کے حالات اسلام کی مقدس تعلیم۔ ہادی اسلام صلعم ... مکمل سوانح حیات، خلفائے راشدین، خلفائے بنو امیہ، خلفائے عباسیہ، خلفائے عثمانیہ و ... ان احبار کی مفصل تاریخ کے علاوہ تبلیغ و اسلامی طریق تمدن و طرز معاشرت پر مفید ... کی گئی ہے۔ قیمت مجلد سنہری صرف تین روپے (للعہ)

اسلام کے مایہ ناز مجاہد معظم سپہ سالار اعظم حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی ... حیات اور انکی سرکرف مجاہدانہ جان نثاریوں کے تھرا دینے والے واقعات

سیرۃ خالد بن ولید

... کر پڑھئے جن کی شمشیر خارا شگاف کے آگے بڑے بڑے باجبروت ... بادشاہ باوجود لکھوکھا لشکر جرار رکھنے کے لرزہ براندام رہتے تھے ... تقریباً ۲۵۰ صفحات کی ایسی تاریخ ہے جس میں ہر ایک واقعہ ... مستند تاریخی کتب کے حوالے بھی دیئے گئے ہیں۔

قیمت صرف ایکروپیہ عہ

ادیب شہیر ایم۔ اسلم کے دو جدید شاہکار

تغییر حیات (چالیس افسانوں کا مجموعہ)

جن اصحاب نے ایم۔ اسلم صاحب کے افسانے پڑھے ہیں ان کو معلوم ہے کہ ایم۔ اسلم صاحب ان معمولی واقعات میں جو انسان کی نگاہ میں کچھ وقعت نہیں رکھتے ایسا رنگ بھر دیتے ہیں کہ پڑھنے والے کی سو بار پڑھکر بھی طبیعت سیر نہیں ہوتی ہے۔ ہر ایک افسانہ مکمل ڈراما معلوم ہوتا ہے۔ لہذا تغییر حیات قابل مصنف کے ایسے ہی دلکش اور پرتاثیر چالیس افسانوں کا مجموعہ ہے جسکا حجم تقریباً ساڑھے سات سو صفحات ہے اور نہایت خوشخط گلیز کاغذ پر طبع ہوا ہے مجلد سنہری ڈائی کی خوبصورت جلد قیمت صرف دو روپے آٹھ آنے عہ

آشوب زمانہ

یہ بھی ایم۔ اسلم صاحب کی بہترین تصنیف ہے جس میں قابل مصنف نے اپنی وسعت مشاہدہ، تعمق نظری۔ معلومات نفس انسانی کے مطابق نہ صرف مرد و عورت کے ربط و ضبط جذبات محبت کا فلسفہ بیان کیا ہے بلکہ اخلاق ادب، تمدن، معاشرت پر بھی بحث تمحیص کی ہے آخری صفحات پر نالۂ فراق کے نام سے قابل مصنف نے ایک امیدوار محبت کا ایسا مایوس کن واقعہ لکھا ہے جس کو پڑھکر پتھر دل انسان بھی آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ قیمت صرف ایکروپیہ عہ

ملک دین محمد اینڈ سنز پبلشرز تاجران کتب بل روڈ کشمیری بازار لاہور

تہذیب کی کے نقائص کا سوجھ تہذیب و تمدن ہائے ضمیر کو کس طرح مردہ کر رہا ہے۔ اس کا ایک بلکا سا عکس مجنوں کی ڈائری میں دیکھئے اور اندازہ کیجئے کہ اگر یہی کا مدعی رہا تو سو سال کے بعد ہماری کیا حالت ہوگی بیحد دلچسپ کتاب۔ قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

تین پیسے کی چھوکری

از قاضی عبدالغفار مصنف "لیلیٰ کے خطوط" یہ افسانے قاضی صاحب کی دماغی کاوش کا نتیجہ ہیں۔ وثوق سے کہا جاتا ہے کہ یہ افسانے اردو لٹریچر میں ایک حسین اضافہ ثابت ہونگے جو حضرات افسانہ نگاری کے شائق ہیں اور افسانوں میں حقیقی روح دیکھنا چاہتے ہیں ان کو جلد از جلد آرڈر بھیجنا چاہئے۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔ علاوہ محصولڈاک۔

لمحات رنگین

مس زبیدہ سلطانہ کے حسین افسانوں کا مجموعہ ہے جسے مصنفہ نے نہایت کاوش اور محنت سے لکھا ہے۔ قیمت دو روپے عگر۔

ناظمہ کی آپ بیتی

ایک شریف زادی کی عبرتناک آپ بیتی، یہ نہ کوئی افسانہ ہے نہ کہانی بلکہ ایک سچا واقعہ ہے جس کے پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ کتاب تین حصوں میں تقسیم ہے دوشیزگی ازدواجی زندگی اور ایکٹرس۔ مصنف کی یہ ادبی کاوش ایک قومی و ملکی خدمت متصور ہو رہی ہے۔ پریس اور پبلک نے نہایت زوردار الفاظ میں اس کا خیر مقدم کیا ہے۔ کتاب بیحد دلچسپ اور واقعات سچے اور مشہور ہیں قیمت عگر

گھر یا پہاڑ

مشہور مزاح نگار حضرت مرزا عظیم بیگ چغتائی کے تازہ ترین طرز تحریر کا شاہکار افسانہ ناول نہایت ہی پُر مذاق اور ظرافت آمیز پلاٹ ہے مصنف نے اپنے شوخ اور مزاحیہ طرز بیان کیساتھ لطف الٰہی علم کے ہنگامہ خیز کرشمے میں عشق و محبت سونے کے کرشمے اور خوفناک سین دکھائے گئے ہیں۔ قیمت ایک روپیہ محصولڈاک ۵ر

خطوط کی ستم ظریفی

خطوط کی ستم ظریفی مرزا عظیم بیگ چغتائی کا ایک ایسا ہنسنے ہنسانے والا ناول ہے جس کی نظیر اردو لٹریچر میں ملنی مشکل ہے۔ قیمت بارہ آنے ۱۲ر

غزال

ترکی ادب کی بہت دلچسپ کتاب جس کا مطالعہ ضروری ہے کہ ایسی [illegible]

ہوشربا ہیں کہ محو حیرت ہوکر رہ جائیں گے۔ قابل مصنف کے نرالے انداز بیان پر بے ساختہ تعریف نکلتی ہے قیمت صرف دس آنے علاوہ محصولڈاک۔

سلامبو

آج سے دو ہزار سال قبل کی قرطاجنہ قدیم کی حسین و جمیل داستان سلامبو مترجمہ مولانا عنایت اللہ صاحب بی اے دہلوی۔ "سلامبو" میں مصنف نے آج سے دو ہزار سال پہلے کے واقعات کی تفصیل پیش کی ہے اور اس جوش اسلوبی کے ساتھ کہ تہذیب و معاشرت، حاکم، محکوم، رزم، بزم، امراء وغرباء، مذہب اور سیر تفریح اور سیر و مذہب کی تصویر دیکھ لیجئے۔ انتہائی منظر حسین سلامبو اور شہزادہ ریگلو کی داستان عشق مرتب کی ہے۔ حسن و عشق کی آویزش، وحشی سپاہ کی بغاوت جنگ کے بھیانک مناظر قتل و غارتگری کی دل ہلا دینے والی روئداد غرضیکہ اس زمانہ کی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس پر فاضل مصنف نے روشنی نہ ڈالی ہو۔ ترجمہ دو جلدوں میں شائع ہوا ہے ضخامت ۔۔ صفحات ہر دو جلد قیمت تین روپے۔

شاخ نبات

معروف مجموعہ کلام حضرت طالب باغپتی جناب طالب باغپتی ملک کے مشہور اور قدیم شعراء میں سے ہیں۔ جن کی ذات علمی و ادبی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں ہے۔ آپ کی تازہ ترین تصنیف شائع ہو چکی ہے جو شاخ نبات کے نام سے بالکل اسم بامسمیٰ ثابت ہو رہی ہے۔ شاخ نبات اس سال کی بہترین تصنیف ہے ضخامت ۲۷۰ صفحات متعدد رنگین تصاویر قیمت ۲

طلسم سلمیٰ

ملک روس کی ایک نہایت دلچسپ داستان۔ سائبیریا اور انارکسٹوں کے خوفناک حالات اس قدر دلچسپ ہیں کہ شروع کرکے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ تاریخی حقائق کو لئے سنگین دہشت انگیز پیرایہ میں کرنا میاں اسلم کی جادو نگاری ہی کا کام ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ چھ آنے ع

عجیب

مشہور مناوی حضرت قاضی عبدالغفار مصنف "لیلیٰ کے خطوط" نہایت دلچسپ تصنیف قیمت ایک روپیہ (عہ)۔

آرائش جمال بالتصویر

اردو زبان میں زنانہ سنگار کے متعلق یہ جو ایک معزز خاتون نے لکھی ہے اور پہلی اس قسم کی دوسری کتاب موجود نہیں تھی جو ہر بہو بیٹیوں کے ہاتھ میں جا سکے۔ کتاب کی خوبیاں پڑھنے سے واضح ہوں گی۔ متعدد بلاک کی تصاویر ۔۔ صفحات مجلد قیمت صرف دو روپے آٹھ آنے عگر

طلسمات

حضرت ... کی عجیب و غریب جگنیوں کے ... قیمت [illegible]

تفسیر حیات ادبی ذوق رکھنے والوں کی نظر میں ایم۔ اسلم صاحب کا ہر ایک افسانہ شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے یہ چالیس افسانوں کا مجموعہ ہے جن میں ہر ایک افسانہ اپنے اندر سیکڑوں رومان انگیز واقعات کا صحیح نقشہ پیش کرتا ہے کتاب کا حجم ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ عمدہ کاغذ دیدہ زیب کتابت قیمت مجلد کتاب دو روپے آٹھ آنے ع۸

آشوب زمانہ اس کتاب میں حضرت مصنف نے اپنی وسعت نظری سے ان تمام واقعات کا ذکر نہایت ہی عمدہ پیرایہ میں کر دیا ہے جو کہ ہر انسان کو آئے دن پیش آتے رہتے ہیں معلومات نفسیات انسانی کے مطابق نہ صرف مرد و عورت کے ربط و ضوابط جذبات محبت کا فلسفہ بیان کیا ہے بلکہ اخلاق و ادب، تمدن و معاشرت پر بھی جامع و مکمل بحث کی گئی ہے، کتاب کو پڑھ کر پتھر دل انسان بھی موم ہو جاتا ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ عہ،

ثمر گناہ ایک نہایت ہی دلچسپ اور سبق آموز کتاب ہے۔ اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ سوسائٹی نہ ہونے کی وجہ سے کون کون سے گناہ انسان سے سرزد ہو جاتے ہیں کتاب میں مختلف پہلوؤں سے روشنی ڈالی گئی ہے کہ سوسائٹی کے رکن کس طرح من مانی کارروائیوں سے بے لوث اور نرم دل انسانوں کو اپنا تختہ مشق بنائے رکھتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ غرض کہ یہ کتاب لکھ کر حضرت مصنف نے اردو زبان کی بہترین کتابوں میں ایک نئی کتاب کا اضافہ کیا ہے قیمت صرف ایک روپیہ عہ،

کارزار حیات اُردو داں حضرات کو ہمیشہ یہی شکایت رہتی تھی کہ اردو زبان میں بہترین کتابیں نہیں ملتیں خدا کا شکر ہے کہ ملک کی سب سے اہم اور بڑی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ایم۔ اسلم صاحب نے کارزار حیات کے نام نامی سے ایک بہترین کتاب تصنیف فرمائی ہے جو کہ قابل مصنف کی دماغی کاوشوں کا بہترین ثمرہ ہے۔ اس کتاب کو آپ شروع سے لیکر اخیر تک پڑھتے جائیں آپ کہیں بھی پڑھتے ہوئے نہیں اکتائیں گے اور بار بار پڑھنے کو جی چاہیگا گویا کتاب کیا ہے مونس تنہائی ہے حجم ۵۰۰ صفحات مجلد ع۸

مرزا جی حصہ اول دوبارہ تیار ہو گیا ہے۔ اس مرتبہ کتابت کی تمام غلطیوں کو درست کر کے از سرِ نو کتاب کو مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب بارہ برس سے ملک میں مقبول ہو رہی ہے جس کتاب کی اتنی بڑی تعریف کی جائے کہ ہے آپ کتاب منگوا کر ملاحظہ فرمائیں۔ یہ کتاب آج تک ملک میں دس ہزار کے قریب فروخت ہو چکی ہے اور ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی ہے نہایت دیدہ زیب ٹائٹل اور بہترین آرٹ کی تصویر قیمت عہ۲

اس نے کہا مصنف "لیلیٰ کے خطوط" کی آخری تصنیف اس نے کہا۔ اس قدر رومان انگیز کتاب آج تک طبع نہیں ہوئی۔ کتاب کا ہر ورق اپنی زباندانی کا بہترین مرقع ہے۔ ہر افسانہ زندگی کے الجھے ہوئے مسائل کا ایک حل ہے۔ پڑھیے اور بار بار پڑھیے قیمت صرف عہ

قلوپطرہ عشق و محبت کی سب سے بڑی اور مشہور داستان مصر کی سرزمین کا معشوق آشنام۔ حسن و عشق کا دیوتا قلوپطرہ کے عشق میں سب کچھ بھول جاتا ہے اور اس سیلاب عظیم کو روکنے کے لئے اہل مصر کے پاس کیا ہے ایک عورت کا دلربا اور حسین جسم جو اپنے آپ کو ملک کے امن و امان پر قربان کرنے کو تلا ہوا ہے اور ملک کو جنگ کی ہولناک تباہی سے بچانے کے لئے بیتاب ہے مگر عشق کی آگ میں قلوپطرہ کو کامیابی نصیب نہیں ہوتی کتاب کا ہر ورق داستان عشق سے معمور ہے۔ ۲۰۴ صفحات مجلد ع۸

حاجت روا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ ہر قسم کی مشکل آسان بار بار کی آزمودہ دعائیں اور تعویذات۔ ایک بار کے عمل سے تمام عمر نجات۔ ہر کام میں فتح و کامیابی۔ کسی عمل کو غلط ثابت کرنے کو مبلغ ایک ہزار روپیہ انعام۔ قیمت مجلد عہ

بہارستان مولانا ظفر علی خاں مدیر روزنامہ "زمیندار" لاہور کی سابقہ و تازہ ترین نظموں کا مجموعہ جو بلحاظ کتابت و طباعت ہندوستان میں اپنی نظیر آپ ہے ۲۰۸ صفحات قیمت للعہ

رباعیات عمر خیام وہ خاص وصف جس نے ان رباعیات کی قبولیت کو انتہائے کمال پر پہنچا دیا ہے طرز ادا کی جدت اور اسلوب بیان کی ندرت ہے۔ قیمت ۶ر

رباعیات عمر خیام مترجم جلال الدین احمد صاحب قیمت عہ

رباعیات عمر خیام مترجمہ میر ولی اللہ صاحب ایڈوکیٹ قیمت عہ

خمکدہ خیام یعنی رباعیات مع ترجم اردو ترجمہ ... آغا شاعر قزلباش آرٹ پیپر پر بہترین کتابت ...

ملنے کا پتہ: دفتر عالمگیر ... سید مٹھا بازار۔ لاہور

عالمگیر ہندوستان بھر کے علمی، ادبی، باتصویر رسائل میں سب سے زیادہ چھپتا ہے !!!

جلد ۲۸ | فہرست مضامین ماہ مئی سنہ ۱۹۳۸ء | نمبر ۶

فہرست مضامین ماہ مئی سنہ ۱۹۳۸ء

ماہ جون میں شائع ہونے والی اشاعت خاص کے متعلق اعلانات (اندر) بغور ملاحظہ فرمائیے

[illegible] نے عالمگیر الیکٹرک پریس لاہور میں چھپوا کر دفتر رسالہ عالمگیر [illegible]

ملاحظات

۲۱ اپریل کی صبح کس قدر منحوس تھی جب دنیانے اپنے ایک بہت بڑے محبوب، فلسفی، سیاستدان اور شاعر علامہ اقبال کی وفات کی اندوہناک خبر سنی،

انا للہ وانا الیہ راجعون

اقبال کی وفات سے صرف علمی اور ادبی حلقوں ہی میں صف ماتم نہیں بچھی بلکہ دنیا کا ہر طبقہ یکساں رنج والم کے ساتھ نوحہ کناں نظر آتا ہے کیونکہ اقبال ہندوستان کا ایک شاعر اعظم ہی نہیں بلکہ تمام قوموں کا ایک ہر دلعزیز رہنما اور "پیغامبر" بھی تھا۔ موت نے آج ہندوستان کے محبوب رہنما کو ہمارے ہاتھوں سے چھین لیا۔

آج ہندوستان جس دور سے گذر رہا ہے اس کی نزاکت کو اگر ہم پیش نظر رکھیں اور پھر اقبال کی موت کا تصور کریں تو یکایک فرط غم و دہشت سے ہمارے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

آہ گلشن اسلام اجڑ گیا۔ اردو یتیم ہوگئی ہندوستانی نوجوانوں کا سپہ سالار اعظم اقبال داغ جدائی دے گیا۔ اب کون اپنی ولولہ انگیز نظموں سے ملک کے بھولے بھٹکے مردہ دل نوجوانوں کی رگوں میں جذبہ آزادی اور اخوت کا خون دوڑائے گا۔ اب کون دنیا کے غربا کو درس خودداری دیکر ان کا دماغ عرش معلیٰ پر چڑھا ئیگا غریبوں کا آقا اقبال اس جہان سے اٹھ گیا نوجوانوں کا ہر دلعزیز رہنما اس دنیا سے سدھار گیا۔

اقبال، ہر دلعزیز اقبال کا ماتم آج کون نہیں کر رہا۔ وہ کون سا دل ہے جو ٹکڑے ٹکڑے نہیں اور کون سی آنکھ ہے جو مصروف گریہ نہیں۔ اقبال تو ہر کسی کی آنکھ کا تارا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کی موت کا غم اتنا زیادہ "اغیار" کو اور "اغیار" سے زیادہ "اپنوں" کو ہوا۔ ملک کے ہر شاعر، ہر فلسفی اور ہر قومی و ملکی رہنما کی گردن اس کی موت کی خبر سن کر جھک گئی اور ہر ایک نے جن الفاظ میں اقبال کا ماتم کیا وہ الفاظ بجا۔ ... زد ایک دو تاک نظم منثور بن کر رہ گئے عالمگیر کے زیر نظر پرچہ میں مرحوم کے متعلق ایک بلند پایہ مضمون "آسمان شاعری کا نیر تاباں" شایع ہو رہا ہے آہ کسے ... تھی کہ یہ نیر تاباں اس قدر جلد غروب ہو جائیگا اور دنیائے علم و ادب میں ایسا اندھیرا چھا جائیگا جس کے دور ہونے کی مستقبل قریب میں کوئی امید نہیں۔ اقبال وفات پاگئے لیکن جب تک اردو باقی ہے اور اردو کے نام لیوا باقی ہیں ان کی یاد دلوں کو نشتر زنی چھیڑتی رہیگی۔ اور کاروان اردو کو اقبال کی بانگ درا "منزل مقصود" تک پہنچا کر رہے گی۔

ایک زمانہ میں اقبال نے غالب کی روح کو مخاطب کرکے

گیسوئے اردو ابھی منت پذیر شانہ ہے
شمع یہ سودائی دلسوزی پروانہ ہے

آج دنیائے علم وادب کا ہر فرد اقبال کی روح کو مخاطب کرکے اندوہگیں لہجہ میں اس شعر کا اعادہ کر رہا ہے۔

ادارہ

قطعہ تاریخ

وفات حسرت آیات ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم ومغفور

گئے ہیں ڈاکٹر اقبال افسوس جہاں سے لیکے اپنے نیک اعمال
سن رحلت کہا قادر نے فی الفور ہوئے جنت میں داخل آج اقبال

۱۳۵۷ ف

(محمد عبدالقادر، قادر، حیدرآبادی)

اسامہ بن رشد

از جناب محمد زکریا صاحب مائل حیدر آباد دکن

جنگجوئی و بہادری اور شجاعت و شہسواری میں جہاں مسلمانوں کے اور بہت سے ممتاز مجاہدوں کے نام لئے جاتے ہیں وہاں اسامہ بن رشد کا ذکر بھی بڑی عظمت و احترام کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ بالخصوص صلیب و ہلال کی معرکہ آرائیوں میں تو اس متبرک ہستی کو فضل تقدم حاصل ہے۔ سلطان صلاح الدین جیسے نامور و زندہ جاوید غازی کا ذکر بھی اسامہ کے بعد آتا ہے۔ انگریزی تاریخوں میں جہاں کہیں ان کا نام آیا ہے انگریز مورخوں کے قلم ان کی توصیف میں تر زبان ہو گئے ہیں مگر اس حقیقت کا احساس ناگزیر ہے کہ اردو تاریخیں اور رسالے ایسے زبردست مجاہد کے تذکرے سے تقریباً خالی معلوم ہوتے ہیں اسی احساس کا نتیجہ سمجھئے کہ آج یہ مضمون "دائرۃ المعارف الاسلامیہ عربی" سے اخذ کرکے قارئین کے ملاحظہ کیلئے پیش کیا جا رہا ہے۔

اسامہ کا پورا نام و نسب اسامہ بن رشد بن علی بن مقلد بن نصر بن منقذ الشیزری الکنانی ہے۔ یہ عرب کے ان غیر فانی مشاہیر سے ہیں جو نہ صرف مردانگی و شہسواری میں نامور تھے بلکہ علم و ادب میں بھی قابل رشک امتیاز کے مالک تھے۔

اسامہ ۴۸۸ھ مطابق ۱۰۹۵ء میں شیزر میں پیدا ہوئے صلیبی مورخین نے اس مقام کا نام (Cesarea) لکھا ہے اور یہ حماۃ ملک شام کے شمال میں واقع ہے۔ اس مقام پر بنی منقذ کا خاندان حکمران رہا ہے۔

ان کے بچپن ہی میں صلیبی معرکے شروع ہو چکے تھے۔ جس زمانے میں عیسائیوں نے بیت المقدس پر تسلط حاصل کیا ہے اس زمانہ میں ان کی عمر کا چوتھا سال تھا اور ان کے انتقال سے صرف ایک سال قبل سلطان اعظم صلاح الدین نے دوبارہ اس پر قبضہ کیا تھا۔

اسامہ کی زندگی کا بیشتر حصہ فرنگیوں ہی میں گزرا۔ کبھی ان سے جنگ رہتی اور کبھی صلح۔ جب پندرہ سال کے ہوئے تو انطاکیہ سے شیزر پر تنکرد (Tancreds) نے جو حملہ کیا تھا اس کی مدافعت میں سرگرمی سے شریک ہوئے اور خوب نام پیدا کیا۔ اسامہ اپنے باپ کی طرح صرف جنگ و شکار پر اکتفا نہ کرتے تھے بلکہ ساتھ ہی انھیں کتابت کے فرائض بھی انجام دینا پڑتے تھے اس طرح گویا صاحب سیف و قلم کے صحیح اور پورے مصداق تھے اور انھیں دونوں کا حق ادا کرنے کیلئے اپنی زندگی وقف کر چکے تھے۔

انھوں نے زنگی اتابک موصل کی فوج میں نو سال گذارے مگر اپنے باپ کی وفات پر شیزر کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہنے پر مجبور ہوئے اس کا سبب یہ تھا کہ ان کے چچا کو جو ان دنوں شیزر میں رہتے تھے جنگ میں اسامہ کے نامور تحو کی وجہ سے اپنے بیٹوں کی طرف سے خوف لگا رہتا تھا۔ غرض شیزر سے ہجرت اختیار کی اور شہر دمشق میں مسلسل چھ سال قیام کیا۔ اس زمانہ میں بیت المقدس کی حکومت سے ان کے دوستانہ تعلقات اور معاہدات اتنے استوار ہو گئے کہ انھیں کی بدولت انھیں فرنگیوں سے روابط پیدا کرنے کا موقع مل گیا۔

اس کے بعد اسامہ دمشق سے مصر گئے۔ اس زمانہ میں فاطمیوں کا آفتاب اقبال قریب غروب تھا حکومت کی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی تھیں اسامہ نے بھی حکومت فاطمی کے خلاف چند سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیا۔ پھر فلسطین میں کئی مرتبہ عیسائیوں پر فوجکشی کی اور دشمنوں پر فتح حاصل کر لی مگر واقعات نے کچھ ایسا رنگ بدلا کہ دس سال رہنے کے بعد قاہرہ کو بھی چھوڑنا پڑا اور ساتھ ہی دوران سفر میں اپنے عظیم الشان اور نادر کتب خانے سے بھی محروم ہو گئے جس میں چار ہزار سے زیادہ مخطوطات تھے۔

جب دوبارہ دمشق میں سکونت کا موقع ملا تو اپنے قدیم آقا کے بیٹے سلطان نور الدین زنگی کے لشکر میں شامل ہو گئے [illegible]

حملے کر کے دشمنوں کے حوصلے پست کئے۔

۵۵۲ھ مطابق ۱۱۵۷ء میں ایک زبردست زلزلہ آیا جس میں ان کا مکان منہدم ہوگیا۔ اس کے تین سال بعد ۵۵۵ھ میں نور الدین حج ادا کیا حج کرنے کے بعد اسامہ نے دس سال حصن کیفہ میں قرار رکھا اور یہ زمانہ کبیر علمی کاموں میں بسر کئے اور تصنیف و تالیف کا کام کرتے رہے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب صلیب و ہلال کے آویزشوں میں سلطان صلاح الدین کی شہرت انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ اسامہ جیسا بطل اعظم ان جرات افزا کارناموں کو سن کر نچلا کیونکر رہ سکتا تھا حمیت و شجاعت نے پھر جوش مارا اور یہ ایک بار پھر یعنی سہ بارہ دمشق جا پہنچے مگر اب کی ایسے گئے کہ پھر وہاں سے نہ آسکے۔ آخر دم تک وہیں قیام رہا آخر میں اچھی خاصی عمر پانے کے بعد رمضان ۵۸۴ھ میں سفر آخرت اختیار کیا۔ اور جبل قاسیون میں دفن ہوئے۔ انتقال کے ٹھیک ایک سال بعد مشہور مورخ ابن خلکان کو ان کی قبر کی زیارت کا شرف حاصل ہوا جس کا ذکر "وفیات الاعیان" میں ہے۔

اسامہ کا تعلق ایسے خاندان سے ہے جس کے افراد کا ذکر ادب کی کتابوں میں بار بار دیکھنے میں آتا ہے۔ یہ مجاہد و غازی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مشہور و معروف شاعر و ادیب بھی تھے۔ ان کا دیوان دو جلدوں میں تھا اور امام یافعی کے زمانے میں جن کا انتقال ۷۶۸ھ میں ہوا ہے موجود و محفوظ تھا۔ (مراۃ الجنان، ج ۲ ص ۴۲۳)

درنبرگ نے (Derenbourg) اسامہ نے کچھ شعر گوئٹے کی لائبریری سے اخذ کر کے جمع کئے ہیں۔ تحقیقات سے اسامہ کی بارہ کتابوں کا پتہ چل سکا ہے جن میں سے صرف پانچ باقی ہیں مگر اہم کتابیں حسب ذیل ہیں:

کتاب الاعتبار ۔ اسے عربی کی دوسری تصانیف میں خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ مرتب کتاب نے اس کتاب میں چند تصاویر پر تشریح لکھی ہیں۔ ان میں ایک تصویر ایسی بھی ہے جو انسان کی زندگی کے زمانے میں تیار کی گئی تھی۔ یہ ایک نادر مخطوطہ ہے جس کا ذکر درنبرگ نے اسکوریل لائبریری کی فہرست مرتبہ میں کیا ہے۔ اس کتاب کا پورا ترجمہ چار مرتبہ ہو چکا ہے ۱۸۹۵ء میں درنبرگ نے فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا ۱۹۰۵ء میں شومان نے جرمنی زبان میں ترجمہ کیا۔ ۱۹۲۲ء میں سالبیہ نے روسی زبان میں منتقل کیا۔ ۱۹۲۹ء میں انگریزی ترجمہ نیویارک سے شائع ہوا۔

بجز مذکورہ بالا کتاب کے اسامہ کی اور تصانیف قلمی ہی پائی جاتی ہیں شعر و شاعری میں ان کا ایک رسالہ "البدیع فی البدیع" کے نام سے ہے جس کا ذکر درنبرگ نے کیا ہے ایک اور ادبی مجموعہ "کتاب العصا" کے نام سے ہے جس میں عصا کے مشہور فقرے اور شعرا کا کلام درج کیا ہے۔ حال ہی میں اسامہ کی ایک اور کتاب کا پتہ چلا ہے۔ جس کا نام "کتاب المنازل والدیار" ہے۔ یہ کتاب ایشیاٹک میوزیم لینن گراڈ میں محفوظ ہے اس کتاب میں اسامہ نے ۵۶۹ھ میں حصن کیفہ کے دوران قیام میں خود اپنے حالات لکھے ہیں اس کتاب کی تحریک ۱۱۵۷ء کی زلزلے سے ہوئی تھی۔ جس سے متاثر ہو کر اسامہ نے یہ تالیف کی اور اس میں منازل و بلاد وغیرہ سے متعلق بکثرت اشعار درج کئے۔

اسامہ کی ایک کتاب "لباب الادب" کے نام سے بھی معلوم ہوئی ہے جس کا ایک نسخہ قاہرہ میں محفوظ ہے اس پر ۵۹۸ھ درج ہے اور یہ استاذ یعقوب صروف صاحب المقتطف آنجہانی کے کتبخانے میں موجود ہے مگر اس کے متعلق کوئی اور تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔

ماتم اقبال

خان بہادر حضرت رضا علی صاحب وحشت کلکتہ

یہ نہ کہہ اک شاعرِ ہندوستاں جاتا رہا — پیشوائے نکتہ سنجانِ جہاں جاتا رہا

باعثِ ماتم زمانے کو ہے موت اقبال کی — کارواں رہ گیا کہ میرِ کارواں جاتا رہا

اب کہاں سے لائیگا کوئی حقیقت بیں نظر — آہ اسرارِ خودی کا رازداں جاتا رہا

آشنا بانگِ درا سے ہوگا اب کیا گوشِ قوم — مجلسِ اسلامیاں کا نوحہ خواں جاتا رہا

قصۂ ماضی میں تحریکِ عمل باقی نہیں — اب سنیں کیا ہم کہ لطفِ داستاں جاتا رہا

نالۂ غم میں وہ کیفیت نہ پائی جائیگی — آج ذوقِ شیوۂ آہ و فغاں جاتا رہا

اب زبانِ خامہ پر پڑ ہی گئی مہرِ سکوت
وحشتِ رنگیں بیاں کا قدرداں جاتا رہا

میری داستان غم

ایک بیحد درد انگیز، حیرتناک اور دلچسپ افسانہ

از جناب خادم ہندی،

میں نے اس سے محبت کی، زندگی کے ہر شعبہ میں ایک انقلاب عظیم پیدا کرنے والی محبت۔ اپنی زندگی میں سب سے پہلی اور آخری محبت! ہاں ایسی محبت جو اپنی قسم کی بالکل نرالی اور عجیب و غریب محبت تھی جس کی ابتدا بھی تعجب خیز تھی اور انتہا بھی حیرت انگیز!

میرے ناز پروردہ دل نے اسی بہار آفریں گلشن کو اپنا گہوارہ محبت بنایا جس میں وہ نوخیز اور نیم شگفتہ غنچہ، ایک نہایت ہی پیارے اور معصومانہ انداز سے جھوم جھوم کر درس بیخودی دے رہا تھا۔ وہ غنچہ جو اپنے شباب کا خیر مقدم کرنے میں مصروف تھا۔ فطری طور پر ہر ایک ناظر کے لئے جاذب نگاہ بن کر رہ جاتا تھا۔ اس کا فطری تبسم۔ دلفریبی کا حامل تھا ناممکن تھا کہ میں اس کو دیکھتا اور دنیا کے رنگ و بو میں گم ہو کر نہ رہ جاتا۔

آہ! لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ مستقبل میں کیا پیش آنے والا ہے؟ اگرچہ حال کتنا ہی خوشگوار کیوں نہ ہو۔ لیکن مستقبل کے متعلق ہرگز کوئی صحیح رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔

وہ بھی بالکل مطمئن تھا اور مستقبل کے بارہ میں کوئی فکر نہ رکھتا تھا۔ قوت متفکرہ کو سلب کر لینے والے اور سکون قلبی کو رخصت کر دینے والے محبت کے پہلے ہی حملے نے اس کو کتنا لاپروا اور بیخود بنا دیا تھا۔ غریب بیچارہ کاش وہ کچھ سوچ سکتا اور اس کو معلوم ہوتا کہ وہی گہوارہ جس کو اس نے صدہا مسرت خیز آرزوؤں اور خوش آئند امیدوں کے ساتھ مشیت ایزدی سے مجبور ہو کر منتخب کیا تھا اور پھر تسکین روح کا سامان سمجھ لیا تھا آئندہ چل کر کبھی خلشوں کا باعث ہوگا۔ اس کے نرم و گداز گدیلے کے ہر تلے بانے سے روح تک کو چھلنی کر دینے والی بیشمار سوئیاں پیدا ہو کر اس کے سکون و اطمینان کا یکسر خاتمہ کر دینگی۔ اسی گلستاں کی ہر ایک خوشنما کلی اس کی بدقسمتی پر ہنسے گی۔ ہر نزہت بخش پھول جس کی لطافتیں اور عطر بیز خوشبوئیں انسان کو خود بخود اپنی طرف کھینچ لیا کرتی ہیں۔ اس کے شکستہ دل میں خار کی طرح کسک پیدا کریگا۔ ہر طرف اس کی بربادی کے نغمے الاپے جائینگے اور اس کی روحانی لذتوں کی بہار آفریں دنیا خزاں رسیدہ ہو کر رہ جائیگی۔

میں اس سے والہانہ عشق رکھتا تھا۔۔۔ جو آخر کار غیر فانی ثابت ہوا۔۔۔ کیا صرف اس لئے کہ وہ کوئی شعلہ جوالہ تھی۔ یا فوق الفطرت شبابی کیفیتوں اور دلفریبیوں کا مجموعہ؟ نہیں۔۔۔۔ تو اس لئے کہ حسن آفریں نے اس کو کوئی بعید از قیاس رعنائیوں یا دل آویز کا پیکر بنایا تھا؟ بالکل نہیں، پھر کیا بات تھی کہ اس میں کسی نا آشنائے محبت یا عشق کی ولولہ انگیزیوں سے ناواقف انسان کے معصوم دل کو موہ لینے کے تمام تر شاعرانہ اوصاف موجود تھے؟ یہ بھی نہیں۔۔۔۔ اس میں کوئی بات فہم و قیاس انسانی سے بالاتر یا بعید نہ تھی حقیقت یہ ہے کہ وہ غیر شاعرانہ حسن کی مالک تھی۔ وہ حسن جو شاعروں کے مبالغہ آرا حدود تخیل سے جدا اور افسانوی حیثیت سے خارج ہے اور جس کا تذکرہ ان کے مبالغہ آمیز کلام میں بالکل نہیں پایا جاتا۔ وہ ایک نہایت ہی سادہ مزاج اور نیم شوخ لڑکی تھی۔ اعضاء متناسب۔ خوشنما کتابی چہرہ۔ موٹی اور بڑی سیاہ آنکھیں۔ ہونٹ درمیانی درجہ کے خوبصورت قد میانہ اور رنگ کھلتا ہوا گندمی تھا البتہ یہ بات ضرور ہے کہ وہ اپنی تمام سہیلیوں میں بلحاظ خوبصورتی سب سے زیادہ حسین کہی جا سکتی تھی مگر مجھے تو وہ درحقیقت

دنیا کے تمام حسینوں سے زیادہ حسین نظر آتی تھی اور میری نظروں میں کوئی دوسرا حسین جچتا ہی نہ تھا کیونکہ میں تو صرف اسی کو چاہتا تھا اور حقیقی طور پر میرا دل اسی کے لئے بیقرار تھا۔

"محبت ایک غیر اختیاری اور اضطراری چیز ہے۔" میری حالت پر یہ مقولہ مکمل طور پر صادق آتا ہے۔ اس لئے کہ میری محبت کی ابتدا غیر اختیاری طور پر عجیب طریقے سے اور عجیب حالات میں ہوئی۔

جو بات میں بیان کرنا چاہتا ہوں نہیں سمجھ سکتا کہ کس طرح بیان کروں لیکن اس کے اظہار و اعتراف میں تامل بھی نہیں کر سکتا کیونکہ بتقاضائے دیانت کسی چیز کو پوشیدہ رکھنا نہیں چاہتا۔ اگرچہ مجھے خوف ہے کہ اس سے میرا ابتدائی کریکٹر اور جذبات اچھے ثابت نہیں ہونگے۔ لیکن خیر مختصراً یہ کہ میرے ایک خاندانی ہم عمر دوست نے جو اب اپنی حرکت پر نادم ہیں مجھے اس کی طرف متوجہ کیا تھا ۔۔ ایک انسانیت سوز حرکت ۔ ۔ ۔ (العیاذ باللہ) کے لئے اکسایا تھا۔ اگرچہ میں آوارہ اور بداخلاق تو نہ تھا تاہم بچپن کی معمولی سی بری صحبت کا کچھ تھوڑا سا اثر میرے نوخیز دل و دماغ پر ضرور ہو چکا تھا چنانچہ میں ...... خدایا! میں شرم و ندامت سے ڈوبا جاتا ہوں مجھے معاف کر.... آمادہ ہو گیا۔ لیکن خداوند قدوس کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس فرشتہ خصلت اور عفت مآب نے اپنے معصومانہ طرز عمل سے میری ہمت کو پست کر کے مجھے ناکام بنا دیا۔ کاش اس وقت یہ زمانہ ہوتا، اور اب ناکامی کے بعد اس کا خواہش پرستانہ انس اپنے دل میں محسوس کرنے لگتا۔ کاش میں اس کے سامنے دوزانو ہو کر اپنے اس گناہ کا "کنفیشن" کر سکتا۔

آہ، وہ رات مجھے کبھی نہ بھولیگی جس نے مجھے محبت کی حقیقی لذتوں اور روحانی لطافتوں سے روشناس کرایا اور جس نے میری پرسکون زندگی اور یکرنگ طبیعت میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ کس قدر مبارک تھی وہ رات کہ جب زندگی میں پہلی مرتبہ "حقیقت" نے "مجاز" کے زینے کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے تکمیل انسانیت کا آغاز کیا — یعنی پاکیزہ جذبات کی حامل روح کا تزکیہ کرنے والی پاک محبت کی ابتدا ہوئی۔

مجھے اب تک اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے اس جہان فانی کے لا معلوم المدت سفر کی چودہ یا پندرہ منازل طے کی تھیں۔ رمضان المبارک کا ابتدائی مہینہ تھا۔ روزہ افطار کر کے نماز سے فارغ ہونے کے بعد انگیٹھی کے سامنے بیٹھا ہوا آگ تاپ رہا تھا کہ یکایک اس کا خیال آیا اور اپنے سابقہ غیر شائستہ خیالات اور بیہودہ حرکات پر پہلی مرتبہ ندامت محسوس ہوئی۔ دل دھک سے ہوا اور تیزی سے حرکت کرنے لگا۔ یہ تھی محبت ہوس کارانہ خواہشات سے پاک اور بے غرض محبت کی ابتدا تھی جو ان حالات میں ہوئی۔ کیا یہ تعجب خیز ابتدا نہیں؟

رفتہ رفتہ محبت ترقی کرنے لگی مجھے محسوس ہوتا تھا کہ میں تیزی سے اس کی طرف کھنچ رہا ہوں۔ دیگر اطراف سے قلبی تعلقات منقطع ہوتے ہوئے معلوم ہوتے تھے اور قلب و دماغ میں صرف وہی ایک ہستی بس چکی تھی۔ میں ایک لفاظ اور باتونی انسان تھا بحث کرنے میں سب سے آگے۔ بات بات پر ہر کسی سے الجھ جاتا اور حتی الامکان پیچھا نہ چھوڑتا تھا۔ لوگ کہا کرتے تھے۔ "تم تو وکیل بن جاؤ خوب بحث کیا کرو گے؟"

لیکن اب تمام لفاظی کوچ کر چکی تھی۔ بولنے کو جی نہ چاہتا تھا حتیٰ کہ کسی کی بات کا جواب تک دینا ناگوار معلوم ہوتا تھا۔ میری کم سخنی مشہور ہو گئی تھی خیالات کی رو صرف ایک عالم کی طرف اور گفتگو کی خواہش صرف ایک ہستی کے متعلق باقی رہ گئی تھی — صنف لطیف کی ایک "کمزور" اور "معمولی" فرد — جس کا میں ایک "قوی" انسان بہت بری طرح اثر قبول کر چکا تھا اور جو دنیا میں میری واحد مطمح نظر تھی۔ بولتا کس سے؟ اور — بات کرتا کس طرح؟ - میں جسے تنہائی شاق گذرتی تھی، تنہائی کا دلدادہ بن گیا تھا لیکن ایسی صورت میں بھی خیالات پریشان کرنے لگتے تھے اور طبیعت اکتا جاتی تھی

"تم متفکر کیوں ہو؟ ..... کیا بات ہو گئی ہے؟ ... آج تمہاری طبیعت اداس معلوم ہوتی ہے۔" دوستوں کی مجلس میں ایسے سوالات کی بھرمار ہوتی تھی۔ میں ان کا کیا جواب دیتا؟ کیا یہ کہہ دیتا کہ میں ....

"کچھ نہیں، یونہی۔" اس قسم کے غیر تسلی بخش جوابات دے کر ٹالنا پڑتا تھا۔ چار چار گھنٹے تک خاموش لوگوں کا منہ تکا کرتا تھا۔ سوائے گردن ہلا دینے اور ہوں ہاں کے باقی سب کچھ ندارد۔ بے تکلف اور رازدار جو اتفاق سے بن گئے تھے اکثر فہمائش بھی کیا کرتے تھے۔ لیکن اس سے کیا فائدہ ہوتا تھا؟ دو چار ٹھنڈی سانسیں اور خاموشی اس کا جواب تھا۔ غرضکہ میری عام حالت میں بالکل کایا پلٹ ہو چکی تھی۔

دل میں ایک عجیب قسم کا درد محسوس ہوتا تھا۔ بیٹھا بیٹھا، جب خیال

کھاتا تھا۔ میں بخدا بیان نہیں کر سکتا کہ کیا حالت ہوتی تھی۔ کچھ کسک کچھ ٹیس بالکل ایسی جیسے زخم میں ہوتی ہے۔ کچھ ناقابل بیان روحانی لطف ولذت کا احساس۔ دل مسوس کر رہ جاتا تھا۔

بشاشت وبیکری رخصت ہوگئی تھی۔ ہنسی بھی آتی تھی تو بیکی بعض مرتبہ خوب ہنستا تھا کوشش کرکے، مگر اس کے بدلے کچھ اپنی ناگفتہ بہ حالت پر، دشواریوں اور مایوسیوں پر کُڑھنا اور چپ گھٹنا غم کرنا اور آنسو بہانا پڑتا تھا۔ دوسروں کے خوش وخرم چہروں، مسکراہٹوں اور قہقہوں پر تعجب بھی ہوتا اور تمسخر بھی بلکہ حسد تک نوبت پہنچ جاتی تھی لوگ ایک دم پوچھ بیٹھتے "تم اتنے دبلے کیوں ہوگئے کیا بات ہے؟"

"میں بیمار ہوں" میں ایک فریب آمیز جواب دیتا۔

"تو تم آخر علاج کیوں نہیں کرتے۔ علاج کرو بھائی" وہ انتہائی شفقت سے کام لے کر کہتے۔

تبلائیے! میں کیا کہتا؟ علاج!..... اور اس بیماری کا! کاش یہ میرے اختیار میں ہوتا اور بعض بعض تو میری حالت دیکھ کر اس قدر ستم ظریفی سے کام لیتے تھے کہ "تم آخر زندہ کیوں ہو؟ مر کیوں نہیں جاتے؟"۔

بعض اوقات شدت ہجوم جذبات سے سانس اتنی تیز اور آواز سے چلتی تھی کہ پاس والے دہشت زدہ ہوجاتے تھے ہاتھ پیر ڈھیلے اور سرد ہوکر نیم بیہوشی طاری ہوجاتی تھی اور ہذیان بکنا شروع کر دیتا تھا اور دل کی دھڑکن تو اس "ساعت" سے کبھی کم ہی نہ ہوئی۔ بلکہ اکثر اتنی تیز ہوجاتی ہے کہ میں خود اس کے زور سے ہلنے لگتا ہوں اور آواز صاف سنائی دیتی ہے مجھے ایسا معلوم ہونے لگتا تھا کہ میں ایک ایسی دنیا میں پہنچ گیا ہوں جو میری سابقہ دنیا سے بالکل مختلف ہے۔ جب اس کی یاد میں بیقراری زیادہ بڑھ جاتی تھی تو مجھے محسوس ہوتا تھا کہ روح سبک ہو کر جسم کے ہر رگ وپے سے اس طرح اٹکھیلیاں کر رہی ہے جیسے کہ ہلکے ہلکے بادل کے خوشنما ٹکڑے ہوا کے ساتھ چھیڑ خانی کرتے ہوئے بیخودانہ انداز میں فضائے آسمانی پر تیرتے پھرتے ہیں۔ سر اور کندھے اتنے وزنی ہوجاتے تھے گویا ان پر کئی من بوجھ رکھا ہوا ہے۔

یہ خاص حالت ہمیشہ نہیں رہتی تھی بلکہ یکایک اس کے دورے [illegible] تھوڑا سا قلق ہوجاتا تھا سب خاک میں مل جاتا تھا اور دل میں نامعلوم طور پر اس طرح بےچینی شروع ہوجاتی تھی جیسے بعض لوگوں کو کسی آنے والی عظیم مصیبت کے وقت محسوس ہوتی۔ یہ حالت ختم نہیں ہوگئی بلکہ اب بھی بدستور ہے۔

شدت افکار وخیالات نے اتنا گم کر دیا کہ دماغی توازن بڑی حد تک متزلزل ہوگیا۔ کوئی بات دماغ میں سماتی ہی نہ تھی۔ مجھے افسوس ہے کہ اس نے مجھے وعدہ خلاف انسان بنا دیا ہے۔ تعلیم بھی میرے لئے حقہ طور پر مفید ثابت نہ ہوسکی۔ اگرچہ مجھے خود تعجب ہے کہ خدا کا احسان عظیم ہے کہ اس کے باوجود تمام امتحانات میں کامیابی ہوئی اور کچھ تو تعلیم کی خوبی ہے اور کچھ اس مرض کی برکت سے "کندۂ ناتراش" تعلیم یافتہ بن گیا۔

بچپن میں ہم دونوں ساتھ رہے اور ساتھ کھیلے تھے ہمارے ملے ہوئے تھے۔ ہم دونوں ہم عمر تھے اور بہ نسبت خاندان کے دوسرے بچوں کے ہم کو آپس میں زیادہ لگاؤ تھا۔ ہمارا خاندان ایک محلہ کی صورت میں آباد تھا اس لئے میں وہاں کے علاوہ اور کہیں نہیں جاتا تھا (کیونکہ اب ہم نے خاندانی محلہ کے مکان کو چھوڑ دیا تھا۔) اور بلا کسی پروا کے جب چاہتا جاتا یہ اس وقت کا قصہ ہے جب کہ میں نہیں جانتا تھا کہ عشق کسے کہتے ہیں اور محبت کیا بلا ہے۔

قسمت میں جب بُرائی ہوتی ہے تو اس کے اسباب بھی پیدا ویسے ہی ہوجاتے ہیں۔ چند خاندانی مناقشات کی بنا پر ہمارے اور تعلقات در پردہ کچھ کشیدہ ہوگئے تھے اور چونکہ خلوص نہیں تھا اس آپس کی آمد ورفت بہت کم ہوگئی تھی۔ میں بچپن میں اس کی پروا نہیں تھا۔ لیکن ہوش سنبھالنے کے بعد مجھے بھی اسی رنگ میں رنگ جانا پڑا پہلے ہی سے وہاں جانا چھوڑ چکا تھا اور بغیر کسی خاص کام کے وہاں میں طبیعت ہچکچاتی تھی اور اب دوسرے چونکہ محبت نے روحانی مجھے اس سے منسلک کر دیا تھا اور تسکین روح کا سامان تلاش کرنے کو بلا ضرورت بھی وہاں جانا ضروری تھا اس لئے "چور کی داڑھی میں تنکا" مصداق بھی بن گیا۔ خیال ہوتا تھا ایسا نہ ہو لوگ تنگ کرنے لگیں حالانکہ ایک مضحکہ انگیز خیال تھا خواہ مخواہ کسی کو کیوں تنگ ہونے لگا لیکن اس قسم کے حالات میں ایسا ہونا ایک قدرتی امر ہے اور میں اس کو سوچے بغیر نہ رہ سکا۔

بہرحال کسی نہ کسی بہانے سے وہاں جاتا اور اشتیاق و مسرت کے ساتھ جاتا۔ لیکن کس حالت میں؟ دل دھڑکتا ہوا۔ ہاتھ کانپتے ہوئے۔ پیر لڑکھڑاتے ہوئے۔ زبان لغزش کرتی ہوئی۔ بدن لرزتا ہوا اور آنکھیں متجسس و حسرت آمیز۔ آہ! لیکن نہ تو دل بھر کر دیکھ سکتا تھا اور نہ حسب منشا ٹھہر سکتا تھا۔ مجھے صرف لوگوں کی نظروں کا خطرہ تھا اور کسی بات کا نہیں۔ مجھے اب تک یاد ہے کہ وہ مجھے پان کھلایا کرتی تھی ...... ہاں میں یہ بھی نہیں بھولا کہ ہم دونوں باری باری ایک دوسرے کو دیکھا کرتے تھے۔ وہ میری نظروں کا مقابلہ بھی کرتی تھی لیکن شرما جاتی تھی اور اکثر میری گرم اور حسرت بھری نظروں سے گھبرا کر منہ پھیر لیتی تھی۔ اس طرح تھوڑی دیر کے لئے طمانیت قلبی اور سکون حاصل ہو جاتا تھا۔ آہ! لیکن اس وقت کی حالت نہ پوچھو جب میں طوعاً و کرہاً اس سکون و اطمینان کے گہوارہ سے قدم باہر نکالتا تھا۔ میں اپنی اس حالت کا خاکہ نہیں کھینچ سکتا تھا۔ گویا وہی احساس جو دل میں سلگتی ہوئی آگ کو وہاں سرد کر دیتا تھا اب تیل بن کر اس کو بھڑکا دیتا تھا ؎

دل جل رہا ہے ہمدم سوز غم نہاں سے
اٹھ آنا تھا قیامت کیا ان کے آستاں سے (تسنیم)

اب میرے دل میں شادی کی تمنا پیدا ہوئی اور میں نے عزم مصمم کر لیا کہ صرف اسی سے شادی کرونگا ورنہ ازدواجی زندگی ہی سے دست بردار ہو جاؤنگا۔ میں بالکل نہیں جانتا تھا کہ اس کے خداوندان خاندان نے ہندوستانی مطلق العنان اور عاقبت نا اندیش والدین کی طرح --- جو اپنی اولاد کی مرضی اور مستقبل کی جس کا کہ حسب منشا انتخاب پر انحصار ہوتا ہے ذرہ برابر پروا نہیں کرتے۔ اس کی آئندہ زندگی کے سیاہ و سپید کا کس کو مالک و آمر بنانے کا فیصلہ کیا ہے لیکن میں اپنے متعلق کہہ سکتا ہوں کہ میرے نام نہاد غیر اندیش، بزرگ حضرات ایک ہستی کو میری نیز اس کی مرضی سے بے پروا ہو کر جبراً میرے سر منڈھ دینے کے لئے نامزد کر چکے تھے لیکن میں اس پر کیونکر تیار ہوتا جبکہ میں کسی اور کو چاہتا تھا؟ چنانچہ میں نے علانیہ طور پر غیر مبہم الفاظ میں مخالفت شروع کر دی۔ تذکرۃً دو تین مرتبہ اس پر بھی اپنا ارادہ ظاہر کر دیا۔ اسی معصوم اور پیاری ہستی پر جس نے نادانستہ طور پر میری دنیائے جذبات کو صرف اپنے تک محدود کر دیا تھا۔

ایک صاحب نے خاص اور معقول وجوہ پر اپنی لڑکی کے لئے [illegible] کی جو ہر حیثیت سے قابل انتخاب ہو سکتی تھی اسے [illegible] حالات [illegible] پسند بھی کر لیتا۔ لیکن ان کی خیالات کا لحاظ کئے بغیر میں نے [illegible] کر دیا۔ کیونکہ میں تو ......

محبت کی ناقابل برداشت زندگی کو تقریباً دو سال گذر گئے۔ میری محبت نے اب عشق کا درجہ اختیار کر لیا تھا جو عین شباب پر تھا۔ میں اس کی پاک محبت میں مخمور تھا۔ مست و بیخود تھا۔ دنیا میں صرف وہی تھی [illegible] میری تمناؤں کا واحد مرکز تھی۔ بلا شرکت غیرے اس کو اپنا [illegible] سمجھتا تھا۔ دل و جان سے چاہتا تھا اور اپنی روح تک میں اس کے سچے عشق کو جذب کر چکا تھا۔ میری روح اس کے لئے بے چین و مضطرب تھی۔ آرام و راحت سکون و اطمینان تو گویا خواب و خیال ہو چکے تھے جو زمانہ ماضی کے ایک افسانے سے زیادہ وقعت نہ رکھتے تھے۔

اس یکطرفہ محبت کو تین سال گذر گئے ...... جی ہاں یکطرفہ محبت کو۔ آہ! داستان کے اس دردناک حصے کو بیان کرنا بھی کس قدر دشوار اور مشکل کام ہے۔ ایام گذشتہ کی حسرتناک ناکامی کی تلخ یاد اور پھر محبت کے ایسے روح فرسا انجام کا ہوشربا خیال اُف! --- کیا کوئی اہل دل اس ناخوشگوار ترین فرض کو انجام دینے کی طاقت رکھتا ہے؟

مگر پھر ایک بار سنئے۔ یکطرفہ محبت، ایک شخص محبت کرتا ہے کسی کو دل و جان سے چاہتا ہے۔ اتنا چاہتا ہے کہ اس کے عشق میں اپنی ہستی کو بھی بھلا دیتا ہے۔ بعض مرتبہ اس کے لئے اتنا بیقرار و بیخود ہو جاتا ہے کہ اوروں کی موجودگی کو نظر انداز کر کے ہذیان بکنے لگتا ہے اور حقیقتاً مجنون صفت بن جاتا ہے لیکن محبوب کو خبر نہیں ہوتی۔ اس کی بے نیازی حد انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ محبوب اس کی محبت میں شریک نہیں۔ آگ صرف ایک طرف ہے اور محبوب کا دل محبت سے خالی ہے۔ رنج و غم کا تمام بار صرف ایک سینہ پر ہے لیکن محبوب ...... وہ جانتا بھی نہیں کہ دنیا میں کوئی اس کا پرستار بھی ہے جو اس سے اتنی محبت کرتا ہے اور سب پر مستزاد یہ بات کہ شاید محبوب اس کو --- جس نے اس کی محبت میں اپنی زندگی تلخ کر دی اور جو سچے دل سے پاک محبت رکھتا ہے۔ اس کی بعض انتہائی [illegible] کی [illegible] پر کمینہ، بدمعاش، آوارہ مزاج اور ناشائستہ [illegible] کا محبوب اس سے بیزار ہے اور اس کو [illegible]

[illegible] کہ اس بصارت [illegible]۔ آہ! خیال [illegible] کہ یہ [illegible] اس کی [illegible] محبت کا یہ [illegible] انجام ـــــ اس کے لئے کس قدر زہرہ گداز اور ہلاکت آفریں ہے۔

میرے دل میں ایک عرصہ سے لو لگی تھی کہ اظہار محبت کا موقع تلاش کروں اور محبت کا جواب محبت سے طلب کروں کیونکہ عاشق کی یہ ایک [illegible] خواہش ہوتی ہے کہ اس کا محبوب بھی اس سے محبت کرے اور در حقیقت محبت کی لطافتیں بھی اسی وقت حاصل ہوتی ہیں جبکہ دونوں ایک دوسرے کے [illegible] ہوں۔ اور یہ چیز میرا خیال ہے کہ اظہار محبت ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ عاشق جب محبوب سے التجائیں کرتا ہے۔ حسرت بھری نگاہوں سے اپنی محبت کے جذبہ کو اس کے دل میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ محبت آمیز باتوں سے اس کے خوابیدہ جذبات کو بیدار کرتا ہے۔ درد انگیز آواز میں محبت کی کہانی سنا کر اس سے رحم کی درخواست کرتا ہے تو ان باتوں سے متاثر ہو کر عورت ـــ جو محبت کی متلاشی اور اس کی غلام عورت ـــــ اسے چاہنے لگتی ہے۔ اپنی مرضی سے نہیں بلکہ محبت کے جذبہ سے مجبور ہو کر اس سے محبت کرنے لگتی ہے اور پھر کیا ہوتا ہے؛ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے دیکھتے پاک و سچی محبت کے بلند و بالا احساس سے حسن وعشق کی مست و بیخود دنیا دینے والی پرکیف فضاؤں میں پرواز کرتے ہوئے وہ لطف ولذت پاتے ہیں جس کا تخیل بھی ناممکن ہے۔

لیکن بد قسمتی مشیت ایزدی! قدرت کی شدید مخالفت! مجھے ایسا کوئی موقع نہ ملا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ میرا جانا وہاں بہت کم ہوتا تھا اور دوسرے چونکہ وہ بد ظن ہو چکی تھی اس لئے تنہائی میں کبھی نہ ملی اور سب سے بڑی وجہ یہ کہ مجھ سے وہ پردہ کرنے لگی۔ افسوس کہ پہلے دن مجھے جرأت نہ ہو سکی ورنہ کچھ روز کے لئے اور رک جاتا۔ لیکن آخر کار اس کے ساتھ گستاخی کیسے کر سکتا تھا۔ مجھے ہرگز جرأت نہ ہوئی کہ جب پہلی مرتبہ اس نے مجھے دیکھ کر [illegible] اوڑھا تھا تو میں اس کا معصوم اور پیارا چہرہ کھول دیتا اور اس طرح پردہ کے خلاف اپنی ناراضی کا اظہار کر دیتا۔۔ پردہ کیوں؟ اس بیہودہ اور [illegible] رسم شرقی نہیں بلکہ ہمسایوں سے سیکھی ہوئی ہندوستانی رسم نے اس کو مجبور کیا کہ وہ اپنے "دیور" سے پردہ کرے۔

[illegible] اس دیور سے۔ ہندوستانی جاہل گھرانہ کی بے زبان شریف لڑکی جب سنتی ہے کہ وہ میرے ایک بہت قریب کے بھائی سے منسوب کی جانے والی ہے تو وہ اپنے ہونے والے شوہر کے ساتھ ساتھ مجھ سے بھی پردہ کرنے لگتی ہے۔

چنانچہ کچھ دن بعد اس کے بے لگام اور لاپروا والدین نے اپنے نادر شاہی حکم سے اس کی نسبت کر دی اور مذہب، سوسائٹی اور قانون نے مجھے ـــ جو اس کی پرستش کرتا تھا اور اس کی محبت میں دیوانہ ہو رہا تھا۔ اس کا دیور بنا دیا۔

"لیکن یہ تو میرا حق ہے۔ بس اس سے شادی کرونگا۔ میں صرف اسی سے کرونگا۔ خدا کے واسطے میری مدد کرو۔ میرے حال پر رحم کرو۔ میں اس سے ...." میں نے اس غلط انتخاب پر بہت احتجاج کیا۔ لیکن سوسائٹی نے نہایت بیدردی سے میری زبان بند کر دی۔

"اگر ان کا خیال میرے بھائی سے منسوب کرنے کا ہے تو ہونے دو آپ لوگوں کو اس سے کیا؟ آپ تو میرا پیام بھیجدیجئے .... آخر اس میں حرج کیا ہے؟" میں نے ان لوگوں کی خوشامدیں کیں جن سے میں ایسی بات کہہ سکتا تھا۔ یا جو قاصد تھے لیکن تباہ کن نظام سوسائٹی کے بیجا اثر سے مرعوب بزدلوں کو ایسی جرات نہ ہوئی۔

"اس کی شادی تمہارے بھائی سے ہوگی۔ ہم تمہارا پیام کیسے کر دیں یہ بہت بُری بات ہے۔" خدا کی قسم میری کسی نے ایک نہ سنی۔ ہر طرف سے یہی آواز آتی تھی کہ "ایسا نہ ہوگا۔ تم بیوقوف ہو۔ یہ ناممکن ہے قطعاً محال"۔ عقل کے اندھے۔ آنکھوں کے اندھے۔ لیکن بخدا میں نے بھی ان کو اپنے معاملہ میں ایسی شکست دی ہے کہ عمر بھر یاد رکھینگے۔ چنانچہ نسبت ہوئی! اور میں خبر لیا ہوا لیکن میری اس حالت کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ میں اس کو حاصل نہیں کر سکتا۔ اس بات کا علم مجھے پہلی ہی ہو چکا تھا۔ ہاں! اسی نے کہا تھا۔

"..... تم میرے لئے مت پریشان ہو۔ میں تمہاری نہیں ہو سکتی"۔

لیکن مجھے یقین نہ آیا تھا اس لئے کہ ایسے سچے خواب مجھے بہت کم دکھائی دیتے تھے اور دوسری مرتبہ دیکھا کہ اس کی گود میں ایک بچہ ہے اور وہ خود کافی معمر لاغر اور زرد رو دکھائی دیتی ہے۔ .... دونوں خواب سچے تھے اور دونوں کی تعبیر بھی صحیح نکلی۔

ایک خواب ابھی دیکھا تھا۔ بہت تھوڑے دن ہوئے۔ آہ وہ بہت خطرناک تھا۔ میرے واسطے نہیں بلکہ اس کے واسطے (خدانخواستہ)

خدا کرے کہ اس کی تعبیر ویسی نہ ہو جیسی کہ پہلے میری سمجھ میں آئی تھی۔

میں نے اس پر بہت غور کیا لیکن سمجھ نہ سکا کہ آخر میری سچی محبت اس پر اثر انداز کیوں نہ ہوئی جبکہ یہ ایک فلسفیانہ کلیہ ہے کہ "سچی محبت ضرور اثر کر کے رہتی ہے"۔ مجھے اپنی محبت میں اس کا کوئی ثبوت نہ ملا کبھی اس سے اس بات کا مظاہرہ نہ ہوا کہ وہ بھی مجھے چاہتی ہے نہ کسی حرکت سے نہ کسی بات سے۔ نہ کسی انداز سے۔ اگر وہ مجھے چاہتی تو مجھ سے بھاگتی ہی کیوں جس کو وہ چاہتی تھی اس سے اس قدر متنفر و بیزار کیوں ہوتی؟ سوسائٹی کی پابندیاں، رسم و رواج کے قیود اس کو لاکھ مجبور کرتیں قبل از وقت بلا کسی کے کہے سنے (ایک واقعہ کی بنا پر میرا یہی خیال ہے) وہ مجھ سے پردہ ہی کیوں کرتی اور علاوہ ازیں کیا یہ ممکن تھا کہ محبت کی نگاہیں مجھ سے پوشیدہ رہتیں بلاشبہ اگر اس مقولہ میں کچھ صداقت ہوتی تو میری محبت کا یہ انجام ہرگز نہ ہوتا۔ میں اس کے منہ سے محبت کی میٹھی میٹھی باتیں سنتا۔ فرط محبت سے گرمجوشانہ طریق پر اس کا نازک ہاتھ اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں میں لے کر بیخودی میں زور سے دبا دیتا۔ اس کی جوش مسرت سے چمکتی ہوئی آنکھوں سے کیف و سرور حاصل کرتا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر محبت بھرے اور محبت کی نشاط انگیز مسرت سے اچھلتے ہوئے دلوں میں راز محبت تلاش کرتے ہوتے مادی دنیا کی روح کو مردہ کر دینے والی کثافت سے نکل کر، اپنی ہستی سے بے خبر روحانی لطافتوں میں کھو جایا کرتے اور اس طرح اپنی پاکیزہ اور بے لوث محبت سے لطف اندوز ہوا کرتے لیکن کچھ بھی ہوا خدا کی قسم کچھ بھی نہیں۔ تو کیا میری محبت سچی نہ تھی۔ میں اسے سچے دل سے چاہتا نہ تھا؟ خدا کی قسم! میں قیامت تک اس کو مان نہیں سکتا۔ تو پھر یہ کلیہ غلط ہے۔ ہاں! کم از کم میرا تجربہ یہی بتاتا ہے ورنہ یہ کلیہ نہیں۔ اکثر یہ ہو گیا چند لوگوں کا ذاتی اور اتفاقی تجربہ۔ جس کو کلیہ کی صورت دے دی گئی لیکن اوہ! یہ میں کیا لکھ گیا۔ اظہار محبت کا موقع بھی نہ ملا اور یک طرفہ محبت

کی بھی شکایت ..... لیکن خیر! اس بحث سے کیا حاصل۔ بہر حال وہ نہیں جانتی کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور یہ کہ میں کسی نہیں جانتا کہ وہ کس سے محبت کرتی ہے۔ وہ مجھے اوروں کی طرح اپنا بھائی اور عزیز سمجھتی ہے اور میں اس کو سب سے پیاری بہن کہ جس سے صرف زبردست اور روحانی تعلق ہے۔ نسبت کے بعد میں نے اظہار محبت کی کوشش ترک کر دی کیونکہ میں سمجھ چکا تھا کہ وہ میری نہیں ہو سکتی۔ مجھے اس خیال نے باز رکھا کہ اس سے محبت کا وہ جذبہ جو عورت کے دل میں پوشیدہ ہوتا ہے بیدار ہو جائیگا۔ وہ مجھے چاہنے لگے گی اور عورت چونکہ صرف ایک سے محبت کر سکتی ہے اس لئے وہ اپنے شوہر سے حقیقی محبت نہ کر سکے گی اور اس کی زندگی برباد ہو جائے گی۔ ایسی تلخ زندگی وہ کس طرح برداشت کر سکے گی؟ اس کی تمام عمر رنج و غم اور آلام و مصائب میں بسر ہو گی اور میں ایسی بات کا متحمل نہ ہو سکتا تھا کہ میری وجہ سے وہ اپنی خانگی زندگی کی حقیقی مسرتوں سے محروم ہو جائے۔ میں تنہا ہر قسم کی مصیبتوں کو سہ سکتا ہوں لیکن اس کو متفکر و رنجیدہ دیکھنا یہ ہرگز ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔

"طالب وصل نہیں طالب دیدار ہوں میں"

تو اس یادگار رات ہی سے میرا عقیدہ ہو چکا تھا لیکن شادی کی تمنا ضرور میرے دل میں پیدا ہو گئی تھی۔ محض اس لئے کہ شریک شادی کر کے اپنی آئندہ زندگی کو خوشگوار اور فرحت بخش بنا لوں اور اس طرح اپنی آلام و بیقراریوں کا مداوا حاصل کر لوں جو محبت میں ناکامی کے باعث شادی کی تمنا شہوانی خواہشات کی بنا پر ہرگز نہ تھی بلکہ محض اس کے ساتھ آرام سے زندگی بسر کرنے کی آرزو کی بنا پر تھی۔ لیکن میرے ان خیالات میں حیرت انگیز اور غیر متوقع طور پر اچانک تبدیلی پیدا ہو گئی۔

میں اپنے ایک دوست کی فرمائش پر ایک ناول کا ترجمہ کر رہا تھا (یہ اس کی نسبت سے قبل کا واقعہ ہے) اتفاقاً ...

[illegible] (لفظ غالباً میری بہن سے) (اپنی معشوقہ سے) پاک محبت رکھتا تھا [illegible] اس نے شادی کے لئے بہت کوششیں کیں مگر......"

میرے دوست کی بے موقع اور بیساختہ ہنسی نے سلسلہ کلام قطع کردیا [illegible] ایک دم اچھل اٹھے۔ "بھئی واہ! پاک محبت اور شادی کی تمنا. خوب کیا لطیفہ ہے ہا... ہا... ہا۔ انہوں نے ایک طویل قہقہے پر اس عجیب و غریب فقرے کو ختم کردیا۔ وہ شہوانی خواہشات کو آرزوئے شادی کی بنا سمجھے ہوں یا کچھ اور اور نیز آپ اسے میری حماقت سمجھئے یا کم فہمی، اتفاق کہئے یا وقت کا اثر اور یا مجھے حق بجانب سمجھئے۔ بہرحال یہ ایک حقیقت۔ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اس اعتراضی قہقہے نے میرے خیالات میں عظیم تغیر پیدا کردیا۔ میں بے انتہا شرمندہ تھا کہ اب تک میری پاک محبت میں یہ قابل اعتراض رخنہ کیوں رہا۔ میں دراصل پاک محبت ہی کو شرافت و انسانیت کا اقتضا سمجھتا ہوں اور محبت میرے نزدیک وہی محبت ہے جو جذبات بہیمیہ اور شہوات حیوانیہ کی آلودگیوں سے پاک ہو اور میں ایک لمحہ کیلئے بھی یہ سوچنے کو تیار نہ تھا کہ میری محبت اس بلند معیار سے پست ہوکر مجھے اسفل السافلین بنا رہی ہے۔ بلا سے شادی نہ ہو اس صورت میں جتنی تکالیف زندگی بھر اٹھانی پڑینگی سب برداشت کروں گا لیکن یہ برداشت سے باہر ہے کہ اس عفت مآب دوشیزہ پر ایک بُری نگاہ ڈالنے کا خیال بھی کروں۔ چنانچہ میں شادی کا خیال دل سے نکال دینے میں کامیاب ہوگیا اور اب اس کے ساتھ ساتھ ازدواجی زندگی سے دستبردار ہونے کا خیال بھی جاتا رہا کیونکہ جب علت نہیں تو معلول کی کیا ضرورت؟

لیکن طبع انسانی کا تلون اور اسکی تغیر پذیری دیکھئے کہ کمزوری یا دافعیت (میں فیصلہ نہیں کرسکا کہ کیا کہوں) اس کی نسبت کا ذکر سن کر پھر عود کر آئی اور میں نے شادی کیلئے سر توڑ کوشش کی جیسا کہ بیان کرچکا ہوں لیکن خدا کو منظور نہ تھا کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ چنانچہ اب تمام خیالات رفو چکر ہوچکے ہیں اور [illegible] صرف ایک چیز ہے ــــ پاک محبت! خیر تو اب جیسی کہ امید تھی، سب کچھ مبہم طریقہ پر ظہور پذیر ہوچکا ہے یعنی اس کی شادی کے متعلق تمام انتظامات مکمل اور ختم ہوچکے ہیں اور اب خود اس کو بھی اس بارے میں کوئی [illegible] نہ ہوگا کہ وہ ہر حیثیت سے دوسرے کی ملک (کیونکہ ہندوستانی عورت [illegible] شادی کے بعد شوہر کے حسب منشا قابل استعمال ہوتی ہے) قرار پاچکی ہے۔ [illegible] مگر اس معصوم کی پاک محبت کو ــــ ہاں! ایسی محبت کو جس نے مجھے حقیقتہً انسان بنادیا اپنے شکستہ دل کی گہرائیوں میں پوشیدہ رکھے درد و کرب میں گزار دونگا۔ کیونکہ محبت کے صبر و سکون کو بھسم کردینے والی آگ اب بھی جبکہ دنیا کی کوئی طاقت اس کو مجھ سے نہیں ملا سکتی اپنی تمام تباہکاریوں اور محشر سامانیوں کے ساتھ میرے حرماں نصیب دل میں بدستور فروزاں و شعلہ زن ہے۔ سوچتا ہوں کہ شاید کوئی خوبصورت و خوش سیرت اور محبت کی قدردان بیوی اس کو کچھ سرد کرسکے۔ بہرحال ناکامی کے باوجود محبت اسی زور و شور پر ہے اور ہمیشہ رہیگی ــــ یہ تھی آزاد زمانہ محبت کی حیرت انگیز انتہا ــــ'

ایک بات اب بھی دل میں بُری طرح کھٹک رہی ہے یعنی اخلاقی اور سماجی حیثیت سے (کیونکہ یہ ہر دو حیثیات محبت کی حیثیت سے بالکل جدا ہیں) اب بھی مجھے اس سے محبت کرنے کا حق ہے یا نہیں..... یہ ایک شوہر والی عورت کی سخت توہین ہے کہ اس سے محبت کی جائے۔ لیکن اس کو بھول بھی تو نہیں سکتا ــــ مگر کچھ ہو اس کی اب شادی ہوچکی ہے اور بلا شرکت غیرے اس سے محبت کرنے کا حق صرف ایک شخص کو ہے..... لیکن مجھے اس کے ساتھ جسمانی تعلق تھا کب؟ میرا تعلق روحانی تھا اور روحانی ہے۔ مجھے اس کے جسم سے کوئی واسطہ نہیں ــــ میں اس کی روح سے محبت کرتا ہوں اور محبت کرتا رہونگا۔ اس کی روح کسی دوسرے کی نہیں ہوسکتی ــــ مذہب و سوسائٹی نے صرف اس کے جسم کا مالک اس کے شوہر کو بنایا ہے لیکن اس کی روح میری ہے اور اس خدا نے جس نے محبت کو پیدا کیا ہے اس کی روح کا مجھے مستحق بنا دیا ہے اور قیامت تک یہ استحقاق زائل نہیں ہوسکتا۔

غرضکہ خیالات کا یہ لامتناہی سلسلہ ہے جو دماغ کو پریشان کرتا رہتا ہے اور جتنا غور کرتا رہتا ہوں، ہر جگہ ــــ ہر مقام پر لیکن اور مگر کی گنجائش نظر آتی رہتی ہے۔

لیکن باوجود اس کے اب بھی بعض اوقات بیساختہ زبان سے نکل جاتا ہے۔ "میں تمہیں دل و جان سے چاہتا ہوں..... (نام لے کر) مجھے تم سے بے انتہا محبت ہے۔

کیفیات

سحبان الہند، وحید العصر، حضرت علامہ کیفی چریاکوٹی

میں دل بیچتا ہوں جگر بیچتا ہوں
خریدارِ غم ہوں اثر بیچتا ہوں

جہاں میں کوئی لینے والا نہیں ہے
خود اپنے کو شام و سحر بیچتا ہوں

جگر آب ہے اور آنکھوں میں آنسو
نظر ہو تو لعل و گہر بیچتا ہوں

طلب گار سر ہے محبت کا سودا
اِدھر لے رہا ہوں اُدھر بیچتا ہوں

دو عالم کی قیمت ہے یہ ناز والے
اِدھر ہو جو ترچھی نظر بیچتا ہوں

اِدھر دیکھ اے حاصلِ خوں فشانی
میں دل کو برنگِ دگر بیچتا ہوں

کھٹک دل کی سرمایۂ زندگی ہے
میں نشتر بھی اے چارہ گر بیچتا ہوں

سن اے صندلِ آسیائے زمانہ
ترے ہاتھ میں دردِ سر بیچتا ہوں

خریدار سوزِ شبِ غم اثر ہے
میں نقدِ دعائے سحر بیچتا ہوں

مرا ہر نفس اب متاعِ زیاں ہے
میں ہر وقت ہر گام پر بیچتا ہوں

اسیری کی تنہائیاں لوٹتی ہیں
قفس کے لئے بال و پر بیچتا ہوں

جہاں سے میں بیزار ہو کر چلا ہوں
جو کچھ ہے سرِ رہگذر بیچتا ہوں

مسافر کو کیا کام ہستی سے کیفی
کوئی لے تو رختِ سفر بیچتا ہوں

بزم ادب مندسور کا شاندار مشاعرہ

مصرع طرح

دور ہے منزل سے اپنا کاروان زندگی

جناب حامد حسن صاحب سرور صدیقی - بی - اے - اردو ٹیچر مندسور

اثر صاحب

تھک گئے ہیں لکھتے لکھتے کاتبانِ زندگی
بھاڑ میں جائے الٰہی داستانِ زندگی

زندگی چاہو تو بھولو داستانِ زندگی
مرنے سے پہلے مرے اے طالبانِ زندگی

آخرش ثابت ہوا ہر زا کچھ حرفِ غلط
آخرش مٹ کر رہا نام و نشانِ زندگی

لیکے دل دے تو گئے ہیں حسن والے ذرا دل
اب خبر لیتے نہیں غارتگرانِ زندگی

نبض دیکھی تو لاش ٹھکرائی ارے شاد بدگماں
بعدِ دن بھی آتر پر ہے گمانِ زندگی

جینے والے بھول بیٹھے مرنے والوں کو ہے یاد
ہائے تیری بھول بھلیاں چیستانِ زندگی

شاعر صاحب (وکیل سنواسرہ ضلع مندسور)

وقت ہیں کشمکشِ منزل رسی تو ہے نہیں
دیکھئے ٹھہرے کہاں یہ کاروانِ زندگی

وہ میں دلچسپیاں دنیا کو دی ہیں عشق نے
جن کی لطف انگیزیاں ہیں گلستانِ زندگی

ملا جنت تو پھر کیں لا مکاں تک رفعتیں
مرحبا اے پیکرِ خاکی یہ شانِ زندگی

سرور صاحب

کون ہے کس کو سنائیں ہم بیانِ زندگی
یاس و حسرت سے بھری ہے داستانِ زندگی

کانپتا ہے دل مرا خوف خدا سے دمبدم
ترجمانی کر رہا ہے ترجمانِ زندگی

ہمدم و دمساز جتنے تھے وہ راہی ہو چکے
اب روانہ ہو رہا ہے کاروانِ زندگی

طاقت صبر و رضا کو غم کے گرداب میں
آزمانے کے لئے ہے امتحانِ زندگی

عادل صاحب

جذب صادق ہے تو سب نزدیک ہے ورنہ عزیز
دور ہے منزل سے اپنا کاروانِ زندگی

شاکر صاحب (آنریری مجسٹریٹ گوالیار)

کیوں نہ جانوں آپ کے جانے کو آنا موت کا
کیوں نہ سمجھوں آپ کو روح روانِ زندگی

عارض صاحب

حشر میں اب کون سنتا ہے بیانِ زندگی
لکھ چکے ہیں دو فرشتے داستانِ زندگی

میں کہوں کس منہ سے اپنی داستانِ زندگی
خود مری شرمندگی ہے ترجمانِ زندگی

راہ پیچیدہ سفر دشوار، دشمن گھات میں
اب خدا حافظ ترا اے کاروانِ زندگی

ناخدا، بدلی ہوا، کشتی بھنور میں آ گئی
تیری صورت تک رہا ہے بادبانِ زندگی

ریاض صاحب

دمبدم بڑھتا ہے کیف ارمغانِ زندگی
جرعہ جرعہ پی رہے ہیں میکشانِ زندگی

ہوش آتے ہی ہوا مدہوش الفت کیا کہوں
بیخودی سے پوچھ ساقی داستانِ زندگی

جو سنا ہے ہر شجر پی کر مئے نشو و نما
کیا ریاض میکدہ ہے بوستانِ زندگی

صادق صاحب

راہ حق پر جا رہے ہیں رہروانِ زندگی
چھوڑ دی ہے دستِ خالق پر عنانِ زندگی

جو پہنچتے ہیں فنا ہو کر بقا باللہ تک
مٹ نہیں سکتا کبھی ان کا نشانِ زندگی

موت کو سمجھا ہے غافل زندگی کی انتہا
ہے مگر یہ ابتدائے امتحانِ زندگی

نیک سیرت، قول صادق کلام اچھے ہیں تو پھر
دیکھنا کس شان سے بڑھتی ہے شانِ زندگی

ملا قمر علی صاحب قمر

آہ کس برتے پہ کیجیے قصد بام ارتقاء
اس قدر اونچی کہاں ہے نردبانِ زندگی

ورد صاحب

کر عطا ہم کو الٰہی ایسی توفیق عمل
ہم سے اچھا چھوڑ جائیں ہم نشانِ زندگی

دارو ئے دردِ جگر دے دیتے تھے آج تک
بند کر کے چل دیئے وہ بھی دکانِ زندگی

وحید صاحب

چمن رہا ہے ہر نفس پر کچھ متاعِ انبساط
ہر قدم پہ لٹ رہا ہے کاروانِ زندگی

ان کے تیور بن گئے ہیں آج پیغامِ فضا
میری چشم آرزو ہے ترجمانِ زندگی

خستہ صاحب

عیش و راحت شوق و ارماں سارے رخصت ہو گئے
میرے مرنے پہ مٹے یہ دشمنانِ زندگی

غمان صاحب

غرق عصیاں ہو چکی ہے کشتیِ عمر رواں
سطح رحمت ڈھونڈتا ہے بادبانِ زندگی

منہ سے ہاں نکلا اشاروں سے نہیں آخر یہ کیا
وقت آخر لے رہے ہو امتحانِ زندگی

زندگی کیا چیز ہے جرم و خطا کی داستاں
موت کیا ہے اختتامِ داستانِ زندگی

ساز صاحب

رزم ہے بزمِ جہاں صرف جہادِ نفس ہو
دے ظفر مجھ کو خدا زیرِ کمانِ زندگی

اے خلیل آتشکدہ بھی اب ریاض خلد ہے
ابر رحمت تھا ازل سے پاسبانِ زندگی

وصی صاحب

کس لئے اترا رہا ہے کیوں ہے آخر بلبلِ باغ
چند روزہ ہے بہارِ بوستانِ زندگی

محمود صاحب

خوابِ غفلت میں پڑے رہنے کا یہ موقع نہیں
تم سے آگے بڑھ چکا ہے کاروانِ زندگی

نوجوانو کام لو ہمت سے کچھ آگے بڑھو
تا کہ پیدا ہوں [illegible] زندگی

ماہ مئی کی اشاعت ...

ہنگامہ خیز خصوصیات کی حامل ہے

اس سے پہلے اس کی شاندار نمبر مرتب نہیں ہوا

ماہ جون کی اشاعت خاص ...

ملک کے مشہور و معروف ادباء کے بہترین تحقیقی مضامین۔ ہر مضمون شروع سے لیکر آخر تک ...

ملک کے بہترین افسانہ نگاروں کے رنگین افسانے جن کے عنوانات کی فہرست ہی آپ کی ...
آپ کے دل میں شوق چٹکیاں لے گا۔ ہر افسانہ عشق و محبت کی ایک داستان ہے ...
فلک رس آہیں ۔ گرمی محبت کے جلتے ہوئے آنسو ۔ اور ... لیکن ...
مسکراہٹوں کا طوفان بھی لئے ہوئے ہیں (عنوانات کی فہرست ...

بہترین شعراء کی بہترین نظمیں ...
ہر نظم ...

[illegible] اشاعت خاص ماہ جون کی ایک مختصر جھلک

مندرجہ ذیل فہرست شروع سے آخر تک بغور ملاحظہ فرمائیے آپ یقیناً اشاعت خاص کی دلچسپیوں کا اعتراف کرینگے

بلند پایہ مضامین

"خوجی" — از جناب حمید احمد خاں صاحب ایم۔ اے۔ پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور۔ "فسانہ آزاد" کی مشہور شخصیت خوجی پر ایک زبردست علمی و تنقیدی مقالہ جو فن تنقید کا ایک بہترین نمونہ ہے۔

"بائرن" — از جناب ملک محمد طفیل صاحب نیر بی۔ اے۔ بی لٹ جرنلسٹ۔ انگلستان کے رنگین مزاج شاعر کے سوانح حیات پر تفصیلی تبصرہ اور اس کی بعض شہرۂ آفاق نظموں کے تراجم۔

"علمبردار حریت اتاترک کمال" از جناب سید ارشاد حسین صاحب آزہری۔ اے۔ ایل ایل۔ بی۔ ترکی کے نجات دہندہ غازی اتاترک کمال کے سوانح حیات اور جنگ عظیم میں آپ کے کارناموں کے حالات نہایت دلچسپ پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ بعض حالات آپ کو اس قسم کے ملیں گے کہ پڑھتے پڑھتے آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جائینگے۔

"ہندی اور عربی کے ہم معنی اشعار" از جناب شمس العلماء محمد امین صاحب عباسی چریاکوٹی پروفیسر اسلامیہ انٹرمیڈیٹ کالج ڈھاکہ۔ ایک سیر حاصل، رنگین اور دلچسپ ادبی مقالہ جس کی تیاری میں بے انتہا کاوش سے کام لیا گیا ہے۔ عالمگیر کی خوش قسمتی ہے کہ ایسا گرانقدر مضمون اسے شایع کرنے کا فخر حاصل ہو رہا ہے۔

"اطالیہ کی تحریک فسطائیت" از جناب عبدالرحیم صاحب شبلی بی۔ کام۔ فاشزم پر ایک بہترین اور پر از معلومات مضمون جس کے پڑھنے سے ناظرین پر بہت سے نئے حقائق کا انکشاف ہوگا۔

"ہندوستان کے متعلق بابر کی رائے" ۔ از جناب سید یوسف بخاری صاحب دہلوی۔ ایک بہترین تحقیقی اور دلچسپ ترین مضمون جو آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن دہلی سے نشر کیا گیا تھا۔

"[illegible] ایشیا" از جناب ممتاز حسین صاحب [illegible]۔ ایک بہترین دلچسپ جغرافیائی مضمون جس میں ایک مغربی سیاح نے [illegible] سیاحت کے متعدد دلچسپ اور حیرت انگیز واقعات بیان کئے ہیں۔

[illegible] از [illegible] صاحب ناصح گرنیوی عظیم آبادی [illegible] کے متعلق [illegible]

[illegible] کے علاوہ اور بھی کئی بہترین مضامین جو کہ اشاعت خاص [illegible]

[illegible] افسانے

"نقش بر آب" از جناب قاضی [illegible] صاحب [illegible]۔ چاندنی رات میں [illegible] ایک [illegible]
ایک نوجوان تیرتا ہوا اسے اپنے کاندھوں پہ اٹھا لاتا ہے۔ نوجوان اسے ہوش میں آتے ہوئے [illegible]
اس کے بعد افسانہ عشق و الم کا آغاز ہوتا ہے جس کا انجام [illegible] دونوں [illegible]

"مرگ محبوب" حضرت ایم۔ اسلم کا ایک شاہکار۔ ایک نوجوان ڈاکٹر [illegible] بیوی سے عشق تھا [illegible]
ادا خوبصورت نرس پر عاشق ہو گیا۔ اس کی بیوی کی بے قراری، آہیں اور ظلم عشق [illegible] انجام [illegible]
سحر آفرینیاں۔ فضا اور ماحول کا کیف آفریں منظر۔ افسانہ کا انجام صد درجہ درد انگیز ہے۔

"تیس مار خاں" ڈراما (مزاحیہ) از جناب چوہدری علاؤالدین صاحب [illegible] ڈراما کیا ہے ہنسی مذاق، مسکراہٹوں اور قہقہوں کا
ایک دنیا ہے۔ شروع سے آخر تک نہایت دلچسپ ہے۔ بعض مقامات پر تو پہنچتے پہنچتے اگر آپ [illegible]
پڑ جائیں تو سمجھ جائیے کہ آپ نے ڈراما کے ہیرو "مرزا مجو" کی توہین کی ہے۔

"شادی" از جناب چوہدری عبدالرشید صاحب تبسم بی۔ اے۔ کیسا پیارا نام ہے عنوان خود [illegible] افسانہ [illegible]
ایک ہندو لڑکی کے بچپن سے لیکر جوانی تک کے حالات کا نقشہ۔ کس طرح ایک پرخلوص نوجوان [illegible]
اسے اپنا ممنون احسان کیا اور پھر کس طرح قدرت نے نوجوان کو بیش بہا صلہ دیا۔

"جادوگر" ایک جادوگر نے مسمریزم کے ذریعہ کس طرح اپنے ایک مغرور دشمن کو تگنی کا ناچ نچایا۔ اس کی جائداد و دولت چھین لیا اور انتہا
یہ کہ اس کی محبوبہ کو بھی اپنے آپ پر عاشق کر لیا۔ ایک [illegible] داستان جو شروع سے آخر تک بہت ہی دلچسپ ہے۔

"ناہید" ڈراما۔ از حضرت محشر عابدی ایم۔ ایس۔ سی۔ کس طرح ایک نیک سیرت یہودی لڑکی کو ایک [illegible] نے [illegible]
ہوس میں اسیر کیا اور کس طرح وہ ایک رقاصہ بنی۔

"شب وصل" از جناب شمیم صاحب [illegible] الہ آبادی۔ دو پرستاران الفت کے تشنہ لبوں کا اتصال۔ [illegible]
کی رنگین داستان۔ خوبصورت ستاروں کی چھاؤں میں دو روحوں کی پاک محبت ایک [illegible]

"دل ہے پرائے بس میں" از محترمہ قمرالنساء بیگم صاحبہ۔ ایک شرمیلی لڑکی کی داستان محبت۔ محبت کی [illegible]
نتائج۔ عین شادی کے موقع پر حسینہ کا اقدام خودکشی۔

اتنے ہی نہیں بلکہ اور بھی کئی عمدہ افسانے شائع ہو رہے ہیں آپ ضرور [illegible]

حصہ نظم!

[illegible]

[illegible] بی۔ اے کی ایک [illegible] نظم جو جسم انسانی کی [illegible]
[illegible] عالمگیر کی اشاعت خاص کے لئے لکھی گئی ہے۔
[illegible] جناب ابو [illegible] گولڈ میڈلسٹ کی ایک بہترین سبق آموز نظم۔
[illegible] حضرت آثر صہبائی۔ ایم۔ اے ایل ایل۔ بی کی ایک کیف آفریں نظم جو آپ نے خاص طور پر عالمگیر کی اشاعت خاص کے لئے کہی ہے۔

یاد دیار مہرباں کی آ رہی ہے ایک نظم جناب سید حسن برنی صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی کی ایک دلکش نظم جو فارسی کے ایک فارسی اشعار کے ساتھ ساتھ اردو نظم میں اس کا لفظی سلیس اور بامحاورہ ترجمہ ہے۔

ان کے علاوہ

مولانا درد کاکوروی۔ مسٹر جلال الدین اکبر۔ حضرت دعا ڈبائیوی۔ جناب مقبول حسین صاحب احمد پوری۔ جناب آنس چاند پوری۔ مولانا ارشد تھانوی۔ حضرت کوکب شاہجہانپوری۔ حضرت ماہر القادری۔ جناب جلال الدین حیدر دہلوی وغیرہ بہت سے متعدد شعرا کا کلام اشاعت پذیر ہوگا

اگر آپ

اس قابل دید اور عظیم الشان اشاعت خاص کو بالکل **مفت** حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آج ہی ایک سال کیلئے عالمگیر کی خریداری قبول فرمالیجئے۔ قیمت سال بھر کیلئے صرف [illegible]

یاد رکھئے

عالمگیر [illegible] سال [illegible] ہے آج تک اس کی ایک اشاعت میں بھی ناغہ نہیں ہوا۔ ہر سال دو [illegible] خاص [illegible] مفت دکھاتی ہیں۔ اردو کے اس مایہ ناز اور قدیم خدمتگزار رسالہ کی [illegible] اشاعت [illegible] فرض ہے کیا آپ اس سلسلہ میں عالمگیر کی جائز امداد کرکے [illegible] [illegible] نیازمند ان۔
اراکان [illegible] عالمگیر

طوفانِ نوح!

ناخدائے سخن تاج الشعرا فصیح العصر حضرت نوح ناروی (الٰہ آباد)

طریقِ عشق میں کب خضر کو ہم ساتھ لیتے ہیں — وہ کوئی اور رہرو ہیں جو ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں
سکون و صبر کا رہنا بہت دشوار ہوتا ہے — متاعِ خانۂ دل بھی وہ دل کے ساتھ لیتے ہیں
اسی سے تیغ اٹھا کر قتل کرتے ہو زمانے کو — قدم لینے کے بدلے سب تمہارا ہاتھ لیتے ہیں
دمِ آخر کی آہیں بجلیوں سے کم نہیں گردوں — کوئی لحظے میں تجھکو بھی ہم اپنے ساتھ لیتے ہیں
حرم والوں کو اے ساقی تکلف کچھ نہیں ہوتا — ترے ہاتھوں سے وہ بھی جام ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں
اگر کوئی نہیں ملتا تو مٹی میں ملانے کو — مجھے وہ ساتھ رکھتے ہیں مجھے وہ ساتھ لیتے ہیں
ہزاروں ہاتھ بڑھ جاتا ہے ان کے عشق کا رتبہ — ترے کوچہ میں مر کر جو زمیں دو ہاتھ لیتے ہیں
مرا دل رہ چکا قائم جگر بھی رہ چکا ثابت — وہ لے کر تیغ دونوں کی خبر اک ساتھ لیتے ہیں
خدا جانے مرے دل سے انھیں کیسا توہم ہے — ادھر اس ہاتھ دیتے ہیں ادھر اس ہاتھ لیتے ہیں
رفیقوں سے تعلق دُور کا بھی رہ نہیں جاتا — عدم کے جانے والے کب کسی کو ساتھ لیتے ہیں
دلِ بے تاب پر کیا کہیے اس دم کیا گذرتی ہے — ہم اپنے ہاتھ میں جس وقت ان کا ہاتھ لیتے ہیں
کبھی ناشاد کہہ دینا، کبھی ناکام کہہ دینا — ہمارا نام وہ کس کس ادا کے ساتھ لیتے ہیں

جنابِ نوح کے اسمِ گرامی کا یہ صدقہ ہے
جہاں جاتے ہیں ہم کو لوگ ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں

محبوبہ کی قبر تک!

از جناب وحشی صاحب آروی،

یہ اس زمانہ کی بات ہے جب جنگ عظیم شروع نہیں ہوئی تھی بلکہ ان ہولناک انسانی تباہ کاریوں کی تیاریاں بڑے زور شور سے ہو رہی تھیں اور یورپ کے ممالک ایک دوسرے سے ٹکرا جانے کے لئے بیقرار نظر آ رہے تھے۔ فرانس اور جرمنی میں کافی کشیدگی پھیل گئی تھی اور پرانے معاہدوں کو بالائے طاق رکھ کر وہ فوجی تنظیم ہو رہی تھی کہ دول یورپ کا ہر نوجوان جنگ کا دیوتا بن کر رہ گیا تھا۔

شہری آبادیوں میں بھی ایک ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ کیونکہ جنگ کے زمانہ میں شہری آدمیوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ وہاں سے کوئی فوجی امداد نہ مل سکے۔ الغرض ان شہری باشندوں کے سر پر بھی جنگ کے بادل بری طرح منڈلا رہے تھے اور ان کے جان و مال کے تحفظ کا انتظام کسی بھی حکومت کے بس کی بات نہ تھی۔ یہ خطرہ سب سے زیادہ جرمن باشندے محسوس کر رہے تھے کیونکہ بہت سی جرمن نوآبادیات تنازعہ کا باعث بنی ہوئی تھیں اور جرمنی ان نوآبادیات کی حفاظت اور قومی وقار کی تشکیل جدید میں مصروف تھا۔ چنانچہ جابجا آلات جنگ تیار کرنے کے لئے کارخانے کھل گئے تھے اور ایسی ایسی تخریبی ایجادات منظر عام پر آ رہی تھیں کہ دنیا محو حیرت ہو گئی تھی۔

موسیو رگیس جرمنی کے ایک فوجی دستہ کا کمانڈنگ افسر تھا اور اس کے سینہ میں ایک ایسا قوم پرست دل تھا اور دل میں ایسی زبردست ہمت جس کے باعث وہ بہت سے اعزازی خطابات حاصل کر چکا تھا۔ سوسائٹی میں بھی اس کی کافی عزت تھی اور اس کے جاننے اور پہچاننے والے اس کی قسمت پر رشک کرتے تھے۔

موسیو رگیس کی بیوی مارگریٹ رگیس جب اپنے شوہر کے متعلق کسی کی زبان سے کوئی تعریفی کلمہ سنتی تو اس کا دل باغ باغ ہو جاتا۔ وہ ایسا محسوس کرتی جیسے دنیا میں وہ سب سے زیادہ خوش نصیب عورت ہے موسیو رگیس کو بھی اپنی بیوی سے بہت محبت تھی۔ مارگریٹ رگیس کی ہر ادا پر اس کے دل کی کلی کھل جایا کرتی تھی۔ الغرض یہ جوڑا محبت کے ایک ایسے سمندر میں بہا جا رہا تھا جہاں پانی کی جگہ شراب ہی شراب تھی۔

موسم بہار کی ایک شام کا ذکر ہے۔ آفتاب کی شفق آلود کرنیں اونچے اونچے مکانات کے بالائی حصوں پر تھرک رہی تھیں۔ اسلحہ سازی کے تمام کارخانے بند ہو چکے تھے اور ہر طرف سکوت تھا۔ اس وقت لوگ ایسا محسوس کر رہے تھے جیسے ان کی دیوی نے جنگ کے دیوتا کو شکست دیدی ہے۔

موسیو رگیس محکمہ جنگ کے دفتر سے نکل کر اپنے ایک ماتحت سپاہی موسیو گیج سے کچھ ضروری باتیں کرنے کے لئے اس کے کوارٹر میں پہنچا۔ دروازے پر دستک دینے کے بعد وہ برآمدے میں ٹہلنے لگا۔

"وہ گھر پر نہیں ہیں۔" ایک خاتون نے دروازہ کھولتے ہوئے جواب دیا۔

"بہت افسوس ہے۔" موسیو رگیس نے تحکمانہ لہجہ میں کہا۔ "مجھے ان سے بہت ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"اندر تشریف لایئے۔" خاتون نے کہا۔ "وہ آتے ہی ہونگے۔"

"شکریہ!" کمرے میں داخل ہوتے ہوئے رگیس نے کہا۔

"بیٹھ جایئے مہربان!" خاتون نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"میں بہت دیر تک انتظار نہیں کرونگا۔" موسیو رگیس نے کرسی پر بیٹھ کر جواب دیا۔

مارگریٹ گیج نے رگیس کے آخری جملہ کو لاپروائی کے ساتھ سنا۔

ردہ بل کھاتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

چند لمحوں کے بعد مارگریٹ گیچ شراب کی بوتل اور پیمانہ ہاتھ ۔ لئے کمرے میں داخل ہوئی۔

"جناب من! شوق فرمایئے": مارگریٹ گیچ نے شراب کی بوتل ۔ رپر رکھتے ہوئے کہا۔

"شکریہ — ! اس کی کیا ضرورت تھی": رگیس نے بوتل کی ڈاٹ ۔ نگلی رکھ کر کہا۔

جواب میں مارگریٹ گیچ، موسیو رگیس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال ۔ سکرا دی۔ مارگریٹ گیچ نے کیا کہا اور رگیس نے کیا سمجھا اسے کون شخص ۔ سکتا ہے؟

"بیٹھ جایئے نا آپ بھی محسنہ!": رگیس نے مارگریٹ گیچ پر للچائی ۔ ی نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"بہت بہت شکریہ!" مارگریٹ گیچ میز کے کونے پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ ۔ اور گلاس میں شراب انڈیل کر رگیس کی طرف بڑھا دیا۔

"شکریہ!" رگیس نے پیمانہ کو ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

اس طرح مینوشی کا مشغلہ جاری ہو گیا۔ رگیس اور مارگریٹ گیچ دونوں نشہ میں چور ہو گئے۔ طشت خاکستر میں نصف جلے ہوئے سگریٹوں کا ڈھیر لگ گیا۔ موسیو رگیس نے شراب کا آخری گھونٹ حلق میں اتار لے کے بعد مارگریٹ گیچ کی نرم و نازک انگلیوں کو دباتے ہوئے اس طرح اس کے چہرے کی طرف دیکھا جیسے وہ کسی بات کا وعدہ لینا چاہتا ہے۔ مارگریٹ گیچ اس کے لئے پہلے ہی سے تیار تھی اس لئے مستانہ نگاہی سے رگیس کو دیکھا اور وہ جذبات ... سے مغلوب ہو گئی۔ ادھر رگیس کے شوق کی بیتابی بڑھتی جا رہی تھی۔ دونوں کھڑے ہو گئے۔ رگیس نے مارگریٹ گیچ کی کمر میں اپنا ہاتھ حمائل کر دیا۔ اس وقت مارگریٹ گیچ کے ہونٹ نیچے کی چٹکی میں دبی ہوئی تتلی کی طرح لرز رہے تھے۔

اس کے بعد — ؟

موسیو رگیس جب رخصت ہونے لگا تو مارگریٹ گیچ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"آپ روز رات کو یہاں آجایا کیجئے۔"

"اور تمہارا شوہر؟" رنگیس نے تعجب کے ساتھ سوال کیا۔

"اس کی پرواہ مت کیجئے۔ وہ رات رات بھر غایب رہتا ہے اور میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ وہ کبھی اس راز کو جان نہیں سکے گا۔" مارگریٹ گیج نے اپنی باتوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"لیکن وہ تو تم سے محبت کرتا ہے۔" رنگیس نے کہا۔

"ایسی محبت کی مجھے ضرورت نہیں۔" مارگریٹ گیج نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ اب تو میں آپ کی بن کر رہنا چاہتی ہوں۔ وعدہ کیجئے کل بھی رات کو آیئے گا نا؟"

"ہاں آؤں گا!" رنگیس نے کہا۔

"شکریہ ضرور آیئے گا نا؟"

"ضرور!" جواب ملا۔

مارگریٹ گیج نے مصافحہ کیلئے اپنا ہاتھ رنگیس کی طرف بڑھا دیا۔ رنگیس نے اس کی کلائی کا بوسہ لیا۔ پھر دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور رخصتی سلام کے بعد جدا ہو گئے۔

مارگریٹ گیج، رنگیس کو رخصت کر کے پلنگ پر لیٹ گئی اور نیند کو خوش آمدید کہنے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر آج اسے نیند ہی نہیں آ رہی تھی آنکھیں بند کئے ہوئے وہ پڑی ہوئی تھی اور اس کے دل میں طرح طرح کے خیالات ناچ رہے تھے۔ وہ لیٹی سوچ رہی تھی۔

"رنگیس کتنا اچھا نوجوان ہے۔ اس کی محبت میں کتنی شیرینی ہے۔ کاش ہم دونوں ہمیشہ کے لئے ایک ہو جائیں۔ گیج سے کسی بات کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ وہ رات کو نہ جانے کہاں غایب رہتا ہے۔ میں تنہائی کی زندگی کب تک بسر کر سکتی ہوں۔ آخر میرے سینے میں بھی ایک جوان دل ہے۔ پھر گیج کے مقابلے میں رنگیس بہت بڑا آدمی ہے۔ اس کی محبت سے میں جو لطف حاصل کر سکوں گی وہ گیج کے ذریعہ عمر بھر حاصل نہیں ہو سکتا۔ وہ بالکل بے پروا آدمی ہے۔ میں خیالی محبت کی رنگین دنیا کو کیا کروں گی۔ مجھے تو عملی محبت کی پرکیف دنیا چاہئے۔۔۔ کل سے روز روز۔۔۔۔۔ محبت۔۔۔۔ شراب۔۔۔۔ مستی۔۔۔۔ رنگیس۔۔۔۔ اور۔۔۔ عیش۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔۔"

یہ سوچتے سوچتے وہ سو گئی اور خوشبودار تنفس کی ترنم ریز آواز بجلی کے سبز قمقمے میں جذب ہونے لگی۔

اس روز کے بعد رنگیس، مارگریٹ گیج کا بہترین دوست تھا دونوں رات رات بھر عیش اڑاتے اور گیج نہ جانے کہاں غایب رہتا۔ گیج کو اپنی بیوی کی محبت پر بھروسہ تھا اس لئے وہ اس کی طرف سے کچھ لاپروا سا ہو گیا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ رنگیس اور مارگریٹ گیج میں ناجائز تعلقات ہیں۔

آخر وہ منحوس دن آ پہنچا جب لاکھوں انسان کشت و خون میں تڑپنے کے لئے بیقرار ہو گئے۔ اعلان جنگ کی خبر سارے شہر میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ ماؤں کے سر پر بیوگی اور بچوں کے سر پر یتیمی کا بھوت ناچنے لگا۔ قومی وقار کے تحفظ کے پیش نظر ملک کے نوجوان اپنی گردن اور تلوار کا کھیل کھیلنے کے لئے میدان جنگ کی طرف رخصت ہونے لگے عورتوں اور بچوں کے بے پناہ آنسوؤں سے زمین تر ہو گئی۔ کسی کی آنکھیں ایسی نہ تھیں جو روتے روتے سوج نہ گئی ہوں۔ ماؤں نے لڑکوں کو اور بیویوں نے شوہروں کو قوم پر قربان ہو جانے کے لئے الوداع کہی۔ فوجیں مارچ کرتی ہوئی ریلوے اسٹیشن پر پہنچیں اور سپہ سالار اعظم کے تجویز کردہ مقامات کی جانب روانہ ہو گئیں۔

اگرچہ سول آبادی کی حفاظت کا کافی انتظام کیا گیا تھا مگر کسی ایک فرد کی جان بھی خطرے سے خالی نہیں تھی۔ ہر وقت یہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ کب دشمنوں کے بمبار طیارے اپنی جنون زائیوں کا ثبوت پیش کرتے ہوئے شہر کو جلا کر خاکستر کر دیں۔ رات کو شہر میں روشنی ممنوع قرار دے دی گئی تھی اور دن کو تہ خانوں اور مکانوں کی زیریں منزلوں میں چھپ کر بیٹھنے کا حکم جاری ہو گیا تھا۔ حفاظتی تدابیر پر کافی سے زیادہ عمل کیا جا رہا تھا۔ دشمنوں کے حملوں کی مدافعت کرنے کے لئے ہر وقت فضا میں طیارے پرواز کرتے رہتے تھے۔ افواج کے لئے سامان جنگ مہیا کرنے کے مد نظر شہری آبادی کے تمام پبلک کارخانوں کو جنگی کارخانوں میں تبدیل کر دیا گیا تھا اور سکولوں کو ہسپتالوں کی شکل میں مبدل کر کے شہر کی عورتوں کو مریضوں کی خدمت کرنے کی تعلیم دی جانے لگی تھی۔

موسیو رگیس بھی اپنے فوجی دستہ کے ساتھ فرانسیسی سرحد کی طرف روانہ
ؕگیا تھا۔ گیج کو کسی دوسرے کمانڈنگ افسر کے تحت میڈیٹیرین کی جانب
بھیج دیا گیا تھا۔ ان دونوں نے اپنی بیوی کو بادیدۂ تر چھوڑا تھا اور دونوں
ؕکو اپنی بیوی کی محبت پر بھروسہ تھا۔

جنگ چھڑنے کے چار ماہ بعد موسیو رگیس کو معلوم ہوا کہ دشمنوں نے
ؕس کے شہر کو تباہ کر دیا ہے اور سول آبادی کس مپرسی کی حالت میں زندگی
بسر کر رہی ہے۔ یہ خبر سنتے ہی اس کے قومی جوش میں اضافہ ہو گیا۔ اور
وہ نہایت تیزی کے ساتھ فرانسیسی سرحد پر بڑھنے لگا۔ بعد میں اسے اطلاع
ؕکہ سول آبادی کے ہلاک شدگان میں اس کی بیوی مارگریٹ رگیس بھی
ؕال ہے۔ اس خبر سے اس کی ہمت پست ہو گئی۔ وہ گھر پہنچنے کے لئے
ؕمرار ہو گیا مگر ایسا کرنا فوجی قانون کے خلاف تھا اس کی آنکھوں میں کورٹ مارشل
نقشہ پھر گیا۔ آخر اس نے دل پر جبر کیا اور سوچا کہ محبت سے پہلے قومیت
سوال ہے اس خیال سے اس کے دل کو تقویت پہنچی اور پورے جوش و
ؕوش کے ساتھ دشمنوں کے ملک میں داخل ہونے کی کوشش کرنے لگا
ؕدشمنوں کی آبادیوں کو اسی طرح تباہ کر دینا چاہتا تھا جس طرح اس کے
ؕکی آبادیوں کو تباہ کیا گیا تھا وہ ان کی عورتوں کو بھی اسی طرح ہلاک کر دینا
چاہتا تھا جس طرح اس کے ملک کی عورتوں کو ہلاک کیا گیا تھا۔

کئی سال کے بعد برطانیہ عظمیٰ کے معاہدہ کے سامنے یورپ کے تمام
ؕلک نے سر جھکا دیا اور اس طرح جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ فوجیں اپنے اپنے
ؕکوارٹر میں واپس آنی شروع ہو گئیں۔ مرنے والوں کو خراج عقیدت
ؕکیا گیا اور جینے والوں کو فوجی خطابات اور انعامات سے نوازا گیا۔
ؕروں میں بڑی دھوم دھام سے یوم امن منایا گیا۔ مگر یہ سب کچھ کب ہوا؟
جب لاکھوں بلکہ کروڑوں انسان ہلاکت اور تباہی کی نذر ہو چکے۔

موسیو رگیس کو عہدہ میں ترقی ملی اور گیج کو بھی فوجی خدمات کے
سلسلے میں کمانڈنگ افسر بنا دیا گیا۔

بہار کی ایک شام کا ذکر ہے۔ آفتاب اپنی سنہری کرنوں سے مکانات
کے بالائی حصوں پر سونے کا ملمع کر رہا تھا۔ سڑکوں پر گاڑیوں، موٹروں
کی آواز اور ٹرام کی ٹن ٹن سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ ہر
طرف خوش حالی ہی خوشحالی تھی ــــــ ٹھیک اس وقت موسیو
رگیس کو مارگریٹ رگیس کی یاد آئی۔ تمام پرانی باتیں اور اس وفا پرست
عورت کی طرف سے لاپروائی اس کے دماغ میں ناچنے لگی۔ وہ شہر سے دور
ایک غیر آباد قبرستان میں پہنچا۔ وہیں مارگریٹ رگیس کو دفن کیا گیا
تھا۔ رگیس نے وہاں تھوڑے سے پھول توڑے اور انھیں دونوں
ہاتھوں میں دبا کر آگے بڑھا۔ پھولوں کی کیاریوں سے گذرتا ہوا وہ مارگریٹ
رگیس کی قبر پر پہنچا۔ اس سناٹے میں اسے ایک ایسی آواز سنائی دی
جیسے کوئی آدمی اپنی محبوبہ کی قبر پر دعا مانگ رہا ہو۔ وہ آگے بڑھا اور بڑھتا
ہی گیا۔ سامنے ہی اس کی بیوی کی قبر تھی۔

کیا دیکھتا ہے کہ موسیو گیج اس کی بیوی کی قبر پر دوزانو ہو کر
دعا مانگ رہا ہے۔

"پیاری! تمھارے بغیر میں کس طرح زندہ رہونگا؟ کیا جنت
میں بھی تمہیں میری یاد آتی ہو گی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

موسیو رگیس اس سے زیادہ نہیں سن سکا۔ اسے فوراً ہی کوئی بات
یاد آ گئی اور وہ وہاں سے واپس چلا آیا۔ (وحشی)

غزل

جناب شیدا اسحانی صاحب آڈھوی

نگاہ ناز محفل میں کہیں قاتل نہ بن جائے
دل ناداں نظر کے سامنے بسمل نہ بن جائے

جو لیلیٰ بے نقاب آئے ابھی مجنوں تو کیا حاصل
ہجوم شوق بیحد پردۂ محمل نہ بن جائے

بھنویں کھنچنے لگیں ظالم کی اب رہ رہ کے محفل میں
نشانہ اس کماندار قضا کا دل نہ بن جائے

کچھ اس انداز سے مقتل میں اب لاشے تڑپتے ہیں
پریشاں ہو کے قاتل بھی کہیں بسمل نہ بن جائے

مزہ منزل کا اب آتا ہے تھک کر بیٹھ جانے میں
مری واماندگی بڑھکر کہیں منزل نہ بن جائے

اُدھر آنکھیں اُٹھیں اُنکی اِدھر جنبش ہوئی دل کو
کہیں تارِ نگہ مضرابِ سازِ دل نہ بن جائے

مسلماں ہو کے واعظ کس لئے کعبہ کو ڈھاتا ہے؟
تری تقریر سامانِ شکستِ دل نہ بن جائے

الٰہی آج وہ مقتل میں آکر سوچتے کیا ہیں؟
سبکدوشی مری اک عقدۂ مشکل نہ بن جائے

اب آہ بے اثر سے اپنا دم گھٹنے لگا ہمدم
کہیں دیوِ اجل دودِ چراغ دل نہ بن جائے

کسی کا حسنِ برہم دیکھ کر خلقت پریشاں ہے
زمیں کا ذرّہ ذرّہ کائنات دل نہ بن جائے

محبّت رفتہ رفتہ گاہکِ جاں ہوتی جاتی ہے
نگاہِ سرمگیں بڑھکر کہیں قاتل نہ بن جائے

بھڑک اٹھتی ہے کیوں رہ رہ کے شمعِ زندگی شیدا
شبِ غم کی سحر اک عقدۂ مشکل نہ بن جائے

آسمانِ شاعری کا نیّرِ تاباں!

ہندوستان کا معجز نما شاعر

محترمہ فاطمہ لیاقت صاحبہ منشی فاضل

دنیا جب سے وجود میں آئی شاعری بھی اسی وقت سے منصۂ شہود
جلوہ گر ہوئی۔ فکرِ لطیف انسانی دماغ کا ایک جزو لاینفک ہے۔ ابتدائے
الم سے لے کر اس وقت تک ہر قوم و ملک کی ادبی تاریخ پر نظر ڈالنے
سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقدس وجود ہمیشہ رہا اور ہر ملک کا شاعر
اپنے قوم و ملک کی ترجمانی اس زمانے کے حالات، جذبات و خیالات کا اظہار
شاعرانہ الفاظ میں کرتا رہا۔ اپنے کلام موزوں سے دلوں پر جادوگری کی،
بھی اس نے غلامی کی زنجیریں توڑ دیں کبھی مفتوح ہونے والوں کو فاتح
بنا دیا۔ اپنے ہم وطنوں کی حالت بدل دی۔ قوم کا انتشار دور کر دیا۔ غریبوں
کی ترجمانی کی اور امیروں کے عیوب کی طرف توجہ دلائی۔ کبھی بےحس انسانوں
کو مناظرِ قدرت سے روشناس کرایا۔ خلاصہ یہ کہ حقیقی شاعر اپنے سحر انگیز کلام
سے زور سے ... کا کام لیتا رہا۔

زمانہ گذرنے کے ساتھ ساتھ رفتہ رفتہ اصنافِ شاعری میں بھی
تغیر و نما ہوتا گیا۔ جہاں حسن و عشق کو "کائنات شاعری" خیال کیا جاتا
تھا، اس میں اس قدر وسعت ہو گئی کہ شاعری کے سینکڑوں اقسام اس
میں سما گئے۔ سائنس و مذہب۔ فلسفہ و حکمت، جبر و مقابلہ، وجودِ باری
آفرینش انسانی۔ اخلاق و سیاسیات وغیرہ وغیرہ ہزاروں قسم کی
رنگا فیاں ہونے لگیں۔

قسامِ ازل نے یہ احساسِ لطیف ہر ایک میں ودیعت نہیں فرمایا
بلکہ خاص خاص دماغوں کو اس دولتِ لازوال سے مالا مال کیا ہے۔ اس
میں بھی ادنیٰ و اعلیٰ کا فرق رکھا ہے جس کے مطابق "جذباتِ لطیف کا

ہر حال" جس کو عرفِ عام میں "شاعر" کہا جاتا ہے "فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست"
کا مصداق ہوتا ہے۔ لیکن حقیقی شاعر وہی ہوگا جس میں اس "فکرِ لطیف"
و "احساسِ جمیل" کی "فراوانی" ہو اور قدرت نے اس کے دماغ و چشمِ بصیرت
کو اپنے انوار کی تجلی سے منور کر دیا ہو۔ اس مبارک حالت میں اس کو،
"تلمیذ الرحمٰن" کہنا بھی جائز ہوگا اور اس کے کلام کو الہام سے موسوم کرنا
بھی صحیح —— قدرت کا یہ اٹل قانون ہے کہ وہ اس جنسِ لطیف کی
ارزانی نہیں کرتی وہ اپنی ودیعت کی امانتدار ایسی ہی ہستیوں کو
بناتی ہے جو اس کی قدر اور "صحیح استعمال" سے واقف ہوں۔ اس لئے
فطرت ایسی اہم امانت داری کے لئے ہر دور میں صرف چند کو منتخب
کرتی ہے اور بس ——!

موجودہ دور کی "امینِ احساساتِ جمیل و فکرِ لطیف" وہ مبارک اور
مسعود ہستی ہے جس کے مولد بننے کا فخر ارضِ سیالکوٹ کو حاصل ہے۔ جس کو
تلمیذ الرحمٰن ہونے کا شرف حاصل، جس کا بلند خیال و نکتہ رس دماغ انوار
قدرت سے جگمگا رہا ہے۔ اقبال کا وجود وہ ہے جس نے اہلِ ہند کے سر
نازش و افتخار سے بلند کر دیئے ہیں اور دکھلا دیا ہے کہ ہندوستان کا شاعر
بھی گوئٹے۔ شیلے۔ ملٹن۔ اسکاٹ۔ ورڈس ورتھ۔ لانگ فیلو۔ ٹنی سن۔ کولرج ہو سکتا
ہے۔ بقول جناب شیخ عبدالقادر بار ایٹ لا سابق مدیر "مخزن":

کسے خبر تھی کہ غالب مرحوم کے بعد پھر سے ایسا شخص پیدا ہوگا جو
اردو شاعری کے جسم میں ایک نئی روح پھونک دے گا۔ اور جس کی بدولت
غالب کا بےنظیر تخیل اور نرالا اندازِ بیان بھی دہرایا جائیگا۔ نیا لگ دے

کی خوش اقبالی دیکھئے کہ اسے اقبال سا شاعر نصیب ہوا جس کے کلام کا سکہ آج ہندوستان بھر کی اردو داں دنیا کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے اور جس کی شہرت روم و ایران بلکہ فرنگستان تک پہنچ چکی ہے۔ غالب اور اقبال بہت سی باتوں میں مشترک ہیں۔ اگر میں تناسخ کا قائل ہوتا تو ضرور کہتا کہ مرزا اسد اللہ خاں غالب کو اردو اور فارسی کی شاعری سے جو عشق تھا اس نے ان کی روح کو عدم میں بھی جا کر چین نہ لینے دیا اور مجبور کیا کہ وہ پھر کسی جسد خاکی میں جلوہ افروز ہو کر شاعری کے چمن کی آبیاری کرے اور اس نے پنجاب کے ایک گوشے میں جسے سیالکوٹ کہتے ہیں جنم لیا اور محمد اقبال نام پایا"

اس معجز نما شاعر کے سحر انگیز کلام میں اگر ایک طرف عرب کی فصاحت عجم کی نازک خیالی جدت پسندی نظر آتی ہے تو دوسری طرف میر کا سوز غالب کا نو تخیل اور اجتہاد درد کی تاثیر اور مومن کی نازک خیالی ذوق کی روانی و صفائی کا جلوہ نظر آتا ہے۔ ملٹن کے قول The Best words in their Best order کے مطابق اس شاعر فسوں ساز کی زبان سے نکلا ہوا ہر شعر مکمل شعر ہوتا ہے۔ آپ امن و آشتی کے معلم ہیں اور دنیا کو اسی ملکوتی رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ مذہب کے جھگڑے اور فرقہ پرستی کا تفرقہ مٹا کر وہ ایک ایسی فضا پیدا کرنی چاہتے ہیں جہاں سکون و اطمینان کا جلوہ ہو اور اخوت و ہمدردی کا نور۔ آپ دل مسلم میں ایک زندہ کن تڑپ دیکھنا چاہتے ہیں اور دیگر اقوام کی طرح اہل اسلام کی ترقی و بہبود کے خواہاں آپ کا کلام روح پر اثر ڈالنے والا الہامی کلام ہے اور بیدار کرنے والا معجزہ —— "ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد" کے مصداق ہے مقبول و پسندیدہ

شاید ہی کوئی ایسا خوش نصیب شاعر ہوگا جس کے افکار یکساں طور پر ہر شخص کے ذوق کو اپیل کر سکتے ہوں۔ اقبال کے دلپذیر اشعار بچے بچے کی زبان پر ہیں اور ایک نئی روح پھونکنے والے ناسمجھ بچے اگر اقبال کے ترانے پرندے کی فریاد ہمالہ وغیرہ عام فہم سادے اشعار دلچسپ حکایتوں اور کہانیوں سے لطف اٹھاتے ہیں تو عام پبلک ان کی پُر اثر نظموں سے مسرور ہوتی ہے۔ اہل علم اور روشن دماغ ان کے کلام پر فلسفہ و حکمت کی چاشنی سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ اس میں مشکل سے مشکل مسائل کا جواب اور عقدہ ہائے لاینحل

کا حل دیکھ کر فرط حیرت سے انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ فخر قوم اقبال ایک گم کردہ راہ لیڈر قوم کو اس کی غلط روی پر ٹوک کر سیدھی راہ بتاتا۔ زاہد سالوس کو اس کی فریب کاری پر شرم دلا کر عابد حق پرست بننے کی ترغیب دیتا ہے۔ قوم مسلم کی موجودہ کس مپرسی اور تنزل وانحطاط کا سبب بتلا کر اس سے بچنے اور بیدار ہونے کی رائے دیتا ہے۔ وہ رفتار زمانہ اور فطرت انسانی کے مطابق اپنے گہر ریز قلم کو جنبش دیتا ہے۔ بقول ایک مغربی شاعر "آرنلڈ" کے شاعری زندگی کی ایک "تنقید" ہے اور کسی شاعر کی عظمت کا دارومدار اس امر پر ہے کہ وہ کس طرح قوی اور خوبصورت پیرایہ میں مسائل زندگی پر خیالات کی روشنی ڈالتا اور بتاتا ہے کہ زندگی کس طرح بسر کرنی چاہیے؟ جو شاعری اخلاقیات سے بغاوت کرتی ہے وہ زندگی سے بغاوت کرتی ہے۔"

چنانچہ اقبال نے برابر اس کا جواب دیا اور زندگی کی تفسیر بیان کی۔ ان کی پاکیزہ شاعری حسن وعشق کے چرچوں۔ گل وبلبل کے فرسودہ قصوں سے پاک ایک بیدار مغز "کام کی شاعری" ہے۔ اس کی فکر لطیف نے ہندوستان کی شاعری کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ اس کا کلام مغربی شعراء کی طرح احساسات لطیف سے لبریز ہوتا ہے۔ تمام عالمانہ مضامین کے ساتھ ساتھ مشکل مسائل کو بھی اس قدر آسان اور عام فہم طریقے سے بیان کر جاتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ ملک کے موجودہ مذاق کو دیکھتے ہوئے لکھا ہے۔

من شکوہ خسروی اورا دہم — تخت کسری زیر پائے او نہم
او حدیث دلبری خواہد زمن — آب و رنگ شاعری خواہد زمن
کم نظر بیتابی جانم ندید — آشکارم دید و پنہانم ندید

آپ شاعری کی ظاہری زیب وزینت کا خیال نہیں کرتے بلکہ اظہار حقیقت کے ساتھ دل پر درد کے ٹکڑے صفحۂ کاغذ پر بکھیر دیتے ہیں جس میں دل کو موہ لینے والی لطافت ہوتی ہے اور حشر انگیز اثر جس سے بقدر ذوق و استعداد ہر دل لطف اندوز ہوتا ہے۔ ننھے بچے جب اپنے معصوم لہجہ میں قومی ترانہ پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی شان عظمت اور اخوت کا عالمگیر اثر ہمارے دلوں کو بہیں ڈالے گا۔

اقبال کا فارسی کلام اردو سے زیادہ شیریں اور لطیف ہے۔ کبھی اس میں "زبان پہلوی کے قرآن" کا جلوہ نظر آتا ہے۔ کبھی عرفی کی ناز کخیالی حافظ کی شوخی اور سعدی کی نصائح کا۔ "اسرار خودی" اور "پیام مشرق"

آپ کی معرکۃ آرا فارسی تصانیف ہیں جن کو فخر کے ساتھ ادبی دنیا میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ اقبال کی فلسفیانہ نکتہ سنجی کی ایک مثال ملاحظہ ہو ؎

دداغ غنچہ میں ہے راز آفرینش گل — عدم عدم ہے کہ آئینہ دار ہستی ہے

اس کے نزدیک آفرینش انسانی کا سبب یہ ہے ؎

نمود تیری نمود اس کی نمود تیری
خدا کو تو بیحجاب کر دے خدا تجھے بیحجاب کر دے

بقول آنرے

منتشر تھا جلوہ آرائے ازل کی قوتیں — شوق خود بینی نے یکجا ہو کے انسان کر دیا

کبھی ارتباط باہمی کا سبق اس طرح سکھاتے ہیں ؎

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں — موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

راز حیات کا انکشاف یوں ہوتا ہے ؎

فرصت کشمکش مدہ ایں دل بیقرار را
یک دو شکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را

حسن ازل کی پیدا ہر لالہ و گل میں ہے نہاں
کہتے ہیں بیقرار ہے جلوۂ عام کے لئے

راز حیات پوچھ لے خضر خجستہ گام سے
زندہ ہر ایک چیز ہے "کوشش ناتمام" سے

آپ ایک وطن پرست قومی شاعر ہیں اس لئے تسبیح وزنار توڑ کر وطن پرستی اور اخوت باہمی کی تعلیم ہر جگہ دیتے ہیں۔

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا — ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

وطن پرستی کا پرچار اور دیس کی پوجا کی تعلیم کیا اس سے اچھی کوئی اور دے سکتا ہے ؎

پتھر کی مورتوں کو سمجھا ہے تو خدا ہے — خاک وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

کبھی یہی شاعر احساس ملی سے تڑپ کر اسلام کے حلقہ بگوشوں کو سمجھاتا ہے کہ ارض حجاز سرزمین یثرب و بطحا ہی ان کا وطن نہیں بلکہ ؎

مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے — غارتگر کاشانۂ دین نبوی ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے — اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے
نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے — اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے

کبھی آپ نغمۂ حیات اس طرح چھیڑتے ہیں ؎

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں پیہم رواں ہر دم جواں ہے زندگی

خود اعتمادی۔ اولوالعزمی۔ استقامت اور شجاعت کی روح اس طرح پھونکتے ہیں ؎

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو

ہو صداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکرِ خاکی میں جاں پیدا کرے

انسان ہر کام کر سکتا ہے۔ ناممکن اس کی ڈکشنری کا بے معنی لفظ ہونا چاہئے۔ اس لئے حضرت انسان کو اشرف بنایا گیا ہے۔ بشرطیکہ اس میں ہمت اور ولولہ ہو ؎

پھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کر

اگر انسان میں بے جگری اور "جوش سرفروشی" ہو تو انعام حیات مل سکتا ہے ؎

نفس گرم کی تاثیر ہے انعام حیات
تیرے سینے میں اگر ہے تو مسیحائی کر

عمر خیام کہتے ہیں ؎

دنیا دیدی و ہر چہ دیدی ہیچ ست
واں نیز کہ گفتی و شنیدی ہیچ ست
سر تا سر آفاق دویدی ہیچ ست
واں نیز در خانہ خریدی ہیچ ست

ذرا اقبال کی نظروں سے دنیا کی بے ثباتی پڑھ لیئے ؎

زندگی انساں کی ہے مانند مرغ خوشنوا
شاخ پر بیٹھا کوئی دم چہچہایا۔ اڑ گیا

آہ کیا آئے ریاض دہر میں ہم کیا گئے
زندگی کی شاخ سے پھوٹے کھلے مرجھا گئے

فنا کی حقیقت کیا ہے ؎

میری بینائی ہی شاید مانع دیدار تھی
بند جب آنکھیں ہوئیں تیرا تماشائی ہوا

انوار ربانی کی ضیاء ریزی کیلئے دست بدعا ہیں ؎

پردہ چہرے سے اٹھا انجمن آرائی کر
چشم مہر و مہ و انجم کو تماشائی کر

موسیٰ اور طور کی ضرورت ہی کیا ہے۔ انسان کو خود اپنے کاشانۂ دل کو انوار ربانی کی جلوہ آرائی سے اس طرح پر نور کرنا چاہئے کہ اس پر کبھی عرش اور کبھی کعبہ کا دھوکہ ہونے لگے ؎

تا کجا طور پہ دریوزہ گری مثل کلیم
اپنے سینہ سے عیاں شعلۂ سینائی کر

بقول کسی پرانے شاعر کے ؎

یارب آں سوز فگن در دل دیوانۂ ما
کہ کلیم آید و آتش برد از خانۂ ما

"جلوہ آرائے ازل" کی نور پاشی ہر چیز پر عکس ریز ہے ؎

جھلک تیری عیاں بجلی میں آتش میں شرارے میں
چمک تیری ہویدا چاند میں سورج میں تارے میں

چھپایا حسن کو اپنے کلیم اللہ سے جس نے
وہی ناز آفریں ہے جلوہ فرما نازنینوں میں

انسان کا خانۂ دل جب معرفت رحمانی کی کرنوں سے جگمگا جائے تو ؎

مجھے پھونکا ہے سوز قطرۂ اشک محبت نے
غضب کی آگ تھی پانی کے چھوٹے سے شرارے میں

معرفت یزدانی کے لئے پہلے "سر شوریدہ" پیدا کرنا چاہئے ؎

مر کے جاں تری بیحجابی سے پہلے
تری دید کا حوصلہ چاہتا ہوں

"God is Love" کی بہترین تفسیر یہ ہے ؎

تڑپ کے شان کریمی نے لے لیا بوسہ
کہا جو سر کو جھکا کر گنہگار ہوں میں

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے

عبادت اور ترک دنیا سے دانگیں کی لاگ رکھ کر نہ کرنا چاہئے بلکہ ؎

واعظ کمال ترک سے ملتی ہے یاں مراد
دنیا جو چھوڑ دی ہے تو عقبیٰ بھی چھوڑ دے

سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے
او بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

وہ حقیقت میں جس کا حساس دل احساسات سے تڑپ رہا ہے جس کی زبان پر مہر خاموشی لگی ہوئی ہے ع آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں ــــ، صبر ایوبی کے باوجود ایک آہ شرربار حسرت آگیں، لب ترجمان پر آ ہی جاتی ہے ؎

اس چمن میں مرغ دل گائے نہ آزادی کا گیت
آہ یہ گلشن نہیں ایسے ترانے کے لئے ،

ظلم و چیرہ دستی میں حد سے گزرنا بھی اچھا نہیں ؎

گلستاں میں نہیں حد سے گزرنا اچھا ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ناز کر بھی تو باندازۂ رعنائی کر

انسان کی پرشورش زندگی اور بحر دنیا میں اس کی تموجی حالت کا فاکہ اس سے بہتر کیا ہوگا ؟

اے حباب بحر اے پروردۂ دامان موج
کچھ پتہ چلتا ہے تجھ سے اپنی ہستی کا مجھے

دست غیر میں پابند رضا ہونے میں بھی تو گرفتاران بلا کے لئے ایک ...ور لطف ہے ؎

تو اے صیاد آزادی میں ہیں لاکھوں مزے ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ دام کے نیچے پھڑکنے کا تماشہ اور ہے

اپنے ہم عقیدہ بھائیوں کی جمود اور غفلت سے بیقرار ہو کر بارگاہ ...انی میں التجا کی جاتی ہے ؎

...مسلم کو وہ زندہ تمنا دے ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے

...سادہ اسلوب بیان اور آسان طرز میں بھی آپ کے جذبات عالیہ ...افکار لطیفہ کس قدر سبق آموز اور لطیف ہوتے ہیں۔ اس کا اندازہ ...آپ کی آسان اور چھوٹی چھوٹی نظموں سے ہو سکتا ہے۔ ہمدردی ، پہاڑ ...اور گلہری ۔ زہد و رندی ، سید کی لوح مزار ۔ ستارہ ۔ چاند و آفتاب ۔ طفل شیر خوار ...جیسی آسان نظموں میں بھی اپنے فلسفہ حکمت ، عبرت ، درس زندگی ...کا سبق دیا ہے ۔ حسن اخلاق ، اوصاف حمیدہ کی تلقین انسان کے عیوب ...نظر ، دوسرے کی آنکھوں کا تل دیکھنے کے بجائے اپنی آنکھوں کا شہتیر دیکھنے ...ہدایت ۔ شورش حیات ، جستجوئے ناتمام ، میں راز زندگی وغیرہ کی تلقین ہے ۔ صاف گوئی ، نصائح کی تلقین کے لئے اگر آپ کو ہند کا سعدی ...ثانی کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا ۔

فطرت نگاری اور منظر پرستی میں آپ کا پایہ شیکسپیر ، لانگ فیلو ، ...ورڈزورتھ کے برابر ہے ۔ آپ کی شاعرانہ نظریں ہر چیز پر ایک فلسفی اور ...نار قدرت کی طرح پڑتی ہیں ۔ باوجود ان تمام باتوں کے اقبال خشک ...فلسفی اور تارک الدنیا شاعر بھی نہیں ۔ رموز قدرت اور فلسفہ کے خشک ...مسائل پر نغمہ ریزی کرنے والے شاعر کے گہر ریز قلم سے ظرافت آمیز پھولوں کی بارش بھی ہونے لگتی ہے جس میں دلکش مزاح کے ساتھ ہی حقیقت اور درد کی نکہت روح نواز بھی ہوتی ہے اور آپ اس دلچسپ پیرایہ میں سب کچھ کہہ جاتے اور کام کی باتیں لکھ جاتے ہیں جو ان کے کلام کے حسین چمنستان میں کشت زعفران کا خوشنما منظر پیش کرتے ہیں ۔

انتہا بھی اس کی ہے آخر خریدیں کب تلک
چھتریاں ، رومال ، مفلر ، پیرہن جاپان سے

اپنی غفلت کی اگر حالت یہی قائم رہی
آئینگے غسال کابل سے کفن جاپان سے

جناب شیخ کو بلواؤ خاص لندن کی ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ عجیب نسخہ ہے یہ خود فراموشی کیلئے
ہمارے حق میں تو جینا ہے موت سے بدتر ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ جو زندہ ہیں تو فقط آپ کی خوشی کیلئے
ہوا میں جینے سے بیزار جب تو فرمایا ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ کہاں سے لاؤگے بندوق خودکشی کیلئے

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
شہری ہو دیہاتی ہو مسلمان ہے سادہ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ مانند بتاں پجتے ہیں کعبہ کے برہمن
نذرانہ نہیں سود ہے پیران حرم کا ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ہر خرقہ سالوس کے اندر ہے مہاجن
میراث میں آئی ہے انھیں مسند ارشاد ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

غرض کوئی کہاں تک لکھے ۔ ع سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے

میری اس قدر جسارت نہیں اور نہ اتنی صاحب علم و فہم کہ فخر قوم اقبال کی شیریں نوائی پر کچھ اظہار خیال کر سکوں اس لئے میں نے جو کچھ بھی بقدر استعداد اپنے ذوق شاعری سے ...کا سبب ...وہ ...فریفتگی ہے جو اقبال کے روح نواز اور دلعزیز کلام کے ساتھ ... ؎

ع چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا ۔

ہزار بار بشویم زبان زمشک و گلاب ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ہنوز وصف تو گفتن کمال بے ادبی ست

اس فخر ملک شاعر پر ہندوستان جس قدر بھی ناز کرے بجا ہے بقول مولانا تاجور کے " ایشیائی شاعری جس وسیع شخصیت اور دردگداز جذبات پر فخر کرےگی وہ ——— ڈاکٹر اقبال کی شخصیت اور ان کے جذبات ہیں ۔ زمانہ ہزار گردش کرے گا ۔ لیکن صدیوں میں ایسے دل و دماغ کا انسان ایسے شاندار جذبات کا مخترع ، ایسا پیکر کمال پیش نہ کر سکے گا ۔

جذبات فضا

جناب سید دل محمد صاحب فضا جالندھری

جانے کیا تم نے کہہ دیا دل سے　　مطمئن ہوں میں فکرِ حاصل سے
ملتفت چشمِ شوخ ہے دل سے　　کون اب اٹھ کے جائے محفل سے
میں اُٹھاتا ہوں لطفِ نظارہ　　وہ مقابل ہیں ماہِ کامل سے
اب چھپے گا نہ رازِ الفت کا　　اشک آنکھوں میں آ گئے دل سے
آ رہا ہے چمن میں پھر صیاد　　کاش کہہ دے کوئی عنادل سے
کھینچ رہا ہے مری طرف صحرا　　آشنا دل ہے رازِ منزل سے
حسرتیں دل کی خون ہو ہو کر　　ٹپکی پڑتی ہیں چشمِ بسمل سے
ناتواں قیس، نازنیں لیلےٰ　　پردہ کیونکر اٹھے گا محمل سے
موجِ ہستی کی ٹھوکریں کھا کر　　میری کشتی لگی ہے ساحل سے
سر و گردن کا فیصلہ ہو کاش　　میں یہ کہتا ہوں تیغِ قاتل سے
بیٹھ جاؤ گے دل کو تھام کے تم　　آہ نکلے گی جب مرے دل سے
ضعف نے یوں بٹھا دیا مجھ کو　　ہائے میں اُٹھ سکا نہ محفل سے
قیس کی آہ میں تھی یہ تاثیر　　لیلےٰ نکلی تڑپ کے محمل سے
اب نہ اظہارِ غم کروں گا میں　　کیوں اٹھاتے ہو اپنی محفل سے

کیوں نہ مقبول ہو کلامِ فضا
فیض پایا ہے حضرتِ دل[a] سے

[a] اعتبار الملک حضرت دل شاہجہانپوری

ایک مکان کے دو مالک

ایک دلچسپ اور حیرت انگیز افسانہ

از جناب ذہین الدین حسین صاحب زبیری مارہروی

میں حتی الامکان اس بات کی کوشش کرونگا کہ سچ کہوں کیونکہ ا
لوکافی عرصہ گذر چکا ہے۔ جب میں نے اس مکان کو پہلی مرتبہ دیکھا تو
ے دیکھنے کے لئے کوئی خاص خواہش میرے دل میں پیدا نہ ہوئی مگر
ے خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

ناظرین اگر آپ میری حالت پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ
ام سے آدھی رات تک برابر اس میدان میں سفر کر رہا تھا شمالی
ہوا اس قدر سرد اور تکلیف دہ تھی جس کا اندازہ آپ نہیں کر سکتے
دھار بارش ہو رہی تھی اور ہوا برابر میرے بھیگے ہوئے کپڑوں کو
اکر عجیب آواز پیدا کر رہی تھی۔ میرے جوتوں میں بھی پانی بھرا ہوا
کیچڑ لگ جانے کی وجہ سے اس قدر وزنی ہوگئے تھے کہ چلتے وقت
پر ایک بوجھ سا معلوم ہوتا تھا۔ میرے سر پر ماہ اکتوبر کا چاند جو پورا
تھا کبھی کبھی بادلوں میں سے اپنی ہلکی سی جھلک دکھاتا اس کی روشنی
ں کوشش کرتا کہ صحیح راستہ معلوم کروں۔ اپنی چھڑی کو مضبوطی سے
ہوئے تیزی سے چلا جا رہا تھا۔ تقریباً تین گھنٹے سے نہ تو میں نے کسی
ن کو دیکھا تھا اور نہ کسی انسانی آبادی کے آثار دیکھے تھے۔ جس طرف
میدان ہی میدان نظر آتا تھا۔

آخر کار میں ایک ایسے مقام پر پہنچا جہاں ایک اور سڑک ملتی
۔ اس جگہ پہنچکر مجھے یہ خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ میں غلط راستہ پر چل
ں۔ بس یہی خیال کرکے میں اس سڑک پر چلنے لگا۔ جو ہوا کے رخ
قع تھی۔ ہوا جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں تیز تھی۔ میرے منہ پر برابر

ہوا کے طمانچے لگ رہے تھے۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد میں اس غرض سے پیچھے مڑا کہ ہوا سے بچکر اپنی آنکھیں کھولوں اور کچھ دیکھوں جہاں تک نگاہ جاتی تھی تاریکی ہی تاریکی دکھائی دیتی تھی۔ اتفاقاً جب میں نے بائیں جانب دیکھا تو فاصلہ پر ایک روشنی معلوم ہوئی۔ غالباً وہ مقام جہاں سے روشنی دکھائی دے رہی تھی ایک میل کے فاصلہ پر ہوگا۔ یہ مکان اسی سڑک کے کنارے پر واقع تھا جس پر میں تقریباً آدھ گھنٹہ چل کر میں اس سڑک پر پہنچا تھا۔ یکایک میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر مجھے یہ روشنی نہ دکھائی دیتی تو میں جو معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا نہ تو وہ حاصل کر سکتا تھا اور نہ کچھ کھانا ہی مجھے مل سکتا تھا۔ اس خیال کے آتے ہی میرا جسم کانپنے لگا۔ میں نے اس میدان کو پار کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

میں تیزی سے اس ناہموار میدان کو طے کر رہا تھا اور ہر لمحہ کسی گڑھے میں گر جانے کا خطرہ میرے دل پر غالب تھا۔ اس وقت میرے دل کی کچھ عجیب کیفیت تھی۔ یہ امید کہ میں ابھی تھوڑی دیر میں کسی انسان کی شکل دیکھونگا۔ مجھے بے انتہا مسرور کر رہی تھی۔ میرے راستے میں بہت گڑھے اور نشیب تھے مگر میں نہایت تیزی سے گذرتا چلا گیا۔ میری نگاہیں برابر اس دھیمی سی روشنی پر جمی ہوئی تھیں۔ مجھکو ہر لمحہ یہ خطرہ تھا کہ کہیں ہوا کے تند جھونکے اس کو بجھا نہ دیں اور میں اپنے مقصد میں ناکامیاب رہوں۔ میرے دل میں یہ بھی خیال پیدا ہوا کہ کہیں اس مکان کے رہنے والے سونے کو چلے جائیں اور روشنی گل کر دیں کیونکہ ایسے وقت میں یہ بہت ممکن تھا۔

لیکن خوش قسمتی سے روشنی نہ بجھی۔ اسی اثنا میں چاند نے پردۂ ابر سے ایک جھلک دکھائی۔ اس کی ہلکی سی روشنی میں میں نے مکان کی چاردیواری دیکھ لی۔ خلاف امید مکان نہایت شاندار معلوم ہوا۔ اس کے اوپر دونوں طرف اونچی اونچی چمنیاں تھیں جو کانوں کے مانند معلوم ہوتی تھیں سامنے ہی ایک بہت اونچی دیوار تھی جس میں چند کھڑکیاں تھیں۔ لیکن کوئی دروازہ نہ تھا۔ مجھے فوراً خیال ہوا کہ میں مکان کی پشت کی طرف جا رہا ہوں اور یہ روشنی پہلی منزل کی کسی کھڑکی میں سے نمودار ہو رہی ہے۔ روشنی کے دھیمے ہونے کی وجہ بھی مجھے اس وقت معلوم ہوئی۔ روشنی ایک نیلے رنگ کے پردے کے پیچھے سے آ رہی تھی جو تقریباً آدھا کھنچا ہوا تھا۔ میں رک گیا اور انتظار کرنے لگا کہ ذرا چاند کی روشنی ہو تو آگے بڑھوں اسی اثنا میں ہوا کا ایک تیز جھونکا چمنیوں میں سے گذرا اور ہوا کے ساتھ ساتھ میں نے کسی کی آہ کی آواز سنی۔

ممکن ہے میں نے اس موقع پر کوئی غلطی کی ہو۔ لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہوا کے جھونکے کے گذرنے کے چند سیکنڈ بعد میں نے یہ دردناک آہ سنی تھی۔ بلکہ اس بات کی بھی کوشش کی کہ اس آواز کو ہوا کے طوفان کے شور سے بھی اچھی طرح امتیاز کر سکوں۔ جب دوبارہ ہوا کا جھونکا اسی قدر زور سے آیا تو کوئی ایسی آواز نہ سنائی دی۔ تھوڑی دیر کے بعد روشنی بھی کھڑکی سے غایب ہو گئی۔

میں آواز دینے ہی والا تھا کہ روشنی سیدھی طرف کی دو کھڑکیوں میں سے نمودار ہوئی۔ اس وقت روشنی نسبتہً ذرا تیز ہو گئی گویا وہ شخص جو مشعل پکڑے ہوئے تھا اب بڑے کمرہ میں داخل ہوا اور زیادہ شمعیں روشن کیں۔ اس وقت روشنی اس قدر تیز تھی کہ اس کی کرنیں بارش کے مسلسل تاروں پر پڑ رہی تھیں۔ ایک یا دو منٹ تک میں یہ سماں دیکھتا رہا مگر کوئی سایہ کھڑکی کے پردے پر نمایاں نہ ہوا۔

میرے اور دیوار کے درمیان ایک گڑھا تھا۔ میں نے پھر ہوا کے رخ پر پشت کی اور اس گڑھے کے کنارے دیوار کے موڑ پر چلنے لگا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد بھی مکان کا دروازہ نہ ملا۔ دیوار کے موڑ پر چند بہت گھنی اور دشوار گذار جھاڑیاں تھیں۔ ان سے بمشکل تمام گذر کر میں ایک سڑک پر نکلا۔ یہاں پر بھی ہوا اسی قدر تیز اور سرد تھی۔ میں نے سڑک پر دیکھا کہ دیوار کے اس حصہ پر جو سڑک کے سامنے تھا سفیدی کی گئی تھی۔ اس وجہ سے اندھیرے میں دروازہ معلوم کرنے میں آسانی ہوئی۔ مگر جیسے ہی میں نے کواڑوں پر ہاتھ رکھا معلوم ہوا کہ وہ کھلے ہوئے ہیں۔ اس بات سے مجھے سخت تعجب ہوا۔ جب میں اندر داخل ہوا تو ایک راستہ ملا جو پختہ تھا مگر بارش کی وجہ سے گیلا ہو رہا تھا ایسی رات میں اور دروازے کا کھلا رہ جانا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ آخرکار میں صحن میں داخل ہوا۔ یہاں پر اسی قدر خاموشی تھی جیسی کہ ایک تنہا کمرہ میں ہوتی ہے۔ مجھے مکان کے رہنے والوں کی لاپروائی پر سخت تعجب ہوا اس کے بعد میں آیا۔ اور دروازے پر پہنچا۔ یہ بھی تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ میں نے اسے اور زیادہ کھول دیا اور اندر داخل ہوا۔ یہ دروازہ ایک بڑے ہال کا دروازہ تھا جو فن تعمیر کے جدید اصولوں کی بنا پر تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کمرے کی چھت سرخ کھپریلوں کی تھی۔ درمیان میں ایک بڑا لیمپ لٹک رہا تھا۔ میرے شانے کے اوپر دیواروں میں چند کھونٹیاں لگی ہوئی تھیں جن میں تقریباً آدھی درجن ہیٹ لٹکے تھے اور کچھ لمبے لمبے کوٹ بھی تھے جو کسی پادری کے معلوم ہوتے تھے۔ میرے سامنے ہی ایک زینہ تھا جس پر برسلینہ کی بنی ہوئی ایک قالین پڑی ہوئی تھی۔ گو اس واقعہ کو کافی مدت ہو چکی ہے تاہم مجھے آج بھی اس قالین کا رنگ صاف صاف یاد ہے۔

اسی زینہ کے نیچے چند چھڑیاں وغیرہ رکھی تھیں۔ فرنیچر کے علاوہ وہاں ایک اور بھی عجیب چیز تھی۔ یہ ایک کتا تھا جس کا رنگ زردی مائل تھا وہ میز کے نیچے شہابی ... کر اپنے ... بیٹھا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا وہ سو رہا ہے۔ میں آگے ... اور اس کتے کو بغور دیکھنے لگا۔ تقریباً تین منٹ تک میری نگاہیں اس پر جمی رہیں مگر اس نے مطلق جنبش نہ کی۔ آخرکار میں بیٹھ گیا۔ اور اپنے بھیگے ہوئے جوتے کھولنے لگا۔ میں نے جوتے اتار کر ہاتھ میں لے لئے اور دو ایک قدم زینے کی طرف بڑھا۔ میری آنکھیں برابر اس خوفناک کتے پر لگی ہوئی تھیں۔ آخرکار میں سیڑھیوں پر پہنچ گیا۔

سیڑھیاں نئی بنی ہوئی تھیں اور ان پر ایک لمبا سا خوبصورت قالین بچھا تھا۔ میں برابر سیڑھیوں پر چڑھتا گیا مگر میری نگاہیں اس میز پر لگی ہوئی تھیں جو اس خوفناک کتے کا منہ مجھ سے چھپائے ہوئے تھی۔ میں حتی الامکان اس بات کی کوشش کر رہا تھا کہ کسی قسم کا کھٹکا نہ ہو مگر مجھے

یک جگہ ٹھوکر لگی۔ مجھے ایسا معلوم ہوا گویا میرے دل کی حرکت رک گئی ہے
رہمت کرکے پھر آگے بڑھا۔ جب میں اوپر پہنچا تو میرے سامنے دو راستے تھے
یک تو دفعتہً میری سیدھی جانب مڑتا تھا اور دوسرا بالکل سیدھا جاتا تھا اُس
قت میں سیدھے راستے کی لمبائی پر غور کر رہا تھا تھوڑی ہی دیر میں میرے
امنے کچھ فاصلہ پر ایک روشنی نمودار ہوئی۔

وہ لوگ جو واقف ہیں اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ مطلق خاموشی
سے کہتے ہیں۔ یہ صرف ایک بڑے لق و دق مکان میں آدمی رات کو معلوم
وتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کمرے سے جس سے روشنی آ رہی تھی کچھ
راب کے گلاس کھنکنے کی سی آواز پیدا ہوئی۔ شراب کا خیال آتے ہی میرے
سم میں ایک تھرتھری سی دوڑ گئی محسوس ہوئی میں نے اپنی کمر کو سیدھا کیا اور
سنے راستے آگے بڑھا۔

دروازے پر پہنچکر میں ٹھٹکا۔ ۔۔رک گیا۔ یہ کمرہ لمبا تھا اور اس پر
یادہ تر کتابیں تھیں۔ کمرے میں ایک آرام کرسی کے پاس انگیٹھی میں کوئلے
ہستہ آہستہ دہک رہے تھے اسی کے قریب میز پر ایک موم بتی جل رہی تھی
ور بہت سے لکھے ہوئے کاغذ رکھے ہوئے تھے۔ کمرے کے دوسرے سرے پر
یک دروازہ تھا جس پر پردہ لٹک رہا تھا۔ یہ دروازہ شاید اس کمرے
ا جس میں سب سے پہلے مجھے روشنی دکھائی دی تھی۔ کمرے میں میرے
ور کھڑکیوں کے درمیان میز رکھی ہوئی تھی جس پر سرخ کپڑا پڑا ہوا تھا۔
س میز پر چند شراب کے گلاس اور بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔ گلاس تقریباً
یک تہائی بھرے ہوئے تھے۔ میرے اور میز کے درمیان ایک آدمی
ھا۔ وہ اپنے بائیں شانہ کی طرف گردن پھیر کر میری طرف دیکھنے لگا۔ اس
ے سر پر بال نہ تھے۔ وہ بظاہر نہایت سنجیدہ اور متین معلوم ہوتا تھا۔ وہ
معمولی قد و قامت کا انسان تھا۔ پادریوں کا سا کوٹ پہنے ہوئے تھا جو
س کے جسم پر درست نہ آتا تھا بلکہ بعض بعض جگہ لٹکتا بھی تھا اس کی بھویں
ی سیاہ اور مونچھیں بھی سیاہ تھیں۔ اس کی عمر تقریباً پچاس سال کی ہوگی
س کے چہرے پر ہلکا سا سایہ پڑ رہا تھا جس کی وجہ سے اس کی صورت
چھی طرح سے دیکھنا دشوار تھا۔ تاہم میں نے اس کی دو چھوٹی چھوٹی سی
لمبی دیکھیں جو اس کے چوڑے سے چہرہ پر چمک رہی تھیں۔

جس وقت میں کمرہ میں داخل ہوا اسی وقت شاید اس نے
شراب کا گلاس اٹھایا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کے ہاتھ کانپنے لگے کیونکہ میں نے
دو یا تین قطروں کے گرنے کی آواز سنی۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ مجھے
دیکھکر پریشان سا ہو گیا ہے اس نے فوراً گلاس کو رکھ دیا اور اپنی جیب
میں شاید رومال تلاش کرنے کے لئے ہاتھ ڈالے۔ مگر جب اس کو رومال نہ
ملا تو اس نے اپنے ہاتھ ملے اس طرح شراب کو جو ہاتھوں پر لگی ہوئی
تھی خشک کیا۔

"آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔" اس نے فوراً کہا اور میری طرف دیکھنے
لگا۔ "آخر آپ یہاں پر کیسے آئے؟"

"میں صدر دروازے سے داخل ہوا۔" میں نے اس کے تجاہل عارفانہ
سے متعجب ہوتے ہوئے کہا۔ اس نے اثبات میں اپنی گردن ہلائی۔

"اوہ! میں اس دروازے میں تالا لگانا بھول گیا شاید آپ چوری
کرنے کو تشریف لائے ہونگے۔"

"جناب میں یہاں چوری کرنے کو نہیں آیا بلکہ میں اپنا راستہ بھول گیا
ہوں اس لئے رات آپ کے مکان میں گذارنے کے لئے آگیا ہوں۔" میں نے کہا

"کیا آپ جوتے ہاتھ میں لیکر سفر کر رہے تھے؟"

"میں نے جوتے یہاں آکر اتار لئے کیونکہ مجھے اس زرد کتے کا ڈر
تھا جو آپ نے پال رکھا ہے۔"

"اوہ، وہ کتا تو ایسے پڑا ہوا ہے جیسے سو رہا ہو۔"

"آپ نے یہ نہ بتایا کہ کیا آپ نے اسے کچھ کھلا دیا ہے جو اس پر
بیہوشی سی طاری ہے۔"

میرے اس قدر بیباکانہ الفاظ سن کر اس کی آنکھوں میں کچھ
عجیب چمک سی پیدا ہوئی جس سے غصہ اور نفرت کا اظہار ہوتا تھا۔ وہ
یکایک کہنے لگا۔ "جناب آپ تو بڑے بیباک معلوم ہوتے ہیں ——— اندر
آجائیے۔ اپنے جوتوں کو جن سے آپ کے جرم کے ارادہ کا اظہار ہوتا ہے رکھ
دیجئے۔ اگر کوئی شخص چوری کرنے کو بھی آئے تو میں یہ پسند کروں گا کہ
وہ صاف ہو۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور ایک لوہے کا دستہ لے کر انگیٹھی میں جلتے ہوئے
کوئلوں کو ادھر ادھر کیا۔ یہاں تک کہ ان میں سے شعلے بھڑکنے لگے اس کے
بعد وہ مع اس آہنی دستہ کے میری طرف بڑھا۔ اس وقت اس کے چہرہ

پر کچھ عجیب قسم کی متانت سی تھی۔ وہ مجھ سے پوچھنے لگا۔

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟"

میں نے جواب دیا "محض اس لئے کہ آپ اس آہنی دستہ پر قبضہ کر لیں"۔ اس کے جواب میں وہ کہنے لگا۔ "ٹھیک کہتے ہیں آپ لیکن اب یہ تو بتایئے کہ آپ کیا کرینگے؟"۔

"جی ہاں" میں نے اپنی جیب ٹٹولتے ہوئے کہا۔ "میرے پاس ایک پستول ہے"۔

"غالباً آپ کا پستول کافی بھیگ چکا ہوگا" اس نے کہا۔

"نہیں جناب" میں نے کہا "کیونکہ میں اسے ایک موم جامہ میں رکھے ہوئے ہوں"۔

میرا یہ جملہ سن کر اس نے آہنی دستہ کو رکھدیا اور کہنے لگا "درحقیقت آپکے پاس مجھ سے زیادہ کارآمد ہتھیار ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ پستول کا گھوڑا دباتے ہی تمام گھر میں ایک شور مچا دینگے۔ نہ صرف یہ بلکہ پڑوسیوں کو بھی پریشانی ہوگی۔ خیر میں نے کہا ابھی چار یا پانچ منٹ ہوئے میں آپ کو جانا ہر میں اس وقت سے آپ کی گردن کو بغور دیکھ رہا ہوں کیونکہ اس میں مجھے کچھ عجیب بات نظر آتی ہے۔ شاید آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ اس گھر میں سوائے میرے اور کوئی نہیں دو سال سے میں اس مکان میں رہتا ہوں، میرے پاس ایک ملازم تھا اور کھانا پکانے کے لئے ایک عورت تھی کل میں نے ان دونوں کو ایک ایسے جرم کا مرتکب ہوتے ہوئے دیکھا۔ جو میں آپ سے کہنا نہیں چاہتا کیونکہ مجھے امید ہے کہ آپ ایسی بات کا سننا گوارہ نہ کرینگے۔ پس میں نے ان دونوں کو فوراً نکال دیا۔ لیکن اتنا میں ضرور کہونگا کہ میں ان دونوں کو اپنے گرجا میں جو یہاں سے دو میل کے فاصلہ پر ہے لے گیا اور وہاں دونوں کی شادی کردی"۔

"جناب میں نے اپنی عمر میں دو تین سروں پر پستول چلایا ہے مگر کبھی ایسے سر پر نہیں چلایا جس میں کچھ عقل ہو" میں نے ذرا مستعدی سے کہا۔ "آپ نے جو ابھی اپنے ملازم اور ملازمہ کا قصہ بتایا اس سے میں نے آپ کی طبیعت کا اندازہ لگا لیا اب میری اور زیادہ ہمت بڑھ گئی اور آپ سے ملاقات کا شوق میرے دل میں پیدا ہوگیا میں اس بات کی کوشش کرونگا کہ آپ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاؤں"۔

غالباً میری اس گفتگو نے اس پر اثر کیا کیونکہ اس کے چہرے سے خوشی کے آثار ظاہر ہونے لگے وہ فوراً اٹھا اور ایک الماری میں سے کچھ بسکٹ اور خشک انجیر نکال کر لایا اور دو گلاس شراب کے بھی دیئے۔ اس کے بعد کہنے لگا۔ "اگر آپ چاہیں تو شیری Sherry اور مڈیرا (Madeira) بھی لے سکتے ہیں"۔

"اب کسی اور چیز کی ضرورت نہیں" میں نے کہا۔ "کیونکہ یہی بہت کافی ہے"۔

میں نے فوراً میز کے قریب ایک کرسی کھینچی اور اس پر بیٹھ گیا پستول کو میز پر رکھدیا اور شراب پی کر پھر گلاس اس کی جانب بڑھایا تاکہ وہ اسے لبالب بھردے اس نے فوراً گلاس کو شراب سے بھر دیا۔ اور ایک کرسی کھینچ کر میرے مقابل میز کی دوسری طرف بیٹھ گیا۔ اس نے بھی اپنا گلاس بھر لیا اور متانت سے پینے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد بولا۔ "جناب میں نے ابھی آپ کو اپنے ملازم کا قصہ سنایا۔ کیا آپ خیال کر سکتے ہیں کہ اس قدر بداخلاقی اور بدچلنی کی حرکت دیکھ کر بھی میں اپنے غصہ کو ضبط کر سکتا ہوں؟"

"نہیں جناب!" میں کہا اور پھر اپنا گلاس بھر لیا۔

مجھے ایسا معلوم ہوا کہ وہ میرے اس جملہ سے اور زیادہ خوش ہوا

"جناب میں نے اس کی یہ حرکت اپنی آنکھ سے دیکھی!" اس نے کہا "آپ خیال کر سکتے ہیں کہ مجھے بحیثیت ایک پادری ہونے کے ایسے معاملات میں زیادہ سختی کرنی چاہئے لیکن آپ یقین کیجئے کہ جس وقت سے پارکنسن چلا گیا ہے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا میں نے اپنا ایک عضو کھو دیا۔ یہ کہنے کے بعد وہ کچھ دیر اپنی انگلیوں سے میز پر زخمہ زنی کرتا ہوا پھر بولا۔ "بعض آدمی نوکروں کی حرکات کو معاف کر دیتے ہیں۔ نوکر زیادہ تر اخلاق اور تہذیب سے ناواقف ہوتے ہیں"..... مگر میرا..... میرا نوکر درحقیقت اور نوکروں کی طرح نہ تھا۔ وہ غالباً ایک نوکر سے زیادہ حیثیت رکھتا تھا۔ وہ بہت ذی عقل اور تیزی سے کام کرنے والا تھا۔ اس کے علاوہ اس میں اور بہت سی خوبیاں تھیں۔ اس نے حتی الامکان یہ کوشش کی کہ اپنے آپ کو میرا ہم خیال بنا دے۔ پس آپ مجھے دیکھ کر اس کی خوبیوں کا اندازہ کر سکتے ہیں"۔

میں نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ آہستہ آہستہ شراب پیتا رہا

تھوڑی دیر کے بعد وہ خود بولا۔ "میں ایک عالم ہوں مگر پھر بھی یں اس سے کتابیں پڑھوا کر سنتا۔ اس طرح مجھے عجیب لطف آتا۔ آپ نے محسوس لیا ہوگا کہ میں بہت شستہ گفتگو کرتا ہوں بالکل اسی طرح پارکنسن بھی بولتا تھا۔ میرے کپڑے بھی اس کے جسم پر بالکل ٹھیک آتے اگر آپ اس کو خالی ہاتھ کمرے میں آتے دیکھتے تو ضرور مجھی کو خیال کرتے۔ علاوہ ازیں وہ میری ہی طرح عورتوں سے بھی رحمدلی کا برتاؤ کرتا۔ میں نے اس کی فطرت کو اور اس کے خیالات کو اپنی فطرت اور خیالات کا عکس پایا۔ لہذا آپ خیال کرسکتے ہیں کہ ایک ملازم کے ساتھ میں اس کی اس قدر گستاخ حرکت کو کیونکر گوارا کرسکتا تھا؟"

"ذرا ادھر دیکھیے۔" میں نے فوراً کہا۔ "کیا آپ ایک نیا ملازم چاہتے ہیں؟"

"اوہ! آپنے تو میرا مطلب سمجھ لیا۔"

ں نے ذرا چلا کر کہا۔

"میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجھے ملازم رکھ لیجیے۔" میں نے کہا۔

یہ سن کر اس نے اپنی انگلیوں کو زور سے میز پر دباتے ہوئے پھیلایا ور پیچھے کی طرف جھک گیا۔ میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا "آپ یقین رکھیے کہ اگر آپ نے مجھے ملازم نہ رکھا تو آپ بہت بڑی غلطی کریں گے۔ ں نے میڈلین کالج، آکسفورڈ میں تعلیم پائی ہے۔ یونانی اور لاطینی زبانیں ب جانتا ہوں۔ میں آپ کو انجیل اور دوسری مذہبی کتابیں پڑھکر سنایا رونگا۔ اس کے بعد آپ کو اختیار ہے کہ بدصورت سے بدصورت عورت آپ کو تمام یورپ میں دستیاب ہوسکے ملازم رکھیے۔ مجھے تو آپ سے کچھ بت سی ہوگئی ہے۔ میں آپ سے پھر درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجھے ازم رکھ لیجیے۔"

وہ کہنے لگا۔ "میں صرف [illegible] پونڈ سالانہ دیتا ہوں۔"

میں نے جواب دیا۔ "اس حساب سے تو میں آپ کو بہت سستا پڑونگا۔"

اُس نے اپنا گلاس شراب سے بھر لیا اور برابر میری طرف غور سے دیکھتا رہا۔ اس وقت اس کے چہرہ سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کسی پیچیدہ معاملہ پر غور کر رہا ہے۔ تھوڑی دیر تک اس کے چہرے کی وہی حالت رہی جو کسی انسان کی ہوتی ہے جبکہ وہ کسی اہم معاملہ پر فیصلہ کر رہا ہو۔

"شاید ہم دونوں بہت جلدی کر رہے ہیں۔" اس نے تھوڑی دیر کے بعد کہا۔ "آپ کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ حقیقتہً وہ نہیں چاہتے جو آپ کہہ رہے ہیں۔ میں نے اس بات کا بھی اندازہ کر لیا کہ آپ بحیثیت ایک ملازم کے کام ٹھیک نہیں کرسکتے۔"

"آپ مجھے صرف ایک ماہ کے ملازم رکھ کر دیکھیے۔" میں نے کہا۔ اگر آپ کو میرا کام ناپسند ہو تو مجھے برخواست کر دیجیے گا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کا حکم پاتے ہی میں اپنی ایک ماہ کی تنخواہ لے کر فوراً چلا جاؤنگا۔ اگر آپ نے ایسی سردی اور بارش میں رات کے وقت مجھے اپنے مکان سے نکالا تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ سخت نقصان اٹھائینگے" بعد کے جملے میں نے بلند آواز میں کہے بلکہ اپنی گفتگو کو مزید پرزور بنانے کیلئے میز پر ہاتھ بھی مارا۔

"اے کاش تم پارکنسن کو جان سکتے۔" اس نے آواز کو کھینچتے ہوئے کہا۔ "میرے اوپر ہمیشہ شراب کے تیسرے گلاس کا بُرا اثر ہوتا ہے۔ اس کے بعد میری حالت بالکل بدل جاتی ہے۔ میں نے اپنی عمر میں زیادہ تر بدمعاشیاں شراب کا تیسرا گلاس ہی پی کر کی ہیں۔ جیسے ہی مجھکو یہ خیال آیا میں نے ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے چلا کر کہا۔ "سنیے جناب! میں کوئی لفظ پارکنسن کے بارے میں سننا نہیں چاہتا۔ میں بخوبی سمجھتا ہوں کہ آپ کیا چال چلنا چاہتے ہیں۔ آپ کی خواہش ہے کہ میں نشہ میں بالکل چور ہوجاؤں اور میز کے نیچے گر پڑوں۔"

"آپ ذرا غور تو کیجیے۔" اس نے دبے ہوئے لہجہ میں کہا۔ "آپ اپنی ہی مرضی سے یہاں آئے اور ٹھہرے اس کے علاوہ میں نے پیشتر ہی سے آپ سے کہا تھا کہ آپ بجائے برانڈی کے ڈیرا پیجیے جو کم نشہ آور

نظم ونثر تصاویر کا دیدنی مرقع (اشاعت خاص ماہ جون ۱۹۳۶ء) سال بھر کے خریداروں کو مفت ملیگا!

ہوتی ہے"۔ یہ کہتے ہوئے اس نے مجھے ایک بوتل دی۔ میں نے بوتل سے شراب لیکر اپنا گلاس بھر لیا۔ میں نے تین گھونٹ چڑھاتے ہوئے کہا۔ "ارے یہ تو وہی۔۔۔۔ معمولی مرسلا معلوم ہوتی ہے"۔

میرے مُنہ سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور کہنے لگا۔ "مجھے امید ہے کہ آپ ہاتھ ملائینگے۔ درحقیقت میں ایسے شخص کی قدر کرونگا۔ جو تین گلاس خالص شراب پینے کے بعد بھی مرسلا اور مڈیرا میں امتیاز کر سکتا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ آپ نے مجھ سے ملازمت کی درخواست کی۔ مگر میں نے انکار کر دیا۔ لیکن اب میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ پھر مجھ سے ملازمت کی درخواست کیجئے۔ میں آپ کو بخوشی ملازم رکھنے کے لئے تیار ہوں۔ لیجئے یہ اصل مڈیرا کی بوتل ہے"۔

ہم دونوں نے ہاتھ ملائے۔ اس نے تھوڑی دیر کے بعد ایک موم بتی اٹھائی اور مجھ کو چلنے کے لئے اشارہ کیا۔ میں بھی فوراً اپنے جوتے اٹھا کر اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ وہ ہال میں رکا اور اس لیمپ کو جو دھیما دھیما جل رہا تھا بجھا دیا۔ اسی وقت میں نے اپنے پرانے دشمن یعنی اس زرد رنگ کے کتے پر نظر ڈالی۔ وہ بالکل اسی طرح پڑا ہوا تھا۔

یکایک میرے دل میں کچھ شک پیدا ہوا۔ میں نے فوراً اس کو مخاطب کیا۔ "مجھے کیسے یقین ہو سکتا ہے کہ مجھے آپ یہاں آرام کی خاطر لائے ہیں۔ مجھے شک ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ آپ مجھے یہاں چھوڑ کر اس پاس کے آدمیوں کو بلا لائیں اور وہ مجھے مارتے مارتے ادھ موا کر دیں"۔ اس وقت وہ ہال کے آخری حصے کے دروازہ پر پہنچ چکا تھا اور میرا انتظار کر رہا تھا۔

میرے یہ بیباکانہ الفاظ سنتے ہی بولا۔ "آپ بحیثیت ایک شریف آدمی کے میری بات کا یقین کیجئے۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی تمام زندگی میں کبھی آپ کے متعلق ایک لفظ بھی کسی سے نہ کہونگا۔ اگر آپ کو میری بات کا اعتبار نہ ہو تو پھر اوپر چلئے"۔

"نہیں جناب میں ضرور آپ کی بات کا یقین کرونگا"۔ میں نے کہا۔

میرے منہ سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ اس نے فوراً دروازہ کھولا دروازے کے سامنے ہی ایک تنگ راستہ جاتا تھا اس راستہ کے بائیں جانب یکے بعد دیگرے تین دروازے تھے جو بند تھے وہ دوسرے دروازے پر رکا اور اسے کھول کر مجھے اندر داخل ہونے کے لئے اشارہ کیا۔ یہ کمرہ چھوٹا تھا مگر آرام دہ معلوم ہوتا تھا۔ میں اس کمرہ کو دیکھکر بہت خوش ہوا۔

"آپ یہاں پر آرام کیجئے"۔ اس نے کہا۔ "اگر آپ کچھ دیر انتظار کریں تو میں اپنی ایک قمیض جو آپ کپڑے اتار کر پہن سکتے ہیں لا سکتا ہوں۔ بچھونے تو بچھے ہی ہوئے ہیں"۔

"آپ تو مجھے بہت ہی زیر بار احسان کر رہے ہیں"۔ میں نے کچھ خوشامد کے لہجہ میں کہا۔

"آپ یقین کیجئے"۔ اس نے کہا۔ "کہ میں اب آپ کی بے انتہا قدر کرونگا۔ کیونکہ آپ کی خوبیوں نے میرے اوپر بہت اثر کیا ہے"۔

یہ کہہ کر وہ فوراً چلا گیا۔ مگر دو منٹ کے بعد مع ایک قمیض کے آیا۔ "گڈ نائٹ" اس نے کہا اور فوراً ہی چلا گیا۔ میں اس کے سلام کا جواب بھی نہ دے سکا۔

ناظرین! اس موقع پر آپ لوگ یہی خیال کرینگے کہ میں فوراً آرام دہ گرم گرم بستر پر لیٹ کر سو رہا ہونگا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ بجائے آرام سے لیٹنے کے میں نے پلنگ کے کنارے پر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھنا مناسب سمجھا۔ میں نے جوتے بھی پہن لئے اور اپنے مستقبل کو زیادہ خوشگوار بنانے کے لئے تدابیر سوچنے لگا۔ میری نگاہیں برابر موم بتی کی طرف لگی ہوئی تھیں جو آہستہ آہستہ اپنے آخری لمحے پوری کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بالکل جل گئی اور کمرے میں اندھیرا ہو گیا۔ مگر صبح ہونی شروع ہو گئی تھی۔ کھڑکی کے شیشوں میں سے ہلکی ہلکی روشنی آ رہی تھی۔ اس وقت میرا جسم بالکل سرد تھا۔ میرے دانت سردی کی وجہ سے بج رہے تھے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس وقت میرے دل میں اس شخص کی طرف سے مطلق شک و شبہ نہ تھا۔ میں انہیں خیالات میں محو تھا کہ مجھے یکایک صدر دروازے کے کھلنے کی آواز سنائی دی اور ساتھ ہی کسی کے باہر جانے کی آہٹ سی ہوئی۔

آواز سنتے ہی میں نے دروازہ کھول دیا اور گرتا پڑتا ہال میں پہنچا کیونکہ اندھیرا تھا۔ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس خوفناک زرد کتے کو قریب سے جا کر دیکھوں۔ میں نے اپنی انگلی اس کی گردن پر رکھی۔ مگر میری انگلی برابر اس کے سرد بالوں میں گھستی چلی گئی۔ اس کے بعد میں اس کو گھسیٹ کر ہال کے دروازے کے قریب لایا تاکہ روشنی میں اس کو اچھی طرح سے دیکھ سکوں۔ بغور دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس کی

گردن پر سخت ضربیں لگائی گئی ہیں۔ میں برابر اس کو دیکھتا رہا مگر میرے دل پر دہشت طاری تھی۔ اس لئے بعض اوقات میں دوڑنے کیلئے قدم اٹھاتا۔ لیکن جب مجھے یقین ہوگیا کہ وہ بالکل مردہ ہے تو میں نے اپنا ڈر دور کیا اور اس بیچ سے پھلانگ کر زینہ پر چڑھ گیا۔

راستہ میں اندھیرا تھا مگر میں ٹٹولتے ہوئے آگے بڑھا۔ جب میں مطالعہ کے کمرے کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ بالکل ویسے ہی کھلا ہوا ہے جیسے کہ پیشتر۔ اس وقت کھڑکیوں کے شیشوں میں سے ہلکی ہلکی روشنی آرہی تھی کمرے کے اندر دیوار میں ایک دروازہ تھا جس پر پردہ لٹک رہا تھا میں نے پردے کو ہٹایا اور کچھ دیر ٹھہر کر اپنے دل کی دھڑکن کو سنتا رہا۔ پھر میں نے دروازہ کھولا۔ اس کمرہ میں پشت پر ایک کھڑکی لگی ہوئی تھی جس میں سے ہلکی ہلکی روشنی یہ ظاہر کرتی تھی کہ صبح ہورہی ہے۔ اس روشنی میں سامنے ہی ایک پلنگ دکھائی دیا جس پر بستر بچھا ہوا تھا اور اس پر کوئی لیٹا ہوا تھا۔ روشنی برابر بڑھتی جارہی تھی اور وہ چیز جو اب تک صاف نظر نہ آتی تھی صاف نظر آنے لگی۔

میں نے دیکھا کہ بستر پر ایک بڈھا آدمی لیٹا ہوا ہے جس کا سر تکیہ پر رکھا ہوا تھا اس کے چہرے سے اطمینان اور امن کے آثار نمایاں تھے آنکھوں کے گرد حلقے پڑے ہوئے تھے اور اس کے لمبے لمبے بال پیچھے کی طرف پڑے ہوئے تھے۔ جسم قدرے ایک طرف کو پھرا ہوا سا تھا اور نہایت قدرتی طور پر ایک ہاتھ پلنگ سے نکلا ہوا تھا۔ لیکن دو بڑے بڑے دھبے تکیہ اور چادر پر تھے۔

اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ میں مکان کے حقیقی مالک کے سامنے کھڑا ہوں۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ ایسے بے جان اور مردہ شخص کی ملاقات کے لئے تیار ہونا سخت حماقت تھی۔ اس وقت میرے اوپر ایک اہم ذمہ داری عاید ہوچکی تھی۔ جس قدر جلد ممکن ہوا میں اس مکان سے باہر نکلا۔ سڑک پر آکر دیکھا تو بارش بند ہوچکی تھی۔ روشنی آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی۔ میری ہڈیاں بہت ٹھنڈی تھیں۔ مگر جس قدر تیز ہوسکا میں دوڑتا چلا گیا۔

ذہین الدین حسین زبیری مارہروی

ضروری اطلاع!

چار آنے کی ٹکٹیں!

حسب معمول اس سال بھی ماہ جون کے پہلے ہفتہ میں عالمگیر کی اشاعت خاص ان معرکہ آرا خصوصیات کے ساتھ شائع ہوگی جو عالمگیر اور صرف عالمگیر کا حصہ ہیں اس کا حجم ڈھائی سو صفحات سے زیادہ ہوگا اور بہترین مضامین نظم و نثر اور بلند پایہ تصاویر یہ شریک اشاعت ہونگی، عالمگیر کے جن خریدار حضرات کی چٹوں پر نمبر خریداری کے ساتھ حرف خ چھپا ہوتا ہے وہ اپنا پرچہ بحفاظت منگانے کیلئے چار آنے کی ٹکٹیں ارسال فرمائیں تاکہ انھیں یہ عدیم النظیر پرچہ بذریعہ رجسٹری بھیجا جائے اور گم ہونے کا امکان باقی نہ رہے البتہ وہ حضرات جن کے نام کے ساتھ حرف س چھپا ہوتا ہے ٹکٹیں نہ بھیجیں کیونکہ ان کی میعاد خریداری اس ماہ مئی کے رسالہ کے ساتھ ختم ہورہی ہے ان حضرات کی خدمت میں آئندہ سال کے چندہ کیلئے یہ عدیم النظیر پرچہ بذریعہ وی پی ارسال ہوگا امید ہے کہ عالمگیر کے تمام محبان کرام نہ صرف اپنی خریداری کا سلسلہ قائم رکھینگے بلکہ عالمگیر کی توسیع اشاعت میں بھی کوشش فرما کر ہمیں شکریہ کا موقع عنایت فرمائینگے۔ (ادارہ)

ٹکٹ بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیے

کرشمۂ عادت

معصوم قلم حضرت شہر باسط بسوانی

سناؤں مرغِ دل کی نغمہ خوانی — مثالِ برگِ گل رنگیں کہانی
بنارس میں تھے کوئی صاحبِ علم — کہ تھی مشہور جن کی نکتہ دانی
وہ گویائی وہ ان کی بذلہ سنجی — وہ رعنائی وہ ان کی نوجوانی
بری تھے وہ غمِ دنیا سے اب تک — نہ تھی فکروں سے کوئی سرگرانی
جو سچ پوچھو تو ان کا مشغلہ تھا — ہمیشہ شعر گوئی شعر خوانی

کسی سے اتفاقاً لڑ گئی آنکھ — ہوئی نازل بلائے ناگہانی
بڑھا سودائے الفت جب زیادہ — عیاں ہونے لگی وحشت نشانی
نکل جاتے تھے سوئے صحرا — اعزہ لاکھ کرتے پاسبانی
اثر دکھا نہ کچھ چارہ گروں نے — نظر آئی نہ شکل کامرانی
رہے وہ ایک عرصہ پابزنجیر — جنوں کرتا تھا ان پر حکمرانی
بالآخر توڑ کر زنجیر رکھ دی — جنوں کے ساتھ تھا زورِ جوانی
گلی کوچہ میں وہ پھرنا شب و روز — کبھی گریہ کبھی دم نغمہ خوانی
کبھی اس حال میں بھی شعر کہتے — کہ ہو جاتی ہے عادت طبعِ ثانی

وہ اک دن آ رہے تھے اک گلی میں — عیاں تھی خون کی سر سے روانی
کہیں لڑکوں نے مارے تھے جو پتھر — تو چہرہ ہو گیا تھا ارغوانی
ملے اس حال میں اک دوست ان سے — تو دیکھا رنگ جورِ آسمانی
کہا اے یار یہ حالت ہے کیسی — بتاؤ کچھ براہِ مہربانی
اٹھا کر آنکھ حسرت سے نظر کی — پڑھا یہ شعر با سوزِ نہانی

سرم از سنگِ طفلاں لالہ زار است
جنوں گل کرد۔ ایام بہار است

ہندوستان کی قدیم عمارات

فن تعمیر کے بہترین نمونے

از جناب سجاد صاحب ہاشمی چنیوٹوی

اب سے ہزار ہا سال پہلے سرزمین ہند میں ایک قدیم تہذیب
دورہ تھا۔ اب سے تھوڑی مدت پہلے ہمیں اس تہذیب کا مطلق علم
ہے دنیا کی سب سے پہلی تہذیب کہنا بجا ہے لیکن جب اس سے چند
پلے "موہنجودارو" Mohen jo Daro کے قریب زمین کھودنے پر ایک
کھنڈر پائے گئے جو آج سے پانچ چھ ہزار سال پہلے کے افسانے سناتے
ہمیں اس تہذیب کا علم ہوا۔

علامات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شہر اس وقت آباد ہوا جبکہ ہندوستان
ر کے زمانے کا اختتام اور دھات کے زمانے کا آغاز تھا کیونکہ یہاں کے
ن خانوں کے مشاہدے سے معلوم ہوتا ہے کہ غریبوں کے گھروں میں پتھر
و استعمال کئے جاتے تھے اور امیروں کے گھروں میں تانبے کے۔

شہر کا نقشہ بہت نفیس تھا۔ اس کے بازار ایک دوسرے کے
ی تھے۔ مکانات اینٹوں سے بنے ہوئے تھے۔ اکثر دو منزلے تھے ان کے
ہت چھوٹے تھے۔ پانی کے نکاس کا انتظام بہت خوب تھا۔ یہاں کے
ے مٹی کے برتن بنانا بھی خوب جانتے تھے کیونکہ ان کے مکانوں میں
جن برتن اور خوبصورت رکابیاں جو محض آرائش کے لئے رکھی جاتی
۔ برآمد ہوئی ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ انھیں اناج بونے کا طریقہ بھی
ا۔ کیونکہ ان کھنڈروں سے گیہوں کے دانے بھی برآمد ہوئے ہیں
دں بالکل وہی ہیں جن کی آج کل شمالی مغربی حصوں میں تجارت
ہے۔

چونکہ ان کھنڈروں کی کسی دیوار پر نقش ونگار یا تصویریں نہیں
اس لئے ہمیں یہاں کے باشندوں کی زندگی اور رسوم وعادات کے متعلق
کوئی معلومات حاصل نہیں ہوسکیں جیسا کہ اہل بابل کے محلات اور اہل
مصر کے مقابر اور معابد سے معلوم ہوا۔ البتہ نرم پتھر پر چند کھدی ہوئی
مہریں ملی ہیں۔ ان میں سے بعض کی تصاویر اہل بابل کی مہروں کی تصاویر
اور حروف سے ملتی جلتی ہیں چونکہ موہنجودارو کے قریب کھدائی کرنے پر
جو اوزار و آلات برآمد ہوئے ہیں۔ وہ تقریباً اہل بابل کے اوزاروں سے
ملتے جلتے ہیں۔ اس لئے ہم اس سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ان دو پرانی
تہذیب والے باشندوں کا باہم میل جول تھا۔ اور غالباً انھوں نے ایک دوسرے
کے شہروں کو بھی دیکھا ہوگا۔

ٹیکسلا کے قریب ایک اور پرانے شہر کے کھنڈر بھی پائے گئے ہیں
اس شہر کی بنیاد بہت ہی پرانے وقتوں میں رکھی گئی تھی۔ چنانچہ اس کا
ذکر مہابھارت میں بھی آیا ہے۔ اب سے دو ہزار اور تین ہزار سال پہلے
کے درمیان یہ شہر علم وادب کا مرکز تھا۔ جب سکندر اعظم نے ہندوستان
پر حملہ کیا تو اس وقت یہ شہر کافی بارونق تھا۔ یہاں پر کھدائی کرنے سے
بدھ مذہب کے مندر اور خانقاہیں برآمد ہوئی ہیں جو دلکش نقش ونگار
سے مزین ہیں۔ اس زمانہ کی بنی ہوئی عمارتوں میں سے بعض مندر بھوپال
کے نزدیک مقام سانچی Sanchi میں پائے جاتے ہیں۔ یہ مندر
بدھ یا اس کے کسی چیلے کی یادگار کے طور پر بنائے گئے تھے۔ ان میں

سے ایک خاص مندر جس کو بڑا مندر کہتے تھے راجہ اشوک نے پکی اینٹوں کا بنوایا تھا۔ لیکن ایک صدی کے بعد اس کے گرداگرد پتھر کی سلیں بطور غلاف کے لگوائی گئی تھیں جس سے اس کی ضخامت بڑی ہوگئی۔

اگرچہ راجپوتانہ اور دیگر مقامات پر عمدہ عمدہ محلات ہیں لیکن ہندوستان کی عمدہ عمدہ عمارات عموماً مذہبی ہیں۔ ان مذہبی عمارتوں میں ہندوؤں کے مندر ہیں جن پر نہایت قیمتی اور عجیب وغریب پچی کاری کی گئی ہے۔ ان مندروں کی سنگ تراشی، بت سازی اور کندہ کاری نہایت نفیس ہے۔ حیوانات کی تصاویر کندہ کرنے میں کمال کردکھایا ہے راجپوتانہ کے نزدیک کونرک Konarak کا سیاہ بتکدہ ہے جو سورج دیوتا کی یادگار کے طور پر بنایا گیا ہے۔ یہ عمارت زبان حال سے تیرہویں صدی عیسوی کی سنگ تراشی اور کندہ کاری کی داد دیتی ہیں۔ کیونکہ غالباً یہ مندر اسی صدی میں بنایا گیا تھا۔ اس عمارات کے حصے آہستہ آہستہ ریت کے ٹیلے کے نیچے دبتے گئے۔ لیکن کھدائی پر وہ حصے جو صدیوں تک لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہے تھے۔ دکھائی دینے لگے۔ اس کی کندہ کاری اور نقاشی نہایت عمدہ ہے۔ خاص کر سورج دیوتا کے رتھ اور ان میں جتے ہوئے گھوڑے تو اس طرح بنائے گئے ہیں گویا ان میں جان ڈالدی ہے۔ کونرک Konarak کے مندر کی عمارت سولہ سال میں بن کر تیار ہوئی۔ اس کے متعلق ایک حکایت مشہور ہے کہ اس مندر کی تعمیر میں ایک معمار کی عورت نے کئی سال کے انتظار کے بعد اپنے لڑکے کو خاوند کی تلاش میں بھیجا۔ آخر بڑی تگ ودو کے بعد معلوم ہوا کہ اس کا باپ سیاہ بتکدہ کی عمارت پر معماری کا کام سرانجام دیتا ہے۔ اس عمارت کی عظمت کا اس لڑکے کے دل پر یہ اثر ہوا کہ اس نے عزم مصمم کرلیا کہ اس عمارت کے تکمیل تک یہاں کام کرتا رہوں گا۔ جب کاریگر تمام دن میں تھوڑا سا کام کرکے چلے گئے تو اس نے کچھ اوزار لے کر راتوں رات اس قدر سرگرمی سے کام کیا کہ دن نکلنے تک ڈیوڑھی ختم کرڈالی۔

اس لڑکے کی کارگزاری پر کاریگروں کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ اگر کام اسی رفتار سے ہوتا رہا تو اس مندر کی تعمیر نہایت جلد اختتام پذیر ہوجائیگی اور ہم سب بیکار ہوجائیں گے۔ نوجوان نے ان کے اعتراض کی کچھ پروا نہ کی اور بدستور اپنے کام میں مصروف رہا۔ اس پر تمام کاریگروں نے مل کر اس نوجوان کو اسی ڈیوڑھی کی چھت پر سے نیچے گرادیا کہتے ہیں کہ اس بیجا ظلم کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ڈیوڑھی بھی اسی رات گرگئی۔ لیکن آج ظاہر معلوم ہوا ہے کہ عمارت کا وہ حصہ اس لئے بیٹھ گیا کہ اس کی تعمیر اچھی نہیں ہوئی تھی۔

ہندوستان کا ایک اور مندر مدورا میں ہے۔ جسے مانی چشم دیوی کا مندر کہتے ہیں یہاں پر ایک بڑے کمرے میں جو ایک ہزار ستونوں پر قائم ہے پچی کاری اور بت تراشی کے وہ نمونے دیکھنے میں آئے ہیں جو دنیا میں اپنی مثال آپ ہیں۔ مدورا کسی وقت دکن کا ایتھنز کہلاتا تھا کیونکہ یہاں پر بھی کندہ کاری اور سنگ تراشی کا ایسا نفیس کام کیا گیا ہے جیسا یونان قدیم کے شہر ایتھنز میں کیا گیا تھا۔ جب ہندوستان میں اہل اسلام کی آمد ہوئی تو وہ اپنے ساتھ فن تعمیر کا ایک خاص طریقہ آ

نے اپنے مفتوحہ ممالک میں رائج کیا۔ گو اس سرزمین میں آہستہ آہستہ مسجدوں کے شاندار مینار، گنبد اور محلات بن گئے۔ لیکن اور سترھویں صدی سے پہلے مسلمانوں نے نہایت نفیس نمونے کی ت نہ بنائی۔ بہت سے مغل بادشاہ عمارات کے بہت شائق تھے ہجہاں سب سے زیادہ دلدادہ تھا۔ جس کا نام شاندار عمارتوں کی ایک مدت تک یادگار زمانہ رہیگا۔ اس نے موجودہ شہر دہلی بسایا اس نے لال پتھر کی مسجد بنائی جو اس قدر وسیع ہے کہ دنیا بھر میں سے بڑی اور شہرہ آفاق مسجد ہے۔ شاہی قلعہ کی اونچی دیواروں شاہجہاں کا سنگ مرمر کا محل ہے۔ یہاں بھی ایک نہایت خوبصورت مسجد ہے۔ جس کی چھت چاندی کی ہے۔ شاہجہاں کی تمام عمارتوں سب سے عمدہ اور نفیس عمارت تاج محل ہے جو آگرہ میں اس نے ی بیوی کی یاد میں تعمیر کرائی۔ یہ عمارت دنیا میں سب سے ت عمارت اور صنعت انسانی کی سب سے دلکش تصویر ہے۔ اس یں کئی قسم کے جواہرات بھی استعمال کئے گئے ہیں۔ اس کی کندہ نہایت عمدہ اور نازک ہے۔ کھڑکیوں میں سنگ مرمر کی جالی ہے نہایت تعجب خیز پچی کاری کی گئی ہے۔ چنانچہ یہ عمارت ایسی بھلی تی ہے کہ آدمی یقین نہیں کرسکتا کہ یہ انسان کی بنائی ہوئی ہے۔

مغلیہ بادشاہوں کی ایک اور یادگار شہر لاہور ہے جسے اکبر بادشاہ نے ایک پرانے شہر کی جگہ از سر نو تعمیر کیا۔ یہاں پر ایک بڑا قلعہ بنایا گیا جس میں اب بھی قدیم عظمت کے نشانات پائے جاتے ہیں۔ لاہور میں ایک نہایت خوبصورت باغ بھی ہے جس کو شالامار کہتے ہیں۔ شاہجہاں بادشاہ نے یہ باغ موسم گرما گزارنے کے لئے بنوایا تھا۔

ہندوستان کی عجیب وغریب عبادتگاہوں میں سے ایک امرتسر میں سکھوں کا "سنہری" دربار صاحب ہے جس کی شہرت ہند کے کونے کونے میں پھیل چکی ہے اس کی دیواریں سفید سنگ مرمر کی ہیں اور گنبدوں پر تانبا چڑھا ہوا ہے۔ جب ان کا عکس تالاب کے پانی میں پڑتا ہے تو نظارہ نہایت قابل دید ہوتا ہے۔ دیواروں پر اندر کی طرف سکھوں کے گرنتھ کے شلوک کندہ ہیں۔ اندرونی حصہ نہایت مزین اور سنہری ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ "ہندوستان مقدس عمارات کا مرکز ہے۔ انھیں دیکھ کر ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہندوستان نے فن تعمیر میں ترقی کی ہے یا تنزلی کی طرف قدم بڑھائے ہیں۔

غزل!

از حضرت رسا ہمدانی - ایم - اے (گولڈ میڈلسٹ)

عالم ہے پسِ مرگ وہی سوزِ نہاں کا — تا حشر بجھے گا نہ چراغ اپنے مکاں کا

تھی خانۂ ہستی میں مری روح مقید — زنداں سے جو نکلی تو کیا قصد مکاں کا

اس دل میں ہے اک چاند سی تصویر تمہاری — تم سے نہیں کچھ کم ہے مکیں اپنے مکاں کا

بے پردہ انہیں دیکھتا ہے دیدۂ بینا — سچ یہ ہے کہ "دل" نام ہے خاص ان کے مکاں کا

رحمت نے لیا مول گنہگار کے دل کو — صد شکر خریدار ملا ٹوٹے مکاں کا

لے آئی کشش کھینچ کے چلے آئے رسا وہ — نالوں سے پتہ ان کو ملا میرے مکاں کا

محسوساتِ ماہر

شاعر حیات حضرت ماہر القادری

وہ ترے حال سے غافل دل ناشاد نہیں
وہ یہ کہتے ہیں مجھے فرصتِ بیداد نہیں

مسکراتے ہوئے پھولوں نے کہا شبنم سے
فطرتِ غم سے یہاں کوئی بھی آزاد نہیں

میں کہ خود اپنی جگہ پر بھی نہیں ہوں موجود
وہ کہ ہر جا ہیں ولیکن کہیں آباد نہیں

میری ہر بات پہ چہرہ متغیر کیوں ہے
تم تو کہتے تھے کوئی بات مجھے یاد نہیں

جانے کیا اس کی نگاہوں نے فسوں پھونک دیا
دل کسی طرح بھی آمادۂ فریاد نہیں

میں تڑپتا ہوں فقط لطف کی خاطر ماہر
وہ سمجھتے ہیں کہ دل تشنۂ بیداد نہیں

فکرِ لطیف!

از جناب خواجہ عبداللطیف صاحب شمیم بھیروی

جوانی کو فقط ہم حاصلِ عمرِ رواں سمجھے!
وہی دو چار لمحے زندگی میں جاوداں سمجھے

بُرا ہو سادگیہائے جنونِ شوق کا یارب
کہ ان کی ہر جفا کو ہم وفائے رائگاں سمجھے

لُٹا آئے سکونِ زندگانیِ عشق میں لیکن
جگر کا حوصلہ سمجھے نظر کا امتحاں سمجھے

ڈبویا پاسِ آدابِ محبت نے کہ وہ آخر
مری خاموشیوں کو انتہائے داستاں سمجھے

نہیں میرا ہنر ترجماں تیری نوازش کا
ہُوا کیا تم اگر میری نگاہوں کو زباں سمجھے

جبینِ شوق کی رسوائیاں ہی جب مقدر تھا
درِ پیرِ مغاں سمجھے نہ تیرا آستاں سمجھے

خروشِ آرزو پر اے شمیمِ زار وہ مجھ کو
غلط سمجھے حریفِ بخششِ کون و مکاں سمجھے

ایک شاعر

از جناب مظہر حسین صاحب اظہر

(۱)

عروس البلاد "بغداد" کے بعد صرف "بصرہ" ہی ایک ایسا
ر تھا جو سیاحان عالم کو اپنی جانب کھینچتا تھا۔ اگر بغداد عہد عروج
لام کا پیرس تھا۔ تو بصرہ، لندن، نہ صرف عراق عرب کو نہ صرف
لامی دنیا کو ان شہروں کی شان و شوکت پر ناز تھا۔ بلکہ ربع مسکوں
می بصرہ کثرت آبادی، شاندار عمارات، گرم بازاری تجارت، اور
جر مظاہر تمدن کے لحاظ سے بعد بغداد عالمگیر شہرت رکھتا تھا۔

اسی آباد و زندہ بصرہ (آج کے ویران و مردہ بصرہ نہیں)
۔ ایک پر رونق محلے کے ایک متوسط الحال مکان میں حسین و جمیل
شبزہ نوار بنت اعین بن صعصعہ مجاشعی اپنی ہم سن سہیلیوں سے
رف گفت و شنید ہے۔

اسی اثنا میں ایک ادھیڑ عمر کی ایک اجنبی عورت یہاں آتی
ر السلام علیکم کہتی ہے۔

وار (صاحب خانہ) "وعلیکم السلام! آپ کون ہیں۔ کہاں سے تشریف
تی ہیں۔ اور ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہیں؟"

جنبیہ "میرا نام سلمے ہے میں آپ کے ابن عم عبداللہ بن دارم کی بھیجی
ہوئی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں"۔

نوار "مرحبا جزاکم اللہ تعالیٰ"۔

سلمے "غالباً آپ خوب جانتی ہیں۔ کہ عبداللہ ماشاء اللہ خوشروئی
میں، وجاہت میں، شجاعت اور شرافت میں اس شہر کے کسی
جوان سے کم نہیں۔ بلکہ کچھ زیادہ ہی ہوں گے۔"

نوار "ہاں میں سب کچھ جانتی ہوں۔ کیا میرے ابن عم بخیریت ہیں؟"

سلمے "وہ بفضل تعالیٰ بہمہ وجوہ بخیریت ہیں اور آپ کو سلام کہا ہے"

نوار "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

سلمے "میں آپ کے پاس ان کا ایک خاص پیغام لے کر حاضر ہوئی ہوں
اجازت ہو۔ تو عرض کروں۔"

نوار "شوق سے"۔

سلمے "آپ کے ابن عم آپ کی ظاہری اور باطنی خوبیوں کے بڑے
مداح ہیں۔ وہ آپ کے سلیقے، آپ کے خلق و مروت، فصاحت
و بلاغت، نیز آپ کے بےنظیر حسن و جمال کا تذکرہ مجھ سے اکثر کیا
کرتے ہیں۔ اور مجھے آپ سے کہہ دینے میں حجاب نہ ہونا چاہیئے
کہ عبداللہ آپ کی آتش محبت عرصہ سے اپنی مجمر قلب میں مخفی
رکھتے ہیں۔ مگر اب انہیں طاقت ضبط باقی نہیں رہی۔ اس
لئے انہوں نے مجھے پیغام دے کر آپ کے پاس بھیجا ہے
امید ہے کہ آپ اس پیغام کو مسترد نہیں کریں گی۔ کیونکہ عبداللہ
جوان صالح نجیب الطرفین، ہر قسم کی خوبیوں کے مخزن ہیں
اور فی الحقیقت آپ ہی کے لائق ہیں۔ گویا خدا تعالیٰ نے
انہیں آپ ہی کے لئے پیدا کیا ہے"۔

نوار یہ سنتی ہے۔ تو دیر تک سر جھکا کر کچھ سوچتی رہتی ہے

سلمے "ارشاد ہو۔ کہ میں واپس جا کر آپ کے ابن عم کو کیا جواب دوں"

نوار "وہ مشہور ہجوگو شاعر فرزدق کی تولیت میں ہیں نا؟"

سلمے "جی ہاں۔ فرزدق ان کے سرپرست ہیں!"

نوار "تو اس عقد کے لئے اس سیف زبان کی منظوری ضروری ہے"

سلمے "بے شک ضروری ہے"

نوار "بہن! مجھ میں اس قدر طوطا چشمی کرنے کی جرأت نہیں ہے
کہ میں اپنے ابن عم کا سوال رد کروں۔ کہ یہ امر شرافت بلکہ

انسانیت سے بعید ہے۔ اور پھر میرے پاس کوئی معقول عذر بھی تو نہیں ہے۔ پس اُن سے کہدینا۔ کہ وہ ہر طرح سے مطمئن رہیں۔ انشاء اللہ بہتر ہی ہوگا"۔

سلمٰے "جزاکم اللہ تعالیٰ"

نوار "ہاں۔ آپ براہ کرم جاتے ہی فرزدق سے میری طرف سے کہدینا کہ عبداللہ مجھ سے عقد کرنے کے آرزو مند ہیں۔ اور میں بھی انکار نہیں کرسکتی۔ پس اگر وہ رضامندی کا اظہار فرمادیں۔ تو ان کی عین عنایت ہوگی"۔

سلمٰے "بہتر میں جاتے ہی اُن سے کہدوں گی۔ اور ان کا جواب بھی آپ تک پہنچادونگی"۔

(۲)

نوار کا تمام قبیلہ اس کے مکان پر جمع ہے۔ اس فرشتہ خصلت دوشیزہ نے اُسے اپنے ہاں مدعو کیا ہے۔ اس لئے کہ فرزدق نے عبداللہ اور نوار کا باہمی عقد منظور کرلیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ شرط لگائی ہے کہ نوار اپنے تمام قبیلہ کے سامنے اپنے عقد نکاح کا اختیار کل فرزدق کو دے دے۔

فرزدق نے نوار کے پیغام کے جواب میں اسے کہلا بھیجا تھا۔ کہ یہ عقد مجھے منظور ہے بشرطیکہ تم معززین کے سامنے علی رؤس الاشہاد اس امر کا اقرار و اعلان کرو۔ چنانچہ نوار اس میں کچھ مضائقہ نہ دیکھ کر اس منزل سے گذر چکی ہے۔ آج کے مجمع میں فرزدق شاعر اور عبداللہ بن دارم یعنی دولہا بھی موجود ہے۔

مجسمہ حسن و ادا نوار نے اپنے نکاح کا اختیار فرزدق کو دے دیا اس اعلان کو جملہ حاضرین نے سنا۔ اب فرزدق نے خطبۂ نکاح پڑھنا شروع کیا۔ اور حمد و ثنا کے بعد بولا۔

"حضرات! آپ واقف ہیں۔ کہ نوار نے اپنے عقد کا اختیار مجھے دیا ہے"۔

نوار "میں پھر اعادۃً اقرار کرتی ہوں"

فرزدق "تو میں جملہ حاضرین کو شاہد بناکر کہتا ہوں۔ کہ میں نے نوار کا عقد بالعوض مہر یکصد شتران سیاہ چشم و سرخ پشم۔ . . . .

ہمسلم کے ساتھ کیا"۔

یہ سنتے ہی تمام حاضرین سناٹے میں آگئے۔ نوار کے پ
ئلے سے تو گویا زمین ہی نکل گئی اور عبداللہ بن دارم یعنی دولہا کی
ہی نہیں کاٹو تو لہو نہ تھا بدن میں۔

نوار ہندوستانی عورت کی مانند روئی، چلائی یا پیٹی نہ
اس نے اپنے صیاد کو اس کی فریب کاری پر علانیہ ملامت کی۔
بے نقط سنائیں۔ مگر فرزدق ایسے انسان پر اس کا کیا اثر ہوسکتا
تو اور مونچھوں پر تاؤ دے رہا تھا۔ کیونکہ جانتا تھا۔ کہ میرا داؤ چل گ
اس کا واویلا کرنا فضول ہے۔ یہ مرغ زریں بال اب میرے پھند
نکل نہیں سکتا!

اب نوار، فریب خوردہ نوار حد سے زیادہ پریشان
بیچاری کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ اور
سے کیونکر نجات حاصل کرے۔

نوشہ یعنی عبداللہ بن دارم علیحدہ تصویر حسرت بنا بیٹھ

(۳)

ہدف ستم نوار بہت سے شرفاء کے پاس گئی۔ اور اس
سے خدا کا واسطہ دے کر التجائیں کیں۔ کہ مجھے اس مصیبت سے
دلواؤ۔ مگر نتیجہ کچھ بھی نہ نکلا۔ ان سب نے کہا۔ کہ تم جبتک اس
شہادت پیش نہ کروگی۔ کہ فرزدق نے واقعی فریب سے نک
ہم اس وقت کچھ نہیں کرسکتے۔

لیکن گواہی دینے پر ایک متنفس آمادہ نہیں ہوتا تھ
شخص شاعر سے ڈرتا تھا۔ اور خیال کرتا تھا۔ کہ اس نے گواہی
اور فرزدق نے اس کی ہجو کہہ کر اُسے تمام عرب میں بدنام کیا تو
خیال دور از کار نہ تھا۔

فرزدق ایک آزاد رند مشرب ہجو گو شاعر تھا۔ اہل مک
پناہ مانگتے تھے۔ وہ اپنی لن ترانی اور صاف گوئی کے سامنے س
قوم اور خلافت کی بھی ذرا پروا نہیں کرتا تھا۔ وہ دینی ملت
یا کسی عورت کی بھی مطلق رعائت نہیں کرتا تھا۔

آپ کا اصلی نام ہمام تھا۔ آپ بدوضعی کے علاوہ

کے بھی کامل نمونہ تھے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ والد بزرگوار نے بیٹے کے چہرہ پر فرزدق کی پھبتی کہی۔ اور اصل نام چھوٹ کر یہی نام مشہور ہوگیا ـــــ فرزدق کے معنی ہیں "روٹی کے سوکھے ٹکڑے" برخوردار نے اس کے جواب میں اپنے قبلہ و کعبہ سے فرمایا ـــــ "الحمد للہ! کہ مجھے تمہاری جورو کے پیٹ میں پہنچا یا گیا!" ـــــ ماشاء اللہ چشم بد دُور!

ہمام لوگوں کی ہجویں علانیہ کہتا۔ اور معصر شعراء پر پے در پے حملے کرتا تھا۔ جس کے جواب میں اسے قتل تک کی دھمکیاں دیجاتی تھیں ایک شخص نے آپ سے مذاقاً سوال کیا "بھائی ہمام! عالم آخرت میں کب تک جاؤ گے؟" وہ بولا "کیوں پوچھتے ہو۔ کیا وہاں تمہارا بھی کوئی کام ہے؟" اس نے کہا "ہاں! میں تمہارے ہاتھ والد مرحوم کے پاس ایک پیغام بھیجنا چاہتا ہوں" ہمام بولا "توکسی نصرانی یا مجوسی سے یہ کام لو۔ تمہارے باداجان تو دوزخ میں ہوں گے۔ میرا اُدھر جانا کہاں ہو سکتا ہے" اچہ خوش! وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا!

ان حالات میں نوار کی گواہی کون دے؟ اپنی آبرو کا دشمن کون بنے؟ کسی نے حامی نہیں بھری۔ مگر اس کے بغیر اس زبردستی کے نکاح سے نوار کی آزادی بھی ناممکن تھی۔

نوار نے ادھر اُدھر بھٹک بھٹکا کر اور مایوس ہو کر مکہ جانے اور ایوان خلافت میں فریاد کرنے کا حزم کیا۔ اُسے یقین تھا۔ کہ عبد اللہ ابن زبیر اسے ضرور ہی ان مشکلات سے آزاد کرا سکیں گے۔ مگر اب مصیبت یہ تھی کہ کوئی شخص بھی ہمام کے خوف سے اس کے ساتھ مکہ مکرمہ جانے کو آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ مگر آخر خدا نے نوار کی دعا قبول کی حُسن اتفاق سے بنی عدی بن عبد مناۃ کے چند نوجوان بصرے وارد ہوئے یہ لوگ بنی ام بسیر کے لقب سے مشہور اور نوار کے قریبی عزیزداری رکھتے تھے۔ پس نوار نے ان سے امداد کی درخواست کی اور وہ مان بھی گئے۔ چنانچہ نوار ان کے ساتھ عازم مکہ مکرمہ ہوئی۔

(۴)

مظلوم حسینہ نوار مکہ مکرمہ آ پہنچی۔ اور خاص خلیفہ کے مکان میں مقیم ہے۔ خلیفہ کی نیک بی بی خولہ کی مہمان ہے۔

لیکن ذات شریف ہمام بھی مکہ نازل ہو چکے ہیں۔ اس آتش زبان کو جونہی اطلاع ہوئی۔ کہ نوار اپنے حامیوں کے ساتھ خلیفہ کے پاس فریادی گئی ہے تو اس نے بھی فوراً عزم مکہ کیا۔ اہل بصرہ سے امداد کی درخواست کی۔ تو اُن لوگوں نے سامانِ سفر مہیا کر دیا۔ کئی اونٹ دیئے۔ نیز امداد کا آخر تک حتمی وعدہ کیا۔ چنانچہ حضرت بھی کوچ و مقام کرتے مکہ آ پہنچے

فرزدق نے ان لوگوں کی ہجو دل کھول کر کی جو نوار کو یہاں لائے تھے اور جب اسے معلوم ہوا کہ وہ خلیفہ کی بیوی کی مہمان ہے تو وہ بھی خلیفہ زادوں کا مہمان بنا۔ مکہ والوں نے بھی اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ کیونکہ اس کی سیف زبانی سے کون خائف نہ تھا؟ اس نے خلیفہ زادوں کی مدح میں قصیدے لکھے اور ان میں درخواست کی کہ میری سفارش خلیفہ سے کرو۔

(۵)

نازآفرین نوار نے دربار خلافت میں استغاثہ دائر کر دیا۔ خلیفہ کی بیوی نے اپنے شوہر کو نوار کی مظلومی کا یقین دلا کر اس کی زبردست سفارش کی ہے لیکن خلیفہ زادے ہمام کے حامی ہیں۔ اور باپ سے بار بار اس کی سفارش کرتے اور اُسے برحق ثابت کرتے ہیں۔ اس لئے خلیفہ تذبذب میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور کوئی رائے قائم نہیں کر سکتے۔ اسی لئے اب تک کوئی فیصلہ نہیں کیا جب بیٹے ان کے سامنے آ کر شاعر کی سفارش کرتے ہیں۔ تو خلیفہ ادھر جھک جاتے ہیں۔ مگر جب مکان میں حرم محترم نوار کی مظلومیت کا تذکرہ کرتی ہیں۔ تو ادھر مائل ہو جاتے ہیں۔

خلیفہ آخر معاملہ کی تہ تک پہنچا۔ انہوں نے نوار کو مظلوم، اور شاعر کو فریبی سمجھ لیا۔ اپنی رائے کا اظہار بھی کر دیا۔ اور اس کی بھنک شاعر کے کانوں میں بھی پڑ گئی۔ اب وہ آئیں تو جائیں کہاں؟ آپ نے بگڑ کر خلیفہ کی بھی ہجو کہہ ڈالی۔ جو ان کی زبان سے نکلتے ہی تمام حجاز بلکہ تمام اسلامی دنیا میں پھیل گئی۔ فرمایا:۔

اما بنوہ فلم تقبل شفاعتہم
(مگر ان فرزندوں کی تو سفارش قبول نہیں کی گئی)
وشفعت بنت منظور بن زبانا
(ہاں منظور بن زبان کی بیٹی کی سفارش منظور ہوئی)
لیس الشفیع الذی یاتیک موتزرا
(تمہارے پاس جو سفارشی پاجامہ پہنے آئے)

مثل الشفیع الذی یاتیک عریانا
وہ اس کے برابر نہیں ہو سکتا جو برہنہ ہو کر آئے

(۶)

شرارتِ شاعر کی اطلاع خلیفہ تک جا پہنچی ہے۔ اور انہوں نے گھبرا کر نوار کو اپنے پاس بلایا ہے۔ چنانچہ اس وقت مظلومہ خلیفہ کے سامنے بیٹھی ہے۔ خلیفہ کے احباب بھی موجود ہیں۔

خلیفہ۔ "اب دو صورتیں ہیں۔ پس ان میں سے تمہیں جو پسند ہو ہم اس پر عمل کریں۔ اوّل یہ کہ ہم ہمام سے تمہیں طلاق دلا کر اُسے دنیائے اسلام سے خارج کر دیں۔ تاکہ دشمنانِ اسلام اُسے زندہ نہ رہنے دیں۔ یا ہم خود ہی اُسے قتل کرا دیں۔ تاکہ اس کی ہجو سے نجات پائیں"۔

اس میں شک نہیں کہ شاعر نے نوار کو بدترین فریب دیا۔ تاہم اس کے دل نے گوارا نہیں کیا۔ کہ اس کے جانی دشمن کی جان یوں ضائع ہو جائے پس اس نے ہر دو تجاویز رد کر دیں۔ اور صاف صاف کہہ دیا۔ کہ "میں اس کی جان ضائع کرانا پسند نہیں کرتی"۔

خلیفہ (بعد تامل) "اگر تمہیں ہمام کے حال پر ترس آتا ہے۔ تو پھر اس کی بیوی بننا کیوں نہ منظور کر لو۔ اور ویسے بھی تمہارا ابنِ عم ہے۔ نیز تم پر فریفتہ ہے پس نکاح تم دونوں کی باہمی رنجش کو مٹا دے گا"۔

نوار۔ "ہاں! مجھے اپنا لطف زندگی خطرہ میں ڈالنا گوارا ہے۔ مگر دوسرے انسان کی جان لینا پسند نہیں کرتی"۔

ہمام بھی دوسرے کمرے میں آ بیٹھا۔ پس خلیفہ نے اُسے بلوایا اور اُس کے آ جانے پر اس سے خطاب کیا۔

خلیفہ۔ "تم نے جس قدر مہر کے عوض نوار سے نکاح کیا ہے۔ وہ فوراً حاضر کرو۔ ورنہ میں تمہارا نکاح باطل کر دونگا"۔

فرزدق۔ "حضرت! آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ کہ میں یہاں غریب الوطن ہوں۔ پس اپنے وطن بصرے کے بغیر سو اونٹ کیسے مہیا کر سکتا ہوں"؟

خلیفہ۔ "جیسے بھی ہو۔ لاؤ۔ اگر تمہیں نوار سے محبت ہے۔ تو لانے ہی پڑیں گے"

فرزدق۔ (بگڑ کر) "میں حضرت کا مطلب سمجھ گیا۔ واہ صاحب واہ!"

خلیفہ۔ "کیا!"

فرزدق۔ "آپ مجھے اس وجہ سے دبا رہے ہیں۔ تاکہ نوار کو خود اپنے حرم میں داخل کر سکیں"۔

خلیفہ (غضبناک ہو کر) "خاموش بے ادب! کیا تم بھول گئے کہ تمام اعراب نے تمہیں اور تمہاری قوم کو برادری سے خارج کر دیا تھا بھلا تمہاری ہستی کیا چیز ہے؟ (حاضرین سے) نکال دو اس گستاخ کو یہاں سے"۔

(شاعر نکال دیا جاتا ہے)

خلیفہ۔ (حاضرین سے) "حضرات! شاید آپ جانتے ہوں۔ کہ ہمام بنی تمیم سے ہے۔ اور اس کے بزرگوں نے ظہورِ اسلام سے ڈیڑھ سو سال قبل خانۂ خدا پر حملہ کر کے اُسے لوٹا تھا۔ اسی وجہ سے اہلِ عرب نے اس قبیلہ کی حد سے زیادہ بے عزتی کی تھی۔ حتّٰی کہ ان کو ارضِ تہامہ سے نکال دیا گیا تھا"۔

(ایک بوڑھے صحابی نے اسکی تصدیق کی)

خلیفہ ایک خادم سے مخاطب ہوئے۔ "تم ہمام سے کہہ دو کہ وہ نوار کا مہر لا کر حاضر کر دے۔ ورنہ اس کی خیر نہیں"۔

(۷)

(ہمام خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے)

ہمام۔ "حضرت! یہ چار ہزار دینار، زرِ مہر سو اونٹوں کی قیمت حاضر ہے" یہ کہہ کر وہ دیناروں کی دو تھیلیوں کو خلیفہ کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ خلیفہ مسکراتے ہیں۔

خلیفہ۔ "تم یہ کہاں سے لائے؟"

ہمام۔ "حضرت! میں شریف ہوں۔ میرے بزرگ بھی شریف تھے میری قوم بھی شریف ہے۔ میں نے جناب کے لگائے ہوئے الزامات کی تردید کر کے عذر خواہی بھی کر لی مگر حضرت پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ بلکہ آپ اتفاقیہ رستے میں ملے۔ تو آپ نے میری گردن پکڑ لی اور گلا دبا کر فرمایا کہ طرح بنے۔ میرے حکم کی تعمیل کرو"۔

خلیفہ۔ "یہ سچ ہے۔ مگر تم یہ روپیہ کہاں سے لائے؟"

ہمام۔ "حضرت! آپ کے بے رحمانہ طرزِ عمل نے مجھے سخت پریشان کر دیا تھا۔ مجھ سے کوئی تدبیر بن نہ آتی تھی حتّٰی کہ ایک بندۂ خدا نے

(خدا اس کا بھلا کرے) مجھے مشورہ دیا۔ کہ میں مسلم بن زیاد کے پاس جا کر امداد کی درخواست کروں۔ جسے آپ نے قید کر رکھا ہے۔ اور جس سے آپ روپیہ طلب کرتے ہیں"

خلیفہ: "تو کیا یہ دینار اُسی نے دیئے ہیں؟"

ہمام: "جی ہاں! میں اس کے پاس گیا میں نے اپنی داستانِ محبت اُسے سُنائی۔ تو اس نے مجھے اپنے ایک عزیز سے چھ ہزار دینار دلا دیئے"

خلیفہ: "تو لو! یہ اپنے دینار تمہیں مبارک ہوں"۔

اب خلیفہ نے نوار کو بلا کر تجدید نکاح کی، اور اُسے اس عجیب و غریب شاعر کے حوالہ کیا۔ اور ہمام اپنی حسین بیوی کو ہمراہ لے کر بصرہ روانہ ہو گیا!

اس وقت اس نے ایک شعر کہا جس کا ملخص حسبِ ذیل ہے

"(اے نوار!) اپنے ابن عم کے پاس آؤ۔ اور اس شخص کی مانند نہ بنجاؤ۔ جو گھوڑا چھوڑ کر گدھے کو اختیار اور پسند کرے۔"

غور کیجئے۔ کہ ہمام نے گدھا کسے بنایا؟!

(۸)

نوار ہمام کے مکان میں ہے۔ مگر جان سے بیزار۔ تجدید نکاح کہیں محبت بھی پیدا کر سکتی ہے؟ بیچاری آٹھ آٹھ آنسو روتی ہے۔ لطفِ زندگی کوسوں نظر نہیں آتا۔ ہمام کی رند مشربی اس تقیبہ کو اور بھی گھولتی ہے۔ صحبت ناجنس سے بڑھ کر اور کیا مصیبت ہو سکتی ہے؟ چنانچہ وہ اس وقت تنہا بیٹھی ہوئی اپنے ہی دل سے باتیں کر رہی ہے۔

"اس صیاد نے مجھے زبردستی اپنے دامِ فریب میں پھانسا۔ ایسا نکاح کب جائز ہو سکتا ہے؟ تو کیا میں اس پر حرام ہوں؟ نہیں شرع شریف ہمام کے حق میں فیصلہ کر چکی ہے۔ آہ! میری عجیب حالت ہے۔ میں کبھی اس سے ملتی ہوں اور کبھی اس کے سایہ سے بھاگنے لگتی ہوں آہ! وہ بدصورتی میں بھی تو اپنی نظیر آپ ہے۔ یا اللہ! میں کیا کروں۔ کیا نہ کروں؟ .... یہی نہیں اس نے مجھ پر مزید ستم یہ کیا۔ کہ اوّل جہیمہ سے اور پھر حدرا بن زیق شیبانیہ سے نکاح کیا۔ مگر میں جانتی ہوں کہ محض میرے ستانے اور جلانے کے لئے ......"

وہ انہی خیالات میں پڑی غوطے کھا رہی تھی۔ کہ ہمام باہر سے آیا۔ اب اسے تاب کہاں؟ اٹھی اور اُٹھ کر اس کی ڈاڑھی نوچ لی۔

اس موقعہ پر شاعر نے دو شعر کہے۔ جن کا مفہوم یہ ہے۔

"نوار میری ڈاڑھی نوچنے لگی اور جعدہ خشخاش کی ڈاڑھی نوچتی ہے۔ جب وہ دونوں بگڑتی ہیں۔ تو گویا شیرنیاں بنجاتی ہیں مگر راضی ہوں تو زندگی بڑے لطف سے گزرتی ہے"

ہمام گھر سے باہر جا چکا تھا۔ کہ ایک نوجوان عورت نوار کے پاس آئی۔ اور کہا "میرا نام جعدہ ہے۔ اور میں خشخاش کی بیوی ہوں"۔ پھر بولی "بھلا بہن! میں نے تمہارے شوہر کا کیا بگاڑا تھا۔ کہ انہوں نے تمہارے ساتھ مجھے بھی عرب بھر میں رسوا کرنے کا ارادہ کیا"

نوار نے ایک منٹ تامل کر کے جواب دیا "بہن! میں نے صبر کیا تم بھی صبر کرو۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ ط"

حدرا، ایک بدویہ نصرانی تھی۔ تاہم ہمام نے سو اونٹ مہر مقرر کر کے اس سے نکاح کیا۔ مگر جب حجاج بن یوسف سے سو اونٹ لے کر گھر آیا۔ تو اس وقت نوار جل کر بولی۔

"ایک کالی کلوٹی، دُبلی پتلی، حقیر اور مچھر ایسی ٹانگوں والی بدوِیہ نصرانیہ کا مہر سو اونٹ، خدایا تیری شان!"

مگر جب ہمام یہ اونٹ لے کر حدرا کے مکان پر پہنچا۔ تو وہ اس دنیا سے روانہ ہو گئی تھی۔

(۹)

اسی دَور میں ایک شاعر عزا اور حریفِ ہمام جریر تھا۔ اور کچھ شک نہیں۔ کہ اگر ہمام کسی سے ڈرتا تھا۔ تو صرف جریر سے جو اس کی خوب ہی خبر لیتا تھا۔ یہ فیصلہ آج تک نہ ہو سکا۔ کہ دونوں میں سے کس کا پلہ بھاری تھا۔ جریر نے ہمام کی مٹی خوب ہی پلید کی۔ یہی وجہ تھی کہ ہمام اپنے حالات (جو اچھے نہ تھے) جریر سے مخفی رکھنے کی بیحد کوشش کرتا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اسے اطلاع ہوئی نہیں اور اس نے مجھے دنیا بھر میں رسوا کیا نہیں۔

جریر یمامہ میں اپنے گھر کے سامنے بیٹھا بالو ریت سے کھیل رہا ہے۔ اسی اثنا میں اس کا راوی عبداللہ بن عطیہ آ جاتا اور اُسے ہمام کا پیغام پہنچاتا ہے۔ کہ

فَاِنِّیْ اَنَا الْمَوْتُ الَّذِیْ سَوْفَ نَازِلٌ
بِنَفْسِکَ فَانْظُرْ کَیْفَ اَنْتَ تُجَادِلُہٗ

میں موت ہوں تو تجھ پر نازل ہوئی ہے۔

لے سنبھل، دیکھوں تو اس کا مقابلہ کیسے کرتا ہے

ہمام نے یہ شعر آپ کی شان میں کہا ہے، اور یہ پیغام دیا ہے کہ اگر آپ نے اس کا جواب دیا۔ تو نوار پر طلاق ہے۔ چنانچہ میں ان کا بھیجا ہوا آپ کو یہ شعر سنانے آیا ہوں"

یہ سن کر جریر نے بالو پر لوٹنا پوٹنا اور سر پر خاک اڑانا شروع کیا۔ نیز تمام بدن پر بالو ملا جتنی کہ اسی مشغلے میں شام ہوگئی۔ مگر اسی عالم میں اس نے جواباً حسب ذیل شعر کہا۔ اور عبداللہ سے بولا "لو نوار پر طلاق ہوگئی۔ وہو ہذا۔

انا الدھر یفنی الموت والدھر خالد
فجئنی بمثل الدھر شیئ یطاولہ

میں زمانہ ہوں جو موت کو بھی مٹا کر زندہ رہتا ہے۔

زمانے کی مانند مجھ ایک چیز تو دکھاؤ جسکی زندگی اسقدر طویل ہو

جب عبداللہ نے واپس بصرہ جاکر ہمام کو جواب سنایا۔ تو وہ دنگ رہ گیا۔ اور کہنے لگا کہ اس واقعہ کا اس سے تذکرہ نہ کرنا۔

ہمام نے اپنی بیوی حدرا کی (اشعار کہہ کر) حد سے زیادہ تعریف کی، اور غضب یہ کیا۔ کہ نوار جیسی حسین و جمیل کی تحقیر بھی کر ڈالی۔ مگر یہ سب کچھ نوار کے جلانے کے لئے کیا۔ نوار بھڑک گئی۔ اور ہمام سے بولی "ٹھیر تو۔ کیا مزہ چکھاتی ہوں"

جب نوار نے جریر کو بلا کر ہمام کی بے عنوانیوں اور اپنی ہجو کا مذکرہ کیا۔ تو اس نے اس مظلومہ کی تسلی کی اور کہا کہ "میں انتقام لوں گا"۔ چنانچہ اس نے ہمام کی زبردست ہجو کہی۔ گو جواب حریف نے بھی دیا۔

نوار نے بنی قیس سے فریاد کی اور وہ آمادۂ امداد ہوگئے۔ مگر ہمام نے ان کی بھی ہجو کہی جسے سن کر وہ سخت برہم ہوئے، اور غضبناک ہو کر شاعر کے پاس پیغام بھیجا کہ خبردار! اگر ان اشعار کے علاوہ ایک شعر بھی کہا۔ تو خدا کی قسم! ہم تمہیں زندہ نہیں رہنے دینگے"

اس دھمکی نے ہمام کو گویا سیندر کھلا دیا۔

(۱۰)

رات کا وقت ہے۔ ہمام ایک شریف خاتون "زاہدہ" کے مکان پر تشریف لاتے ہیں۔

زاہدہ۔ "مرحبا!"

ہمام۔ "دیکھا آخر تمہیں مجھ سے مغلوب ہونا ہی پڑا۔ اے زاہد فریب حسینہ! ایک مدت سے تمہاری آتش فراق میں جل رہا ہوں"

زاہدہ۔ آپ بڑے زبردست ہیں۔ آپ کی طاقت آپ کی ہجو گوئی میں مخفی ہے۔ آپ نے مجھے بار بار دھمکیاں دیں جتنی کہ میں مجبور ہوگئی اور اپنی آبرو آپ سے عزیز نہ رکھ سکی۔ حالانکہ آپ جانتے ہیں۔ کہ میں بدکار نہیں ہوں"۔

ہمام۔ "میں آپ کی عنایت کا بہرحال ممنون ہوں۔ اور اپنی قسمت پر ناز کرتا ہوں"۔

زاہدہ۔ "اب ہم خلوت خانہ میں چلتے ہیں۔ مگر وہ تاریک ہوگا۔ مبادا میرا کوئی عزیز وہاں آجائے"

ہمام۔ (کچھ سوچ کر) "کیا مضائقہ"۔

کچھ دیر تک گفت و شنید ہوتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد شاعر کی پشت پر ایک دھول پڑی۔ عورت بولی "ہمام! یہ باتیں اور یہ کوتک شرم نہیں آتی؟ کمبخت"

یہ تبدیل شدہ آواز تھی۔ زاہدہ کی نہ تھی۔ بلکہ نوار کی تھی جسے ہمام فوراً پہنچان گیا۔ اور فی البدیہہ کہا۔

فطیبک حرامًا وارادن حلالہا

کیا بتاؤں کہ تم حرام میں کتنی اچھی اور حلال کتنی بری تھیں؟"

بات یہ ہوئی۔ کہ جب ہمام زاہدہ کی عصمت کے پیچھے بری طرح پڑا۔ تو وہ نوار کے پاس آئی اس نے کہا کہ "تم اس سے کسی روز کا وعدہ کر لو۔ اور اس روز مجھے بلالو"۔ بس یہی ڈرامہ ہمام کے ساتھ کھیلا گیا۔

ہمام نے کئی نکاح کئے۔ ایک بیوی کو چند ہی روز بعد طلاق دیدی۔ اور اس کی ہجو کہنے سے بھی گریز نہ کیا۔ ایک اور بیوی ایام حمل

میں مرگئی جسکا اس نے مرثیہ لکھا۔ عالم پیری میں طیبہ بنت حاتم سے شادی کی مگر ایک سال تک زرِ مہر ادا نہ کر سکا۔ آخر بیوی کو گھر میں لائے۔ تو اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ پس خوب جوتیوں میں دال بٹی۔ طیبہ قاضی مہاجر کی عدالت میں جا پہنچی۔ لیکن وہ ہمام کی ہجو سے کچھ ایسے مرعوب ہوئے۔ کہ انہوں نے قبل انفصال مقدمہ ہی کہدیا۔ کہ اگر فرشتے بھی گواہی کے لئے آجائیں۔ تو بھی فیصلہ ہمام کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ یہ سُن کر ہمام نے خوب مونچھوں پر تاؤ دیئے۔

ہمام نے اپنی ایک حبشن لونڈی کی تعریف میں اشعار کہے اور فرمایا کہ "اسکے جسم سے خوشبو آتی ہے" نوار نے سنکر کہا کہ "ہاں اسی کی سی خوشبو تم میں سے بھی تو آتی ہے"۔

(۱۱)

نوار اور ہمام مشہور امام دین حسن بصریؒ کے مکان پر موجود ہیں اور بھی بہت سے لوگ وہاں حاضر ہیں۔ میاں بیوی میں طلاق کا سمجھوتا ہوا ہے اور یہاں یہ لوگ بغرض شہادت آئے ہیں۔

ہمام "حضرت! آپ شاہد رہیئے کہ میں نوار کو طلاق دیتا ہوں"

حسن بصری "ہاں میں اس امر کا گواہ رہونگا۔ مگر کوئی خاص شرط تو نہیں ؟"

ہمام "میری شرائط نوار نے منظور کر لی ہیں"۔

حسن "کیا کیا ؟"

ہمام "اوّلا یہ کہ نوار طلاق حاصل کر لینے کے بعد بھی میرے مکان سے نہیں جائیگی۔ بلکہ میرے ہی پاس رہیگی۔ اور کسی اور شخص سے نکاح نہیں کر سکے گی۔ نیز میں نوار کی دولت جائداد میں حسب مرضی تصرف کر سکوں گا"۔

حسن (حیرت سے) "کیوں نوار! کیا تمہیں یہ شرائط واقعی منظور ہیں ؟"

نوار "حضرت! مرتا کیا نہ کرتا"۔

اسوقت ابو شفقل اور عبداللہ راوی اشعار ہمام بھی وہاں موجود تھے نیز دیگر آدمی۔ مگر ستونوں کی آڑ میں چھپے ہوئے تھے سامنے نہیں آتے تھے۔ یہ تھا شاعر کا رعب۔ ہمام بوقت واپسی ابو شفقل سے بولا "اے یار! نوار کو تو چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا اور اب مجھے اپنے کئے پر رہ رہ کر افسوس آ رہا ہے"۔ مخاطب گھبرا کر بولا "میاں غضب کرتے ہو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ گواہ طلاق کون ہیں! اگر تم نے ایسا ارادہ کیا۔ تو حسن بصری تمہیں سنگسار کرائے بغیر نہیں رہیں گے"!

اس وقت ہمام نے چند اشعار کہے جن سے ظاہر ہے کہ اُسے نوار سے بیحد محبت تھی۔ ازانجملہ ایک شعر حسب ذیل ہے

وکان جنتی فخرجت منها ـــــــ کآدم حین اخرجه الضرار

(اور وہ یعنی نوار میری جنت تھی جس میں سے میں ایسا نکلا جس طرح نا اتفاقی اور نفاق نے آدمؑ کو بہشت سے نکالا")

ہمام حسب و نسب کے لحاظ سے نوار کا احترام بھی کرتا تھا۔ مگر نوار کو اس سے نفرت تھی۔ اور یہی موجب طلاق ہوئی مگر اس میں دینداری کا بھی شائبہ تھا کیونکہ نوار اس نکاح کو فاسد سمجھتی تھی۔

(۱۲)

نوار نے ہمام کو وصیت کی۔ کہ میری نماز جنازہ حسن بصری پڑھائیں۔ ان بزرگ نے وعدہ کیا کہ اگر میں زندہ رہا۔ تو یہ فرض بخوشی انجام دونگا۔ وہ نوار کی وفات کے وقت بقید حیات تھے۔ ہمام انہیں ہمراہ لایا۔ تو یہاں بہت سے لوگ جمع تھے امام نے اس کا سبب پوچھا۔ تو ہمام نے جواب دیا۔ کہ یہ لوگ سب سے اچھے اور سب سے بڑے شخص کے منتظر تھے۔

ہمام نے سب سے اچھا امام کو اور سب سے برا خود کو کہا تھا۔ مگر انہوں نے دونوں صفات اپنی ہی ذات سے منسوب کر کے فرمایا "میں نہ سب سے اچھا ہوں اور نہ سب سے برا"۔

امام نے نوار کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور اُسے سپرد خاک کر چکنے کے بعد جانب قبر اشارہ کر کے ہمام سے خطاب فرمایا کہ ـــــ "اس خوابگاہ کے لئے کیا توشہ جمع کیا ہے؟"

شاعر نے پر جوش لہجہ میں جواب دیا "ستر برس کا یہ عقیدہ کہ لا الٰہ الا اللہ"

ممکن ہے کہ یہ جواب خلاف واقعہ نہ ہو۔ اور اس امر کا امکان ہے۔ کہ ہمام موحد ہی ہو۔ تاہم اس کے مسلم ہونے میں اشتباہ کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس کے تمام اخلاق ایام جاہلیت کے آئینہ بردار تھے۔ اس دور میں عورات سے ایسا ہی بلکہ اس سے بدتر سلوک کیا جاتا تھا جسکا استیصال اسلام نے کر کیا اور حدود قائم کئے ہمام اسلامی اخلاق اور شرع شریف کے حکموں سے دور تھا۔ خدا اس کی مغفرت کرے۔

ہمام عرصہ تک زندہ رہا اور اپنے عام مشاغل میں مصروف رہا۔

فریادِ محبّت

از شعلہ لکھنوی

اُرے بیوفا' ارے بیوفا' یہ محبتوں کا صلہ دیا،
جو خوشی ہوئی تو ہنسا دیا جو خوشی ہوئی تو رُلا دیا

کبھی حسرتِ دلِ مضطرب کبھی سجدہ گاہِ نیازِ غم
جو کسی نے پوچھا کہاں ہیں وہ ترے آستاں کو بتا دیا

سرِ گورِ حشر بپا ہے کیوں یہ نشان قبر مٹا ہے کیوں
یہ خرامِ ناز نے کیا کیا کہ مٹے ہوؤں کو مٹا دیا

مری زحمتیں شبِ عیش ہیں مرا اضطراب سکون ہے،
میں یہی کہونگا کہ عشق نے مری زندگی کو بنا دیا

میں قفس نصیب ہوں ہمدمو یہ نہ پوچھو چرخ نے کیا کیا
مرے بال و پر بھی جدا کئے مرا آشیاں بھی چھڑا دیا

مجھے اپنی کچھ بھی خبر نہیں مجھے ہر تو ان کا خیال ہے
یہ کمالِ عشق تو دیکھئے مجھے ان کا بندہ بنا دیا

نہ تو تجھ سے شکوہ ہے بیوفا نہ تو آسماں کا گلہ ہے کچھ
یہ مرے ہی دل کا قصور ہے مجھے آفتوں میں پھنسا دیا

میں سراپا گویا کہ شوق تھا کسی بیوفا کی تلاش میں
جو رکا کہیں یہ مرا قدم' مری حسرتوں نے بڑھا دیا

یہ ہے شعلہ اصل میں واقعہ کسی بزمِ عشق نواز کا
جو ادا سے گر پڑیں بجلیاں تو نظر نے تیر چلا دیا

رُباعیات

از جناب شاکر سعیدی

برقِ جانسوز درنظر ہے حُسن
آتش و شعلہ و شرر ہے حُسن
اپنے پرتو سے جل گیا خود بھی
کتنا نادان و بیخبر ہے حُسن

۲

میرے دل میں فقط بسا ہے تو
میرے جینے کا آسرا ہے تو
میرا کعبہ ہے آستاں تیرا
میں پجاری ہوں دیوتا ہے تو

۳

ہے آگ سی سینے میں کہ جلتا ہے دل
پروانہ ہے جوں شمع پگھلتا ہے دل
آنسو ہیں مری آنکھ سے جاری شاکر
یا اشک کے پردے میں نکلتا ہے دل

اُردو شاعری کا آدم

سُلطان قلی قطب شاہ

از حضرت مولانا تمکین الکاظمی صاحب حیدرآباد

اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اُردو کا باوا آدم ولی (دکنی) ہے جو ۱۰۹۰ھ میں پیدا ہوا اور ۱۱۵۵ھ میں انتقال کرگیا۔ لیکن تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے پہلے محمد نصرت "نصرتی" دکنی نے جو دربار عادل شاہ کا ملک الشعرا تھا ۱۰۷۶ھ میں یعنی ولی کی پیدائش سے تین چار سال قبل ایک نظم دکنی اُردو میں "علی نامہ" کے نام سے لکھی جس میں علی عادل شاہ کی فتوحات وغیرہ کا حال لکھا ہے۔ اسی کے ساتھ سلطان عبداللہ قطب شاہ کا دیوان بھی مل گیا جو ۱۰۲۳ھ میں پیدا ہوا اور ۱۰۸۳ھ میں وفات پائی۔ اس طرح ولی سے قدیم نصرتی اور نصرتی سے قدیم عبداللہ شاہ ثابت ہوا اگر یہ تحقیقات مکمل نہ ہونے پائی تھی کہ سلطان محمد قطب شاہ کا دیوان ملا جس نے ۱۰۰۱ھ میں پیدا ہوکر ۱۰۳۵ھ میں وفات پائی۔ اس لحاظ سے محمد قطب شاہ کو عبداللہ قطب شاہ سے پہلے کا شاعر ماننا پڑیگا مگر یہ سہرا ابھی اس کے سر باندھا نہ گیا کہ سلطان قلی قطب شاہ کا دیوان بھی برآمد ہوگیا جو محمد قطب شاہ کا چچا اور حیدرآباد کا بانی ہے یہ ۱۰۲۰ھ میں فوت ہوا اور محمد قطب شاہ سے پہلے کا شاعر مانا گیا۔ اس کے علاوہ ملا غواصی نے ۱۰۳۵ھ میں فسانہ سیف الملوک اور بدیع الجمال۔ ملا قطبی نے تحفۃ النصائح ابن نشاطی نے پھول بن، طبعی نے بہرام وگل اندام، رستمی نے ۱۰۵۹ھ میں یوسف زلیخا، عاجز نے ۱۰۹۲ھ میں روضۃ الشہدا۔ فائز نے ۱۰۹۰ھ میں فسانہ روح افزا اور ہاشمی نے ۱۰۹۹ھ میں یوسف زلیخا، عاجز نے لال وگوہر، امین نے یوسف زلیخا اور ولی نے ۱۱۹۱ھ میں روضۃ الشہدا وغیرہ ترجمے کئے۔ جو اب دستیاب ہو رہے ہیں۔ اور سراج، داؤد آزاد، وحیدی، بحری، مومن، مرزا، نوری، حضرت بندہ نواز وغیرہم کی مثنویاں، دواوین اور بعض نثر کی کتابیں بھی دستیاب ہوئی ہیں، سلطان ابوالحسن تاناشاہ کے اُردو اشعار بھی ملتے ہیں۔ مگر وہ صاحب دیوان نہ تھا۔ اس لئے ہماری دانست میں اُردو کا سب سے پہلا صاحب دیوان شاعر **سلطان قلی قطب شاہ** ہے۔

محمد قلی قطب شاہ، محمد ابراہیم قطب شاہ کا بیٹا تھا۔ دکن میں پیدا ہوا اور یہیں تعلیم و تربیت پائی۔ ابراہیم قطب شاہ کے انتقال کے بعد بارہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ تخت نشینی کے بعد بھی سلسلہ درس و تدریس کا جاری رکھا۔ مگر بادشاہ تھا عیش و عشرت گھٹی میں پڑی تھی۔ جوانی دیوانی مشہور ہے ایک طوائف "بھاگ متی" پر مر مٹا[۱]۔ یہ طوائف نہایت حسین اور خوش سلیقہ تھی اس نے رفتہ رفتہ اس قدر رسوخ، حاصل کرلیا کہ ایک اچھا خاصا دربار بنالیا۔ امرا اور وزرا پہلے اس کے دربار میں جاکر مجرا کرتے اور پھر قلی قطب شاہ کے پاس جاتے تھے۔ ہزار سوار ہمیشہ اس کی سواری کے ہمراہ ہوتے۔ وہ شاہانہ ٹھاٹ سے سیر کرتی تھی۔ سلطان کے اپنے دیوان میں اس کی تصویر بھی ہے۔ چونکہ بھاگ متی سلطان سے دور رہنا چاہتی تھی اس لئے سلطان نے موسیٰ ندی کے کنارہ پر ایک شہر "بھاگ نگر" نام سے آباد کیا۔ اور اس کی آبادی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ بھاگ متی کی زندگی تک کسی کو کسی کی مجال نہ تھی کہ اس نام کے متعلق کچھ کہتا مگر اس کے انتقال کے بعد

[۱] تاریخ فرشتہ، تاریخ قطب شاہیہ

علما نے سلطان سے عرض کیا کہ یہ نام بدل دیا جائے تو مناسب ہے۔ چنانچہ بجائے "بھاگ نگر" کے حیدرآباد نام رکھا گیا۔

قلی قطب شاہ نیک دل، خوش اخلاق، عادل اور عیش پسند تھا۔ عمارات کا بہت شوق تھا۔ الٰہی محل، محمدی باغ۔ بنات گھاٹ، کوہ طور، ندی محل، لنگر دروازہ، جامع مسجد، خانقاہ مدرسہ، دارالشفا وغیرہ بنوائے اب سب عمارات امتداد زمانہ کے ہاتھوں فنا ہو چکی ہیں صرف جامع مسجد ایک شکستہ خانقاہ اور ایک مدرسہ باقی ہیں۔ دوسری عمارات کا پتہ بھی نہیں لگتا کہ کہاں واقع تھیں [1]

ان عمارات کے تعمیر کے مصارف کا اندازہ ستر لاکھ ہن[2] تبلایا جاتا ہے۔ شاہ موصوف بڑا سخی تھا۔ مدارس، مساجد اور لنگر خانوں میں اپنی طرف غربا و فقرا، کی خوراک و رہائش کا انتظام کر رکھا تھا۔ اور اس کے لئے سالانہ ساٹھ ہزار ہن مقرر تھے۔ ہر غرہ محرم الحرام کو بارہ تیرہ ہزار ہن طلبہ کو بطور انعام تقسیم کیا کرتا تھا۔ اور عشرہ شریف کے لئے رعایا لشکر وغیرہ کو ماتمی لباس خزانہ شاہی سے دیا کرتا تھا۔ مختلف جگہ الاوے بنے ہوئے تھے ہر مقام پر ارکان سلطنت ماتم کیا کرتے تھے اور ہر ماتمی کو دس روز تک کھانا اور ایک ایک ہن دیا جاتا تھا۔ اپنی تخت نشینی کے بعد سے کروڑگیری اور زکوٰۃ معاف کر دی جس کی آمدنی دو لاکھ ہن سالانہ تھی[3]

بادشاہ احکام شرعی کی پابندی نہایت سختی سے کرتا تھا۔ لیکن کسی کو اپنے ہاتھ سے قتل نہیں کیا۔

علما، فضلا، اور شعرا، کو دور دور سے بلا کر دربار میں جگہ دی، میر مومن استرآبادی کے ذریعہ کربلائے معلیٰ سے کئی جہاز خاک شفا کے منگوالئے۔ ایک مخصوص مقام پر یہ خاک بچھائی گئی اور اس متبرک مقام کو مومنین امامیہ کے دفن کے لئے مخصوص کیا گیا۔ غسال وغیرہ ملازم رکھے گئے اور ان کے نام وظائف و انعامات جاری کئے گئے۔ یہ مقام اب تک "میر مومن کا دائرہ" کے نام سے مشہور ہے۔ شاہی خرچ سے حمام بنوائے اور ان میں ملازمین رکھے گئے۔ غربا و فقرا، کے غسل کا انتظام مفت کیا گیا۔ دکن میں شاہی سلام آدھے سجدے کے برابر تھا سلطان نے اسے قطعی بند کرا دیا اور سیدھا سادھا سلام مقرر کیا۔ علما، و سادات اہلبیت کی عزت و توقیر میں بہت مبالغہ کیا کرتا تھا ان کو دربار میں اپنے برابر جگہ دیا کرتا تھا اور اپنی ۳۲ سالہ مدت سلطنت تک اسی پر کاربند رہا۔

بادشاہ کے نرینہ اولاد نہ ہوئی۔ صرف ایک لڑکی ہوئی اپنے چار سالہ بھتیجے محمد قطب شاہ کو فرزند بنایا اور اپنی نگرانی میں رکھ کر تعلیم و تربیت کی سنہ ۱۰۱۶ھ میں محمد قطب شاہ کی شادی اپنی لڑکی سے بڑے تزک و احتشام سے کی۔ اس شادی میں نظام الملک بحری، عادل شاہ بیجاپوری، عماد شاہ براری اور وہاں کے امراء و علما، وغیرہم کو بھی مدعو کیا۔ ایک مہینہ تک شادی کا جشن رہا۔ بیس ہزار مخمل و زربفت کی خلعتیں امراء، و وزرا، وغیرہ میں تقسیم ہوئیں [4]

سنہ ۱۰۲۰ھ میں بادشاہ مبتلائے بخار ہوا اور ڈھائی ماہ تک علیل

[1] گوشوارۂ دکن مولفہ میر ابوطالب ناظر الملک [2] سکہ رائج الوقت
[3] قطب شاہی [4] قطب شاہی۔

فریش رہا۔ یونانی و مصری علاج جاری رہا مگر شفا نہ ہوئی آخر ۱۷ ذیقعدہ ۱۰۲۰ھ کو انتقال کیا ؎

ماہ تمام ملک بزیر نقاب شد — آب حیات خلق دریغا سراب شد
سروے ز بوستان معانی فرو شکست — بر جے ز آسمان مکارم خراب شد

فاتحہ سوئم کے بعد وکیل السلطنت مومن استرآبادی نے شہزادہ محمد قطب شاہ کو تخت نشین کیا۔

سلطان مغفور زیادہ وقت علماء و شعراء کی خدمت میں گذارتا شاعری سے بہت دلچسپی تھی ہمیشہ شعر و شاعری کا چرچا رہا کرتا تھا۔ خود بھی زبردست شاعر اور اردو فارسی میں صاحب دیوان تھا۔ فارسی میں قطب شاہ اور ریختہ میں معانی تخلص کرتا تھا۔ دیوان اب بھی بعض بعض کتبخانوں میں محفوظ ہیں۔ اردو دیوان مطلا و مذہب ہے جس میں بھاگ متی کی ایک نہایت ہی عمدہ تصویر لگی ہوئی ہے۔ انتخاب کلام ملاحظہ ہو۔

مجلس ترا ہزار پری خانہ شکل — جیو اس میاں بصورت معنی خراب تھا
ساقی تو آہ گرم معانی کی تھے نہ بخ — اس کیا ہی اختیار گناہ شراب تھا

دو عالم کے درِ دولت کھلے ہیں عیش کی خاطر — جی کوئی اپنے نام سوں دل رام دیگا
جسے دل میں محبت علی و آل علی نہ ہو — اسے خون جگر دار وئے ناکام دیگا

تج عاشقاں میں ہوتا جنگ و جدل سو سب دن
ہے شرع احمدی تج انصاف کر خدارا

خورشید مکھ اوپر دسی ابرو ہلال عید — اس ابرواں کو سجدہ کیا ہے وصال عید
خرم خوشاں سوں شیوی کے سینوبان چمن پڑے — ساقی پلا پیالہ کہ آیا کمال عید

سب کردل کر مبارکبادی عید غدیر — اس خوشی آنکی سبھی خوشیاں و سین دائم صغیر
مومناں کوں شادی ہور خوشیاں کا آیا ہے خبر — تو خوشی کنے بحر کوں آیلیا موج کبیر
میزبانی عید کا جگ میں لگا دو عیش ہو — مطرباں سیا گر و گوا دو راگ ہور لاؤ عبیر

شیعاں کا عید پھر کر آیا جشن غدیر — دونوں جہان روشنی پایا سو اس عید کبیر

آیت قرآں نازل جیوں ہوا حضرت کے تئیں — مرتضیٰ ہیں دو جگ [illegible]

سو غنیں پیالہ میں ساقی شراب پور کر — سو غم دیر سالہ کوں یکدم [illegible]
میرے خیال کھیل پہ ہنستے ہیں عاقلاں سدا — جانو نجانو کھیل کچے کھیل پیالے سو رکر
باد سحر کیا کرے بیو ملے دوا دوی — یکدم خبر خوشی کے لیا موں دل جہاں سرو کر
صبر میں ہے نتیجہ صبر توں نیک ہمن دکھا — اب توں معانی عشق سوں درد دل جہاں ظہور کر

سدا تو مدح نبی و علی کی کہتا ہے — معانی شعر ترا تو لکھی ہیں دست بدست
کمھ ترا دیکھ کر میں آج ہوا مست — تیری کمھ کی تیکیں ہوا ہوں بت پرست

سمند ناز کا گر دسرا کر دے — کہ آنکھیاں دیکھتے ہوہو دے قرار

پیوستہ باتو باد معانی عروس عیش — قلقل کی سوت بجتی ہے مجلس [illegible]

ابنیا ہور اولیا میں حق نے کیا تمنا بڑا — سر تحقیق داماد پیغمبر علی اللہ الخبیر
مصطفیٰ کے امر سیر ہیں دہرا آیا چندا — مرتضیٰ فرمان سوں پھر کر آیا مہر منیر

سورج چاند کو کیوں کردں تج برابر — ہیں زمیں کا نور ہے توں پری وش

بعض تذکرہ نویسوں نے آخری شعر کو محمد قطب شاہ سے بھی منسوب کیا ہے مگر درحالی ایسا نہیں یہ شعر قلی قطب شاہ ہی کا ہے خیالات کے لحاظ سے قلی قطب شاہ کے شعر کچھ اہمیت نہیں رکھتے مگر ہمیں سلطانہ کا تخیل دیکھنا منظور نہیں بلکہ زبان دیکھنا چاہتے ہیں گو تمام دیوان فارسی ترکیبوں اور دکنی محاوروں سے بھرا پڑا ہے مگر اس میں بعض شعر صاف اور قریب الفہم بھی ہیں بعض شعر صاف بھی ہیں جو صرف ایک صدی قبل کے معلوم ہوتے ہیں مثلاً

ان ابروؤں کو سجدہ کیا ہے وصال عید — ساقی پلا پیالہ کہ آیا کمال عید
کہاں کیخسرو و دارا و سکندر و جمشید — دل پیالیں میں بھریں ساقی خوب [illegible]

یہ تخیل بھی عمدہ ہے شعر بھی اچھا اور زبان بھی صاف ہے [illegible]
ہیں کہ میخانہ کا دروازہ کھلا ہے تو یہ بتاتے ہیں اگر خواب سچا ہو تو شکر یہ میں [illegible]
دکھیا ہوں سپنے کہ میخانہ کا ہوا در باز — کر دیکھا شکر گنہ [illegible]

فارسی دیوان بھی قابل دید ہے اور تخیل کی صفائی دیکھنے کے قابل ہے [illegible]
کیا۔ فارسی سلطان کی تقریباً مادری زبان [illegible] تھی اس [illegible]
یا تخیل اچھوتی ہو تو تعجب کا مقام نہیں [illegible]
کیا کیا اور اس چلبلی دوشیزہ کو کس انداز و نعم [illegible]

—— (تمکین الکاظمی) ——

غزل!

از جناب حرماںؔ خیرآبادی

وہ غمِ عشق جو نہاں نہ ہوا — کیوں مرے دل کی داستاں نہ ہوا
دردِ پنہاں بھی دیکھتا عالم — آج ہر موئے تن زباں نہ ہوا
ذکر کیا دل کی بے زبانی کا — لب پہ جو آگیا بیاں نہ ہوا
ایک برقِ نظر فروز کے بعد — پھر کبھی دل کا امتحاں نہ ہوا
کس کو حاصل ہے لذتِ آزار — یہ کرم ہے وہ مہرباں نہ ہوا
دل کی مجبوریاں معاذ اللہ — نہ ہوا رازِ غم عیاں نہ ہوا
مجھکو بے چارگی ہی بن آئی — خیر سے تو مری زباں نہ ہوا
یہ بھی اک امتیاز ہے حرماںؔ — کہ ترا کوئی قدرداں نہ ہوا

غزل!

مدت ہوئی ہے سیرِ گلستاں کئے ہوئے — بیٹھے ہیں اپنا حال پریشاں کئے ہوئے
آکر خزاں نے کر دیا پامال گلستاں — ہر باغباں ہے چاک گریباں کئے ہوئے
بلبل کے زمزمے ہیں چمن میں نہ پھول ہیں — ہے نیستی ثبات کا ساماں کئے ہوئے
آئینے کی نہیں ہے ضرورت خدا گواہ — مجھکو ترا خیال ہے حیراں کئے ہوئے
لا ساقیا پلا بھی کوئی ساغرِ شراب — دنیا کا غم ہے دل کو پریشاں کئے ہوئے
تاریکیٔ قیودِ مذاہب نہیں مسیحؔ — ہم ہیں دل و نظر کو فروزاں کئے ہوئے

مسیح نقوی بھنیسڑوی

یاد رکھیے

ادارہ عالمگیر کی طرف سے ہر سال ماہ جون میں جو ضخیم پرچہ سالانہ نمبر کے نام سے شایع ہوتا تھا اس سال ڈاکخانہ کے ایک خاص حکم کے سبب سے بجائے سالانہ نمبر کے **اشاعت خاص** کے نام سے شایع ہو رہا ہے۔ یہ اشاعت خاص کتنی شاندار کس قدر دلچسپ اور کس حد تک جاذب نظر اور دلچسپ ہوگی اس کا اندازہ بس مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے مشرق و مغرب کے بہترین مصوّروں کی شاہکار تصویریں زبردست علمی ادبی اور تنقیدی مقالے فطرت انسانی کے بستہ رازوں کا انکشاف کرنے والے افسانے اور ڈرامے اور ہندوستان بھر کے مشہور و معروف شعرا کا کلام اس پرچہ کی زینت ہوگا یہ اشاعت خاص **۲۵۰** صفحات کے نظم و نثر کا ایک ایسا نادر مرقع ہوگی جس کی نظیر اردو صحافت آسانی کے ساتھ نہیں پیش کر سکتی اگر آپ اس عدیل و بےنظیر اشاعت خاص کو بالکل

مفت

حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آج ہی ایک سال کیلئے عالمگیر کی خریداری قبول فرمالیجئے اس صورت میں دسمبر میں شایع ہونے والا خاص نمبر بھی آپ کو مفت ملیگا سالانہ خریداری میں بہرحال آپ کا فائدہ ہے جون کی اشاعت خاص کی تفصیلات کے متعلق دوسری جگہوں پر بھی اشتہار و اعلانات ملاحظہ فرمائیے اور آج ہی ایک سال کی خریداری کیلئے آرڈر ارسال کیجئے قیمت سال بھر کیلئے صرف چار روپے چار آنے علاوہ محصولڈاک (للعہ)

ودّیاپتی

از حضرت کامدار الدنی

وہ ایک شاعر تھا اور اس کا ایک ایک شعر حقانیت سے بھرا ہوا ہوتا تھا۔ اور چونکہ وہ خود ایک بہترین اور پرسوز آواز کا مالک تھا لوگ اس کے گیت سن کر بیخود بیچین ہو جاتے۔ کنواری لڑکیاں بھروکوں میں سے جھانک جھانک کر اس کی موہنی صورت دیکھتیں اور بڑے غور سے کان لگا کر اس کے گیت سنتیں۔ وہ اگرچہ جوان تھا لیکن اس نے اپنی شاعری اور اپنی پاکبازی سے وہ شہرت حاصل کر لی جو دوسروں کے لئے غیر ممکن سی تھی۔ بڑے بڑے تجربہ کار اور سن رسیدہ لوگ اس کی شاعری کے معترف تھے بلکہ اسے اپنی قوم کا روشن چراغ سمجھتے تھے۔ نام اگرچہ اس کا کچھ اور تھا لیکن لوگ اسے "ودیاپتی" کے نام سے پکارتے تھے۔ ودیاپتی ان تمام احکام پر جو کرشن مہاراج نے تبلائے تھے اپنی قوم کے لوگوں کو چلنے کی تلقین بذریعہ شعر و موسیقی کرتا تھا۔

اس کی شاعری "دنیا فانی ہے اور یہاں صرف چند روز رہنا ہے" سے پُر نظر آتی تھی۔ اور وہ چاہتا تھا کہ پریم کے ساتھ ہر ایک کو اس دار محن سے نکال کر اس دنیا میں جا بساؤں جو ابدی ہے اور جس کو کبھی فنا نہیں ہے اس لئے وہ سب کا پریمی تھا اور پریم کو انسان کو انسان بنانے کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھتا تھا۔ وہ عشق مجازی کا دشمن اور عشق حقیقی کا دوست تھا۔ حسین دوشیزائیں اسے اپنا جام محبت پیش کرتیں اور وہ ایک عقیدت کے ساتھ ان کو قبول کر کے "بہن" بنا لیتا اور ان لڑکیوں کو پھر اسی محبت کے زیر اثر اتنا مستقل مزاج بنا دیتا کہ ان پر کسی طرح بھی بدی کا رنگ نہ چڑھتا تھا۔

نیکی و بدی روز ازل ہی سے زمانہ کے ساتھ ساتھ چلی آتی ہیں اور جیسے ہی کسی نے نیک خدمت کا جنم لیا زمانہ وہیں اس کے مقابلہ میں دوسرا بانی کا کیریکٹر رکھنے والا بھی پیش کر دیتا ہے۔ اگر ایک طرف ودیاپتی فرمان خداوندی سے بندگان خدا کو مطلع کر رہا تھا تو دوسری طرف گاؤں کا مکھیا جیسے اس کے خلاف آواز اٹھا رہا تھا اور اس نے اپنے بہت سے معتقد بنا لئے تھے جو ودیاپتی کا نام زمین پر لکھ لکھ کر تھوکا کرتے تھے۔

گاؤں کی حسین دوشیزہ لیلا جس پر کہ تمام گاؤں کے لوگوں کی نظر تھی ودیاپتی کے پاس آنے جانے لگی تھی۔ اس سے قبل لیلا کا کوئی معیار نہ تھا اگر اسے کوئی چھیڑ بھی دیتا تو یہ نہیں کہ اس مذاق کو برداشت کرنے کی کوشش کیا کرتی۔ وہ اپنے دل میں ایک جذبہ محسوس کیا کرتی تھی اور اپنے جسم کے اندر ایک ایسی نامعلوم چیز پاتی تھی جو کسی کے ذرا سے ہی کہنے سننے پر مرتعش ہو جایا کرتی اور اس نے خود ہی اس کا نام "امنگ" رکھ لیا تھا اور اپنے کو شباب کے جذبہ پر محسور کرتی تھی۔

ودیاپتی لیلا سے از حد محبت کرتا تھا اور لیلا ودیاپتی کو سب پر ترجیح دیتی تھی۔ آغاز ملاقات میں لیلا نے چاہا کہ ہم خفیہ طریقے سے ملا کریں لیکن ودیاپتی نے یہ کہہ کر کہ "میں اس قسم کی باتیں نہیں کرتا جن کے لئے پردہ کی ضرورت ہو۔ میں تو سب کے کان میں یہ بات پہنچا دینا چاہتا ہوں کہ انسان کی نسبت سے بھگوان کی محبت لاکھ درجہ بہتر ہے۔" لیلا کو علانیہ ملنے پر مجبور کر دیا۔

لیلا کو گانا نہ آتا تھا سننا آتا تھا۔ اور ودیاپتی کی تعلیم و شاعری نے اسے دیوی بنا دیا تھا۔ جو ودیاپتی سے محبت کرتی بھی تھی اور نہیں بھی

س کے دماغ اور دل میں بھگوان کرشن سما چکے تھے وہ انھیں سے پریم کرتی تھی
ور سبھی کچھ ان کو سمجھتی تھی ـــــــــ اور اگر ودیا پتی سے محبت کرتی تھی
د اس لئے کہ اس نے دنیا وی جھگڑوں سے نکال کر اسے ایک اچھی دُنیا
ں لا کھڑا کیا تھا۔

لیلا کے ماں باپ اپنی بیٹی اور ودیا پتی سے انتہائی درجہ بے فکر تھے
ن کے خواب اور خیال میں بھی یہ بات نہ آتی تھی
۔ لیلا ایک غیر انسان سے مل کر ہمارے خاندان کیلئے
نامی کا سبب بنے گی۔

اگرچہ جے سنگھ جو کبر و نخوت کا بندہ تھا خدا
ے اس لئے خلاف تھا کہ کیوں وہ اپنی خوشی سے
نسان کو پیدا کرتا ہے اور کیوں وہ اپنی خوشی سے
سے مار ڈالتا ہے۔ جب انسان اپنے آرام و آسائش
ے لئے کچھ کرتا ہے تو کیوں وہ گنہگار قرار دیا جاتا ہے؟
لثر وہ اپنے دوستوں میں کہا کرتا تھا کہ انسان نے
ب ایشور سے پرارتھنا کی تھی کہ تو ہمیں پیدا کر،
تو بلا وجہ ہماری مٹی پریشان کر اور جب وہ انسان
دنیا میں بھیجتا ہے تو اسے سب کچھ کرنے دے اور
ب اس کا جی دنیا میں لگ جاتا ہے تو بلا وجہ اسے
رکیوں ڈالتا ہے۔ اسے آخر کون سی ضرورت پیش
ی تھی کہ انسانوں کو پیدا کر کے بلا سبب اپنی عبادت
رائے آخر یہ دُم چھلا انسان کے پیچھے خواہ مخواہ
یوں لگا دیا گیا۔

یہ خیالات تھے جن کی بنا پر وہ ایسا کام کرتا جس کی مذہب مخالفت
رتا تھا اور جہاں تک ہو سکتا وہ لوگوں کو اپنا ہمخیال کرتا۔ لیلا کا قصہ تو
یر بعد ہی کو چلا۔ ورنہ وہ ودیا پتی کا اسی روز سے دشمن ہو گیا تھا جبکہ اس نے
بذریعہ شاعری کرشن کے احکام پر تعمیل کرنے کا پیام دیا۔ جے سنگھ میں اتنی
لاقت تھی اور بیشک وہ اتنا پر اثر آدمی تھا کہ اگر وہ چاہتا تو ودیا پتی کو
تل کرا دیتا۔ اور اس کے بعد وہ لیلا سے اپنی آغوش گرم کرتا لیکن وہ
اتنا نا سمجھ نہ تھا کہ اس کے انجام پر نظر نہ ڈالتا۔ وہ جانتا تھا کہ گاؤں کے لوگ

ودیا پتی کے معتقد ہی نہیں بلکہ اس پر پروانہ وار جان دیتے ہیں۔ ودیا پتی
تھا کہ مہاراجہ شو سنگھ اس کے بچپن کے دوست اور اس کے مرید ہیں۔ اگر ودیا
پر کوئی آفت آگئی تو پھر میری خیر نہیں۔ اس لئے اس نے وہ ہاتھ دراز نہ
کیا جو ہر ایک پردار کر کے اپنا مقصد پورا کر لیتا تھا۔ وہ پہلے ہی اپنے دماغ
میں اس کے انجام کا نقشہ کھینچ چکا تھا اس لئے وہ کسی عمدہ موقع
کا بےچینی کے ساتھ منتظر تھا۔

"ودیا پتی! تم میرا کہنا مانو تو ایک بات کہوں"
یہ کہہ کر جے سنگھ خاموش ہو گیا۔

ودیا پتی جس کے رگ رگ میں انصاف اور
رحم کا خون موجزن تھا اور جس کی نظر میں دوست
دشمن یکساں تھے۔ بکمال خندہ پیشانی بولا "ہاں کیوں
نہیں، ضرور اگر میرے کرنے کے لائق ہوئی تو"
"ودیا پتی" اپنے لہجہ میں محبت کی چاشنی دیکر
جے سنگھ بولا "تم ضرور کر سکو گے۔ میں کہتا ہوں"
"تو میں ضرور تمھارا کہنا مانونگا" ودیا پتی نے
جے سنگھ کو اطمینان دلایا۔
"قسم کھاؤ" جے سنگھ نے مسکرا کر کہا۔
یہ سن کر ودیا پتی نے قسم کھا کر جے سنگھ کو مطمئن
کر دیا تو جے سنگھ بولا "لیلا مجھے دیدو"
لیلا نے غور سے دیکھا جو ودیا پتی کا سہارا لئے
خاموش کھڑی تھی۔ ودیا پتی نے غور سے جے سنگھ کی
صورت دیکھی۔
"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" ودیا پتی نے آہستہ سے پوچھا۔
"میں کہہ رہا ہوں" جے سنگھ نے ذرا تن کر کہا "کہ تم اپنا وعدہ اور
اپنی قسم پوری کرو"
ودیا پتی جو پریم کی باگ ڈور میں سب کو جکڑنا چاہتا تھا وعدہ
وعدہ اور اپنے فریب پر اثار رہنا ضروری خیال کرتا تھا کمال مستقل مزاجی کے
ساتھ لیلا سے علیحدہ ہوا۔ لیلا جو ودیا پتی کے پہلو میں کھڑی تھی

[illegible] کیا حکم دیتے ہیں سہم گئی۔

[illegible] کر ودیاپتی بولا "جاؤ، لیلا کو لے جاؤ۔"

[illegible] تھے تیر تھے جو نہ صرف لیلا کے دل میں چبھے بلکہ جے سنگھ بھی [illegible] ودیاپتی نے صرف ایمان پر قائم رہنے کی غرض سے کس طرح [illegible] دیدی یہ کام اگرچہ لیلا کے خلاف مرضی ہوا مگر جبکہ اس کے پریمی ودیاپتی نے خود اسے دیدیا تو اسے کیونکر عذر ہو سکتا تھا۔ آنسو منبط کرکے جے سنگھ کے قریب چلی گئی۔

"تم کو اختیار ہے جے سنگھ جو چاہو کرو۔" یہ کہہ کر ودیاپتی نے اپنے مُنہ کا رخ دوسری طرف بدلا اور چلنے لگا۔

"جے سنگھ" محبت کے لہجہ میں لیلا بولی۔ "چلو گھر چلو۔"

جے سنگھ یہ دیکھ کر بدحواس ہوگیا۔ کہ وہ لیلا جس نے اب سے پہلے کبھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا آج وہ ودیاپتی کے کہنے پر مجھ سے کہہ رہی ہے کہ گھر چلو اور اس طرح گویا کہ ہمیشہ کے لئے میری ہوگئی۔ اس نے سوچا کہ آخر ایسا کیوں ہوا۔ کیا یہ سب کچھ ودیاپتی کی وجہ سے ہوا؟ ہاں اس لئے کہ وہ ودیاپتی سے محبت کرتی ہے اور ودیاپتی اس سے محبت کرتا ہے تو پھر کیونکر ودیاپتی نے اپنی عزیز ترین چیز میرے حوالے کردی کیا اس لئے کہ وہ سب کو پریم کا سبق سکھاتا ہے؟

یہ سوچکر وہ کچھ چکرا سا گیا اور زور سے ودیاپتی کو آواز دی۔

ودیاپتی جو آہستہ آہستہ سر جھکائے آگے چلا جا رہا تھا آواز سن کر ٹھہر گیا۔

ادھر سے جے سنگھ اور اس کے پیچھے لیلا بھاگی۔

"کیوں؟ کیا ہے جے سنگھ؟" انتہائی پریم بھری آواز میں حیرت کے ساتھ ودیاپتی نے سوال کیا۔

"اس گاؤں میں" جے سنگھ کہنے لگا۔ "بس اک میں ہی ایسا آدمی تھا جو پریم سے کوسوں دور تھا۔ مگر میں خود یہ سمجھتا تھا کہ میرے دل میں سب سے زیادہ پریم ہے لیکن آج اور ابھی یہ معلوم ہوا کہ میرا خیال غلط ہے اور میرے دل میں ذرا بھی پریم کی جھلک نہیں ہے— مگر— اس کے بعد میں نے ابھی ابھی یہ محسوس کیا کہ میرے ہردے میں پریم کا ساگر موجیں مار رہا ہے اس لئے ودیاپتی مجھے لیلا نہیں چاہئے۔ مجھے بھگوان چاہئے۔ مجھے تم میں تمھاری آنکھوں میں— اور لیلا کے لمبے لمبے کالے بالوں میں اور اس کی بھولی صورت میں بھگوان نظر آ رہا ہے۔ ودیاپتی— مجھے ہر جگہ بھگوان نظر آ رہا ہے۔ ادھر بھی ودیاپتی اُدھر بھی ودیاپتی— بھگوان۔"

یہ سن کر ودیاپتی نے بڑی خوشی کے ساتھ آسمان کی طرف دیکھا اس کے چہرہ پر مسرت کی لہر دوڑ گئی اور اس نے اپنی کامیابی پر ایک نغمہ چھیڑ کر کہا "ایک وہ انسان جو بھگوان کا قائل نہ تھا اور حد درجہ خلاف تھا آج اس کا موافق ہی نہیں بلکہ اس میں گم ہوگیا ہے اور اس نے پریم کے ذریعہ وہ دنیا حاصل کرلی جس کو دنیا کی تمام سزائیں اکٹھا ہو کر نہ دلا سکتی تھیں۔ بیشک اس نے پریم سے ہی بھگوان کو پایا۔

غزل!

ان کی نگاہ درد کا درماں کہیں جسے
وہ زندگی ہے مرگ بداماں کہیں جسے

اس کے سوا کہ دست جنوں کا ہے مشغلہ
ہے اس میں اور کیا کہ گریباں کہیں جسے

ترکیب و ارتباط عناصر کے ماسوا
کچھ اور بھی ہے ہستئ انساں کہیں جسے

حسن و جمال ہستئ انساں کے درمیاں
وہ بُعد ہے کہ قرب رگِ جاں کہیں جسے

انسان بحر زندگی کائنات کی
وہ موج ہے کہ حاصل طوفاں کہیں جسے

کہنہ امید اہل جہاں سے وفاؤں کی
اک خواب ہے کہ خواب پریشاں کہیں جسے

[illegible]


AUGUST
29(3) 1938



شروع سے آخر تک بغور ملاحظہ فرمائیں
اردو زبان کی ادبی و پاکیزہ کتابیں
روزنامچے
چار سہیلیاں
شادی
ماہ پروین



کتاب التقدیر
کارزار حیات
بہارستان



عالمگیر بک ڈپو کی نئی کتابیں
ہمیشہ عالمگیر بک ڈپو سے کتابیں طلب فرمائیے آپ کا یہ طرز عمل عالمگیر کے لئے بہت مفید ہوگا
سلامبو
فرانسیسی انشا پرداز گستو فلابیر کا شہ پارہ اردو میں منتقل ہو گیا ہے۔ از مولانا عنایت اللہ صاحب دہلوی بی اے۔ اب سے دو ہزار برس پہلے کے قرطاجنہ کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ سلامبو کے متعلق نقادانِ ادب کا متفقہ فیصلہ ہے کہ قرطاجنہ قدیم کے متعلق اس سے بہتر کوئی کتاب کسی زبان کے لٹریچر میں نہیں ہے دو جلد ۵۰۰ صفحات قیمت صرف تین روپے
شاہد رعنا
ایک طوائف کی کہانی اسی کی اپنی زبانی متعدد
آرائش جمال
چاند کا گناہ
ابن سعود
ایوان تصور
الہامی افسانے


تاریخ اسلام
سیرت حضرت بلال
الفاروق
اور ان کے طرز حکومت کی مفصل
بیان۔ علامہ شبلی کی زندہ جاوید تصنیف
قسم اعلیٰ قیمت تین روپے
قسم دوم قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے
صحابیات
ذکر حبیب

عالمگیر ہندوستان بھر کے علمی ادبی باتصویر رسائل میں سب سے زیادہ چھپتا ہے

جلد ۲۹ — فہرست مضامین ماہ اگست ۱۹۳۸ء — نمبر ۲

رسالہ ہذا میں عالمگیر بکڈپو کی فہرست کتب ایک نظر ضرور ملاحظہ فرمائیے

ملاحظات

بقول سر تیج بہادر سپرو "ہندو مسلم اتحاد کا انحصار محض اُردو کی بقاء پر ہے۔ اُردو دراصل ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے اسلاف کی بنائی ہوئی زبان ہے۔ اس کا بڑا کام یہ رہا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کی تہذیب و تمدن کے سمجھنے اور اختیار کرنے میں سہولت ہو تاکہ باہمی یکجہتی اور ہم آہنگی قائم ہو سکے۔"

ہندوستان کے اس زبردست ادیب کے مندرجہ بالا الفاظ زبان اردو کی تاریخ میں سنہری الفاظ سے لکھے جانے کے قابل ہیں اور اس میں شک نہیں کہ کانگرس نے "ہندوستانی" کے پردے میں ہندی زبان کی ترویج کی جو مہم شروع کی ہے وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان نااتفاقی کی وسیع خلیج حائل کر دے گی۔ خود خداوندان کانگرس کے پاس ہی حامیان اُردو کے مدلل دلائل کا کوئی جواب نہیں ہے اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ ایک ایسی جماعت جسے غیر فرقہ پرست ہونے کا دعویٰ ہے کیوں ایک جانبدار تحریک شروع کر کے فرقہ پرستی کا مظاہرہ کر رہی ہے تو وہ نہایت ہی متانت اور سنجیدگی سے جواب دیتے ہیں کہ ہم تو نہ اُردو کے دشمن ہیں نہ ہندی کے حامی۔ ہم تو ہندوستان میں ایک قومی زبان رائج کرنا چاہتے ہیں جس کا نام ہو "ہندوستانی"۔

اور اس "ہندوستانی" کی حقیقت تو ہم سب پر اظہر من الشمس ہے اس "ہندوستانی" کے جو نمونے دیکھنے میں آتے ہیں وہ مہاسبھائی ذہنیت کا ایک عبرتناک نمونہ ہیں۔ اُردو کے عام فہم، سادہ اور دلکش الفاظ کی بجائے ٹھیٹھ ہندی کے پھسپھسے بھینڈے اور ناخوشگوار الفاظ نہایت طمطراق سے استعمال کئے جاتے ہیں۔

دور کیوں جائیے سوبھاش چندر بوس نے انڈین نیشنل [illegible] ارشاد فرمایا وہ اسی ہندوستانی ہی میں تھا [illegible] پڑھتے رک جاتے تھے۔ ہندی کے ادق بدصورت اور بھاری الفاظ پڑھتے پڑھتے ان کی زبان "حقیقت ترجمان" کو بار بار ٹھوکر لگتی تھی۔

کانگرسی حکومتیں اطلاع عامہ کیلئے جو سرکاری اشتہارات شایع کراتی ہیں وہ بعض اوقات اسی ہندوستانی زبان میں لکھے ہوتے ہیں جنھیں خود ہمارے ہندو بھائی بھی نہیں سمجھ سکتے۔ یہ ہے ہندوستانی کی اصل حقیقت۔

"یہ ہندوستانی" محض ایک ڈھونگ ہے جو مہاسبھائی حضرات نے رچا رکھا ہے۔ ریاکاری کی ایک ہلکی سی باریک نقاب ہے جو بی ہندی کے چہرے پر ڈال دی گئی ہے ورنہ "ہندی" اور "ہندوستانی" میں کوئی خاص فرق نہیں ہے، چشم بصیرت کے آگے یہ پردہ حائل نہیں ہو سکتا اور بی ہندی کا بھیانک چہرہ صاف صاف نظر آجاتا ہے۔

"ودیا مندر" کا مسئلہ آج کل گفتگو کا عام موضوع بنا ہوا ہے مدرسے کا نام ودیا مندر رکھنے میں جو مہاسبھائی ذہنیت کام کر رہی ہے اس پر تمام معقولیت پسند ہندو اور مسلمان مضحکہ اُڑا رہے ہیں آخر "سکول"۔ "مدرسہ" اور "مکتب" جیسے مشہور عام فہم اور سادہ الفاظ کی موجودگی میں اس "ودیا مندر" کے بھوت کو بنوں سے آبادی میں لا کر کھڑا کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی ہے مولانا آزاد فرماتے ہیں کہ

> "ودیا مندر نام اپنے اندر کشش رکھتا ہے سوبہ کی ننانوے فیصدی آبادی کیلئے وجدان کا ذریعہ اور ان کے جذبہ خیر کو ابھارنے کا باعث ہو گا۔"

مولانا کے یہ الفاظ پڑھکر ہم ایک مضحکہ خیز ہنسی ہنس دینے کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں معلوم نہیں مولانا کو "ودیا مندر" میں کون سی کشش نظر آتی ہے اور وہ کہاں کی ننانوے فیصدی آبادی ہے جو "ودیا مندر" کی ملاجپ کر وجد میں آجاتی ہے اور ان کا جذبۂ خیر ابھارتی ہے؟

(احاسارہ)

المعتضد باللہ خلیفہ اندلس کے حالات

ایک بیحد دلچسپ تاریخی مضمون

از جناب سید امیر احمد صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی وکیل

قاضی ابوالقاسم کے بعد اشبیلیہ اور اس کے مضافات پر ان کے بیٹے ابوعمرو عباد بن محمد بن اسمٰعیل جانشین ہوئے۔ وہ اصلاح حال رعیت حسن تدبیر اور عدل و انصاف میں کچھ عرصہ تک اپنے باپ کے نقش قدم پر چلے۔ اس کے بعد ان کے مزاج میں تغیر رونما ہوا اور ان کو امور سلطنت میں استبداد کی سوجھی۔ وہ چست و چالاک، ذہین۔ طباع اور اقبالمند تھے پہلے تو انھوں نے اپنے وزراء میں سے کسی کو قتل کیا۔ کسی کو جلاوطن کیا اور کسی کو فقر و فاقہ میں مبتلا کر کے مروا ڈالا۔ اس کے بعد خود کو المعتضد باللہ کے لقب سے ملقب کیا۔ یہ سختی انھوں نے اس وجہ سے کی تھی کہ وہ اہل اشبیلیہ کی بغاوت سے خائف تھے اور ان کو یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ ان کے وزراء نے اولاد بنی امیہ سے علم خلافت بلند کرنے کی استدعا کی تھی۔ حشام ان کا خاص حاجب تھا۔ ان کے احکام کا نفاذ اس کے سپرد تھا اور وہی ان کے لئے منابر پر دعاؤں کے اجراء کا انتظام کیا کرتا تھا۔ اندلس کے منابر خلفائے بنوامیہ و بنوعباس کے منابر سے اس امر میں ایک خاص فضیلت رکھتے ہیں کہ کسی شخص نے ان کے منبروں پر سے کبھی سوائے ذکر خیر کے اور کچھ نہیں سنا۔

المعتضد نے اپنی حکمت عملی سے رفتہ رفتہ ممالک کو تسخیر کر کے اقطار اندلس کے بادشاہوں کو اپنا مطیع کر لیا۔ اس نے اپنے قصر کے صحن میں بجائے درختوں کے لکڑیاں نصب کرا کر دشمنوں کے سروں سے ان کو آراستہ کر رکھا تھا تاکہ عوام کے قلوب میں اس کی ہیبت قائم ہو۔ یہ خلیفہ رسائی فکر۔ حیلہ جوئی۔ شجاعت قلب اور حدت نفس میں یکتائے زمانہ تھا۔ لوگ اس کو ابوجعفر المنصور عباسی سے تشبیہ دیا کرتے تھے اور اس کی ہیبت سے لوگ لرزہ براندام رہا کرتے تھے خصوصاً اس وقت سے جب کہ اس نے اپنے بڑے بیٹے اور ولیعہد اسمٰعیل کو قتل کرایا تھا۔ یہ اسمٰعیل اپنے باپ کے خلاف سازش کیا کرتا تھا لیکن المعتضد ہمیشہ چشم پوشی اور اغماض کرتا رہا۔ ایک رات اسمٰعیل نشہ میں متوالا ہو کر اپنے باپ کے قتل کے ارادہ سے اس قصر کی دیوار پر جس میں المعتضد سو رہا تھا غلاموں اور رذیلوں کو لیکر چڑھ گیا۔ اتفاقاً دربانوں کو خبر ہوگئی اور اسمٰعیل اپنے وار کو خالی دیکھ کر بھاگ نکلا لیکن مفرورین میں سے ایک شخص گرفتار ہوگیا جس سے تمام سازش کا انکشاف ہوگیا۔ اس پر المعتضد نے اسمٰعیل کو گرفتار کرا کر اس کی گردن ماردی اور اس کا تمام مال ضبط کر لیا۔

المعتضد کن عجیب و غریب طریقوں سے اپنے دشمنوں کو ہلاک کیا کرتا تھا وہ اس سے معلوم ہوگا کہ ایک شخص بادیہ اشبیلیہ کا باشندہ اس کا مخالف تھا المعتضد نے اس کا کل مال ضبط کر لیا تھا۔ وہ بینوا ہو کر مکہ معظمہ چلا گیا جہاں جاکر وہ نابینا بھی ہوگیا تھا۔ لیکن المعتضد کے لئے بددعا کیا کرتا تھا۔ جب المعتضد کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو اس نے ایک شخص کو بلایا جو حج کو جا رہا تھا۔ اور ایک صندوقچہ زہر آلود دینار کا اس کے سپرد کر کے یہ ہدایت کی کہ وہ اس کو کہیں نہ کھولے بلکہ مکہ میں فلاں نابینا شخص کو ہماری طرف سے دیدے۔ جب اس شخص نے مکہ پہنچکر وہ صندوقچہ اس نابینا کو دیا تو اس نے

کہا یہ کیا بات ہے کہ اشبیلیہ میں تو وہ مجھ پر ظلم کرتا ہے اور حجاز میں میرے پاس صدقات بھیجتا ہے لیکن ایلچی کے سمجھانے سے اس نابینا کو تسکین ہو گئی۔ اور اس نے وہ صندوقچہ لے کر اس کو کھول کر ایک دینار نکالا اور منہ میں رکھ لیا اور بقیہ دیناروں کو بھی ہاتھ سے الٹتا پلٹتا رہا یہاں تک کہ زہر نے اثر کیا اور وہ مرگیا۔ یہ غور کا مقام ہے کہ ایک بیکس دشمن جو حجاز میں رہتا ہے خلیفہ مغرب میں بیٹھے اس کو قتل کرنے کی فکر کر رہا ہے۔

بالکل اسی طرح اس خلیفہ نے اہل اشبیلیہ میں سے ایک مؤذن کو قتل کرایا تھا جو اس سے خوفزدہ ہو کر طلیطلہ بھاگ گیا تھا اور ہر روز صبح کو اس کے لئے بددعا کیا کرتا تھا کہ وہ یہ خیال کیا کرتا تھا کہ میں دوسری سلطنت میں رہتے ہوئے المعتضد کی شرارتوں سے محفوظ ہوں لیکن المعتضد نے ایک شخص کو مامور کیا جو اس کا سر کاٹ لایا۔

المعتضد اپنے حریف کے حالات کا تفحص و تجسس کرنے اور تدبیر و حیل سے اس کو پست کرنے میں یکتائے زمانہ تھا اور اس نے جاسوسی کے نئے نئے طریقے ایجاد کئے تھے۔ چنانچہ اس کے ایک جاسوس کے حالات میں لکھا ہے جو قرمونہ کا باشندہ تھا اور المعتضد کو مختلف تدابیر اور حیلوں سے اہل بربر کی خبریں دیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ المعتضد نے اپنے اس قرمونہ والے جاسوس کو کچھ لکھنا چاہا۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اس نے بادیہ اشبیلیہ کے ایک گنوار کو بلایا جو خود نہایت بیوقوف۔ سادہ لوح، اور غافل تھا۔ اور اس سے کہا کہ اپنے کپڑے اتار دے۔ پھر اس کو ایک جبہ پہنا کر اس کی جیب میں ایک خط لکھ کر سلوا دیا اور اس سے یہ کہا کہ تم قرمونہ جاکر جب شہر کے نزدیک پہنچو تو ایک گٹھا لکڑیوں کا جمع کر کے شہر میں لے جانا اور لکڑیاں فروخت کرنے والوں کے بازار میں جاکر کھڑے ہو جانا اور جو شخص تم کو پانچ درہم قیمت اس لکڑی کی ادا کرے اس کے ہاتھ فروخت کرنا۔ اس سے کم میں نہ دینا اور یہ تمام امور اس نے اپنے قرمونہ والے جاسوس سے پہلے ہی طے کر رکھے تھے۔ چنانچہ وہ گنوار حسب الحکم وہاں سے روانہ ہوا اور شہر میں داخل ہونے سے قبل ایک گٹھہ لکڑیوں کا جمع کر کے لکڑہاروں کے بازار میں لیجا کر کھڑا ہو گیا [illegible] اس کے پاس سے گذرتے اور لکڑیوں کی قیمت دریافت کرتے تو وہ کہتا میں پانچ درہم سے کم نہ لونگا۔ یہ سن کر لوگ قہقہہ لگا کر چلے جاتے اور کسی نے لکڑیاں نہ خریدیں۔ غرضیکہ اس کو اسی طرح کھڑے کھڑے رات ہو گئی۔ لوگ اس کا مذاق اڑاتے رہے۔ کوئی کہتا آبنوس ہے کوئی کہتا عود ہندی ہے۔ آخر معتضد کا جاسوس آیا اور اس نے گٹھہ کی قیمت دریافت کی۔ گنوار نے جواب میں کہا پانچ درہم جاسوس بولا میں خریدتا ہوں، میرے مکان تک پہنچا دو۔ چنانچہ اس طرح وہ جاسوس اس شخص کو اپنے مکان پر لے گیا اور اس گٹھہ کو رکھوا کر اس کو پانچ درہم دیدیئے۔ جب وہ لے کر چلنے لگا تو جاسوس نے کہا اس وقت کہاں جاتے ہو۔ رات ہو گئی ہے اور راستہ بہت خطرناک ہے آج رات تم میرے پاس ٹھہر جاؤ۔ صبح کو چلے جانا۔ گنوار نے یہ منظور کر لیا اور وہیں ٹھہر گیا۔ جاسوس نے اس کو کھانا کھلایا اور بعد میں اس سے ایسے سوالات کئے گویا وہ اس کو جانتا ہی نہیں۔

اس سے پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ اس نے کہا بادیہ اشبیلیہ کا۔ پھر پوچھا تم یہاں کیوں آئے؟ اس نے کہا میں ایک ضرورت سے آیا ہوں اور یہ ظاہر نہ کیا کہ مجھکو المعتضد نے بھیجا ہے۔ غرضیکہ وہ شخص جاسوس سے باتیں کرتے کرتے سونے لگا۔ جب جاسوس نے اس پر نیند کا غلبہ دیکھا تو اس سے کہا کہ اپنے کپڑے اتار دو تاکہ تمہارا جسم ہلکا رہے اور تم کو اچھی طرح نیند آئے۔ اس پر اس گنوار نے کپڑے اتار دیئے اور سو گیا۔ جاسوس نے چپکے سے جبہ اٹھایا اور جیب کو چاک کر کے اس میں سے خط نکال کر پڑھا اور اس کا جواب لکھ کر پھر جیب میں رکھ کر اس کو پہلے کی طرح سی دیا۔ صبح ہوئی تو اس شخص نے اپنا جبہ پہنا اور اشبیلیہ کو روانہ ہوا۔ جب المعتضد کے پاس پہنچا تو اس نے حکم دیا کہ اپنا جبہ اتار ڈالو اور اس کے عوض میں اس کو اچھے اچھے کپڑے پہنا دیئے اور وہ خوش خوش اپنے گھر کو چلا گیا۔ اس کو خبر بھی نہ ہوئی کہ وہ کیوں گیا تھا۔ اور کیوں آیا اور کیا کام اس کے سپرد تھا۔ المعتضد کی عجیب و غریب تدابیر میں سے یہ ایک تدبیر تھی جو وہ اپنے ملک کے استحکام کیلئے عمل میں لاتا تھا۔ اور ہر تدبیر اس کی ایسی ہی ہوتی تھی کہ اس سے پہلے کسی کو نہ سوجھی ہو۔

المعتضد کی امارت کے دوران میں بربریوں کے دو بڑے

قبیلے لمتونہ اور مسوفہ میدان مراکش میں اترے اور چونکہ یہ مقام تمام بلاد کے وسط میں واقع تھا اس لئے اس کو اپنا دارالملک قرار دیا، جب یہ قبیلے یہاں فروکش ہوئے تھے تو یہ مقام ایک سنسان جنگل تھا۔ اور یہاں ایک حبشی غلام جس کا نام مراکش تھا رہا کرتا تھا جو راستہ کو لوٹا کرتا تھا۔ اس حبشی غلام کے نام پر اس مقام کا نام مراکش رکھا گیا۔
المعتضد ہمہ اوقات اہل سرحد کی خبروں کا تجسس کیا کرتا تھا کہ آیا بربری میدان مراکش میں فروکش ہوئے ہیں یا نہیں؟ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک بزرگ سے جو اس کے پاس رہا کرتے تھے اس کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ قوم اس سے یا اس کے بیٹے سے خلع کرائیگی۔

جب بربریوں کے وہاں اترنے کی اطلاع المعتضد کو ہوئی تو اس نے اپنے بیٹوں کو جمع کیا اور ان سے کہا کاش مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ اس قوم کی مصیبت کا سامنا مجھے کرنا پڑیگا یا تم کو؟ اس کے بیٹوں میں سے ابوالقاسم نے کہا خدا مجھکو آپ پر فدا کرے اور جو افتاد آپ پر پڑنے والی ہو وہ مجھ پر پڑے اتفاق کی بات کہ دعا بیٹے کے حق میں قبول ہو گئی۔ اور المعتضد کے انتقال کے بعد جو ۲۶۴ھ میں ہوا بربریوں نے ابوالقاسم کو قتل کر کے ملک پر قبضہ کر لیا۔ ایسا ہی اتفاق بابر کے ساتھ ہوا تھا کہ اس نے اپنے بیٹے کی جان بیماری سے بچانے کیلئے اپنی موت کی دعا مانگی تھی جو اس کے حق میں قبول ہو گئی تھی اور ہمایوں تندرست ہو گیا تھا۔

نوائے راز

از جناب ابوالفاضل راز صاحب چاندپوری

یہ دُنیا کس طرح خالی ہوئی اہل محبّت سے
ملے موقع تو پوچھوں کارسازِ بزمِ فطرت سے

پیام میکشی ملتا ہے اکثر بزم غربت سے
مگر مجبور ہو جاتا ہوں افتادِ طبیعت سے

نہ دنیا مجھ سے واقف ہے نہ آئین محبت سے
میں جاؤں تو کہاں جاؤں نکل کر کنج خلوت سے

خدا معلوم کتنی عمر گزری دشت غربت میں
کہ اربابِ وطن اب دیکھتے ہیں مجکو حیرت سے

کہاں تک بدگمانی اے اسیرِ پنجۂ قسمت!
تجھے کچھ کام لینا چاہیئے حسنِ عقیدت سے

جفا پرور ہوں یا اہل وفا دونوں برابر ہیں
محبت کیش ہوں میں کام رکھتا ہوں محبت سے

یہ شوق خود فراموشی یہ ذوق معرفت کوشی
ذرا ہشیار رہنا تو جمالِ آذریت سے

یہ شیخ وقت، سجادہ نشین یہ عافیت کوشی
ابھی واقف نہیں شاید نظامِ بزمِ فطرت سے

کوئی سمجھے نہ سمجھے خیر لیکن واقعہ یہ ہے
کہ اپنوں کا ستم بہتر ہے غیروں کی عنایت سے

محبت، صاف گوئی، حق نوازی، اور خودداری
چنے ہیں چند نگیں پھول میں نے باغ فطرت سے

یہ عالم اور تنہائی خوشا قسمت زہے قسمت
کہیں گھبرا نہ جائے راز بیچارہ مصیبت سے

ساحرہ

ایک رومانی خط

از جناب نسیم صاحب

پیاری ساحرہ!

تمھیں نہیں معلوم کہ میں کون ہوں؟ لیکن جب میرا اجڑا ہوا نشیمن موسم بہار کی آمد اور نسیم سحری کے خوشگوار جھونکوں سے ہرا بھرا ہوگا اس روز یہ ظاہر ہوگا کہ میں تمھارا پریم پجاری ہوں۔ مجھے وہ شام خوب یاد ہے ساحرہ! جبکہ تمھارے والد کچھ گھبرائے ہوئے سے تھے۔ مجھ سے نہ رہا گیا تو میں نے گھبراہٹ کا سبب دریافت کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ ساحرہ بیمار ہے اور ڈر ہے کہ کہیں اس کا مرض ترقی نہ کر جائے۔

تم جانتی ہو ساحرہ میرا کیا حال ہوا؟ میرے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ میرے جسم میں رعشہ آگیا۔ میں بےچین لڑکھڑاتا ہوا اپنے کمرہ میں پہنچا۔ اور بدحواس بستر پر گر پڑا۔ رات تاریک تھی۔ طوفانی گھٹائیں امنڈ امنڈ کر آرہی تھیں۔ ہوا کی تیزی دم بدم بڑھتی جا رہی تھی۔ میں بےحس و حرکت پڑا محو خیال یار تھا۔ دوسرے روز تمھارے والد کو رخصت کر کے یہ سوچنے لگا کہ تم تک کیسے پہنچوں؟

خوش قسمتی سے کالج دو دن کے لئے بند ہوگیا۔ میں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور شملہ جانے کی تیاری کرنے لگا۔ میں تم سے ملنے کیلئے اتنا بیقرار تھا ساحرہ! کہ گاڑی آنے کے تین گھنٹہ قبل سے اسٹیشن پہنچکر گاڑی کی آمد کے خیال سے دلچسپی لے رہا تھا۔ گاڑی آئی سوار ہوا۔ فضا صاف تھی تارے آسمان پر چاند کو اپنے جھرمٹ میں لئے ہوئے سرگوشیاں کر رہے تھے۔ دلکش ٹھنڈی ہوا مصروف خرام تھی۔ گاڑی چلی۔ دو تین اسٹیشن اس نے پیچھے چھوڑے تھے کہ آسمان کی فضا نے رنگ بدلا۔ بادلوں میں بجلیاں اور بجلیوں میں کڑک اور چمک پیدا ہوئی۔ موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ میں گاڑی کی کھڑکیاں بند کر کے بنچ پر لیٹ رہا خیال کا بےپایاں سمندر موجزن تھا اور میں اس کی لہروں سے کھیل رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد میری آنکھیں نیند کے خمار سے بند ہوگئیں۔

دیر کے بعد گاڑی ٹھہری۔ آنکھیں کھلیں۔ میں ہکا بکا رہ گیا گویا شملہ آگیا۔ فوراً دروازے پر پہنچا تو دیکھا کہ دہلی کا اسٹیشن ہے۔ کچھ لوگ اتر رہے ہیں کچھ گاڑی سے جھانک رہے ہیں اور دلی کی دور س عمارتوں کے منظر سے دل کو بہلا رہے تھے پانی کا برسنا بند ہوگیا صرف ہلکی سی پھوار رہ گئی۔ ہوا اپنے ساتھ چمن سے پھولوں کا راز بھی لائی تھی اسٹیشن جگمگاتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ میں پھر اپنی سیٹ پر واپس آکر سو رہا تمام راستہ تمھیں خواب میں دیکھتا رہا۔ گاڑی شملہ پہنچی۔ میں فوراً ایک بس میں سوار ہو کر دیار محبوب کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں پہاڑ قطار اندر قطار آفتاب کے استقبال کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔ جنگلوں میں مور قدرت کے عطا کردہ زیور سے آراستہ پیراستہ مصروف رقص تھے کوئل کی کوک اور پپیہے کے شور سے جنگل مست ہو رہا تھا نسیم سحر پھولوں کے کان میں راز کی باتیں کہہ رہی تھی۔ اشجار کی ڈالیاں نور مطلق کے آگے اظہار عبودیت کے لئے جھکی پڑتی تھیں اگرچہ تمھاری جلوہ گاہ بیس میل کے فاصلہ پر تھی لیکن جذبۂ صادق نے آخر کوئے یار

پلادیا۔ جب لوگوں نے میرے آنے کی خبر تم تک پہنچائی تو تم سحر جگاتی
یرے سامنے آئیں۔ میں ہراسان و پریشان کہ تمہارا وہ دلکش
میری نظروں کا مقصود ہے۔ میرے قلب کے مندر میں روح سے
ایمان کی بھینٹ لیتا ہے یا نہیں لیکن جب تم خراماں خراماں آئیں
وشی سے پھولا نہ سمایا تمہیں خوش دیکھ کر میری حسرتیں جاگ اٹھیں

دوسرے دن جبکہ تم اور میں کیرم بورڈ کھیل رہے تھے تمہاری سیاہ
رخساروں پر بے ترتیبی سے بکھری ہوئی تھیں۔ چاند کالی گھٹا میں
ں ٹکٹکی باندھے تمہیں دیکھ رہا تھا۔ تمہاری نرم و نازک انگلیاں سیاہ
کو مارنے میں مصروف تھیں۔ تم کھیل میں محو تھیں اور میں تم میں
رہا تھا۔ جب کوئی بازی تم جیت جاتیں تو تمہارے چہرے پر خوشی
ن کی لہر دوڑ جاتی تھی۔

دوسرے دن علی الصباح جب مرغان چمن خوش الحانی سے
رہے تھے۔ تم اس وقت گلاب کے پھول کی طرح شگفتہ خواب ناز سے
ں اور فضائے آسمانی کو اپنا جلوۂ بہار دکھلانے کے لئے باہر آئیں،
، تمہاری بلائیں لے رہی تھی۔ تمہاری آنکھوں میں نظارہ اور
میں حیا جھوم رہی تھی۔ تمہاری شوخ نگاہیں ہر اس چیز کو جو ان
ہ میں حائل ہوتیں ٹھکرا دیتی تھیں۔ نسیم تمہارے عارض سیمیں پر
سیاہ زلفوں کو بکھرا کر چپکے سے شوق بھرے بوسے لے لیتی تھی
ب بھی بیتاب ہوا اس نے تمہارے رخساروں پر للنے کے پھول
ے۔ عین اسی وقت تمہارے حسن نے انگڑائی لی۔ یہ شوخی حسن آتش
جذبے کا کام کر گئی اور میں وفور بیخودی میں کھنچا ہوا تمہارے سامنے
ا۔ تم نے مجھے دیکھ کر نگاہیں نیچی کر لیں۔ دل نے یہ منظر اس سے
بلا کاہے کو دیکھا تھا۔ پہلو میں رقص کرنے لگا۔ میں نے تمہیں
ں بازوؤں سے پکڑ کر مخاطب کیا۔ ساحرہ! ساحرہ!! ـــ لیکن
نے خاموشی کے سوا اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔

ساحرہ! تمہیں اندازہ ہے کہ تم اگر نفی میں جواب دیتیں تو میرا
ل ہوتا؟ ـــ آہ، میں کہیں کا بھی نہ رہتا۔ میری آنکھوں
بینا اندھیر ہو جاتی۔ سر پر آسمان ٹوٹ پڑتا۔ دن کو تارے نظر
سا جاتا ـــ،

چونکہ میرا کالج دوسرے ہی دن کھلنے والا تھا اس لئے میں بحسرت
و یاس واپس اسٹیشن آیا۔ گاڑی آئی اور میں سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔
تمام راستے مجھے تمہارا ہی تصور رہا اور یہ تصور کبھی کبھی میری نظروں کے
سامنے خوشی اور غم کے متضاد ڈرامے کھیلتا رہا۔

ساحرہ اب تمہیں یہ خط لکھ رہا ہوں۔ جواب خط سے میری
روح تازہ ہو جائیگی۔ ہاں! ساحرہ! میں پھر تمہا دینا چاہتا ہوں کہ میری زندگی
تم سے اور صرف تم سے وابستہ ہے۔ اگر تم نہ ہوگی تو میری دنیا نہ ہوگی
فقط تمہاری "ایک ہاں" پر میری تمام زندگی منحصر ہے۔ تمہاری صحبت
میں میں نے دو دن گذارے۔ وہ میری ساری زندگی میں خوش نصیب
دن تھے۔ سنو ساحرہ! تمہارے ایک لفظ سے میری سوئی ہوئی قسمت
جاگ اٹھیگی ـــ میرے چہرے پر بہار کی حقیقت چھا جائیگی میری
روح تازہ ہوگی۔ میرا نخل تمنا لہلہا اٹھے گا۔ باد خزاں بیم و رجا سے
برباد شدہ بوستان تمنا ہرا بھرا ہو جائیگا۔ اس وقت میں دنیا کا سب
سے خوش قسمت انسان ہونگا۔

راقم۔ تمہارا پریم پجاری +

نذر بتان حرم

جانشین نظمؔ ابوالاقبال حضرت علامہ عیشؔ فیروزپوری

ہے عنوانِ محبت ماجرائے مختصر اپنا
قضا بالیں پہ سر ہے آستانِ یار پر اپنا

اُٹھا چارہ گری سے ہاتھ اب اے چارہ گر اپنا
ترے درماں کو کیونکر سونپ دوں دردِ جگر اپنا

کسی بیدرد سے کیا داستانِ دردِ دل کہئے
ملے غمخوار تو دکھلائیں پہلو چیر کر اپنا

نہیں معلوم یہ بھی جذبۂ شوقِ شہادت میں
گلے پر تیغ ہے یا اب گلا ہے تیغ پر اپنا

سمجھ کر منتظر اک شوخ ادا خوش چشم کا مجھکو
ستارے ڈالتے ہیں عکس مجھ پر رات بھر اپنا

اگر تصویر رکھدوں سامنے اس حور پیکر کی
صنمخانے کا ہر بت پھوڑ لے پتھر سے سر اپنا

تکلف برطرف یہ کون سا موقع حیا کا ہے
تمھیں میری قسم تم میرے گھر کو سمجھو گھر اپنا

مرے شوقِ جبیں سائی نے سجدوں کی بنا رکھدی
ترے کوچہ میں سب سے پہلے رکھا میں نے سر اپنا

یونہی پڑ جائیگی عادت کسی دن پیار کرنے کی
وہ رکھ دیتے ہیں اکثر ہنسکے مُنہ آئینہ پر اپنا

خدا شاہد ہے میں محوِ خیالِ مصحفِ رُخ ہوں
اگر چاہو تو رکھدوں ہاتھ بھی قرآن پر اپنا

نہ پوچھو اس عدوئے جاں کو میں کیوں پیار کرتا ہوں
طبیعت ہے جدا اپنی جدا ذوقِ نظر اپنا

ترے روئے مصفا نے حقیقت آئینہ کردی
ہے ساکت آئینہ مُنہ آئینے میں دیکھ کر اپنا

اٹھا کر تیغ پھر رکھدینے کا مطلب یہی ہوگا
کہ رکھدیں سامنے ان کے گلا خود کاٹ کر اپنا

نظر وہ صورتیں آئیں کہ یاد آیا خدا مجھکو
ہوا بتخانے میں پہلے پہل جس دن گذر اپنا

جنابِ نظمؔ کی شفقت کا یہ اے عیشؔ اثر دیکھا
کہ آخر ہوگیا قبضہ زمینِ نظم پر اپنا

جادوگر

(از جناب محمد ظہور صاحب)

میں فلسفہ الٰہیات، معجزہ و کرامت کا قائل نہیں۔ دنیا کے حادث ہونے کو کبھی صحیح نہیں سمجھتا۔ مادہ کو میں قدیم مانتا ہوں، میرا عقیدہ ہے کہ تخلیق عالم کسی مافوق الفطرت ہستی کی رہین منت نہیں ہے۔ مادہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس کے آغاز و انجام فنا و بقا پر منطقی دلائل پیش کرنا عبث و لاحاصل ہے، ہمارا ذاتی تجربہ شاہد ہے کہ جب ہم کسی مادی شے کو فنا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو دراصل وہ شے فنا نہیں ہوتی بلکہ اس کی ہیئت بدل جاتی ہے، اور اس کے اجزائے ترکیبی مختلف عناصر میں شامل ہو جاتے ہیں اور اس طرح اس کا کوئی جز فنا نہیں ہوتا بلکہ موجود رہتا ہے۔ اس سے لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مادہ کبھی فنا نہیں ہو سکتا۔ —— خیر میں فلسفیانہ بحث نہیں کرنا چاہتا بلکہ میرا مقصد دوسرا ہے میں صرف ایک واقعہ جس سے میرے ان خیالات اور بنیادی اصولوں میں ایک عظیم الشان تغیر پیدا ہوا۔ جس نے میرے ملحدانہ خیالات کو بیخ و بن سے ہلا ڈالا۔ بیان کر دینا چاہتا ہوں۔

مجھے حبیب عالم سے ایک گونہ نفرت تھی، میں نے اس سے میل جول کبھی روا نہ رکھا اور کبھی اس کی خشک ناصحانہ تقریر کو سننے کے لئے میرے دوست ہمہ تن گوش برآواز رہتے تھے۔ اپنی معمولی توجہ کے بھی قابل نہ سمجھا۔ وہ اپنے کو یقیناً ہم سب سے لائق سمجھتا اور ہمارے گرانقدر خیالات اور قابل ستائش افعال کو ہنسیوں میں اڑا دیتا۔ اگر میرا بس چلتا تو میں اس کو اپنے "امرا کے مخصوص کلب" سے نکال دیتا —— مگر یہ میرے بس کی بات نہ تھی کیونکہ وہ طبقہ امرا میں ایک خاص اہمیت رکھتا تھا۔ اس کی تنہا جائداد ہم کئی ممبروں کی مشترکہ جائداد سے بھی زائد تھی۔ اسکی عمر ۳۵ سال کے قریب ہوگی وہ صرف ایک سال پہلے تمام دنیا کی سیاحت کر کے بارہ سال کے بعد واپس آیا تھا، وہ اب بھی خوبصورت تھا اور اپنی خوبصورتی سے بے خبر، وہ ایک لانبے قد اور مضبوط جسم کا انسان تھا۔ اس کے چہرہ میں ایک دلکشی تھی لیکن سب سے زیادہ حیرت انگیز چیز اس کی آنکھیں تھیں جن میں ایک غیر معمولی و غیر فطری چمک تھی، جب وہ کسی کی طرف دیکھتا تو اس کی نظریں قلب کی گہرائیوں کا حال معلوم کر لیتیں —— میرے خیالات سے وہ واقف تھا۔ ایک دن شام کو بہت سے ممبر کلب کے چبوترے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور روحانیات اور معجزات پر گفتگو ہو رہی تھی۔ حبیب عالم معجزات کے رونما ہونے کا طرفدار تھا اور میں ان کا یکسر مخالف و منکر، میں معجزات کو ناممکن الوقوع سمجھتا تھا —— میں دراصل کسی ایسی بات کا قائل نہ تھا جو فہم و ادراک سے بالاتر ہو، دوران تقریر میں میں نے ایک مرتبہ ترش رو ہو کر کہا۔ "میں معجزہ و کرامت اور اسی قسم کی دوسری باتوں کا قائل نہیں ہوں، میری رائے میں کلب میں ایسے مباحث پر گفتگو کرنے کی ممانعت ہونا چاہئے۔"

حبیب عالم کہنے لگا۔

"میاں صاحبزادے! تمہارے محدود دماغ میں

جو حقیقتیں [illegible]

سمجھنے کی قطعی صلاحیت نہیں ہے، اگر تم اپنی تمام
فانی عمر صرف کر دو تب بھی تم ستاروں کی گردش
اور انکی ماہیت سے بھی واقف نہیں ہو سکتے
اگر اس کارخانۂ عالم کا وہ نظام ترتیبی جس کے
باعث اس مشین کے پرزے حرکت کرتے ہیں
تمہاری آنکھوں کے سامنے بے نقاب کر دیا جائے
تو یقیناً تم پاگل ہو جاؤ، بہتر ہے کہ تم اپنا وقت ٹینس
بلیرڈ اور "برج" کھیلنے میں صرف کرو۔ یا ناول
پڑھا کرو۔ مذہب اور روحانیات سے کوئی
سروکار نہ رکھو کیونکہ یہ باتیں تمہاری فہم سے
بالاتر ہیں"۔

میں ایک ۲۷ سالہ جوان ہوں اور اپنے کو کسی معمر یا تجربہ کار آدمی سے عقل میں کم نہیں سمجھتا۔ حبیب عالم کی حقارت آمیز گفتگو اور طرز تخاطب سے میں بہت برافروختہ ہوا اور میں نے اشتعال آمیز لہجہ میں کہا۔ "جناب تہذیب کے مدعی ہیں اور مغربی ممالک میں مدت دراز تک مقیم رہے ہیں۔ مگر میری ناقص رائے میں آپ تہذیب و شائستگی کی ابجد سے بھی نا آشنا ہیں۔ امید ہے کہ آئندہ آپ مجھ سے اس قسم کا تخاطب یا ایسا انداز تکلم اختیار نہ کریں گے۔ ورنہ ——— حبیب عالم نے میرے آخری لفظ کو دہرایا "ورنہ"

میں "ورنہ یہ کہ مجھے آپ کو تہذیب کا سبق سکھانا پڑے گا"

حبیب عالم میرے آخری اشتعال انگیز جملے سے جو اس کی ایسی بلند شخصیت کے لئے یقیناً انتہائی ہتک آمیز تھا۔ برافروختہ نہیں ہوا بلکہ اس نے اپنی شیریں آواز میں مجھ سے کہا:۔

"معاف کیجئے گا، میرا مقصد آپ کی توہین کرنا نہ تھا، علاوہ طرز تخاطب بدلنے کے میری تقریر بجنسہ اپنی جگہ پر ہے اور میرا منشاء وہی ہے جو میں نے کہا ہے۔

اس کے بعد کلب کے کچھ ممبروں نے بیچ میں پڑ کر معاملہ رفع

(۲)

اس واقعہ کے ایک ہفتہ بعد تک حبیب عالم کلب نہ آیا۔ بلکہ اپنے علاقے میں شکار کھیلنے چلا گیا، ایک دن ہم لوگ کلب میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ کہ وہ آ گیا، حاضرین نے علاوہ میرے اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ بدقسمتی سے میں ہی اسوقت گفتگو کر رہا تھا، اور اپنے آئندہ سفر یورپ پر خیال آرائیاں کر رہا تھا کیونکہ میرا ارادہ ایک ہی ماہ کے اندر یورپ جانے کا تھا۔ دو تین منٹ تک میری گفتگو سننے کے بعد حبیب عالم نے مجھ سے کہا۔ "کیا میں یہ پوچھنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ آپ کتنا روپیہ سفر یورپ میں خرچ کریں گے؟ میری رائے میں آپ کے بیان کے مطابق اخراجات کا اندازہ اگر لگایا جائے تو ۷۰، ۸۰ ہزار سے روپیہ سے کم خرچ نہ ہو گا"

میں۔ "وہاں میرا تخمینہ بھی اتنا ہی ہے"۔

حبیب عالم۔ "تب میں آپ کو اس کا مشورہ نہ دوں گا کہ آپ اپنی جائداد بیچ کر یا رہن رکھ کر محض تفریح طبع کے لئے ایسا سفر اختیار کریں، کیونکہ آج کل ہم لوگوں کی جو حالت ہے وہ ظاہر ہے، آمدنی نصف بھی نہیں رہ گئی ہے"۔

میں۔ "آپ کا کیا مطلب ہے؟ آپ "امرا ربنک" کے ڈائرکٹر ہیں اور آپ کو معلوم ہے کہ میرا ۹۰ ہزار روپیہ آپ کے بنک میں جمع ہے، پھر اس قسم کی اہانت آمیز باتوں سے آپ کا منشاء کیا ہے؟"

حبیب عالم۔ لاپروائی سے "میں نے آپ کو ایک دوستانہ مشورہ دیا تھا۔ اگر دوستوں میں آپ اپنی عمارت کی ڈینگ نہ ہانکا کریں تو بہتر ہے، کیونکہ یہ کوئی راز نہیں ہے کہ آپ کا ایک حبہ بھی میرے بنک میں نہیں ہے"۔

مجھے حبیب عالم کے اس جواب سے سخت غصہ آیا کیونکہ اس نے مجھے مفلس ثابت کر کے ہم چشموں میں ذلیل کیا تھا لیکن میں نے اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "خیر! میرا روپیہ بنک میں ہے یا نہیں یہ کل آپ کو معلوم ہو جائے گا، بہرحال میں اب اپنا روپیہ ایک ہفتہ کیلئے

بھی آپ کے بینک میں نہیں رکھنا چاہتا۔"

حبیب عالم نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ وہ بلیرڈ روم کی طرف چلا گیا، میں نے اس کی باتوں کو خبث باطنی پر محمول کیا۔ لیکن مجھے اس شب کو ٹھیک طور سے نیند نہ آئی، دوسرے دن میں بینک کھلتے ہی اس میں داخل ہو گیا اور ایک فارم پر اپنے کل روپیہ کی تعداد لکھ کر پیش کر دی، بوڑھے کلرک کو اتنی بڑی تعداد دیکھ کر سخت تعجب ہوا اور اس نے کہا "حضور کیا کوئی اہم کام ہے؟ امید ہے کہ سب خیریت ہے"۔ میں نے کہا۔ ہاں! روپیہ جلد برآمد کر دو"۔ میرا فارم آدھ گھنٹہ کے بعد مختلف مدارج طے کرتا ہوا اور متعدد ہاتھوں سے گذرتا ہوا پھر میرے پاس واپس آیا۔ مزید طرہ یہ کہ ڈائرکٹر کے ہاتھ کی ایک تحریر تھی کہ کل روپیہ مختلف تاریخوں میں جن کا حوالہ دیا گیا تھا نکال لیا گیا ہے اگر آئندہ اس قسم کی غلطی کی گئی تو باقاعدہ کارروائی کی جائے گی" میں غصہ سے بیتاب ہو کر ڈائرکٹر کے کمرہ کی طرف بھاگا اور وہاں داخل ہو کر کہا۔ "جناب کیا معاملہ ہے، میرا روپیہ کہاں ہے؟" اس نے خاموشی سے ایک رجسٹر اور چند کاغذات میری طرف بڑھا دیئے اور پھر اپنے کام میں متوجہ ہو گیا۔ جملہ کاغذات پر مختلف تاریخوں میں جبکہ روپیہ برآمد لیا گیا تھا میرے دستخط واضح طور پر ثبت تھے، پہلے مجھے اپنی نظر پر شبہ ہوا۔ میں نے اپنی آنکھیں ملیں اور غور سے پھر اپنے دستخط دیکھے سرمو فرق نہ تھا، واقعتاً میرے ہی دستخط تھے، شبہ کی ذرا بھی گنجائش نہ تھی —— دستخط متعدد جگہوں پر تھے۔ ہر جگہ صاف اور واضح ورمیرے ہی قلم کے، آخرکار میں نے کاغذات ایک طرف پھینک دیئے ورکمرہ سے باہر نکل آیا بعد ازاں اپنے مکان کی طرف روانہ ہو گیا استہ بھر میں معاملہ کی نوعیت پر غور کرتا رہا لیکن یہ معاملہ میری نہم سے بالاتر تھا، میں نے ارادہ کیا کہ کسی مشیر قانونی سے اس معاملہ بں مشورہ کروں لیکن مجھ کو خود ہی جب اپنے دستخط ہونے میں رئی شبہ تھا تو کسی اور کو کیا ہو سکتا تھا اور کیا صورت نکل سکتی ئتی، آخرکار میں نے فی الحال خاموش رہنے کا تہیہ کر لیا۔

---

(۳)

تین چار روز تک شرم و ندامت کی وجہ سے کلب نہیں گیا کیونکہ میرا خیال تھا کہ ہر شخص کو یہ علم ہو گیا ہو گا کہ میرا روپیہ بینک میں نہیں ہے، چوتھے روز میں پھر کلب گیا، وہاں میں نے حبیب عالم کو بلیرڈ کھیلتے ہوئے دیکھا —— ایک مرتبہ جب اس نے اپنا ہاتھ میز پر رکھا تو یہ دیکھ کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ وہ میرے خاندانی ہیرے والی انگوٹھی پہنے ہے —— یہ انگشتری ۶۔یا ۷سو سال سے ہمارے خاندان میں چلی آتی تھی، اس پر ایک بیش بہا ہیرا جڑا ہوا تھا جس کی قیمت کا اندازہ لوگ ایک لاکھ روپیہ تک لگاتے تھے، اس کی ساخت بھی بالکل جداگانہ تھی، جب میں نے اس انگوٹھی کو حبیب عالم کے ہاتھ میں دیکھا تو میں وفورِ غیظ و غضب سے بالکل دیوانہ ہو گیا۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "جناب یہ انگوٹھی آپ نے کہاں سے لی۔ حبیب عالم نے خاموشی سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔ "ایسی چیزیں قیمتاً ہی مل سکتی ہیں، لیکن اگر میں آپ کے سوال کا صحیح جواب دیدوں تو آپ مجھے موردِ الزام تو نہ ٹھہرائیں گے کیونکہ آپ ہی نے مجھ سے اس معاملہ میں خاموش رہنے کا وعدہ لے لیا تھا"

میں غصہ اور بےچینی سے کہا "جی ہاں! آپ ضرور جواب دیجئے کیونکہ قبل اس کے کہ میں پولیس کو اطلاع کروں۔ آپ کا بیان کلب کے معزز ممبروں کی موجودگی میں سن لینا ضروری ہے"

حبیب عالم نے یہ سنکر ایک کاغذ ایک ممبر کلب کے ہاتھ میں دیدیا اور میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ ان کو پڑھ کر سنا دو اور دکھلا بھی دو۔ اس ممبر نے اس کاغذ کو جس کا مضمون ایک رسید کا تھا۔ باواز بلند پڑھا جس کا مطلب تھا کہ میں نے انگشتری آج ہی صبح کو بالعوض مبلغ پچاس ہزار روپیہ حبیب عالم کے ہاتھ فروخت کی تھی اور معاوضہ وصول پاکر رسید لکھدی تھی میں نے رسید کا پورا مضمون بھی نہیں سنا تھا کہ میری زبان سے بےساختہ نکلا۔ "جھوٹ ہے، فریب ہے، میں اس جعلسازی کا بڑا ہیبت ناک انجام تم کو چکھاؤنگا"۔ لیکن جب

تو میرا خون خشک ہوگیا۔ ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے، رسید ہو بہو میرے ہاتھ کی تحریر تھی، صاف اور خوشخط جیسا کہ میں لکھتا ہوں، انداز تحریر، کشش حروف اور دستخط میں سر مو فرق نہ تھا، مجھے خاموش دیکھ کر چند ممبروں نے معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھا، کچھ لوگوں نے اس واقعہ کو مذاق میں اُڑانا چاہا۔

—— حبیب عالم نے رسید جیب میں رکھ لی اور بلیرڈ کھیلنے میں مشغول ہوگیا گویا کہ کچھ ہوا ہی نہیں تھا لیکن میرے خیالات منتشر اور طبیعت پراگندہ ہوگئی، تفکرات اور پریشانیوں نے مجھ کو گھیر لیا، اگرچہ میں نے تمام عمر کبھی کسی نقصان کی پروا نہیں کی تھی تاہم دو دن کے اندر میرے ایسے حیثیت کے شخص کے لئے دو لاکھ روپیہ ایک خطیر رقم تھی اور اس عظیم الشان نقصان کے بار گراں کو میں بغیر محسوس کئے نہ رہ سکا۔

(۴)

اسی شب کو جب میں کلب سے اپنے مکان واپس آرہا تھا تو راستہ میں مجھے ایک اجنبی سا شخص ملا اور اس نے ...... صاحب کے مکان کا پتہ پوچھا، اس اجنبی کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا جس کو میں نے غیر ارادی طور سے اس کے ہاتھ سے لے لیا، اس پر ایک نام اور پتہ لکھا ہوا تھا ——

. . . .

—— اُف کس کا نام؟ جس کی محبت کا میں دم بھرتا ہوں —— جس کی کمند زلف کا میں اسیر اور جس کی چشم مست کا میں شیدائی اور جس کے حسن کا میں دائمی پرستار ہوں، تحریر خط جو ذرا غور سے دیکھی تو حبیب عالم کی تھی —— وہی حبیب عالم جو میری تباہی اور تمام آلام و مصائب کا واحد ذمہ دار ہے۔ وہی جعلساز، وہی ملعون "جادوگر" جس نے مجھے لوٹ لیا، اب کیا وہ میرے گلشن محبت کو بھی تاخت و تاراج کرنے پر تلا ہوا ہے، مگر نہیں میری پیاری دنیا میں سوا میرے کسی کی نہیں ہوسکتی! وہ اس فرعون صفت انسان کو ضرور ذلیل کرے گی، تب اس کو اپنی کم مائگی مع بے بضاعتی کا علم ہوگا۔

خوب! اب مجھ کو ایک موقع ہاتھ آئے گا۔ جب میں اس کا مذاق اڑاؤں گا۔ اور اس کو قرار واقعی سزا دونگا۔ پھر میں نے اس اجنبی سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اگر یہ لفافہ تم مجھ کو دیدو تو میں بحفاظت اسکو پہنچا دوں"۔ لیکن اس نے جواب دیا۔ "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس خط کا جواب بھی لاؤں۔ کوئی مضائقہ نہیں اگر آپ اس خط کو لیجائیں بشرطیکہ جواب بھی لادینے کا وعدہ کریں"۔ میں نے جواب دیا "اگر جواب دیا جائے گا تو میں ضرور لادونگا"۔ اس شخص نے قطعی طور پر کہا۔ "مجھ سے کہا گیا ہے کہ جواب ضرور دیا جائے گا"۔ میں نے اچھا کہکر ...... صاحب کے مکان کی طرف جو قریب ہی واقع تھا چلا گیا۔ یہاں مجھ سے ہر شخص واقف تھا۔ کیونکہ یہ میرے ایک عزیز ہی کا مکان تھا اور میں بے تکلفانہ آیا جایا کرتا تھا، مکان میں داخل ہونے کے بعد پہلے میں نے ایک خالی کمرہ میں جا کر لفافہ کھول کر پڑھا، لکھا تھا بغیر کسی القاب کے۔

"مجھے امید ہے کہ کل تم مجھے سات بجے شام کو فلاور شو (نمائش گل) میں بارہ دری کے پاس ضرور ملو گی، چند منٹ کیلئے اُس طرف تنہا چلی آنا۔ مجھے امید ہے کہ کل میری قسمت کا آخری فیصلہ سنانے میں تم دریغ نہ کرو گی۔ جواب ضرور دینا

—— حبیب عالم"

اس مختصر خط کا ایک ایک لفظ میرے دل پر تیر و نشتر کا کام کر رہا تھا، اس بے حیا کو ایسا خط لکھنے کی کیسے جرأت ہوئی۔ مگر یاد رکھیں کہ وہ جواب پائیں گے کہ منہ کی کھائیں گے پھر تا دم زیست عشق و محبت کا نام نہ لیں گے اگر حیادار ہیں تو اپنی منحوس صورت اس شہر میں نہ دکھائیں گے۔ بلکہ چلو بھر پانی میں ڈوب مریں گے —— میں نے اس خط کو احتیاط سے پھر بند کیا اور ایک خادمہ کو بلا کر چپکے سے کہا۔ "یہ خط ...... دے آؤ اور جواب لے آؤ، میرا آنا یہاں ظاہر نہ کرنا"۔ خادمہ جو اس قسم کے بہت سے واقعات دیکھ چکی تھی اور میرے بہت سے خطوط کا جواب لا چکی تھی اور ہماری باہمی محبت سے بھی بے خبر نہ تھی، خاموشی سے خط لے کر چلی گئی اور بیس منٹ کے بعد

جواب لاکر دیا۔" میں نے بے صبری سے لفافہ کھولا، میری محبوبہ کی مختصر سی تحریر پر میری نظر پڑی، دو ہی چار الفاظ پڑھے تھے کہ قوت بصارت زائل ہونے لگی۔ آنکھوں کے سامنے تاریکی چھانے لگی۔

——— یا خدا! کیا واقعی یہ جنس بے وفا ہے؟ کیا اتنی قدیم محبت یوں آناً فاناً فراموش کی جا سکتی ہے؟ کیا اس عورت کے جو میرے لئے عزیز ترین ہستی تھی، جملہ وعدہ وعید، قسمیں اور محبت بھری باتوں کی کوئی اصلیت نہیں تھی؟ کیا میری محبت محض سراب تھی یا ایک ناخوشگوار و اذیت دہ خواب؟ آہ ایسا منحوس خواب جس کی تعبیر یہ ہوگی۔ کہ میری بقیہ زندگی تلخ کامی میں بسر ہوگی اور میں کبھی حقیقی مسرت کا منہ نہ دیکھونگا———

کیا شریف گھرانوں کی کم عمر، ناتجربہ کار دوشیزاؤں میں اس بے پناہ ریاکاری، اس تباہ کن دروغ بافی، اس شاطرانہ جھوٹ، ان سیاہ کارانہ افعال کے ارتکاب کی اہلیت ہی پائی جاتی ہے؟ ہاں پائی جاتی ہے اور ضرور پائی جاتی ہے۔

اے عورت تیرا نام انقلاب ہے! تیری سرشت میں تلون اور تیرے خمیر میں بے وفائی کوٹ کوٹ کر بھری ہے، تیرے وعدوں میں استحکام اور تیری محبت میں استواری ناپید ہے، اُف! ؎

خاک میں ناموس پیمانِ محبت مل گئے
اُٹھ گئی دنیا سے راہ و رسمِ یاری ہائے ہائے

(غالب)

آہ! میں اس آتشیں تحریر کی چند سطریں جو میرے دل و دماغ کو جلائے دیتی تھیں۔ بمشکل بہت دیر میں پڑھیں۔ لکھا تھا۔

میرے قلب و روح کے مالک، میرا جواب تم کو بہت عرصہ پیشتر معلوم ہو گیا ہوگا۔ اگر تم میری آنکھوں کی چمک، میرے چہرے کے اُڑے ہوئے رنگ، میری بہکی بہکی باتوں اور میرے لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے اپنے سوال کا جواب ابتک نہ پا سکے تو مجھے کہنا پڑتا ہے کہ تم بہت ناسمجھ اور ناتجربہ کار ہو، اچھا! میں آج تم سے ۷ بجے شام کو فلاورشو میں بارہ دری کے پاس ملونگی اور خود اپنی زبان سے تمہاری تشفی کردونگی۔ حالانکہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔

تمہاری........

خط پڑھ کر میں نے اپنے کو بدقت سنبھالا اور خط بند کرکے اجنبی کو دیدیا۔ دوسرے دن میں نے بھی فلاورشو جانے کا عزم کر لیا۔ اور ٹھان لیا کہ حبیب عالم کو ایک معقول اور فراموش نہ ہونیوالا آخری سبق دے دوں۔ تاکہ اس کو معلوم ہو جائے کہ کسی شریف آدمی کے جذبات سے کھیلنا ایک خطرناک کام ہے، دوسرے دن میں نے پستول بھر کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اور ساڑھے چھ بجے شام کو بارہ دری کے قریب ایک گوشہ میں چھپ گیا۔ یہ جگہ یوں بھی سنسان ہے اور کوئی ادھر آتا جاتا نہیں۔ سات کا گھنٹہ بج ہی رہا تھا کہ حبیب عالم بھی بارہ دری کے زینہ کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ ویسے ہی وہ........ بھی ایک سیاہ برقعہ میں ملفوف آگئی اور حبیب عالم کو دیکھ کر بیساختہ اس کی طرف بڑھی اور برقعہ کی نقاب اٹھا کر بے حجابانہ حبیب عالم کو دیکھنے لگی میں نے حبیب عالم کی آنکھوں میں ایک غیر فطری چمک دیکھی اور وہ........ توجہ کے ساتھ اس کی طرف دیکھ رہی تھی جس طرح کسی افعی کی مقناطیسی کشش سے مجبور ہو کر کوئی بے بس طائر اس کی طرف دیکھتا ہے۔ حبیب عالم اور وہ..... باتیں کرتے کرتے میرے بالکل قریب آگئے۔ اب میں نے اس کے...... چہرے کی طرف دیکھا واقعی جیسا کہ اس نے اپنے خط میں لکھا تھا۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا اور اس پر ایک ایسی کیفیت طاری تھی جیسے کہ ایک ڈراؤنا خواب دیکھتے وقت ایک کمزور آدمی کے چہرہ کی ہوتی ہے۔ اس نے حبیب عالم کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"ہاں میں کہتی ہوں اور اقرار کرتی ہوں کہ تم سے زیادہ محبت مجھے اور کسی سے نہیں ہے۔ میری جان اور میرا دل تمہارے ہیں"

حبیب عالم۔" اور وہ" (یعنی میں)

وہ" میں انکو تمہارے ناخن پا کے برابر بھی نہیں سمجھتی"

اتنا سننے کے بعد مجھ میں اور زیادہ سننے کی طاقت نہ رہی میں نے ایک جست کی اور دونوں کے سامنے آ گیا۔ اور فوراً میں نے زبردست حملہ حبیب عالم پر کیا۔ لیکن وہ ذرا بھی ہراساں نہ ہوا اور قبل اس کے کہ میں اس کو کوئی ضرر پہنچاؤں، اس نے خاموشی سے اپنا بایاں ہاتھ میری طرف پھیلا دیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ کسی نے زور سے میرے سینے میں دھکا مارا اور میں چند قدم لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گیا اور نصف سے زاید قوت سلب ہو گئی۔ اب میں نے پستول جیب سے نکال لیا۔ لیکن قبل اس کے کہ میں اس پر فیر کروں اس نے اپنی چمکتی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ اُف ان نظروں میں کون سی قوت پوشیدہ تھی۔ میں نہیں بیان کر سکتا لیکن پستول میرے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا اور مجھ میں کسی قسم کی جارحانہ کارروائی کرنے کی قوت باقی نہ رہی۔ اب میری حالت اس زباں بریدہ شخص کی سی تھی جس کے جسم کی تمام قوت سلب کر لی گئی ہو۔ آخر کار حبیب عالم نے ایک مضبوط مردانہ آواز میں مجھ سے کہا۔

"اے میرے دوست مجھے امید ہے کہ اب تمہارا دماغ صحیح ہو گیا ہوگا۔ اور اب تم اس صناع حقیقی کی قدرت کاملہ کو شکوک کی نظروں سے نہ دیکھتے ہوگے اور اپنی ملحدانہ باتوں سے اس کے مظاہر قدرت کی تضحیک نہ کرو گے۔ اے میرے دوست! میں بھی مثل تمہارے ایک کمزور انسان ہوں۔ گناہوں کا پتلا اور انسانی کمزوریوں کا شکار۔ لیکن میں نے قدرت کی ایک طاقت کو جو اس نے ہر انسان میں ودیعت کی ہے کچھ ترقی دی ہے برخلاف اس کے تم نے قدرت کی اس طاقت کو نظر انداز کیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ میرا اور تمہارا کچھ مقابلہ نہیں کیا تم بتلا سکتے ہو کہ تمہارا روپیہ بنک سے کس طرح غایب ہو گیا اور تمہارے دستخط کاغذات پر کیسے بن گئے؟ تمہاری خاندانی انگشتری اور تمہارے ہاتھ کی لکھی ہوئی رسید کیسے میرے قبضہ میں آئی۔ پھر تمہاری محبوبہ نے تمہارے ہی سامنے مجھ سے اعتراف محبت کیوں کیا؟ یقیناً تم ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتے کیونکہ یہ تمہاری فہم سے بالاتر ہیں۔ اے میرے دوست ابھی تم نے میری قوت کے عشر عشیر کا بھی مشاہدہ نہیں کیا۔ اور مجھکو اس ہستی سے جو تمام قوتوں کا منبع و مرکز ہے اس سے بھی بدرجہا کم نسبت ہے جو ایک قطرے کو سمندر سے ہوتی ہے۔ پھر اس ہستی کی قدرت کے مظاہر کیا خاک تمہاری سمجھ میں آ سکتے ہیں بجز اس کے کہ تم کوئی فرضی تاویل کر لو۔ میں کہتا ہوں کہ وہ سرچشمہ فیض و نور اگر اپنی ضیاباری سے عالم کو محروم کر دے تو یہ دنیا یوں تباہ و برباد ہو جائے جس طرح بغیر ہوا کے جاندار اور بغیر پانی کے نونہالان چمن۔ پھر اس پر بھی غور کرو کہ اگر کسی قوت کا انسان کچھ کر سکتا ہے تو وہی کمال کا شخص جسے قدرت نے خود اپنی قوت سے کچھ حصہ دیا ہے کیا کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کی انگلی کی معمولی حرکت تمہارے لئے معجزہ اور اس کی قوت کے معمولی کام تمہارے لئے کرامات ہونگے۔ خیر میں تم کو فلسفہ الٰہیات پر کوئی لکچر نہیں دینا چاہتا میں نے تم سے چند موٹی موٹی باتیں کہہ دی ہیں اب میں تم کو یہ بتلا دینا چاہتا ہوں کہ تمہارے نوے ہزار روپیہ میرے بنک میں محفوظ ہیں اور تمہاری خاندانی انگوٹھی تمہارے صندوقچہ میں ہے اور یہ خاتون مثل سابق تم سے اتنی ہی محبت کرتی ہے رجسٹر میں جو تم نے اپنے دستخط دیکھے تھے تو رجسٹر میں کوئی دستخط نہ تھے بلکہ تمہاری نظریں تمہارے دماغ سے میرے حسب منشا ترجمانی کر رہی تھیں اور تم نے وہی دیکھا جو میں نے چاہا بلیرڈ روم میں تم نے اپنی انگوٹھی میرے ہاتھ میں نہیں دیکھی تھی بلکہ وہ میری انگوٹھی تھی جس کو اس وقت بھی میں پہنے ہوئے ہوں۔ تم نے وہی دیکھا جو میں نے چاہا۔ رہ گیا اس خاتون کی بابت، یہ بالکل بےقصور ہے اس نے میری قوت ارادی کے تحت میں مجھکو جواب لکھا جس کو تم پڑھ چکے ہو اور میری زبردست قوت نے اس کو یہاں آنے پر مجبور کیا اور وہی الفاظ اس کی زبان سے ادا ہوئے جن کو میرے دماغ نے اختراع کیا تھا۔ میری صرف جنبش دست اور حرکت نظر سے تمہاری تمام قوت سلب ہو گئی اور تم ایک کمزور بچے کے مانند ہو گئے۔ میں تم پر یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں کوئی معلم اخلاق یا مذہبیات نہیں نہ میں اپنی قوت کا مظاہرہ کرتا پھرتا ہوں لیکن تم چونکہ کئی بار میرے راستے میں حائل ہوئے اور اپنی گستاخی سے متعدد بار ایسی باتوں پر استہزا کیا جن کا ذکر تمہیں ادب سے کرنا چاہئے۔ اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ تم کو ایک معمولی سبق دیدوں اچھا خدا حافظ۔" اور اے خاتون مجھے معاف کرنا۔" مجھے سوچتا ہوا چھوڑ کر وہ چلا گیا۔ لیکن اس کی باتوں میں شبہ کی کیا گنجائش ہو سکتی تھی جب کہ اس نے ہر بات کا عملی ثبوت دیا تھا۔

محمد ظہور

ہم اور زمانہ

از حضرت حافظ غازی پوری

ہمّت کے ماسوا کچھ توشہ نہیں سفر کا
جو ذرّہ سامنے ہے محتاج ہے نظر کا

منزل بھی کلے کوسوں تاریکیاں بھی پیدا
دنیائے آرزو ہے اک بے کنار صحرا

سطحِ زمیں پہ ہٹنے چلنے کو پاؤں مضطر
اشکالِ زندگی میں محرومیوں کے تیور

درپیش معرکہ ہے احساس و آرزو کا
ہمدردیوں کے بدلے بیدردیاں ہویدا

جس جنس کی تمنا ہم کو ہے اس جہاں میں
اُس چیز کا پتا بھی ملتا نہیں دُکاں میں

بازارِ زندگی میں یوں سود کی تمنّا
بندوں کو جیسے ہر دم معبود کی تمنّا

بادہ جو سامنے ہے تلخی سے اپنی حیراں
شربت کی خواہشیں ہیں تشنہ لبی میں پنہاں

رعنائیِ جہاں کو غازے کی آرزو ہے
گردِ الم سے گویا دامن کی آبرو ہے

دنیا تلاش میں ہے گلدستۂ چمن کی
ہاتھوں میں ہے ہمارے اک داستاں محن کی

دل کی یہ سرزنش ہے کانٹوں کو روند ڈالیں
تن کی یہ ہے تمنا آرام اور پالیں

عالم کو روشنی نے بیدار کر دیا ہے
تاریکیوں نے ہم کو بیمار کر دیا ہے

خلقت رواں دواں ہے احساس کی فضا میں
ہم کھوئے جا رہے ہیں ظلمت بھری فضا میں

دُنیا کو علم و فن کی سو دل سے ہے تمنّا
اپنی زباں پہ اب تک ہے جہل کا تقاضا

علم و ہنر سے جس نے دُنیا کو زینتیں دیں
اس نے بھلا دیں جتنی مخصوص فطرتیں تھیں

سب تو یہ کہہ رہے ہیں بڑھتے چلو سنبھل کر
ہم غل مچا رہے ہیں پیچھے ہٹو مچل کر
دل کانپتا ہے لیکن دشمن کو سینکتے ہیں
پہنچے نہ جو ہدف تک وہ تیر پھینکتے ہیں
دُنیا کو ہے ضرورت جامِ جنوں اثر کی
ہم دے رہے ہیں صہبا ظرفِ سکوں اثر کی
مرہم طلب جراحت درماں طلب ہے فطرت
ہم پھر رہے ہیں لیکر شوریدگی قسمت
بجلی کی جستجو میں بادل سے کھیلتے ہیں
تلخی سے بیخبر ہیں حنظل سے کھیلتے ہیں
تسخیر نور سے ہے قوس قزح کا آنچل
لیکن ہے اپنے تن پر ملبوسِ نامکمّل
آواز آ رہی ہے زندہ ہے تو عمل کر
ہم چاند مانگتے ہیں لیکن مچل مچل کر
تاکید ہو رہی ہے علم و عمل نہ چھوڑیں
ہم سوچتے ہیں بیٹھے تارے فلک کے توڑیں
مشہور ہو رہی ہے گنگ و جمن کی فطرت
ہم پر کھلی نہ اب تک زمزم کی بھی حقیقت
محدود کر چکے وہ نشتر کی سخت کوشی
دیتے ہیں خار کو ہم الزامِ کفر و شی
سب جامِ زندگی کو خوش ہو کے پی رہے ہیں
ہم مر رہے ہیں لیکن کہنے کو جی رہے ہیں
"احساس عسکری" کی جہد حیات طالب
تالی بجا کے جیتیں ہم پر یہ رنگ غالب

ذوقِ دعا میں سب کے دستِ طلب ہیں اٹھے
لیکن ہمارے بازو شل ہو چکے ہیں کب کے

اے کاش جھک ہی جائیں جھکنے کا ذوق لیکر
اے کاش رو بھی لیں ہم رونے کا شوق لیکر
اے کاش یہ سمجھ لیں کیا چیز ہے اخوت
اے کاش یہ سمائے "اخلاق" ہی ہے قوت
اے کاش سامنے ہو اپنے وطن کی الفت
مذہب مٹا رہا ہو سب اختلافِ فطرت
تو پھر بلند ہو وہ اپنا نشانِ عزّت
جو کر چکا ہے جس میں مضمر ہے ایسی طاقت

عالم سمجھ چکا ہے دُنیا سمجھ رہی ہے
انکار اس سے معنًا فی الجملہ ابلہی ہے

ہندوستان کی مشترکہ زبان اردو کے صفاتی نام!

ہندی۔ دکنی۔ ریختہ۔ زبان اردوئے معلی شاہجہان آباد۔ زبان اردوئے معلی

زبان اُردو۔ اردو۔ ہندوستانی

از جناب مولوی چراغ علی صاحب اسسٹنٹ ماسٹر گورنمنٹ ماڈل سکول گورکھپور

تمہید۔ مشترکہ زبان کی تیاری

ہندوستان کے قومی اور مشترکہ زبان کا مسئلہ ادب و زبان کا نہایت ضروری مسئلہ ہے۔ پرانے زمانے میں دنیا کے دیگر ملکوں کی طرح اس ملک کی زبان میں ایک رنگ نہ تھا اس لئے کہ ہندوستان نہ صرف ایک ملک بجائے خود ایک براعظم تھا جس کے اندر طبعی آثار نے بہت سے جغرافیائی ٹکڑے کر دیئے تھے۔ انسانی تسخیر اسلامی مرکزی حکومت کے پیشتر ان جغرافیائی حدوں کو توڑ جوڑ نہ سکی۔ مگر جب تیرہویں صدی کے شروع سے تخت دہلی کو مرکزی حیثیت حاصل ہونے لگی اور مملکت ہند میں رفتہ رفتہ ہندوستان کے وہ حصے جو دہلی سے دور تھے شامل ہونے لگے تو رفتہ رفتہ براعظم ہند مملکت ہند کی شکل میں آنے لگا اور خلجیوں کے زمانہ میں مملکت ہند کا اطلاق جنوب بعید سے ننگا پربت تک اور آسام سے گجرات تک ہونے لگا۔ مرکزی نظام کے تقریباً ایک سو برس تک قائم رہنے کے بعد ایک سو اٹھائیس بولیوں والا ہندوستان اس قابل ہوا کہ ایک ایسی زبان کی تعمیر کے لئے سنگ بنیاد رکھ سکا جو ایک طرف ابتدائی مرکزیت کا

پھل تھا تو دوسری جانب ہماری موجودہ زبان کا سرچشمہ۔ ہم اپنی زبان کا سرچشمہ بہت دور اس لئے تسلیم نہیں کرتے کہ آرین کی ویدک اور اس کی دو مختلف شکلوں پر چک، میدک سے ہماری زبان کا براہ راست تعلق نہیں۔ ویدک کی مختلف پراکرتیں اس ملک کے مختلف حصوں میں رواج پا گئی تھیں۔ پالی۔ مگدھی۔ شورستی (برج بھاشا) ڈنگل مارواڑی انھیں پراکرتوں میں خاص ہیں جن کا مجموعہ مسٹر سمتھ ۲۰ ابتلاتے ہیں۔ ان زبانوں سے سنسکرت کو جو ویدک کی مسخ شدہ شکل کی چھنٹی چھنلائی صورت ہے بہت دور کی نسبت ہے۔ پراکرت کے لفظوں سے ہماری زبان کے ذخیرہ الفاظ کا جتنا تعلق اور جتنی شباہت ہے اتنا سنسکرت سے نہیں اس لئے اپنی موجودہ زبان کی نشو و نما مختلف پراکرتوں کے میل ہی کو سمجھنا چاہیئے جو اسلامی عہد سے پیشتر نہیں ہوا۔ یہ اور بات ہے کہ السنۂ عالم پر بحث کرتے ہوئے ان کے شجرے کا میلان ویدک زبان سے ہوتا ہے جس کا سنسکرت سے گہرا تعلق ہے۔

ان پراکرتوں یا مقامی بولیوں کے میل جول سے جو زبان پیدا ہوئی اس میں نہ صرف ہندوستان کے مختلف حصوں کے

مقامی الفاظ تھے بلکہ فاتح قوم کی زبان (فارسی) کے بکثرت الفاظ بھی شامل ہوگئے اور فارسی میں چونکہ عربی کے کثیر الفاظ پہلے ہی سے شامل تھے اس طرح اس مخلوط زبان میں شمالی ہند کے مروج مقامی الفاظ اور فارسی و عربی کے وہ تمام الفاظ تھے جو یا تو نئی چیزوں کے ساتھ اپنا نیا نام لائے تھے یا حکومت کے مروج نظام سے دیسی زبانوں میں خود بخود شامل ہوگئے تھے۔ دفتری اصطلاحیں زیادہ تر فارسی کی رہیں۔ ایسا ہونا بالکل حق بجانب تھا۔ اسلامی سلطنت سے پہلے حکومت مرکزی کے آہن کا ڈھانچہ اس طور کا نہ تھا لہذا فارسی اور عربی لفظوں کا زبان عوام پر چڑھنا لازمی تھا۔ جس طرح آج بھی محکمہ ریل۔ تار۔ ڈاک کے صدہا الفاظ مثلاً ٹیلیفون۔ گراموفون۔ سٹیشن۔ پلیٹ فارم۔ ٹکٹ۔ گارڈ۔ ڈرائیور سگنل وغیرہ مروجہ زبان میں شامل ہوگئے ہیں بلا کسی تحریک اور بغیر کسی پروپیگنڈے کے۔ ٹھیک یہی حال اسلامی عہد میں فارسی اور عربی لفظوں کے رواج کا تھا۔

پہلا نام ہندی اس مخلوط زبان کا نام دنیا کی تمام زبانوں کے ناموں کے اصول پر پڑا۔ عام طور پر زبانوں کے نام قومی نسبت سے زیادہ مقامی اور ملکی نسبت پر ہوا کرتے ہیں۔ عربی۔ فارسی۔ ترکی۔ اطالوی۔ فرانسیسی۔ یونانی زبانیں اپنے ملکوں کے نام پر موسوم ہیں۔ ہمارے ملک کی بیشتر مقامی زبانیں بنگلہ۔ گجراتی۔ پنجابی۔ سندھی۔ کی اسم نویسی اسی اصول پر ہے۔ اس طرح ملکی اور مقامی نسبت سے ہندوستان (ہند) کی زبان کو ہندی کہنا بالکل مناسب اور منطقی ترتیب تھی۔ یہ نام مخلوط زبان اور مملکت ہند کے ظہور کے ساتھ ساتھ آیا۔

اس موقع پر یاد رکھنا چاہیئے کہ اس ہندی سے موجودہ ہندی کو کوئی نسبت نہیں۔ ابتدائی اُردو یا پرانی اُردو ہی کا نام ہندی تھا۔ اسی ہندی میں امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کی مکرنیاں داخل دیکھنے ہیں۔ اسی ہندی میں نور نامہ کے مصنف نے اپنی مقبول عام کتاب بحر متقارب کی بحر میں لکھی۔ سو وجہ تسمیہ بھی لکھتا ہے کہ عربی زبان کو نظر انداز کر کے ایک ٹھیٹ مذہبی (اسلامی) روایت کو اس نے ہندی زبان میں کیوں لکھا؟ آپ فرماتے ہیں:

اگرچہ تھی افصح وہ عربی زباں ۔۔۔ سمجھ اس کی ہر اک تھی بس گراں
سمجھ اس کی ہر اک کو دشوار تھی ۔۔۔ کہ ہندی زباں یاں تو درکار تھی

یہ ہے اس زبان کا نمونہ جس کا مغالطہ اکثر متبدیوں کو ہوتا ہے اور اسی غلط فہمی کا شکار ہو کر وہ "اُردو" کو چالاکی سے رکھا ہوا ہندی کا دوسرا نام سمجھتے ہیں۔ مگر امیر خسرؔو کے عہد سے لیکر عہد فورٹ ولیم تک کی تمام تصنیفات کی زبان اسی ہندی یا پرانی اُردو کی ارتقائی شکلیں ہیں اور عہد فورٹ ولیم کی ایجاد کردہ ہندی سے جس کا نام اولاً بھاشا پھر ناگری ہندی اور آخر میں صرف ہندی قرار پایا بہت مختلف نہیں تو کم از کم اس قابل ضرور ہے کہ باسانی پہچانی جاسکے۔ غرض ہماری زبان کی خارجی اور داخلی ہر قسم کی شہادتیں ایک نہیں بیسیوں ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ اُردو ہی کا پہلا نام ہندی یا ہندوی تھا۔ تمام تذکرے جو ہندو مسلم اہل قلم کے ہاتھوں لکھے گئے اور نظم و نثر کے وہ تمام کارنامے جو بلا استثنا، قومیت و ملت ہمارے پیش نظر ہیں پرانی اُردو اور ہندی کو مختلف نہیں تبلاتے۔ پس جدید ہندی کے حق میں پرانے تذکروں سے لفظ ہندی کی موجودگی دکھانے سے کوئی ایسی مفید بات نہیں آتی جو اسے اُردو پر فضیلت دے۔

۲۔ دکنی جب اس ہندی اور فارسی کے لکھنے پڑھنے والے دکن میں پھیل گئے تو یہی زبان تھی جو دکنی سے موسوم ہوئی۔ دکنی زبان کے ادباء و فضلاء کا مرکز شاہان احمد نگر و بیجاپور۔ گولکنڈہ وغیرہ عرصے تک رہا۔ ملک الشعراء نصرتی کا کلام اس قدر دلپسند ہوا کہ شاہان دکن تخت شاہی کے برابر بزم شعر بھی گرمانے لگے اور ان میں چند تو اس "دکنی" کے اس قدر دلدادہ و شیدا تھے کہ اچھے شاعر اور صاحب دیوان بھی ہوئے۔ اس دکنی ہندی کا ادب نہ صرف نظم سے بلکہ نثر سے بھی بھرا پڑا ہے۔ دکنی زبان کا یہ روپ بھی زبان کی چلتی ہوئی رو کا رُخ تبلاتا ہے۔ مگر موجودہ ہندی کو اپنے حق میں یہاں بھی ووٹ ملنا دشوار ہے دکنی کا نام بھی اُردو کو صفاتی طور سے ملا تھا۔ دکن کے مقامی الفاظ کا عنصر جو اس میں شامل ہوگیا تھا وہی اس صفاتی نام کی وجہ تسمیہ تھا۔ ولی کے دیوان کا معتد بہ حصہ اسی دکنی زبان میں تھا۔ دہلی کے رہنے والے ولی کو دکن آکر اپنی پرانی ہندی یا اُردو کو مقامی رنگ سے

بچانا مشکل ہوگیا۔ یہاں تک کہ اپنے دکنی کلام کے سبب سے وہ خود دکنی (ولی دکنی) مشہور ہوگئے۔

حضرت ولی کا گجرات میں بھی کافی عرصہ تک رہنا ثابت ہے وہاں بھی ہندی اپنا مقامی رنگ رکھتی تھی۔ شاہ سعد اللہ گلشن کے دائرے میں ولی اور ان کے بہت سے دکنی ہمراہی تقریباً پندرہ سال تک رہے ایک اعلیٰ پائے کے شاعر کی شاعری سے جس کا تعلق دکن اور گجرات دونوں سے ہو گجراتی اور دکنی زبانوں کا اس مخصوص صورت میں اثر قبول کرنا لازمی تھا ولی کا دل جب پھر دلی کے لئے بیچین ہوا تو انھوں نے گجرات کو بھی الوداع کہا اور معہ تلامذہ دلی پہنچ گئے اب چونکہ ان کی زبان دلی اور گجراتی کا دودھ پی چکی تھی اس لئے دہلی کی اس مخلوط زبان سے قدرے مختلف نظر آئی۔ ولی نے دلی میں جو دیوان غزلیات کھولا تو یہاں کی فضا میں کچھ الفاظ ثقیل اور غیر مانوس معلوم ہوئے اس میں وہ لوچ اور گھلاوٹ نہ تھی۔ غزلوں کے اندر دکنی کے ثقیل الفاظ کرختگی پیدا کردیتے تھے جسے محمد شاہ رنگیلے کی لطیف طبیعت کیونکر محسوس نہ کرتی چنانچہ شیرینی و نمکینی، الوچ اور گھلاوٹ کو مدنظر رکھتے ہوئے ولی نے اپنے دیوان کا جائزہ لیا تو اس کا نصف حصہ ہی اس قابل ٹھہرا کہ دہلی میں مزے لے کر پڑھا جاسکے۔

۳۔ ریختہ ہماری زبان کے پہلے مالی نے ثقیل اور کرخت الفاظ کو چھانٹ کر باغ اردو کی آراستگی (اصلاح زبان) کا راستہ کھولدیا۔ اور شاہ مبارک اور حاتم نے اس کو سنوارا اور سجایا۔ اردو کی حیثیت اب صرف بولی کی نہ تھی اس کی شکل ایک زبان کی سی ہوگئی۔ تحریر و تقریر میں وہ بڑھی اس کی رفتار ترقی اور صورت نمو بتلاتی تھی کہ یہ بیل ضرور منڈھے چڑھے گی۔ اس تراش و خراش کے عہد میں وہ "ریختہ" کے نام سے بھی پکاری گئی۔ پنچ میل مٹھائی کی طرح ہر خاص و عام کے لئے یہ ایک مرغوب شے تھی اور سنجرنگی کپڑوں کی طرح دل پسند و دیدہ زیب تھی اور یہی سبب ہے کہ بولی ٹھولی کے جو ہر اس میں ہیں وہ دوسری زبانوں میں کمیاب ہیں۔

۵۱

دل ولی کا لے لیا دلی نے چھین جا کوئی پوچھے محمد شاہ سوں

۴۔ زبان اردوئے معلیٰ شاہجہان آباد قلعہ معلیٰ کی نسبت سے یہ دہلی کی ٹکسالی زبان اردوے معلیٰ بھی کہلائی۔ کہا جاتا ہے کہ اس قلعہ کے آس پاس شریفوں کی آبادی تھی۔ جن کی اولادیں اردو کی خالق و مالک کہلائیں یہ وہی قلعہ ہے جہاں شاہ جہاں کی چاردانگی فوجیں یکجا تھیں اور اسی فوجی کیمپ سے جسے ترکی زبان میں اردو کہتے ہیں۔ ہندوستان کی ملکی زبان کا چشمہ پھوٹا مگر چونکہ امیر خسروؒ کا زمانہ اس عہد سے بہت پیشتر ہے اس لئے یہ ماننا پڑیگا۔ ہماری قومی زبان کی تخم ریزی اس سے بہت پیشتر ہوچکی تھی البتہ یہ ضرور ہے کہ اس اختلاط لسانی کو یہ وہ ذریعہ ملا جس سے زبان بہت جلد ہمہ گیر بن سکی اور اس کے اندر مضافات دہلی کے الفاظ بہ تعداد کثیر شامل ہوگئے اس طرح وہ لشکری زبان مشہور ہوگئی۔ لشکری زبان ہر ملک میں ہیچ، پوچ اور لچر سمجھی جاتی ہے چنانچہ اول اول وضع کے پابند بزرگوار اس میں گفتگو کرنا بھی کسرشان سمجھتے تھے مگر زمانے کا اتفاق دیکھئے کہ آناً فاناً اس نے وہ ترقی کی کہ تفریح و دل لگی سے ایک قدم آگے بڑھ کر وہ اس قدر دلوں میں گھر کر گئی کہ بات بات میں زبان اردوئے معلیٰ شاہجہان آباد کی سند مانگی جاتی۔ کوئی استعمال غلط ہوا جھٹ فیصلہ صادر ہوا کہ یہ زبان اردوئے معلیٰ کا روزمرہ نہیں یا یہ استعمال از روئے زبان اردوئے معلیٰ شاہ جہان آباد غلط ہے غرض یہی زبان اردوئے معلیٰ شاہجہان آباد ہماری زبان کا نام قرار پاگیا۔

۵۔ زبان اردوئے معلیٰ ظاہر ہے کہ کسی زبان کا اتنا لمبا نام نہیں چل سکتا ہے۔ چنانچہ زبان خلق نے اس میں تحریف شروع کی۔ ہوتے ہوتے صرف زبان اردوئے معلیٰ ہی کافی سمجھا گیا۔ رفتہ رفتہ اختصار نے ترقی کی تو زبان اردو ہی کافی سمجھا گیا کہ ہماری زبان کا موضوع بن سکے۔

۶۔ اردو اردو زبان کی وسعت اور ہمہ گیری نے شہرت و مقبولیت عامہ کا تاج اس کے سر پر رکھا۔ اب صرف "اردو" ہی پورے معنی پر اشارہ کرنے لگا۔ غرض اردو ہی ہماری زبان کا نام قرار پاگیا کیونکہ اس کے آگے اختصار کی گنجائش نہ تھی۔

ہندوستانی

اُردو کی مقبولیت یونہی بڑھتی ہی گئی۔ جیسا کہ مشہور مستشرق گارساں دی تاسی کے خطبے میں مذکور ہے کہ جس کسی دیہاتی کا کسی شہر سے یا انگریزی سرکار کے کسی دفتر سے ذرا بھی تعلق ہے وہ کوشش کرتا ہے کہ اچھی خاصی اُردو بولے اور وہ بولنے لگتا ہے اور سمجھ لینے میں تو کسی کوشش یا محنت کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ اردو کو ہندوستان کے شمال کے میدان میں زبان عمومی کا درجہ مل چکا ہے۔ وہ مختلف وسائل سے ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیل چکی ہے۔ غدر کے بعد دہلی کے اجڑنے پر اس کے آفت رسیدہ بندے جہاں کہیں جمع ہوئے وہیں چھوٹی دہلی بن گیا۔ اس طرح اسلامی حکومت کے زوال کے وقت اُردو نے اپنے اوج کمال کی راہیں تیزی سے طے کیں۔ انگریز بیوپاریوں کو لین دین میں معاملت کے لئے مختلف دیسی اور مقامی زبان سیکھنے میں بہت ہی تشویش تھی۔ مگر جب انھوں نے دیکھا کہ اُردو کے سمجھنے والے سارے شمالی ہند میں بالعموم اور جنوبی ہند کے ہر بڑے شہر میں پائے جاتے ہیں تو ان کی یہ بڑی دقت رفع ہوگئی انھوں نے سارے ہندوستان میں تجارتی کاروبار چلانے والے انگریز گماشتوں کے لئے اُردو زبان سیکھنا لازمی قرار دے دیا اور اسی غرض سے قلعہ فورٹ ولیم میں اُردو کو داخل نصاب کیا۔ اُردو کی ان خوبیوں (سہل گیری اور عام فہمی) کی صفت سے متاثر ہو کر وہ اسے کبھی اُردو اور کبھی ہندوستانی کہتے رہے۔ غرض ہماری زبان کا یہ نام (جو بطور صفت انگریزوں کے مُنہ سے نکلا اور جیسا کہ بعض بعض ہندوستانی مصنفین بھی اسے زبان ہندوستان کا لقب دے چکے تھے) اُردو کے لئے زیادہ قابل قبول ہوا۔ جب سے اب تک وہ اسی نام سے پکاری جارہی ہے۔ اُردو کمالات نہ تو "ہندی" کی صفت نسبتی میں سما سکتے تھے اور نہ پچھلے صفاتی اسماء ہی اس کے مظہر تھے البتہ "ہندوستانی" اس کے تمام خدوخال پر حاوی ہے۔ اُردو کے ان صفاتی ناموں میں سب سے بڑا لطف یہ ہے کہ ان پر ایک نظر کے ساتھ ہندوستان کی تاریخی مرکزیت اور اس کی تدریجی وسعت بھی آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔

ہماری زبان انگریزی عہد میں کہیں اُردو کہیں ہندوستانی کے نام سے پکاری گئی۔ اس عہد میں اس کو ترقی کے مواقعے نسبتہً اسلامی عہد سے زیادہ ملے۔ اسلامی عہد حکومت میں دفتروں کی زبان فارسی تھی جس کی موجودگی میں اسے فروغ پانا مشکل تھا۔ جب دفتروں سے فارسی زبان خارج کردی گئی تو اُردو ہی تھی جو اس کی جگہ لے سکی۔ ادھر ریلوں کا جال ملک میں بچھ گیا تھا۔ ریلوے لائن سے اٹک اور کٹک جوڑ دیئے گئے۔ دہلی سے کلکتہ۔ مدراس۔ بمبئی۔ کراچی۔ پشاور اور لاہور کا چکر ہر ماہ ہوتا رہتا ہے۔ اب زمانے کا تقاضا تھا کہ جس طرح ہندوستان کا اطلاق راس کماری سے کوہ قراقرم تک اور کراچی سے آسام تک ہوتا ہے اسی طرح ہندوستانی زبان کا دور دورہ سارے ملک میں ہو۔

ہندوستان کے تاریخی ماحول کی پیدا کردہ ہندوستانی زبان بلا کسی خاص جدوجہد اور اشاعت و تبلیغ کے اکاس بیل کی طرح تمام ہندوستان پر چھاگئی اور باوجود اس کے کہ عہد فورٹ ولیم سے اس کے قالب پر ڈھالی ہوئی ایک زبان اور ایجاد کی گئی جسے بہت دنوں تک اُردو یا ہندوستانی کے پہلو میں جگہ ملنے کا ارمان تھا اور اس مقصد کے لئے اس کے مربیوں اور حامیوں کی یہ رٹ تھی کہ اردو ہندی میں کیول (صرف) رسم الخط (لپی) کا فرق ہے۔ ملک میں اس وقت رسم خط کی سہولتیں اور دقتیں گنا کر سرانٹونی مکڈانلڈ گورنر یو۔ پی کی ضمانت سے ناگری رسم الخط کو فروغ دیا گیا۔ عہد فورٹ ولیم میں یہ رسم الخط ہندوؤں میں بھی بہت کم رائج تھا۔ پریم ساگر کے مصنف مصنف للوجی لال ایک طرف پریم ساگر میں ناگری حرفوں میں غیر مروج عربی اور فارسی لفظوں سے خالی زبان استعمال کر رہے تھے دوسری طرف ان کی اُردو تصنیفات میں خالص ہندوستانی زبان کا نکھار روز اور الفاظ کا برمحل استعمال تھا۔ فارسی و عربی لفظوں سے کچھ پرہیز نہ تھا شاید پنڈت جی کسی خارجی اثر سے متاثر ہو کر ایسا کرنے پر مجبور ہوئے ہوں اور جیسا کہ مصنف "ہندی لٹریچر" نے تحریر کیا ہے کہ "ہندی والوں کے لئے ایک ایسی زبان کی ضرورت محسوس ہوئی جو زیادہ تر ہندوؤں کو مرغوب ہو سکے اس لئے اُردو کو لے کر ایک زبان بدلی گئی اور اس میں سے چن چن کر فارسی و عربی لفظوں کے بدلے سنسکرت تت سم (ہندی الاصل) الفاظ رکھے گئے"۔ پنڈت جی نے بھی اسی سکیم کے ماتحت ناگری رسم الخط میں لکھی ہوئی زبان کا روپ بدلا۔ غرض یہ کہ ہندی

کا وجود ناگری رسم الخط کے نام پر کیا گیا تھا گر جس ہندی ساہتیہ سمیلن نے اشتہار دیکر اس عنوان پر مضمون حاصل کرکے کہ "اُردو اور ہندی میں صرف رسم الخط کا فرق ہے"۔ وہ بھی اپنے مقرر کردہ حد پر قائم نہ رہا اور خود ہی رسم الخط سے گذر کر زبان کے تخریب و تعمیر کے مسائل پہ آگیا۔ ہندی کے حامیوں کی یہ روش زبان میں بھی قومی تمیز کی باعث ہوئی۔ بہت سے امن پسندوں نے سمیلن کے اس رویے کی علانیہ مخالفت کی۔ ہندی کے باکمال شاعر منشی پیر علی پیر نے اپنی بیزاری ظاہر کی اور جب کوئی شنوائی نہ ہوئی تو آپ ورکنگ کمیٹی سے استعفیٰ دیکر علیٰحدہ ہوگئے۔ ؎

ہندوستانی زبان مدرسوں میں جاری ہوگئی تھی۔ ہندوؤں کے اصرار پر ناگری رسم الخط بھی سکھلانے کا انتظام کردیا گیا۔ طالبعلم یا سرپرست کو اختیار تھا کہ اُردو اور ہندی ناگری رسم خطوں میں سے کوئی ایک رسم الخط چن لے۔ سکولوں کے پرانے رجسٹروں میں اُردو ناگری اور رومن تینوں خانے ہیں اور اب بھی تلاش کرانے پر مل سکتے ہیں۔ مگر وہ رجسٹر داخل خارج جو سن ۱۹ ء کے بعد رائج ہوئے ان میں اُردو اور ہندی صرف دو ہی خانے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ رومن رسم خط کو قبولیت نہ حاصل ہوئی۔ اس لئے دو ہی رسم خط رہ گئے۔ اس تفصیل سے میں یہ دکھلانا چاہتا ہوں کہ ناگری رسم خط بھی ہندوستانی زبان کے لئے اسی طرح اختیار کی گئی تھی جس طرح رومن رسم الخط۔ اس سے زبان میں تبدیلی کرنا مقصود نہ تھا۔

اگر یہ سوال صرف رسم الخط تک محدود رہتا تو زبان پر کوئی بنیادی اثر نہ پڑتا اور ہندو مسلمان اپنے روایتی ادب کے ذخیروں سے اُردو اور ناگری رسم الخطوں سے تعلق رکھتے ہوئے ایک قومی اور مشترک زبان رکھتے مگر رسم الخط کے وسیلے سے زبان کی ناؤ دو گھاٹ لگائی گئی پھر بھی ہندی کو اُردو یا ہندوستانی کے مقابل فروغ نہ ہوا۔ ہندوستان کی رسمی اور سرکاری زبان (آفیشل لینگویج) کی قابلیت ہندی میں نہ تھی۔ جو الفاظ سنسکرت میں اُردو کے مقابل مل سکے وہ تو آسانی سے لے کر ہندی میں رکھے جاسکے مگر دفتری اور آئینی الفاظ جن کا لفظ کہ اسلامی عہد سے پیشتر ہندوستان میں معرض وجود میں آیا ہی نہیں سنسکرت میں کیونکر ملتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندی زبان کی وہ قدیم پالیسی عدالتوں میں قائم رکھی گئی۔ سمن۔ عرضی دعویٰ۔ پرونوٹ عندالطلب۔ تمولیت پٹہ دستاویز۔ قرقی۔ نیلام کی درخواستیں اپنی اصلی صورت میں قائم رہیں زیادہ سے زیادہ یہی ہوا کہ اُردو رسم الخط کے بجائے ہندی رسم خط میں چھپ کر بکنے لگے۔ ہندوستانی زبان کے حامیوں کے دوہرے رسم الخط کی پالیسی پر کوئی اعتراض نہ تھا۔

ماہرین زبان کا خیال ہے کہ انسانی کوشش زبان کے قدرتی میلانوں اور فطری رجحانوں کا رخ نہیں بدل سکتی۔ ہندوستان میں زبان کی جبلتی رو سے اکثر اختلاف کیا گیا مگر ہمیشہ بازی قدرت کے ہاتھ رہی۔ ہندی کا زبردست پروپیگنڈا زبان کی فطری ساخت کے خلاف ہو رہا ہے۔ مروج لفظوں کی زندہ شکلوں کو چھوڑ کر غیر معروف سنسکرت لفظوں کو رواج دینے کی پیہم کوشش جاری ہے۔ اسی طرح ہندوستانی کی یہ دوسری شاخ غیر مروج سنسکرت لفظوں کی ٹھونس ٹھانس سے بہت کچھ اپنے راستہ سے دور لیجائی جاچکی ہے۔ اُردو سے پہلوتہی اور ہندی کی اندھی تقلید کے باوجود اردو کی خوبیوں پر بعضے ہندی مبلغین اور پرچارکوں کی نظریں پڑنے لگی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اُردو میں محاوروں کا جیسا سندر پریوگ ہے ویسا ہندی میں وہی لیکھک کرسکتے ہیں جو اُردو جانتے ہیں (پنڈت رام نریش ترپاٹھی مصنف کبتا کومدی) ادھر بڑے بڑے لکھاروں نے اچھی طرح محسوس کرلیا کہ زبان عام سے ہندوستانی بہ نسبت ہندی کے زیادہ قریب تر ہے۔ بیسویں صدی کے بہت سے ہندو مسلم مصنفین ایسے ہوئے ہیں جن کا تعلق اُردو اور ہندی دونوں زبانوں سے رہا ہے آنجہانی منشی پریم چند نے دونوں زبانوں کے ادب کو مالا مال کیا ہے۔ آپ کے پاکیزہ خیالات ہماری زبان کے باب میں رسالہ وشال بھارت کلکتہ ماہ مئی ۱۹۳۶ء اور اُردو جولائی ۱۹۳۶ء میں چھپے ہیں۔ موصوف ہندوؤں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

---

؎ ملاحظہ ہو "ہندی کا ایک باکمال شاعر" رسالہ ہندوستانی۔"
(ہندوستانی اکیڈمی کا سہ ماہی رسالہ جولائی ۱۹۳۷ء)

"اپنے ہندو دوستوں سے میری درخواست ہے کہ جن الفاظ نے عوام میں اپنی جگہ بنالی ہے انہیں نکالنے کے لئے سنسکرت لغت کی طرف رجوع ہونا معز ہے سمجھ کے لئے اپستمت - ارادہ کے لئے سنکلپ بناوٹی کے لئے کرترم کو کام میں لانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسی طرح مستعمل لفظوں مثلاً کام کاج کے اصلی سنسکرت ماخذوں مثلاً کرم कर्म کاریہ कार्य کی تلاش بے معنی ہے۔"

میں نے بابو راجندر پرشاد کا خطبہ صدارت پڑھا جو آپ نے سال گذشتہ آل انڈیا ہندی ساہتیہ سمیلن کے موقع پر پڑھا تھا اس میں بھی کچھ ایسا ہی اشارہ پایا جاتا ہے۔ آپ نے ان لوگوں کی عقل پر اظہار تاسف کیا ہے جو "رومال" کے بجائے "کھمارجن" کا استعمال کرتے ہیں۔ اگر مرحوم پریم چند اور معزز بابو صاحب کے ان اصلاحی خیالات پر توجہ کی گئی تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ قانون کے بدلے دھارا

قانونی اصطلاحوں میں:

حاکم کے بدلے پدادھکاری
حکم " " اگیان
گواہ " " ساکچھی
ثبوت " " پرمانٹر
اعلان " " گھونشڑا

ادبی زبان میں:

بیت بازی کی جگہ انتاکھری
ہمدردی کی جگہ سہرتنا

بول چال میں:

دودھ نہ کہہ کر دگدھ - گھی کے بدلے گھرت
گاؤں کے بدلے گرام۔ گرامیہ گرامیٹر وغیرہ۔ بھلمنسا

کے بدلے سوجنیہ۔ بھلے آدمی کے بدلے سجن اور اسی قسم کے سنسکرت ماخذوں کا مستحسن سمجھا جائیگا۔ اور جب یہ نہ ہوگا تو پھر اردو ہندوستانی ہندی ا جان دو قالب کی طرح مل جاویگی سب ہندوستانی مل کر ہندوستان ا کی جے بولیں گے اور سچ تو یہ ہے کہ اردو اور ہندی کی اسی میں مضمر ہے۔

گریۂ خاموش!

از حضرت ادیبؔ مالیگانوی

عشق جب لذت کشِ دردِ نہاں ہو جائیگا
ذرہ ذرہ اس زمیں کا آسماں ہو جائیگا

اضطرابِ دردِ دل یوں بھی بیاں ہو جائیگا
گریۂ خاموش، میرا ترجماں ہو جائیگا

کشمکش کچھ روز کی ہے اور حسن و عشق میں
آزمائش اُن کی میرا امتحاں ہو جائیگا

تجھکو پائے یا نہ پائے ڈھونڈنے والا ترا
یہ بھی کیا کم ہے کہ اپنا رازداں ہو جائیگا

دادِ عشرت دیکھیں کیا سینہ چاکانِ ازل
نغمہ میرے لب پہ آتے ہی فغاں ہو جائیگا

فتنۂ محشر سے احساسِ محبت کم نہیں
جاگ اُٹھا یہ تو آشوبِ جہاں ہو جائیگا

ختم ہونے بھی نہ پائینگی مری انگڑائیاں
جب تلک آنکھوں سے اوجھل کارواں ہو جائیگا

سننے والا چاہتی ہے وسعتِ رودادِ شوق
ایک اک حرف اک مکمل داستاں ہو جائیگا

عشرتِ رفتہ کا ہلکا سا تصور ہے ابھی
رفتہ رفتہ یہ بھی بے نام و نشاں ہو جائیگا

سوز پروردہ ہوں میں میرا نشیمن آگ ہے
برق کا ہر شعلہ جزوِ آشیاں ہو جائیگا

دل تلاشِ حسن میں آوارۂ منزل تو ہے
ہائے وہ دن جب کسی کا آستاں ہو جائیگا

شاخِ گل تک ہم نے جس غنچے کو سمجھا تھا ادیبؔ
کیا خبر تھی وہ محیطِ گلستاں ہو جائیگا۔

روداد ناکامی،

ایک دردانگیز افسانہ

از جناب عبدالواسع صاحب علی آبادی

وہ قصے اور ہونگے جن کو سن کر نیند آتی ہے
جگر پھٹ جائیگا جس دم سنوگے داستاں میری

عہد طفلی ایک تر و تازہ اور سر سبز چمن ہے جس پر ایک نظر غلط انداز ڈالنے سے اس کے تاراج خزاں ہونے کا گمان بھی نہیں گذرتا۔ اس عہد میں انسان دنیا و مافیہا سے آزاد خوش فعلیوں سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہے اور زمانہ مستقبل کو نظرانداز کرکے اپنا زیادہ تر وقت لہو ولعب میں گذارتا ہے۔

میرا عہد طفلی بھی انھیں سرمستیوں اور سرشاریوں میں گزرا۔ مجھے یاد ہے کہ میرا حلقہ احباب کس قدر وسیع تھا اور کس فرحت وسرور کے ساتھ میرا وقت ان کی صحبت میں بسر ہوا کرتا تھا۔ آج مجھے ان گزر جانے والے لمحوں کی یاد بے طرح بے چین ومضطرب کردیتی ہے جب میں اپنے آپ کو رنج والم کے بھنور میں تنہا پاتا ہوں۔ آہ وہ زمانہ کیا ہوا؟ جبکہ میں دنیا و عقبیٰ سے بے فکر اطمینان کی نیند سو رہا تھا۔ برا ہو اس عنفوان شباب کا جس نے مجھے گہری نیند سے چونکا دیا اور میرے قلبی سکون کو درہم وبرہم کرکے مجھے مجسمہ حسرت ویاس بنادیا۔

میری زندگی کا دور اولیں اس وقت سے شروع ہوتا ہے جبکہ میں نے عمر کی اٹھارویں منزل میں قدم رکھا تھا۔ میں اس وقت ایف۔ اے کے پہلے سال میں تعلیم پا رہا تھا۔ اس سال میرے ماموں جان کی تبدیلی دہلی سے لکھنؤ ہوگئی۔ وہ اسپشل مجسٹریٹ کے عہدہ پر فائز تھے اور شہر کے معزز وباعشمت شرفا میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ان کی ایک صاحبزادی محبوب جہاں تھیں جو اپنے والد کے ہمراہ لکھنؤ آئیں۔ ایک قریبی عزیز ہونے کی وجہ سے ہم سب لوگوں کا آنا جانا ان کے گھر میں تھا۔ جب میں نے ماموں جان کی آمد کی خبر سنی تو میں بھی ملاقات کی غرض سے ان کے گھر گیا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی پہلی پہلی بار میری اور محبوب جہاں کی آنکھیں چار ہوئیں چونکہ پاس ہی ماموں جان اور ممانی جان بیٹھی ہوئی تھیں اس لئے میں نے فوراً اپنی آنکھیں نیچی کرلیں۔ ماموں جان سے آداب وسلام کے بعد ان کی خیریت دریافت کرنے لگا۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں تعلیم وغیرہ کا مسئلہ چھڑا اور پھر ہندوستان کی موجودہ حالت پر تبادلہ خیالات ہونے لگے۔ اسی اثنا میں میری نظر جو گھڑی پر پڑی تو دیکھا ساڑھے نو بجنے والے تھے۔ کالج کا وقت قریب آرہا تھا اس لئے جان چھڑا کر گھر واپس آیا کچھ تھوڑا بہت ناشتہ وغیرہ کیا۔ کتابیں لیں اور کالج کو روانہ ہوگیا پڑھائی باقاعدہ شروع ہوچکی تھی۔ میں نے بھی جماعت میں داخل ہوکر لکچر سننا شروع کردیا۔ لیکن آج خلاف معمول میں نے محسوس کیا کہ پروفیسر صاحب جو کچھ سمجھا رہے ہیں وہ میری سمجھ سے بالکل بعید ہے۔ دوسرا گھنٹہ تاریخ کا تھا۔ اس میں بھی وہی واقعہ پیش آیا۔ پروفیسر صاحب تو جان توڑ کوشش سے بغاوت فرانس پر لکچر دے رہے تھے لیکن میری سمجھ میں خاک نہ آتا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ میری آنکھیں تو پروفیسر صاحب کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں لیکن میرا خیال کسی اور طرف بادیہ پیمائی کر رہا تھا مجھے رہ رہ کر محبوب جہاں کی حسین ومعصوم صورت یاد آرہی تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ پہلی ہی نظر میں اس نے مجھے جذب کرلیا ہے۔ آہ۔ وہ

سماں۔ وہ منظر، اور وہ آنکھوں کا چار ہونا کسی طرح بھولتا ہی نہ تھا۔ میں نے کلاس میں ہزار ہزار کوشش کی کہ اپنے خیال کو لکچر کی طرف منتقل کردوں لیکن آخر یہی دیکھا کہ بغاوت فرانس پر بغاوت عشق غالب آ گئی۔ خیر خدا خدا کرکے کالج کے اوقات ختم ہوئے۔ چھٹی کی گھنٹی بجی اور میں ساڑھے تین بجے گھر واپس آ گیا۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ آج دوپہر سے اماں جان اور چچی جان دونوں ماموں جان کے یہاں مہماں ہیں اور شام کو ہم لوگوں کی وہیں دعوت ہے۔ دعوت کا لفظ سن کر مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ چلو اسی بہانے ماموں جان کے یہاں جانے کا موقع ملا۔

۲

ماموں جان کے یہاں ہمارا آنا جانا جاری رہا اور رفتہ رفتہ ہم لوگوں میں عشق کی آگ اندر ہی اندر سلگتی گئی۔ لیکن اب تک نہ مجھے ایسا ایسا موقع ملا جبکہ میں محبوب جہاں سے اظہار الفت کر سکتا اور نہ اسی طرف سے کوئی تحریک ہوئی۔ وجہ یہ تھی کہ ہم لوگ صغر سنی سے گذر کر بلوغیت کو پہنچ چکے تھے اس لئے ہمارے ماموں جان نے گھر میں کہہ رکھا تھا کہ دیکھو ماشاء اللہ شفیق و محبوب جہاں دونوں نوجوان بچے ہیں لہذا اس بات کا خیال رکھا جائے کہ دونوں زیادہ امتزاج باہمی حاصل نہ کر سکیں۔ تھوڑے دن بعد محبوب جہاں نے مجھ سے پردہ کرنا شروع کر دیا۔ اس کا اندازہ مجھے اس وقت ہوا جبکہ میں نے دیکھا کہ محبوب جہاں میرے سامنے سے بھاگنے لگیں اور جب کبھی میرا اور محبوب جہاں کا سامنا ہو جاتا تو وہ جھجک کر کسی کمرے میں چلی جاتی۔ بہرحال یہ رسمی بندش میرے لئے وبال جان ہو گئی اور اس سد راہ نے میرے شعلہ عشق کو اور بھڑکا دیا ؎

پاتے نہ تھے جب راہ تو چڑھ جاتے تھے نالے
رکتی تھی مری طبع تو ہوتی تھی رواں اور

اب میں فرط محبت سے مجبور ہو کر اس فکر میں رہنے لگا کہ کسی طرح اظہار تعشق کرنا چاہئے شاید اسی طرح تسکین قلب ہو لیکن باوجود شدید کوشش کے جرأت نہ پڑی کہ کوئی نامہ محبت بارگاہ حسن میں گذرانوں۔ مجھے راز افشا ہونے کے خیال نے بھی اس پیشقدمی سے باز رکھا۔

ایک روز میں حسب معمول ماموں جان کے یہاں ملنے گیا اور [illegible] اقات کرنے کے بعد ڈرائنگ روم سے باہر نکلا تو مجھے اسلم (محبوب جہاں کا بھتیجا) ایک پرزہ لئے ہوئے ملا اور میرے ہاتھ میں اُسے دیکر دوڑ کر گھر میں چلا گیا۔ میں نے اس پرزے کو مٹھی میں دبا لیا اور جلدی سے گھر واپس آ گیا۔ اپنے ڈرائنگ روم میں گیا اور مجسمۂ شوق و اشتیاق بن کر اس پرزے کو پڑھنا شروع کیا جو کہ محبوب جہاں کے ہاتھ کا لکھا تھا۔

لکھنؤ۔ ۱۳ مارچ ۱۹۳۲ء

بے مروت بے رخی سے شیشۂ دل کو نہ توڑ
یہ وہی ہے آئینہ جس میں تری تصویر ہے

میرے پیارے شفیق! سلامت رہو۔

میں اب تک اسی انتظار میں تھی کہ شاید پہلے تم ہی اظہار محبت کرو اور میرے پژمردہ دل کو محبت کی چاشنی دے کر ایک بار پھر تر و تازہ کردو لیکن مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تم بہت سنگدل ہو اور تمہارے دل میں ذرہ برابر بھی رحم کا عنصر نہیں۔ میں تو تمہاری محبت میں مثل ماہی [illegible] تڑپا کرتی ہوں اور عشق کی آگ میں جلتی رہتی ہوں لیکن تمہیں ذرا بھی پروا نہیں میرا دل تمہاری محبت میں جذب ہو چکا ہے اور اب وہ کسی کا نہیں ہو سکتا۔ میں [illegible] فرط محبت میں شرم و حیا کو بھی بالائے طاق رکھا اور خود ہی بے غیرت بن کر خط و کتابت کی ابتدا کی حالانکہ یہ کام پہلے پہل تم کو انجام دینا چاہئے تھا —— دیکھو شفیق میری محبت کو ٹھکرا نہ دینا میرے شیشۂ دل کو پاش پاش نہ کرنا ورنہ پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے جوڑ نہیں سکتی۔

اچھا اب رخصت ہوتی ہوں خط کو پڑھ کر جلا دینا اگر تم اس کا جواب دوگے تو پھر انشاء اللہ دوسرا خط لکھونگی

تمہاری فدائے الفت۔ محبوب جہاں۔

میں خط کو پڑھتا جاتا تھا اور دل ہی دل میں اپنی کوتاہی اور تساہل پر پشیمان ہوتا جاتا تھا۔ محبوب جہاں کے خط نے میرے جذبات کو برانگیختہ کر دیا اور غفلت کی نیند سے بیدار کرکے عشق کی دنیا میں لا پھینکا۔ میں شوق لاانتہا کو دل میں دبائے اور محبت [illegible] سچی محبت کے [illegible] تھا میں بار بار محبت نامہ کو پڑھتا [illegible]

سے ہوا تو میں کیا تو قلم دوات لیکر جواب لکھنا شروع کیا۔

لکھنؤ - ۳ مارچ ۱۹۳۲ء

ہر وقت دل میں آپ کی صورت کا عکس ہے
آنکھوں سے گو نہاں ہے وہ دل سے جدا نہیں

جان سے زیادہ پیاری محبوب جہاں! سلامت رہو

محبت نامہ موصول ہوا۔ اس کا ہر ہر حرف اور ہر ہر لفظ جذبات و حسیات سے پُر تھا۔ نامہ کیا تھا میری زندگی کا آئینہ۔ میری محبت کا خزینہ۔ ذخیرہ محبّت و سرمایہ الفت کا آبگینہ اور تو اور یہ میری کتاب زندگی کا پہلا ورق تھا۔ جس وقت مجھے نامہ ملا تو چند لمحوں کے لئے مجھ پر سکوت طاری ہو گیا۔ میں اس میں ایسا گم ہوا کہ دنیا و مافیہا دونوں سے بے خبر ہو گیا۔ انتہائے شوق و اضطراب میں بار بار خط پڑھا لیکن پھر بھی طبیعت سیر نہ ہوئی۔

پیاری محبوب جہاں! تم نے تحریک الفت میں پیش قدمی کی اور مجھ سے بازی لے گئیں۔ بقول تمھارے پہلے مجھکو خط لکھنا چاہئے تھا لیکن یہ واضح رہے کہ عشق کی دنیا میں اکثر محبوب ہی کی طرف سے چھیڑ ہوا کرتی ہے۔

میں اسی وقت سے پابند محبت بن چکا ہوں جبکہ پہلے پہل میری اور تمھاری آنکھیں چار ہوئی تھیں اور تم نے نظروں ہی نظروں میں مجھے تسخیر کر لیا تھا میں اب تک اسی کشمکش میں تھا کہ دیکھوں ادھر بھی محبت نے کچھ اثر دکھایا یا نہیں اور اسی ادھیڑ بن میں اب تک خاموش رہا لیکن بارے خدا نے آپ کے دل کو بھی گداز بنا یا اور میرے عشق کامل کی لاج رکھ لی۔ میں تمھارا اسی وقت سے ہو چکا جبکہ تم نے پہلی نظر میں میرے دل کو موہ لیا تھا۔ انسان کے پاس صرف ایک دل ہوتا ہے۔ جان انسانی میں ہوتے ہوئے میں بھی ایک دل رکھتا تھا۔ جو کہ تمھارا ہو چکا اور اب وہ کسی اور کا نہیں ہو سکتا

پیاری محبوب جہاں! اگر خدانخواستہ تم میری نہ ہو سکیں تو میں دنیا کو دکھا دونگا کہ اس وقت بھی میں تمھارا ہی رہونگا۔ اور اپنی حسرتوں اور اُمنگوں کو تم پر سے نثار کر کے عشق کی دنیا کو روشن کر جاؤں گا یہ میرا پیمان وفا ہے یہ میرا عہد اور سچا عہد ہے۔ کاش خدا پورا کرے۔ آمین

اچھا اب رخصت ہوتا ہوں۔ محبوب جہاں اتنا خیال رہے کہ تم نے میری آتش محبت کو اپنے نامہ محبت سے بھڑکا دیا ہے لہذا اب سلسلہ خط و کتابت کو منقطع نہ کرنا۔ اب میری زندگی کا مستقل سرمایہ تمھارا نامہ ہی ہے، اگر تم نے اس سے بھی محروم رکھا تو اس کو میں اپنی شومئی قسمت تصور کروں گا۔

تمھارا اور صرف تمھارا۔ شفیق

۳

یہ سلسلہ خط و کتابت عرصہ تک جاری رہا اور رفتہ رفتہ زمانے کی طولانی کے ساتھ ساتھ رشتہ الفت و اتحاد استوار سے استوار تر ہوتا گیا۔ ماموں جان کے یہاں میرا آنا جانا بدستور رہا اور اس طرح محبت کی پینگیں بڑھتی گئیں۔ اب میں ایف۔ اے کے دوسرے سال میں تھا۔ میرے والدین کو میری تعلیم کا بڑا خیال تھا اور وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ میں اپنے بیٹے کی شادی بی۔ اے بعد کرونگا۔ لیکن والد صاحب کے دوست و احباب نے ان کو مجبور کیا کہ کم از کم سلسلہ جنبانی تو ابھی سے ہونی چاہئے شادی بعد میں ہوتی رہیگی۔ اب میرے گھر والوں کی نظر انتخاب ادھر اُدھر دوڑنے لگی اور مسئلہ زیر بحث یہ ہوا کہ کہاں گفت و شنید کی جائے میری پھوپھیوں کی نظر انتخاب محبوب جہاں پر پڑی اور انھوں نے میرے والدین کو رائے دی کہ اگر محبوب جہاں میرے لئے منتخب کی جائے تو کیا ہرج ہے اس لئے کہ وہ خوبصورت، خوش سیرت، تعلیمیافتہ اور خوشحال ہے سینے پرونے کا اچھا خاصا ہنر رکھتی ہے پس اس کے علاوہ اور کیا چاہئے رائے معقول تھی لہذا والد صاحب راضی ہو گئے۔ اب وہ اس ٹوہ میں رہنے لگے کہ دیکھیں ماموں جان کا اس رشتہ کے بارے میں کیا خیال ہے۔ چند

معین کردہ عزیزوں کی زبانی معلوم ہوا کہ ان کو اس جدید رشتہ کے قائم کرنے میں کوئی عذر نہیں بلکہ اب تک وہ اس کا منتظر تھے کہ اس طرف سے پیام وسلام آئے تو وہ اپنے خیالات کا اظہار کریں۔

گو کہ یہ سب باتیں خفیہ طور سے مجھ سے چھپا چھپا کر ہو رہی تھیں لیکن مجھے ذرا ذرا سی بات کی خبر مل جایا کرتی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ میں نے بھابی صاحبہ کو ملا رکھا تھا۔ اور جاسوسی کا کام انھیں سے لیا کرتا تھا۔ میں اپنے موافق اتفاق رائے سن سن کر پھولا نہیں سماتا تھا اور دل ہی دل میں اپنی قسمت پر ناز اں ہو رہا تھا۔ لیکن آہ ـــــ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔ مجھے بالکل خبر نہ تھی کہ یہ فلک کج رفتار اس قدر جلد میرے قلبی سکون کو درہم برہم کر کے میری حسرتوں کو پامال کر دیگا۔

مجھے اس بات کا شان وگمان بھی نہ تھا کہ یہ سب بنا بنایا کھیل بگڑ کر رہ جائیگا۔ واقعہ یہ ہوا کہ ابھی سلسلہ جنبانی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ آپس میں کچھ ایسے خاندانی تفرقات پیدا ہو گئے جس کی وجہ سے یہ کام ملتوی رہا۔ پھر بھی امید باقی تھی کہ یہ آپس کی رنجش ہے چند دنوں میں صلح وصفائی ہو جائیگی اور پھر وہی ماموں جان ہونگے اور وہی والد صاحب۔ لیکن آگے چل کر اس معمولی جھگڑے نے جڑ پکڑ لیا اور روز بروز آپس میں کشیدگی بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ ایک دوسرے کے یہاں آنا جانا تک ترک ہو گیا موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے یہ امید بھی نہیں رہ گئی کہ والد صاحب اور ماموں جان میں پھر کبھی میل ہو گا۔ اور اس ربط سے محبوب جہاں میرے حصے میں آسکے گی۔

اس جانگداز واقعہ نے میری تندرستی پر بہت برا اثر ڈالا۔ محبت کے ہیجان میں مجھے جنون سا ہو گیا اور مجھے یہ دھن ہو گئی کہ یا تو محبوب جہاں کو حاصل ہی کرونگا یا اس دنیا سے ناکام ہی جاؤنگا۔ میرا دماغ ہر وقت یاس وحرمان کا آماجگاہ بننے لگا۔ اور دنیا بھر کی فکروں نے میرے دل کو محصور کر لیا۔ محبت کی ناکامیوں نے تپش عشق کو اور مشتعل کر دیا اور میری حالت بدلنے لگی اور میرا دماغ اپنے توازن سے گذرنے لگا۔ میرے گھر والے میری حالت دیکھ کر فکرمند ہونے لگے لیکن میں نے ہمیشہ یہ کہہ کر ٹال دیا کہ امتحان قریب ہے محنت میں تو یہ حال ہو ہی جاتا ہے۔ حالانکہ واقعہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ میرے امتحان کے دن بھی نزدیک تھے۔ مشکل سے

ڈیڑھ مہینہ رہ گیا ہوگا۔ اس لئے اس کی فکر الگ دامنگیر ہوئی۔ امتحان کی بدنامی سے بچنے کیلئے میں نے جان توڑ کوشش کی۔ جب امتحان کے پچیس دن باقی رہ گئے تو میری حالت ناگفتہ تھی۔ مجھ میں سکت باقی نہ رہی اور میں آخر کار چارپائی سے لگ گیا۔

والد صاحب نے فوراً اچھے اچھے ڈاکٹروں سے مشورہ کیا۔ وہ بہت سرگرمی سے میرا علاج کرنے لگے۔ لیکن بظاہر کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ ایک روز بروز میری حالت غیر ہوتی گئی۔ میں ڈاکٹروں کی تجویز پر دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ دواؤں پر خندہ استہزا کو کام میں لاتا تھا اور جی ہی جی میں یہ شعر پڑھتا تھا ؎

مریض عشق پر رحمت خدا کی　　مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

جب کچھ افاقہ نظر نہ آیا تو والد صاحب نے ڈاکٹری علاج ترک کر کے یونانی علاج جاری کرایا۔ اس سے میری طبیعت روبہ اصلاح ہوئی اور چندہی دنوں میں اٹھنے بیٹھنے کے قابل ہو گیا۔ امتحان بہت قریب تھا اس لئے میں نے خود بھی اچھے ہونے کی کوشش کی۔ ۲۱ مارچ سے امتحان شروع ہوا۔ اگرچہ اب تک میری طبیعت بالکل ٹھیک نہ ہوئی تھی اور حکیم صاحب نے امتحان میں شریک ہونے سے منع بھی فرمایا تھا لیکن میں اپنی دھن کا پکا تھا اور امتحان میں شریک ہو کر ہی دم لیا۔ پرچے سہل آئے تھے اس لئے کسی نہ کسی طرح پاس ہو ہی گیا۔

ـــــ ۴ ـــــ

ایف۔ اے میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد والد صاحب کی یہ رائے ہوئی کہ بی۔ اے میں علی گڈھ سے پاس کروں۔ حالانکہ لکھنؤ چھوٹنا اور محبوب جہاں سے جدا ہونا میرے لئے ناقابل برداشت صدمہ تھا۔ لیکن قہر درویش برجان درویش۔ والد صاحب کے اصرار پر رضامند ہونا ہی پڑا۔ یونیورسٹی ۹ جولائی کو کھلنے والی تھی لہذا ۸ جولائی کو میرا علیگڈھ پہنچنا ضروری تھا۔ جانے سے پہلے میں نے محبوب جہاں کو حسب ذیل خط لکھا۔

لکھنؤ۔ ۷ جولائی ۱۹۳۲ء

جاتے ہیں خدا حافظ پر اتنی گذارش ہے
جب یاد مری آئے ملنے کی دعا کرنا

پیاری محبوب جہاں جہان سے زیادہ پیاری۔ کائنات کے ذرہ ذرہ سے زیادہ پیاری۔ خوش رہو۔

یہ لمحہ میرے واسطے نہایت ہی جگر فگار اور تکلیف دہ ہے جبکہ میں تم سے جدا ہو رہا ہوں۔ میری یہی دلی آرزو تھی کہ کبھی تم سے جدا نہ ہوتا۔ یہاں تک کہ آخری تمنا یہی تھی کہ دم بھی تمھارے سامنے ہی نکلتا۔

آرزو یہ ہے کہ دم نکلے تمھارے سامنے
تم ہمارے سامنے ہو ہم تمھارے سامنے

لیکن افسوس کہ یہ فلک ناہنجار دونوں کو یکجا نہیں دیکھ سکتا۔ پچھلے مہینہ اس نے آپس میں رخنہ اندازی ڈال کر قائم ہونے والے رشتہ کو خاک میں ملا دیا اور آج بھی ہم دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کئے دیتا ہے۔

پیاری محبوب جہاں! تمھیں معلوم ہے کہ پچھلے واقعات نے ہم لوگوں کے دلوں پر کس قدر گہرا اثر ڈالا ہے۔ میری امیدیں جو تم سے وابستہ ہونے والی تھیں وہ اب بظاہر ٹوٹ چکی ہیں لیکن مجھے اس کی پرواہ نہیں مجھے فخر ہے کہ ہم دونوں محبت کے سچے اور حقیقی رشتے کی بنا پر ایک دوسرے سے وابستہ ہو چکے ہیں جسمانی اور مادی لحاظ سے دو کہے جا سکتے ہیں لیکن صحیح اور حقیقی معنی معنی میں ایک جان دو قالب ہیں۔

مجھے اس سے زیادہ اور کیا چاہئے کہ میں نے تمھاری محبت حاصل کر لی۔ پیاری محبوب جہاں میں نے تم سے محبت، محبت کی خاطر سے کی اس لئے اب مجھے کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں۔ ہم لوگوں کی روح باہمی اتفاق و اتحاد کے رشتہ سے ایک ہو چکی ہے جس کو اب دنیا کی کوئی طاقت جدا نہیں کر سکتی۔ پیاری محبوب جہاں میں تمھارا ہوں۔ تمھارا ہونگا اور تمھارا ہی ہو کر مرونگا۔ یہاں کوئی مادی شے ہم لوگوں کی محبت میں رخنہ اندازی نہیں کر سکتی۔

پیاری محبوب جہاں! میں علی گڈھ جا رہا ہوں شاید تم خیال کرتی ہو کہ وہاں مجلس احباب میں محو ہو کر تم کو بھول جاؤں گا۔ لیکن یاد رکھو کہ شفیق اب تمھیں بھولنے والا نہیں۔ جو سب کچھ اپنا تم پر نثار کر چکا ہے۔ کیا تم خیال کر سکتی ہو کہ وہ تمھیں بھول جائیگا۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اگر تم ایسا خیال کروگی تو اپنے ضمیر کو دھوکا دوگی اور محبت کی دنیا میں مرتکب جرم ٹھرائی جاؤگی۔ میں تمھیں پھر یقین دلاتا ہوں کہ شفیق تمھارا ہے تمھارا ہی رہیگا اور تمھارا ہی ہو کر مریگا۔

تمھاری یاد جیتے جی نہ میرے جی سے جائیگی
جو جائیگی تو بعد از مرگ میرے ساتھ جائیگی

اچھا اب رخصت ہوتا ہوں۔ دیکھو تم زیادہ رنجیدہ ہونے کی کوشش نہ کرنا اور دل ہی دل میں نہ کڑھنا۔ ورنہ اس طرح تم میری زندگی کو بھی وبال جان بنادوگی جس سے سوائے حسرت و یاس کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا دیکھو ایک بات تو لکھنے کو بھول ہی گیا میں علیگڈھ جا رہا ہوں لیکن تم سلسلہ خط و کتابت برابر جاری رکھنا اس لئے کہ تمھارا محبت نامہ ایک ایسی چیز ہے جو وہاں تنہائی میں میرا مونس و غمخوار ہوگا۔ اور مجھکو محبت کی چاشنی بخشے گا۔ میں نے خط و کتابت کا انتظام کر دیا ہے۔ شمیم میاں تمھارے بھلانجے ڈاک میں تمھارا خط ڈالنے کا کام انجام دیا کرینگے۔ اچھا الوداع الوداع پیاری محبوب جہاں! الوداع۔

تمھارا اور صرف تمھارا۔ شفیق

۵

آخر میں علی گڈھ پہنچ گیا۔ گو کہ محبوب جہاں کی جدائی میرے لئے روح فرسا تھی لیکن اس کے خطوط میرے جذبات کو دباتے رہتے تھے اور دل اندوگیں کو تسلی دیتے تھے۔ بی۔ اے کا پہلا سال بہر صورت اطمینان سے گذرا۔ گرمیوں کی تعطیل میں خوشی خوشی گھر آیا۔ والدین سے مل کر بہت

خوش ہوا اور شمیم میاں سے محبوب جہاں کی خیریت دریافت کرکے پھولا نہیں سماتا تھا۔

ایک شب میں اپنے بیرونی کمرے میں تنہا بیٹھا ہوا تھا کہ دیکھا، شمیم میاں کے ساتھ ایک برقعہ پوش صاحبہ تشریف لائی ہیں۔ میری نگاہ نگاہ متجسس جو اس کے چہرہ پر پڑی تو میں ایکدم سے حیرت زدہ ہوکر اچھل پڑا۔ کیونکہ برقعہ پوش خاتون میری سرمایہ حیات محبوب جہاں تھی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ خالہ کے یہاں جانے کے بہانے مجھ سے ملنے آئی تھی۔ میں نے یہ سن کر اس کے جذبات محبت پر صد آفریں کہی۔ لیکن یہ خوشی زیادہ دیر تک قائم نہ رہی بلکہ جلد ہی متبدل بہ رنج ہوگئی۔ محبوب جہاں نے آبدیدہ ہوکر کہنا شروع کیا کہ میرے والدین و دیگر اعزہ مجھے دوسری نسبت پر مجبور کر رہے ہیں لیکن میں اب تک برابر انکار کرتی چلی آئی ہوں۔ والدین میرے اس انکار پر خفا ہوگئے ہیں اور میری بھاوجیں مجھے طعنہ دیتی ہیں کہ دیکھو اس چھوکری کو خود اپنے شوہر کا انتخاب کرتی ہے۔ آنکھ کا پانی مرگیا ہے۔ شرم و حیا کو گھول کر پی گئی ہے۔ ایسی ہی فحش و مہمل باتیں بکا کرتی ہیں لیکن میں یہ سب برداشت کرتی ہوں اور لہو کے گھونٹ پی کر رہجاتی ہوں۔"

محبوب جہاں کی اس دردانگیز داستان پر میرا دل پسیج گیا میں نے اس کو تسلی و تشفی کن باتوں سے بہلا کر جلد ہی رخصت کردیا۔ تاکہ اس کو میری آبدیدگی اور مکدر حالت کا علم نہ ہوسکے جب مجھے تنہائی ہوئی میں نے اس مسئلے پر غور و خوض کیا کہ آیا کس طرح ہم دونوں کی تکلیفیں دور کیجا سکتی ہیں۔ لیکن کوئی مفید صورت نظر نہ آئی۔ رات زیادہ آچکی تھی لہٰذا اپنے بستر پر گیا اور جذبات سے کھیلتا کھیلتا نیند کی دیوی کی آغوش میں بےخبر ہوگیا۔

―――― ۶ ――――

گرمیوں کی تعطیل ختم ہوچکی تھی۔ جولائی کا مہینہ تھا۔ لہٰذا میں نے ۷ جولائی کو مکان سے رخت سفر باندھا اور علی گڈھ چلا گیا۔ میری اور محبوب جہاں کی خط و کتابت بدستور جاری رہی۔ لیکن اس مرتبہ اس کے جگر فگار خطوط نے مجھے پریشان کردیا۔ میں جواب میں اپنی محبت کی دیوی کو تسلی دیتا رہا اور آسے امید دلایا کہ انشاءاللہ آخری سال کا امتحان دینے کے بعد جب لکھنؤ آؤنگا تو آپس میں مصالحت کا زریں طریقہ عمل میں لاؤنگا۔ والد صاحب سے التجا کرونگا اور انھیں مجبور کرونگا کہ وہ [illegible] تسلیم خم کردیں اور آپ [illegible]

میل ملاپ برتنے پر راضی ہوجائیں۔ مجھے امید ہے کہ اگر والد صاحب خود ملنے کی کوشش کرینگے تو ماموں جان کو پھر کوئی شکایت باقی نہ رہے گی اور دونوں خاندان آپس میں پھر غلط ملط ہوجائینگے۔ اس باہمی اتفاق کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم لوگوں کی دلی مرادیں برآئیں گی اور جو کچھ ہم لوگوں کی آرزو ہے پوری ہوجائے گی۔"

میں علی گڈھ میں تھا لیکن محبوب جہاں کے خطوط سے برابر لطف اندوز ہوتا رہا لیکن پھر یکایک محبوب جہاں کے نامۂ محبت آنے بند ہوگئے خیریت نہ معلوم ہونے کی وجہ سے مجھے ایک قسم کی تشویش سی لاحق ہوگئی کئی خطوط میں نے اپنی دیوی کو لکھے لیکن کسی کا جواب نہ ملا۔ اب میرے اضطراب و بےچینی کی کوئی حد نہ رہی اور مختلف پریشان کن خیالات میرے دماغ کو محصور کرنے لگے۔ کبھی یہ خیال آتا کہ کہیں محبوب جہاں بیمار تو نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ جواب دینے سے مجبور ہو کہیں یہ خیال دامنگیر ہوتا کہ کہیں خط و کتابت کا راز اس کے گھر والوں کو تو نہیں معلوم ہوگیا۔ اس قسم کے تفکرات نے میرے دماغی توازن کو درہم کردیا۔ میرا قلب لامتناہی تشویش اور لامحدود بےچینیوں کا آماجگاہ بن گیا۔ ہر وقت اور ہر لمحہ میں فکرمند رہنے لگا کہ خدا معلوم محبوب جہاں کی کیسی حالت ہے او ماس پر کیا بیت رہی ہے اس درمیان میں اتفاق سے کوئی تعطیل بھی نہ تھی کہ کسی نہ کسی بہانے گھر پہنچتا اور حقیقت حال سے واقفیت حاصل کرتا۔ شمیم میاں کے دو ایک خط آئے لیکن ان سے بھی محبوب جہاں کی کوئی قابل اطمینان خبر نہیں ملی۔ بہرحال عجیب کشمکش میں زندگی بسر ہونے لگی جس کا بیان شاید لفظوں میں نہیں ہوسکتا۔ اندر ہی اندر دل کو مسوس کر رہ جاتا تھا۔ آہ کچھ نہ پوچھئے میری کیا حالت ہورہی تھی۔ محبت کی راہ میں جو بھی نہ برداشت کرنا پڑے کم ہے۔

―――― ۷ ――――

میرا امتحان بہت قریب تھا لہٰذا میرے تھوڑے بہت تردّدات امتحان کی تیاری کی فکر میں منتقل ہوگئے تھے۔ یکم اپریل کو میرا امتحان ختم ہوا اور دوسرے ہی دن صبح کو میں لکھنؤ روانہ ہوگیا۔ گھر جب پہنچا تو دیکھا کہ عجیب خاموشی سی چھائی ہوئی تھی لیکن اس خاموشی اور پژمردگی کی [illegible]

تھا کہ میں محبوب جہاں سے محبت کرتا ہوں اور ہم لوگوں کی خفیہ خط و کتابت سے بھی آگاہ تھے لہذا اب وہ صاف صاف محبوب جہاں کی شادی ہونے کا حال بیان کرتے ہوئے جھجکتے تھے کہ کہیں اس خبر وحشت اثر سے متاثر ہو کر میں کچھ کر نہ بیٹھوں۔ بہر حال بات کہاں تک چھپتی آخر مجھے معلوم ہوگیا کہ محبوب جہاں کی شادی اس کے خلاف مرضی ایک مالدار لیکن جاہل اور اوباش لڑکے سے کردی گئی۔ جب میں نے یہ خبر سنی تو کچھ نہ پوچھئے میرا کیا حال ہوا۔ مجھے چکر سا محسوس ہوا۔ زمین و آسمان نظروں کے سامنے گھومتے دکھائی دینے لگے۔ اس کے بعد میں بیہوش ہوگیا۔

میں اپنی تیرہ بختی پر آج بھی آٹھ آٹھ آنسو بہا رہا ہوں۔ جب ایام گذشتہ کی یاد آتی ہے تو میں دیوانہ سا ہو جاتا ہوں۔ آہ کیا دن تھے اور کیا ہوگئے۔ میری زندگی میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا ہو چکا ہے کائنات کا ذرہ ذرہ میری بیقراریوں کا گواہ ہے۔ آہ مجھے اپنی زندگی میں کبھی ایسے منحوس دنوں کا گمان بھی نہ تھا۔

میں اب کچھ تنہائی پسند واقع ہوگیا ہوں اور اب مجھے گوشۂ خلوت ہی اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اپنی زندگی کا دور اولیں تو ختم کر چکا البتہ دور آخری بہر صورت بسر کر رہا ہوں۔ میرے پرانے دوست احباب وقتاً فوقتاً، خیر و عافیت دریافت کرنے آتے رہتے ہیں لیکن میرے لئے اب ان میں کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ میں ناکام محبت ہوں اس لئے ناکام محبت ہی دنیا سے رخصت ہونا چاہتا ہوں۔ میری شمع حیات امید و بیم کے طوفان خیز جھونکوں میں جھلملا رہی ہے اور وہ وقت قریب ہے جب یہ بجھکر خاموش ہو جائے۔ میری دنیا تاریک ہو چکی ہے۔ میری دنیا اجڑ چکی ہے۔ جب میرا دل زیادہ گھبراتا ہے تو اکثر یہ شعر پڑھ کر اپنے دل کو تسلی دیتا ہوں ؎

وہی ہے شومئ قسمت وہی ہے ناکامی
ہنوز تازہ ہے الفت کی داستاں میری

میرے والدین اور میرے عزیزوں نے بہت کوشش کی کہ میں شادی کرلوں لیکن میں نے ہمیشہ انکار کر دیا۔ ان لوگوں نے اگرچہ اس انکار پر خفگی کا بھی اظہار کیا۔ لیکن مجھے ان کی خفگی کی کوئی پروا نہیں۔ آہ جب میرا دل ہی ٹوٹ چکا ہے تو میں شادی کس طرح کرلوں؟۔ سب کچھ ہوسکتا ہے لیکن اب میرے دل کی شیرازہ بندی ناممکن۔ میری زندگی تو برباد ہو ہی چکی ہے لہذا شادی کرکے کسی غریب کی زندگی کو کیوں تلخ بناؤں؟ آہ ــــــ اب میری شادی عروس مرگ ہی سے ہوگی اور میرے طاق تربت ہی پر سہرا بندھیگا ؎

کنج مرقد ہی بنے گا مری شادی کا مقام
حسرتیں لاش سے لپٹینگی سہاگن بن کر

ماتمی نغمہ

مترجمہ طفیل احمد خاں صاحب سلطانپوری!

اس پر گلاب کے پھول برساؤ۔ مگر سدا بہار درخت کی کوئی شاخ نہیں۔
وہ خاموشی اور سکون کے درمیان آرام فرما ہے۔ کاش میں بھی ایسا ہی ہوتا۔
دنیا کو اس کی نشاط آرائیوں کی ضرورت تھی۔ وہ شادمانی کی تبسم لہروں میں غسل کرتی تھی۔ لیکن آہ اس کا دل تھک چکا تھا اور آخر کار وہ چل بسی۔
اس کی زندگی حدت اور پیچ کی پریشانیوں میں چکر کھا رہی تھی اور اب ــــــ اب سکون نے اُسے اپنی آغوش میں لپٹا لیا ہے۔
اس کی جکڑی ہوئی وسیع روح اپنے پر پھڑپھڑاتی تھی اور آخر ــــــ اسی اضطراب میں اپنی سانسیں کھو بیٹھی۔ آج رات وہ موت کی کشادہ چہار دیواری کی دعویدار ہے۔

(میتھو آرنلڈ)

غزل

از حضرت دعاؔ ڈبائوی

محبت میں الم ہے رنج ہے غم ہے اذیت ہے
یہ سب تسلیم ہے لیکن محبت پھر محبت ہے

تمھیں یوسف سے کیا نسبت اسی کیا تم سی نسبت ہے
وہ صورت اور صورت تھی یہ صورت اور صورت ہے

انھیں آنکھیں اٹھا کر کوئی دیکھے کس کی ہمت ہے
وہ پردہ کیوں کریں پردہ کی ان کو کیا ضرورت ہے

خدا آباد رکھے محفلِ جاناں کو اے زاہد
تمھیں مر کر ملیگی زندگی میں ہم کو جنت ہے

وہ ہر پھیر کر ستاتے ہیں تو اب مجھکو ستاتے ہیں
فقط یہ کہدیا تھا ایک دن "تم سے محبت ہے"

تمھاری بیرخی نے دل کی دنیا ہی بدل ڈالی
جہاں ارماں ہی ارماں تھے وہاں حسرت ہی حسرت ہے

غمِ دنیا سے مل جاتی ہے فرصت بعد مرنے کے
اجل کہتے ہیں جس کو درحقیقت خواب راحت ہے

کسی کے کہنے سننے پر نہ تم جاؤ نہ ہم جائیں
جو سچ پوچھو یہ ساری بیچ والوں کی شرارت ہے

جو ہم تم کو سمجھتے ہیں وہ منہ سے کہہ نہیں سکتے
ادھر دنیا کا ڈر ہے اور ادھر حائل شریعت ہے

بھلا ہم انقلابِ دہر کے کس طرح قائل ہوں
وہی ہم ہیں وہی اب تک سوادِ شامِ فرقت ہے

چلو یونہی سہی اب اور کوئی تذکرہ چھیڑو
تمھیں کو عشق سچا ہے ہمیں جھوٹی محبت ہے

ہم اپنی زندگی وقفِ رضائے دوست کر بیٹھے
نہ اب جینے کی خواہش ہے نہ اب مرنے کی حسرت ہے

وہ یہ باتیں بنا کر لے گئے پہلو سے دل میرا
ہمارے پاس ہی رہنے دو تم کو کیا ضرورت ہے

وجودِ رنج و راحت کہہ رہا ہے صاف لفظوں میں
اسی دنیا میں دوزخ ہے اسی دنیا میں جنت ہے

سبق لیں لو گرفتارانِ الفت دیکھ کر مجھکو
یہ میرا حال ان کے واسطے تعلیم عبرت ہے

کوئی بیمارِ غم دم توڑتا ہے دیکھ لو آ کر،
تماشے کا تماشہ ہے عیادت کی عیادت ہے

پھر اتنا بھی نہیں کوئی خدا رکھے ترے دم کو
دعاؔ دم تیرا دنیائے محبت میں غنیمت ہے

چارلس ڈکنس

انگریزی زبان کا ایک زبردست انشاپرداز

از:- جناب حافظ رشید احمد صاحب ارشد مولوی فاضل ومنشی فاضل

چارلس ڈکنس انگریزی زبان کا زبردست ناول نویس تھا' انگریزی ناول نویسوں میں اس کا درجہ بہت بلند ہے اس کی ناولوں اور دیگر تصنیفات نے جو عام مقبولیت اور شہرت حاصل کر لی تھی وہ شاید بہت کم دوسرے ناول نویسوں کو حاصل ہوئی ہو۔ اس کی انشاپردازی نہ صرف دنیائے ادب میں کامیاب تھی بلکہ عام انگلستان کی ترقی اور اصلاح میں بھی بہت بڑی ممد و معاون ثابت ہوئی۔ اس وجہ سے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس ہردلعزیز انشاپرداز کے مختصر حالات ہدیہ قارئین کئے جائیں۔

چارلس ڈکنس کا باپ انگلستان کے محکمہ بحری کے دفتر میں ایک معمولی کلرک تھا۔ اس کی اقتصادی حالت کچھ بہتر نہ تھی سنہ ۱۸۱۲ء میں چارلس ڈکنس پیدا ہوا۔ جب چارلس ڈکنس چار سال کا تھا اس وقت اس کا باپ بمقام چیتھم منتقل ہو گیا جہاں چارلس ڈکنس نے چھ سال نسبتاً آرام واطمینان سے گذارے۔ بچپن ہی سے اس مشہور انشاپرداز کی طبیعت مناظر قدرت کی بیحد دلدادہ تھی اور اس جگہ دیہاتی اور بحری مناظر اس کی دلچسپی کے لئے کافی موجود تھے۔ یہاں پہاڑوں اور جنگلوں کی گشت نوردی اس کا دلچسپ مشغلہ تھا۔ اس کا حافظہ اس قدر قوی تھا کہ ابتدائی ایام کے دلچسپ مناظر آخر عمر تک اس کے صفحۂ دل پر ثبت رہے اور اس کی ناولوں اور دوسری تصنیفات کے لئے بہترین مواد ثابت ہوئے۔

لندن میں رہائش

اسے بدقسمتی کہئے یا ایک لحاظ سے خوش قسمتی کہ نو سال کی عمر میں چارلس کے باپ کا لندن میں تبادلہ ہو گیا اور چارلس رنگا رنگ کی قدرتی دلچسپیوں سے محروم ہو گیا۔ لندن کی تنگ و تاریک فضا نے اس کی طبعی خواہشات میں افسردگی پیدا کر دی۔ اس کے علاوہ لندن میں اس کے خاندان کی آمد بہت سے مصائب کا پیش خیمہ ثابت ہوئی چیتھم میں چارلس سکول میں پڑھنے کیلئے جاتا تھا۔ مگر یہاں آکر وہ تعلیم سے محروم ہو گیا کیونکہ اس کے باپ کی اقتصادی حالت اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ وہ لندن کے سکولوں کی حوصلہ شکن فیس ادا کر سکے۔ اس زمانہ میں انگلستان کا تعلیمی معیار بہت پست تھا۔ تعلیم خاص طبقہ تک محدود تھی اور عوام سکولوں کی گراں فیس اور اخراجات کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ لازمی اور مفت تعلیم کا کوئی انتظام نہ تھا۔

چارلس کو تعلیم سے محرومی کا بہت افسوس ہوا اس کی طبعی خواہش تھی کہ وہ ایک ممتاز تعلیم یافتہ انسان بن جائے تاہم اس کے پاس جو چند کتابیں تھیں اسی کو بار بار پڑھکر کچھ علمی پیاس کو بجھا لیتا تھا۔ ابھی یہ رنج باقی تھا کہ لندن کے تباہ کن اخراجات سے چارلس کے باپ کی مالی حالت اس قدر بدتر ہو گئی کہ وہ قرضہ کے بارہائے گراں کا متحمل نہ ہو سکا۔ اور عدالت کی طرف سے سامان کی قرقی اور اسے قید میں ڈالنے کا حکم صادر ہو گیا۔ مسز ڈکنس چارلس کی والدہ نے بھی خاوند کی وفاداری

ر رکھتے ہوئے قیدخانہ میں رہائش اختیار کرلی۔

بت کا زمانہ چارلس ڈکنس اکیلا اور بے یار و مددگار رہ گیا۔ اس کی عمر اس وقت دس سال
ور ضروریات زندگی نیز خوراک اور رہائش کا کوئی انتظام نہ تھا
جیسے وسیع شہر میں جو اس کی حالت ہوسکتی ہے اس کا اندازہ
ت مشکل ہے۔ تاہم خوش قسمتی سے ایک کارخانے میں اسے کچھ
لیا جس کے معاوضہ میں اسے ہفتہ وار دو شلنگ ملتے تھے۔ جو
جیسے شہر میں اس کے اخراجات کے لئے بالکل ناکافی تھے۔ یہ اس کے
مصائب اور تکالیف کے دن تھے۔ کس بیرسی کے عالم میں متفکر
ن لاوارث آوارہ لڑکوں کی طرح سڑکوں پر بھٹکتا پھرتا تھا۔ کئی
ر فاقے اور نہایت رنج و پریشانی میں گذرتے تھے۔ یہ حالات ایسے
ندن میں نہایت شریف لڑکے بھی شریفانہ زندگی کو خیرباد کہہ کر
ر ائع اختیار کرنے پر مجبور ہوجاتے تھے مگر چارلس نے اپنا دامن
یانہ افعال سے ملوث نہ ہونے دیا اور انتہائی تکالیف کے باوجود
لقہ حالت پر قائم رہا اگرچہ یہ دو برس اس کے لئے انتہائی تکلیف
۔ مگر اس کے مستقبل کے لئے یہ عظیم الشان کامیابی ثابت ہوئے کیونکہ
نشاپردازی نے جو اس کی زندگی کا ماحصل ہے غریبوں کی زندگی ان
دیم اور صحیح جذبات کا آئینہ ہیں اور ان کو موثر بنانے میں اس نے
ان کامیابی حاصل کی اور یہ کامیابی اس وقت ناممکن تھی جب تک
ی حالات و تاثرات اس کی ذات پر عملی طور پر رونما نہ ہوتے۔
ی زندگی میں دو سال تک اس جماعت کا فرد نہ ہوتا۔

دو برس کی میعاد کے بعد اس کا باپ قیدخانہ سے رہا ہوا اور اپنے
رخانہ سے نکال کر سکول میں بھیج دیا۔ چارلس اس خوشی میں اپنی
تکالیف کو بھول گیا اور نہایت محنت و سرگرمی سے تعلیم
نے لگا۔

معاش کیلئے جدوجہد سولھویں سال اس کو ایک وکیل کے دفتر
ت کلرک کے ملازمت مل گئی۔ جس سے اس کی معاش کسی قدر بہتر
[illegible]

کے مطابق اس کی علمی تشنہ کامی بڑھ گئی جس کی تکمیل کے لئے برٹش
میوزیم کا عظیم الشان کتب خانہ ایک اچھا ذریعہ ثابت ہوا جہاں وہ
اپنا بیشتر وقت صرف کرتا تھا۔

اس اثنا میں اس نے شارٹ ہینڈ بھی سیکھ لیا جو مشکل سے
پر اس زمانہ میں تحریر ہوتا تھا اس کے بعد انیسویں سال کی عمر میں وہ
"صادق اخبار" کی ادارت میں منسلک ہوگیا۔ جس میں اس کا کام یہ تھا
کہ وہ پارلیمنٹ کے اجلاس کی رپورٹیں تحریر کرکے لائے اور جب پارلیمنٹ
کے اجلاس نہ ہوتے تھے اس وقت وہ ملک کے دوسرے مقامات کی
انجمنوں کی رپورٹیں مرتب کرنے کیلئے بھیجا جاتا تھا۔ اس طریقہ سے اسے
نہایت دلچسپ تجربات و معلومات حاصل ہوئیں اور چونکہ اس زمانہ میں
ریل کا سفر ابتدائی حالت میں تھا اس وجہ سے ڈکنس کو عام طور پر گھوڑوں
کی گاڑیوں پر سفر کرنا پڑتا ہے۔

اس بنا پر اسے ان علاقوں سے جہاں پر اس کا گذر ہوتا تھا
نیز گاڑی بانوں اور سراؤں اور ہم سفروں کے حالات و واقعات سے
بخوبی آگاہی ہوئی اور یہ دلچسپ واقعات اپنی حقیقی تصاویر کے ساتھ
اس کی ناولوں میں مندرج ہیں۔

مضمون نویسی کی ابتدا دوسروں کی تقاریر مرتب کرنے سے اسے خود اپنے
مضامین تحریر کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ اور بقول خود وہ اپنا پہلا مضمون
لے کر کانپتے اور ڈرتے ڈرتے ایک ماہواری رسالے کے تنگ و تاریک
دفتر کے پاس شام کو سورج غروب ہونے کے بعد پہنچا تاکہ کسی کو علم نہ
ہوسکے اور وہاں کے لیٹر بکس میں ڈال دیا۔ چند دنوں تک وہ اس
کے انجام کا نہایت سرگرمی اور بے صبری سے منتظر رہا رسالہ کے شائع
ہونے پر اس نے بیتابی سے اس کا پرچہ خریدا اس کی مسرت و خوشی
کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے پہلی مرتبہ اپنے نام کا مضمون کو
طبع شدہ صورت میں دیکھا۔ اس کے بعد اسی رسالے میں سات مضامین
"بوز" کے نام سے قسط وار شائع کئے جو عوام میں بہت جلد مقبول ہوگئے۔

انھیں دنوں میں ڈکنس نے مزاحیہ انداز میں ایک کتاب
لکھ [illegible]

[illegible] کتابی ذخیرہ تھا اور چونکہ یہ کتاب مزاحیہ اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتی اور نہایت دلچسپ تھی اس لئے اس نے قبولیت عام کا خلعت حاصل کر لیا اور لندن کے ہر گلی کوچہ میں دلچسپی اور توجہ کے ساتھ پڑھی جانے لگی اور اس کتاب کے بہت سے الفاظ اور فقرات زبان زد خاص و عام ہو گئے۔ یہ مضامین ایک ماہواری رسالہ میں شائع ہوئے اور بہت جلد اس نے ڈکنس کی کامیاب انشا پردازی اور شہرت دوام پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور اب اسے حاجت نہیں رہی کہ ڈرتے ڈرتے اپنے کسی مضمون کو تاریکی میں اور شام کے وقت آ کر لیٹر بکس میں ڈالے بلکہ ایڈیٹر اور پبلشر طلب مضامین کے لئے اس کی خوشامد کرتے تھے اور بڑی کوشش کے بعد اس کامیاب انشا پرداز کی تحریر سے شرف اندوز ہوتے تھے اسی اثنا میں اس نے اپنی بیش قیمت ناولوں کے تحریر کرنے کا سلسلہ شروع کیا اور انگریزی ناول نویسی میں ایک انقلاب عظیم برپا کر دیا۔ ان ناولوں میں اس کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ پبلک میں غریب و بیکس طبقہ سے ہمدردی اور اصلاح کا جذبہ پیدا کیا جائے اور ان کے خیالات و جذبات کی صحیح ترجمانی کی جائے۔ "قدیم عجوبہ" اور "ڈیوڈ کاپر فیلڈ" اس کے دو بہترین ناول ہیں۔

"قدیم عجوبہ" میں مصنف نے نیل نامی لڑکی کی دردناک کہانی تحریر کی ہے جو اس قدر موثر اور حقیقت اندوز ثابت ہوئی کہ پڑھنے والوں نے اس کی تکالیف کو ذاتی تکالیف خیال کیا اور جب مصنف اس کے مرنے کے حالات تحریر کرنے لگا اس وقت بیشمار لوگوں نے اسے بصد منت و التجا کہا کہ وہ اسے دنیا میں زندہ ہی رہنے دے۔

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ڈکنس کے ناول قدرت کے حقائق سے لبریز اور صحیح قدرتی جذبات و واقعات کا ایک آئینہ واقع ہوئے ہیں اور حقیقتوں کے بے نقاب کرنے میں وہ بیحد کامیاب ہوا تھا "ڈیوڈ کاپر فیلڈ" میں ناول نویس نے درپردہ اپنے بچپن کے مصائب کی صحیح تصویر پیش کی ہے۔

ایک ناول "شہروں کی کہانی" میں انقلاب فرانس میں ایک شخص کے اولوالعزم کارناموں۔ قربانیوں اور حیرت انگیز ایثار کا [illegible]

ان ناولوں نے علاوہ بے بہا شہرت و عزت کے ڈکنس کو دولتمند بنا دیا۔ اور وہ اقتصادی مشکلات سے آزاد ہو گیا۔ تاہم غریب طبقہ کی حالتیں اس کے صفحہ دل سے فراموش نہیں ہو گئی تھیں بلکہ اس طرح اپنی تحریرات اور ذاتی مواد سے اس مظلوم اور بیکس طبقہ کی حمایت میں مصروف رہا۔

چارلس ڈکنس نے عام قاعدے کے خلاف آخر دم تک اسی سرگرمی اور انہماک سے کام کیا جو اوائل عمر میں اس کا طریق کار تھا اور یہ مسلسل دماغی انہماک اس کی صحت کی کمزوری کا باعث ہوا اور بالآخر ۱۸۷۰ء میں اس کا انتقال ہو گیا اس وقت اس کی عمر ۵۸ سال کی تھی۔

مشاہیر اور جلیل القدر انگریزوں کے مرتبے کے مطابق چارلس ڈکنس کو لندن کے شہرۂ آفاق ویسٹ منسٹر گرجے میں انگلستان کے بادشاہوں اور مشاہیر کے پہلو بہ پہلو دفن ہونے کا فخر حاصل ہے۔ اس کی موت ہزاروں گھروں میں ایک ذاتی نقصان تصور کی گئی اور ہر ایک نے محسوس کیا کہ ان کا نہایت قریبی اور عزیز دوست ان سے جدا ہو گیا ہے اور تمام قوم اس کے لئے ماتم کناں تھی۔

چارلس ڈکنس نے اپنی تمام تصنیفات میں اس بات کو بڑے شد و مد سے ظاہر کیا ہے کہ انسانی فطرت کے قابل تحسین اور اچھے اوصاف ایک بدترین انسان میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اس کے ہیرو صاحب ثروت اور زبردست انسان نہیں ہیں بلکہ وہ ضعیف و ناتوان جھونپڑیوں یا خستہ و تاریک مکانوں میں رہنے والے ہیں اور جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے وہ اپنے ناخوشگوار ابتدائی ایام میں اچھی طرح معلوم کر چکا تھا کہ بھوک اور مصائب میں انسان کی کیا حالت ہوتی ہے۔ اس بنا پر غریب طبقے کے حالات وہ اپنی مکمل معلومات کی بنا پر ہمدردانہ لہجہ میں تحریر کرتا ہے۔ اس کے ہمدردانہ صاف اور واضح الفاظ سے پبلک کی آواز ان شرمناک برائیوں کے خلاف بلند ہوئی اور اس کی تصنیفات نے اصلاحی کمیشنوں کی رپورٹوں سے بہتر خدمات انجام دیں۔

اخلاق وعادات

چارلس ڈکنس اپنی خوش اخلاقی محبت
دانشمندی کی وجہ سے قوم میں بیحد
ہردلعزیز تھا۔ اگرچہ ڈکنس کا حلقہ احباب وسیع نہیں تھا کیونکہ وہ انہی لوگوں
کے ساتھ تعلقات قائم کرتا تھا جو اس کے ہم مشرب اور ہم مذاق ہوتے تھے
تاہم آخر عمر تک اس نے اپنے دوستوں کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم
رکھے۔ وہ صبح سویرے اٹھ کر عام طور پر تحریری کام کرنے کا عادی تھا اور
ناشتہ کرنے سے پیشتر وہ تصنیف وتالیف کا کافی کام کر لیتا تھا۔ اس
نے اپنی زندگی ہمیشہ اعتدال سے بسر کی اور سر والٹر سکاٹ کی طرح
قرض کے بار سے سبکدوش رہا۔ وہ ورزش کا بہت شوقین تھا خاص
کر اس کے لئے صبح وشام ہوا خوری کے لئے باقاعدہ جانا جزو زندگی تھا۔
اسے ہر کام میں صفائی اور پاکیزگی بہت پسند تھی۔ اسی طرح پابندی اوقات
اور باقاعدگی کا خاص طور پر لحاظ رکھتا تھا۔ بچپن کے مصائب وتکالیف نے
اس کو وسیع القلب اور مہربان بنا دیا تھا۔

وہ ہر ایک کی تکالیف کو دور کرنے اور مصیبت میں اس کی امداد
کرنے میں ہمیشہ کوشاں رہتا تھا۔ اس سے بڑھ کر اس کی انسانی ہمدردی
کا ثبوت اور کیا مل سکتا ہے کہ اس نے تمام عمر اس بات میں صرف کر دی
کہ دنیا کو اپنے قلم کے ذریعہ مصیبت زدہ لوگوں سے ہمدردی رکھنے کا سبق
سکھلائے۔ اگرچہ اس کی ازدواجی زندگی کامیاب نہیں رہی۔ کیونکہ اس
اور اس کی شریک زندگی کے مزاج میں موافقت نہ تھی۔ تاہم اسے ہمیشہ
غریبوں اور معصوم بچوں سے محبت اور ہمدردی رہی اور اپنے ناولوں کے
ذریعے کارخانوں اور دکانوں میں پیشہ ور بچوں کی بری حالت کی طرف
قوم اور حکومت کی توجہ مبذول کرائی۔ باوجود اس قدر شہرت کے
اس نے نمائش اور تصنع کو کبھی پسند نہیں کیا اور دوسرے اہل قلم کی
ہردلعزیزی اور شہرت سے کبھی اس کے دل میں رقابت اور حسد کا
جذبہ پیدا نہیں ہوا۔ تھیکرے مشہور انشاپرداز اس کا ہم عصر تھا اور اس نے
بھی شہرت حاصل کر لی تھی۔ لیکن کبھی اس کے دل میں تھیکرے کے
خلاف جذبہ منافرت پیدا نہیں ہوا۔

ڈکنس اور تھیکرے

ملکہ وکٹوریہ کے زمانہ میں انگریزی ناول
نویسی عروج شباب پر تھی۔ اور تھیکرے

اور ڈکنس ایسے دو شخص ہیں جنھوں نے ناول نویسی اور افسانہ نگاری کو
بام ترقی پر پہنچایا۔ ان دونوں میں عادات وخصائل نیز تعلیم وتربیت
کے لحاظ سے کئی باتیں مشترک تھیں لیکن اصولاً ان میں بہت بڑا فرق تھا
تھیکرے کی ظرافت اور مزاحیہ انداز طعن آمیز اور تعریضانہ ہے
اور تھیکرے ایک آرٹسٹ ہونے کی حیثیت سے اپنے افراد کو اونچے
طبقے میں سے انتخاب کرتا ہے اور اسی وجہ سے اس کی ناول نویسی میں
"رومان" اور شاعرانہ عنصر غالب ہے۔ برخلاف اس کے چارلس ڈکنس کے
مزاحیہ انداز میں طعن آمیز عنصر غالب نہیں ہے اور اس نے اپنے کردار
افسانہ غریب اور متوسط گھرانوں میں سے انتخاب کئے ہیں اور ہمدردانہ
پیرایہ میں ان کی حقیقی اور اصلی تصویر کھینچی ہے۔ اس کے فسانے لندن
کی گلیوں کے حالات سے بھرے پڑے ہیں اور اس نے متوسط الحال
اور غریب طبقے کے ہر قسم کے لوگوں کی معاشرت کو واضح کیا ہے سوداگر
دکاندار، کلرک، وکیل، موکل، ساہوکار، کاشتکار، پیشہ ور مزدور حجام
ایکٹر غرض ہر قسم کے لوگوں کی صحیح تصویر اتارنے میں وہ کامیاب ہوا ہے
صرف اتنی کمی رہ گئی ہے کہ اس نے طبقہ علما، پادریوں اور سیاستدانوں
اور دیہاتی شرفا کی زندگی کی تصویر نہیں کھینچی ہے غالباً اس کی وجہ یہ ہے
کہ ان لوگوں کے متعلق اسے زیادہ معلومات حاصل نہیں تھیں۔ یا یہ وجہ ہے
کہ وہ ان لوگوں کا بیحد احترام کرتا تھا۔ اور اس وجہ سے وہ انہیں اپنے
ناولوں میں لا کر عوام الناس کا نشانہ تضحیک واستہزا انہیں بنانا
چاہتا تھا۔

روس میں مقبولیت

چارلس ڈکنس کے ناول نہ صرف جزائر
برطانیہ میں مقبولیت کی نظر سے دیکھے
گئے بلکہ تمام دنیا انہیں سرگرمی کے ساتھ پڑھتی ہے اور خاص کر روس میں
جہاں غریبوں اور مزدوروں کی حمایت کا جذبہ بہت قوی تھا۔ ڈکنس کے
ناول بہت مشہور ہوئے اور روسی افسانہ نگاروں کے لئے مشعل راہ ثابت
ہوئے۔ روس کے مشہور افسانہ نگار ٹالسٹائی اور دوستوسکی اس کے
ناولوں کو بہت دلچسپی کے ساتھ پڑھتے تھے۔ اور ناقدین کا یہ خیال
ہے کہ اگر ڈکنس کے ناول کسی اپنی قوم کے تمدن کے ساتھ خاص نہیں
ہیں تو وہ شخص دوستوسکی ہے [illegible]

کمالات بہت مشابہت رکھتی ہے اور ان دونوں نے اپنے ناولوں میں غریب اور مظلوم طبقہ کی حمایت کا حق ادا کیا ہے۔

معاصرین ڈکنس کی مقبولیت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ علاقہ سائبیریا کے جیل خانوں میں قیدیوں کے مطالعہ کتب کا ریکارڈ رکھا گیا اور ۱۹۱۴ء میں اس قسم کے اعداد و شمار نہایت دلچسپ تھے۔ یہ معلوم ہوا کہ انگریز مصنفین کی تصانیف کے تراجم جو روسی زبان میں کئے گئے تھے مندرجہ ذیل طریقہ پر مطالعہ کیا گیا تھا۔

۱۔ ڈکنس کے تراجم۔ ۱۹۲ مرتبہ برائے مطالعہ طلب کئے گئے۔

۲۔ سر والٹر سکاٹ کے تراجم ۹۸ 〃 〃 〃 〃 〃

۳۔ ایچ۔ جی ویلز 〃 ۵۳ 〃 〃 〃 〃 〃

۴۔ وائلڈ 〃 ۴۴ 〃 〃 〃 〃 〃

۵۔ کپلنگ 〃 ۴۱ 〃 〃 〃 〃 〃

۶۔ شیکسپیر 〃 ۳۳ 〃 〃 〃 〃 〃

یعنی سب سے آخر مرتبہ شیکسپیر کا تھا۔

ہمارے افسانہ نگاروں کا فرض

چارلس ڈکنس کی زندگی ہمارے افسانہ نگاروں کے لئے مشعل راہ ہونی چاہئے۔ اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے ادب و لٹریچر کے ذریعہ قوم کی خدمت کریں۔ ہمارے افسانہ نگاروں کو چاہئے کہ وہ افسانہ نگاری شروع کرنے سے پہلے ہندوستان کے مختلف طبقوں کی معاشرت سے صحیح واقفیت حاصل کریں اور اپنے افسانوں کے ذریعہ ہندوستانی تمدن کی صحیح تصویر پیش کریں تاکہ معاشرت کے تاریک و روشن پہلو دونوں نمایاں ہوں۔

(حافظ رشید احمد ارشد)

نگارخانۂ چین!

جناب راجہ مہدی علی خاں صاحب جائنٹ ایڈیٹر "خیام"

تیرے چلے جانے کے بعد

تیرے لباس کی سرسراہٹ اب خاموش ہو چکی ہے
صحن کا مرمریں فرش گرد و غبار سے بھر گیا ہے۔
اب فرش پر تیرے قدموں کی آہٹ سنائی نہیں دیتی
درختوں کے پتوں نے گر گر کر صحن کا راستہ روک لیا ہے
کیونکہ تو جو میرے غرور کا باعث تھی۔
تو جو میری محبت کا مرکز تھی
مجھے غم و اندوہ میں تنہا چھوڑ کر
چلی گئی ہے (لیوچی)

تنہائی

شام کا سنہری سورج گاؤں کے بازار پر چمک رہا ہے۔
تنہائی میں میرے خیالات کس قدر غمناک ہو جاتے ہیں۔
سڑک پر مجھے کوئی مسافر نہیں ملتا
صرف خزاں کی اداس ہوا کھیتوں پر سے گذر کر
طرف آ رہی ہے
(آٹھویں صدی عیسوی) گنگ دی

دھوبن کی قبر پر

اس واقعہ کو گذرے ہزار سال ہو چکے ہیں
بہادر سردار نے اس دھوبن کو کبھی نہ بھلایا۔
جس نے اس دن اسے کھانا کھلایا تھا
جنگل میں رہنے والا ہر آدمی اسکی قبر کو پہچانتا ہے
اگرچہ کئی خاندان آئے کئی مٹے
صرف قریب بہتے ہوئے دریا کی روانی ہی باقی ہے
اب بھی وہ مسافر ایک پھول لیکر یہاں آتا ہے۔
اور اس وقت کوئی پرند محزوں گیت گانے لگتا ہے۔
اب وہاں بہار کی سرسبز گھاس اُگ آئی ہے
جہاں آج سے کئی سال پہلے بہادر سردار کے قدموں
کے نقش موجود تھے۔
(آٹھویں صدی ق م) یوچانگ چنگ

انجام

موسم خزاں کی ہوا سسکی بھرتی ہوئی۔
کہاں سے آتی ہے؟

اور قریب سے گذرتے ہوئے
بطخوں کے یہ جھنڈ کہاں سے آئے ہیں؟
آہ جب موسم سرما کی ہوائیں
چلنے لگیں گی۔
پہلے پہل تنہا مسافر ہی
ان کی آواز سُنے گا۔

سنہ ۷۷۲ء (لیو لیو جسی)

وصل

جھلملاتا ہوا لباس پہنے
ایک دوشیزہ اپنی خلوت گاہ سے
نیچے اترتی ہے
وہ اپنی قسمت کا ماتم کر رہی ہے
جو اسے آوارہ پھرنے کی اجازت نہیں دیتی۔
اور صحن میں ہر پھول کے قریب لگی ہوئی
کلیوں کو گننے لگتی ہے
اتنے میں یکایک ایک بڑی سی
کابلی مکھی پر پھڑپھڑا کر
اس کے بالوں میں سجے ہوئے
خوبصورت کلپ پر آبیٹھتی ہے

سنہ ۷۶۵ء لیو یو جسی

قبر پر

ایک بوڑھا آدمی اپنے بیٹے کی قبر پر بیٹھا ہے

اب رات دن اس کی آنکھوں سے
خون کے آنسو بہتے ہیں
ستر سال اسی طرح گذر چکے ہیں
کیا یہ ایک طویل الوداع نہیں؟
وہ اپنے بچے کو کہہ رہا ہے؟

سنہ ۸۰۰ء کو کوانگ

قصر ویران

اب یہ شاہی محل اُجڑ چکا ہے۔
صرف چند پھول ہی باقی رہ گئے ہیں ......
بادشاہ کی آنکھوں کا نور
سفید بالوں والی ایک دوشیزہ
ایک جگہ بیٹھ کر
گذرے دنوں کی باتیں سنانے لگتی ہے

سنہ ۷۷۹ء یوان چن

خیمے میں بیٹھ کر

سٹیپ کے میدانوں کے آر پار
جنوب کی تیز و تند ہوائیں آوارہ پھر رہی ہیں
پو پھٹتے وقت چاند ڈوبتا ہوا چمک رہا ہے۔
میری روح وطن کے خوابوں میں کھو گئی ہے
اب یہ اس وقت تک کھوئی رہیگی
جبتک لڑائی کے بگل کی آواز مجھے چونکا کر بلا نہ لیگی۔

ہن یلو

مکتوباتِ ماہر

از حضرت ماہر القادری

—— ۱ ——

بھائی جمیل!

تمہارا محبت نامہ وصول ہوا جواب قدرے تاخیر سے ادا کر رہا ہوں۔ بہت مصروف تھا۔ تمہاری تصنیف پر اس وقت تک مقدمہ نہیں لکھ سکتا جب تک مجھے یہ نہ بتا دیا جائے کہ "نسیمہ" کون ہے تم اس کے جواب میں فوراً لکھ دوگے کہ "یہ فرضی نام ہے اور ساری داستان مفروضہ اور خیالی ہے"۔ مگر میرا دل اس جواب سے کبھی مطمئن نہیں ہو سکتا۔ تمہاری تصنیف کے یہ فقرے۔

"نسیمہ نے ہونٹ کو دانتوں میں دبا کر کہا"۔

"اس کی ہتھیلی کی لکیریں افسانے کے پلاٹس تھے"۔

"میرے دل کی دھڑکن اور اس کے نتھنوں کی پھڑک کا اشتراک"

"آنکھیں سرمہ سے بیگانہ مگر ہمیشہ سُرمگیں"۔

"رشید کے "ش" کا تلفظ ایک مکمل نغمہ، مجسم موسیقی"۔

"کانوں کے آویزے۔ بجلیوں کے زمردیں گہوارے"۔

"صبیح و فراخ پیشانی پر تل کی پھبن۔ نہ پوچھئے میرے ہونٹوں کا اضطراب ——"

مجھے شبہ میں ڈالتے ہیں۔ اگر واقعی یہ واردات نہیں۔ صرف خیالات ہیں تو تمہاری سحر نگاری پر میں "ایمان بالشہود" لاتا ہوں۔ لیکن بھائی! مدح و توصیف سے متاثر ہو کر کہیں اصل بات نہ چھپا جانا۔

—— ۲ ——

عزیز دوست!

مکتوب ملا۔ شکریہ۔ اچھا ہوا کہ ملک میں تمہاری لڑکیاں بے پردہ ہوگئیں۔ ان کا پردہ میں رہنا خطرناک تھا۔ ننگی تلوار کے مقابلہ میں آستین میں چھپا ہوا خنجر خطرناک ہوتا ہے۔ تم خدا کے لئے ان کی سوسائٹی سے پرہیز کرنا۔ ورنہ سر پکڑ کر رو دوگے۔ ان لوگوں کے پاس نمائش و تصنع کے سوا کچھ نہیں ہے ان کے ہونٹوں کی سرخی اور رخساروں کی شہابیت۔ بازاری دواؤں کے سہارے قائم ہے آج رہ گئیں مرمریں پنڈلیاں اور بلوریں باہیں سو ان کی لچک سے حسن میں اضافہ نہیں ہو جاتا۔ اور وہ لچک جو سراسر مصنوعی ہو اس پر توجہ کرنا حماقت اور "نارسیدگی" کی دلیل ہے —— میں کیا کہہ رہا ہوں سمجھ گئے؟

—— ۳ ——

جان سے بڑھ کر عزیز!

سٹر شرما کے خط سے معلوم ہوا کہ تم کشمیر جا رہے ہو۔ کیا یہ اطلاع صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو میں تم کو نہیں تمہاری آنکھوں کو مبارکباد دیتا ہوں۔ تم جب کشمیر سے واپس آؤگے تو تمہاری آنکھوں کو چوموں گا۔ مجھے سو فیصدی یقین ہے کہ ان پرکیف [illegible] میں تم مجھے بھول جاؤگے۔ حالانکہ میں نے کشمیر میں تم کو ہر موقع پر یاد کیا۔ اس وقت بھی جبکہ کسی کی صبیح و رنگین انگلیاں میرے بالوں سے کھیل رہی تھیں۔ اس وقت بھی جب کہ نشاط کے فوارے موتی برسا رہے تھے۔ آسمان پر بدمست [illegible] کی بدلیاں چھائی تھیں اور یہ مصرع فضا میں گونج رہے تھے

آج توبہ توڑ ڈالی جائے گی!

جاؤ خدا حافظ! کشمیر کے پھولوں اور بدمست گھٹاؤں کا تم پہلے

—— ۴ ——

مولوی صاحب قبلہ" !

آپ کی شادی کا حال سن کر جس قدر مسرت ہوئی اس سے زیادہ مسرت یہ خبر پڑھ کر ہوئی کہ آپ شریک زندگی کی رفاقت سے مسرور و مطمئن ہیں۔ جمالیاتی صحیفہ کا پہلا ورق آپ نے الٹ دیا اس کے بعد حقائق و معارف کی باری آئیگی۔ مولانا ؎

حور جنت جلوہ بر زاہد کند در راہ دوست
اندک اندک عشق در کار آورد دیوانہ را

—— ۵ ——

ڈاکٹر صاحب!

آپ کا خط وصول ہونے سے پہلے مولوی صاحب (علیہ ما علیہ) کا بیان میری نظر سے گذر چکا۔ مولوی صاحب کو اپنے زہد و ورع اور قومی خدمات پر بہت ناز ہے حالانکہ میں ان کی سنگ دلی اور خشونت ضمیر سے اچھی طرح واقف ہوں۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جب سمرنا کے مظلوم مسلمانوں کے حالات ان کے سامنے بیان کئے جا رہے تھے تو وہ نئی بیوی کے ہاتھ کی بنی ہوئی گلوریاں مزے کے ساتھ چبائے جاتے تھے حالانکہ ان کا حقہ بھرنے والا لڑکا ان زہرہ گداز واقعات کو سن کر رو پڑا تھا میرا ذکر آئے تو آپ میری طرف سے ان کو یہ شعر سنا دیجئے ؎

سرابے کہ رخشد بویرانہ خوشتر
ز چشمیکہ پیرایۂ نم ندارد

—— ۶ ——

——؟

تجھے کیا خبر کہ شراب انگور سے بنتی ہے یا انار سے۔ تم بلا وجہ خفا ہوتے ہو کہ میں نے شراب چکھ کر کیوں نہ بھیجی؟ تمہاری خاطر شراب ہوں لیکر بھیجنے کا گناہ کیا۔ اب چاہتے ہو کہ شراب پینے بھی لگوں۔ تمہارا ہر حکم سر آنکھوں پر، لیکن اس کی کچھ حدود ہونی چاہئیں کل تم میرے ہاتھ میں پستول دے کر کہو گے کہ فلاں شخص کو مار ڈالو۔ میں تمہاری کس کس فرمائش کو پورا کرونگا؟ راقم ایک" مجبور دوست"

قطعہ

طبع موزوں جان کر تم نے غلط سمجھا مجھے — شاعر جذبات ہوں محسوس کرتا تھا مجھے
اپنے لفظوں میں بیاں کرتی ہوں دل کی واردات — ہاں زبان و فن میں کچھ کہنا نہیں آتا مجھے

+

غزل!

از جناب [illegible]

جو حسن و عشق عصمت کی وفا کو آزماتا تھا — تو پہلے پردۂ مجبوریٔ قسمت اٹھاتا تھا
دل ہر شے میں تجھکو ان اداؤں سے سماتا تھا — سمٹکر دامن فرقت نظر میں پھیل جاتا تھا
کنار جو چمن میں بیٹھکر ہم اور کیا کرتے — تمھیں افسانۂ تنہائی رو رو کر سناتا تھا
اسیر غم ہوں پہلی شام ہے صحرائے فرقت ہے — تمھیں ایسے میں تھوڑی دور تک میں ساتھ آتا تھا

نگار اب یاد کرکے وہ مجھے آنسو بہاتے ہیں
کبھی جن کے تغافل ہی تغافل کا زمانا تھا

محسوساتِ ماہر

از حضرت ماہر القادری

ذرّہ ذرّہ میں محبّت نظر آتی ہے مجھے
اب حقیقت ہی حقیقت نظر آتی ہے مجھے

جب کبھی شوق کی وسعت نظر آتی ہے مجھے
ہر طرف دل کی حکومت نظر آتی ہے مجھے

دل میں غم سہنے کی طاقت نظر آتی ہے مجھے
زندگی حاصلِ عشرت نظر آتی ہے مجھے

دیکھیے شمع کی کس رنگ میں ہوتی ہے سحر
آج پروانوں کی کثرت نظر آتی ہے مجھے

اپنی ہستی سے بہت دُور ہوا جاتا ہوں
جلوۂ یار سے قُربت نظر آتی ہے مجھے

مجھ سے ویرانیٔ اُلفت نہیں دیکھی جاتی
ہر جگہ تیری ضرورت نظر آتی ہے مجھے

پھول بن بن کے اڑی جاتی ہے ساغر سے شراب
چشمِ ساقی کی لطافت نظر آتی ہے مجھے

عیش و راحت کے تصوّر سے خوشی ہوتی ہے
اس میں کچھ منعم کی سیاست نظر آتی ہے مجھے

ب ترے دردِ محبّت کے بھی قابل نہ رہا
دو جہاں درد کی قیمت نظر آتی ہے مجھے

کیا کوئی مائلِ ایجادِ ستم ہے ماہر
آج کیوں اپنی ضرورت نظر آتی ہے مجھے؟

ظفر کی شاعری

گذشتہ سے پیوستہ

واردات زندگی وسیاست

اب ایک موضوع ظفر کے کلام کا اور باقی رہ جاتا ہے یعنی وہ اشعار جن کا تعلق ان کی ذاتی واردات اور واقعات زندگی سے ہے یا وہ افسردہ کلام جو ان کی زندگی سے متاثر ہے۔ خود کہتے ہیں ؎

شعر افسردہ ظفر کے مت سناؤ بزم میں
عشق کے مارے ہوئے جتنے ہیں افسردے سے ہیں!

نظر کچھ ایسا آتا ہے کہ ظفر اپنے آلام و مصائب کا بیان اپنی حیثیت کے منافی سمجھتے تھے ؎

ظفر کہتے ہو کیا دل کی حقیقت
کسی محرم سے جو گذرے سو گذرے

شعر و شاعری بھی ان کی رائے میں صرف عشقیہ تاثرات کے لئے مخصوص تھی یا حکیمانہ مقالات کے لئے۔ انھوں نے اپنی شاعری کو واقعات زندگی کے اظہار کا ذریعہ نہ بنانا چاہا۔ تاہم آخر شاعر تھے۔ شعر کیفیت قلبی کے اظہار سے کیونکر باز رہ سکتا تھا۔ چنانچہ ان کے ذخیرۂ کلام میں اکثر جگہ ان کی سوانح کا عکس بھی نظر آجاتا ہے ؎

ظفر شعر و سخن سے راز دل کیونکر نہ ہو ظاہر!
کہ یہ مضمون سارے دل کے اندر سے نکلتے ہیں!

لیکن اکثر جگہ انھوں نے ان باتوں کو بھی عشق و عاشقی کے پردے میں بیان کیا ہے یا یہ کہئے کہ غزل گو شاعر تھے۔ اس لئے لامحالہ خیال عشق و محبت کی طرف جاتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ شعر دیکھئے ؎

لکھتے تھے خط ہیں وہ پہلے جس عنوان سے
اب تو اک مدت سے وہ عنوان بھی جاتا رہا

قوت و اقبال کے ساتھ وقار و احترام بھی اٹھتا جا رہا تھا پہلے کمپنی ... القاب و آداب شاہانہ ملحوظ رکھتی تھی۔ آخر ایام میں لفٹنٹ گورنر

اگرہ اپنے خطوط میں برابر والے کی حیثیت سے مخاطب کرنے ... اس وقت تک ایسے القاب کے عادی نہ تھے۔ زہر کا سا گھو... رہ گئے ہوں گے۔ مگر دل کی کیفیت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ ... ہی سمجھ سکے۔ ایک اور شعر میں بھی یہی مضمون نظر آتا ہے ؎

اب جو لکھتا ہے وہ یہ کاہیکو لکھتا تھا کبھی!
دیکھ لو اس بت مغرور کا پہلا کاغذ!!

تاہم اکثر جگہ صاف بھی لکھ گئے ہیں۔ یوں بھی جب ... بنیاد شگفتگی پر رکھی گئی ہو۔ اس میں اگر درد و سوز پیدا ہو جائے ... زندگی سے مطابقت بھی رکھتا ہو تو کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ کا... خارجی زندگی سے متاثر ہے۔ ظفر کو ان کے گوناگوں آلام ... بہت افسردہ خاطر بنا دیا تھا۔ اس کا پر تو ان کی شاعری پر بھی ... میں بھی افسردگی و پژمردگی پیدا ہو گئی۔ ان کی زندگی پیش نظر ... سوز بھی نظر آنے لگتا ہے ؎

کھلے ہزار در باغ دلکش لیکن — دل گرفتہ مرا بند ہی
غم نہ دنیا میں ہے جینے کا مزا ہیچ!
اس بے مزگی پر کوئی جیتا ہے تو کیا ہیچ
کبھی آ کے میرے مزار پر جو دیا کسی نے جلا دیا
اسے آہ دامن باد نے سر شام ہی سے بجھا...

دنیا اور اہل دنیا کا شکوہ بھی بہت جگہ کیا ہے۔ جو نگ... طبیعتوں کا خاصہ ہے۔ اس کی مثالیں گذشتہ صفحات ... ہیں۔ کچھ اور شعر یہ ہیں ؎

ہو کیونکر کسی سے ظفر امید محبت
ہم جانتے ہیں جیسے ہیں احباب زما...

ظفر کی سیر اس گلشن کی ہم نے پر کسی گل میں
نہ کچھ اُلفت کی بو پائی نہ کچھ بھی رنگ وفا دیکھا

غدر کے بعد کی شاعری کے جو نمونے ملتے ہیں ان میں سوز و [illegible] زیادہ ہے اور شگفتگی بالکل مفقود ہے۔ اس سے قبل کے کلام [illegible] شگفتہ اشعار کے ساتھ ساتھ ایک آدھ افسردہ شعر کہیں کہیں نظر آجاتا [illegible] جیسے خندۂ مسلسل کے مانند کچھ آنسو بے اختیار آنکھوں سے ڈھلک [illegible]یں۔ مثلاً ؎

لب سے ترے زیادہ یاقوت لال کیا ہے
دانتوں کے آگے تیرے الماس مال کیا ہے

پُر نور ہے جبیں بھی مانند ماہِ تاباں!
ابرو بھی وہ خمیدہ مثلِ ہلال کیا ہے

اس قسم کی ادا بندی کے بعد مقطع میں پھر جذبات نگاری پر [illegible] گئے ہیں۔

جو دل پہ ہے گذرتی کچھ دل ہی جانتا ہے
بتلاؤں اے ظفرؔ کیا اس دل کا حال کیا ہے

ذیل میں اُن کی اس شاعری کا نمونہ پیش ہے جو بلا واسطہ ان کی [زند]گی سے متعلق ہے یا وہ افسردہ کلام جو واقعاتِ زندگی سے متاثر ہے ؎

ظفرؔ زمانے کی نیرنگیوں نے کیا کیا رنگ
دکھائے ہم کو بہار و خزاں کے پردے میں

جہاں چمن میں نشیمن تھے بلبلوں کے ظفرؔ
ہزار حیف وہاں آشیانِ زاغ بنے!

بلا سے جاہ و حشم، ہو تو ہو نہ ہو تو نہ ہو
نہیں ہے ہم کو بھی غم ہو تو ہو نہ ہو تو نہ ہو

(یہ شعر شاید زندگی کی پے در پے تلخ کامیوں سے گھبرا کر کہا [گیا ہو]گا۔ اسی طرح یہ تمام کلام ان کی ذہنی کیفیات کا آئینہ ہے)

شرم مردم سے ظفرؔ رو نہیں سکتا دن کو
پر ہے تنہائی میں راتوں کو مقرر روتا!

افسانۂ غم جس نے سُنا ہو گا ہمارا
ایک لحظہ اُسے رات کو نیند آئی نہ ہو گی!

کبھی لب پر جو ہنسی اپنے ذری آتی ہے
ساتھ ہی آنکھ میں گریہ سے تری آتی ہے

دیکھ کر سوئے چمن حسرت پروانہ میں!
ہائے کیا کیا دمِ بے بال و پری آتی ہے!

نہ بزمِ غم سے غرض ہے نہ بزمِ شادی سے
جہاں میں کام ہے رونے سے شمع وار مجھے

نہ تنگ کیوں ہمیں صیاد یوں قفس میں کرے
خدا کسی کو کسی کے یہاں نہ بس میں کرے

ایک بند شہر آشوب میں کہتے ہیں ؎

جہاں ویرانہ ہے، پہلے کبھی آباد گھر یاں تھے
شغال اب ہیں جہاں بستے کبھی رہتے بشر یاں تھے

جہاں اب خاک پر ہیں نقش پائے آہوئے صحرا
کبھی محوِ تماشا دیدۂ اہلِ نظر یاں تھے

جہاں پھرتے بگولے ہیں اُڑاتے خاکِ صحرا میں
کبھی اُڑتی تھی دولت رقص کرتے سیمبر یاں تھے

ظفرؔ احوالِ عالم کا کبھی کچھ ہے کبھی کچھ ہے
کہ کیا کیا رنگ اب ہیں اور کیا کیا پیشتر یاں تھے

کھلکھلا کے ہنسے گلشن میں ہزاروں غنچے
دلِ ہمارا خوش و خرم نہ ہوا پر نہ ہوا

اے ظفرؔ دیکھئے عقبیٰ میں ہو کیا حال اپنا
چین دنیا میں تو اک دم نہ ہوا پر نہ ہوا

امیدِ دوستی کس سے ہو دشمن ہوا دل اپنا
کہ ہو جب آشنا ایسا تو بیگانے کو کیا کہئے

تھے جو رفیق و آشنا ڈھونڈھیں ظفرؔ انہیں کہاں
وے کے ہمیں ہزار ہا حسرت و غم چلے گئے

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں نہ کسی کے دل کا قرار ہوں
جو کسی کے کام نہ آ سکے میں وہ ایک مشتِ غبار ہوں

مرا عیش مجھ سے بچھڑ گیا مرا رنگ روپ بگڑ گیا
جو چمن خزاں سے اُجڑ گیا میں اسی کی فصل بہار ہوں
میں نہیں ہوں نغمہ جاں فزا مجھے سن کے کوئی کرے گا کیا
میں بڑے بروگ کی ہوں صدا کسی دل جلے کی پکار ہوں
پئے فاتحہ کوئی آئے کیوں کوئی چار پھول چڑھائے کیوں
کوئی اشک آ کے بہائے کیوں کہ میں بیکسی کا مزار ہوں

گئی یک بیک جو ہوا پلٹ نہیں دل کو میرے قرار ہے
کروں اس ستم کا میں کیا بیاں مرا سینہ غم سے فگار ہے
یہ تو پیام دردوں کو جا سنا ہم اسیر دام ہیں اے صبا
ہمیں کیا جو رنگ آئے چمن ہمیں کیا جو فصل بہار ہے
تجھے خوف حشر ہے کیا ظفر تو خدا کے فضل پہ رکھ نظر
تجھے ہے وسیلہ رسول کا وہی تیرا حامی کار ہے

پس مرگ میرے مزار پر جو دیا کسی نے جلا دیا
اُسے آہ دامن باد نے سر شام ہی سے بجھا دیا
پئے مغفرت کوئی ظفر پڑھے فاتحہ کہاں آ کے
وہ جو ٹوٹی قبر کا تھا نشاں اُسے ٹھوکروں سے مٹا دیا

مرحوم ظفر کا یہ شعر مرنے کے بعد اُن پر صادق آیا۔ ایک مدت تک قبر بے نشان رہی۔ موجودہ نشان بھی محض قیاس کی بنیاد پر بنایا گیا ہے۔

ظفر کے انداز کلام کی خصوصیات

اس وقت ظفر کا کلام مختلف پہلوؤں سے ہمارے سامنے ہے اور ان کے انداز سخن کی خصوصیات کا اندازہ بآسانی کیا جا سکتا ہے۔ پہلی خصوصیت ظفر کے کلام کی ان کی سلیس و سادہ زبان ہے۔ حتی الامکان فارسی تراکیب اور گراں الفاظ سے گریز کرتے ہیں اور خاص ہندوستانی زبان میں شعر کہتے ہیں جس میں قلعہ معلی کی فصاحت اور محاورہ بندی شامل ہے۔ شستگی زبان اور محاورات کے بیساختہ استعمال کے اعتبار سے وہ استاد ذوق سے کسی طرح پیچھے نہیں بلکہ ظفر کے محاورات میں اردو نسبتاً ظفر آتی ہے بیساختگی زیادہ ہے ؎

یوں گم ہو جذب عشق کی تاثیر یا نصیب !
تنی ہو اُن کے آنے میں تاخیر یا نصیب

اس شعر میں زبان و محاورہ کی خوبی کے ساتھ جذبات بھی موجود ہیں۔ ایسے اشعار ظفر کے کلام میں بہت کم پائے جاتے ہیں۔ جن میں انھوں نے محض محاورہ کو جڑنا چاہا ہو۔ زبان کو عموماً مضمون کا پابند رکھا ہے۔ یہ خوبی محاورہ بند شعرا کے کلام میں بہت کم ملتی ہے۔ ظفر کی خوبی زبان کی مثالیں گذشتہ صفحات میں بھی مختلف عنوانات کے تحت میں نظر آئیں گی۔ یہاں کچھ اور نمونہ روزمرہ کا ملاحظہ کیجئے۔ خود کہتے ہیں ؎

پڑھتا ہوں قافیہ بدل کے غزل
اے ظفر میری بول چال کو دیکھ
وہ جو ہنسنے لگے ادھر کو دیکھ
پا گئے کچھ مری نظر کو دیکھ

مسلماں ہو ظفر خوب نہیں عشق بتاں
ورد اگر یہ ہے تو اسلام نہیں تم جانو!
نہ بھرو دم بدم ظفر آہیں !!
چُپ رہو کوئی دم خدا کے لئے

ہو گئے برسوں کے برسوں تم نہ آئے کیا سبب
آپ نے اچھا کیا وعدہ وفا اچھے تو ہو؟

اے ظفر دے نہ دل اس دلبر ہرجائی کو
ہو نہ رسوائے جہاں دیکھ کہا مان عزیز!

بوسہ دیں گالو کہا بس چلیاں سے نکلو!
مُنہ لگایا تمہیں کیا، تم تو ظفر چل نکلے!

یہ آخری شعر کسی قدر عریاں بیشک ہے لیکن ”لال حویلی“ کا روزمرہ ضرور پیش کرتا ہے۔

سادگی بھی صفائی زبان اور روزمرہ کا لوازمہ ہے چنانچہ سلاست و روانی بھی ظفر کے اشعار میں کثرت ملتی ہے۔ اوپر کے اشعار بھی اسکی شہادت دیتے ہیں۔ ذیل کے شعر بھی اُن کی ”سادگی و پرکاری“ کا آئینہ ہیں ؎

صبح رو رو کے شام ہوتی ہے !
شب تڑپ کر تمام ہوتی ہے !

سامنے چشم مست ساقی کے
کس کو پروائے جام ہوتی ہے
کوئی غنچہ کھلا کے بلبل کو!
بیکلی زیر دام ہوتی ہے!
پانی پانی لبوں سے اس کے ظفر
کیا مئے لالہ فام ہوتی ہے

ہم جانتے ہیں جس لئے روتے ہو تم ظفر
یہ ماجرائے دیدۂ نم ہم سے پوچھ لو!
ستمگر دیکھ تو ہم تجھ سے کس الفت سے ملتے ہیں
اس الفت کے جہاں میں آدمی قسمت سے ملتے ہیں

ظفر سہل و سادہ الفاظ میں شعر کو پُر تاثیر بنانے کا سلیقہ خوب رکھتے تھے۔ اکثر جگہ تیور اور تکرار لفظی وغیرہ کے استعمال سے زور بیان پیدا کیا ہے اور تمائل ترکیب، اور انتخاب الفاظ سے اشعار کی لطافت میں اضافہ کیا ہے۔ انداز بیان کی مثالیں ملاحظہ ہوں ؎

چپکے سے مرا خط انہیں دے دیجیو قاصد
کچھ منہ سے خبردار خبردار نہ کہنا!

ظفر دنیائے فانی خواب کا سا ایک عالم ہے
مگر اس خواب میں دیکھا کچھ ایسا ہے کہ کیا کہئے

ہوں وہ آزاد کہ جوں سرو کسی کی خاطر
قد تعظیم مرا خم نہ ہوا پر نہ ہوا!

ہو گئے پتھر مرے نالوں سے پانی اے ظفر!
اس کو کہتے ہیں اثر، تاثیر اس کا نام ہے

کہوں کیا جوش اشکوں کا معاذ اللہ معاذ اللہ
امنڈ آیا ہے اک دریا معاذ اللہ معاذ اللہ

نہیں ساغر بادہ کے شیشے میں اب کہے دیر ہو ساقی آو ہائے غضب
گئے عہد نشاط، یہ دور طرب نہ تیرے کا جہاں میں مدام نہ رہا

ان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ عموماً نہایت سنگلاخ زمینیں رکھتے ہیں۔ خود کہا ہے ؎

طرز [illegible] سخن [illegible] کو [illegible]

ظفر انداز ہے یاروں کا تو سیدھا سیدھا

چنانچہ ان کے کلام میں دشوار زمینوں کے مقابلے میں آسان زمینیں بہت کم ہیں۔ یہ ظفر کی ان خصوصیات میں سے ہے جو انہیں شاہ نصیر کی طرف سے پہنچی ہیں لیکن یہ بات غور طلب ہے کہ ظفر نے اپنی دیگر تمام خصوصیات کو انہیں سنگلاخ زمینوں میں نباہا اور برقرار رکھا ہے۔ سخت سے سخت زمین میں انھوں نے نہایت سادہ اور صاف شعر کہے ہیں اور ایک سے ایک مصنوعی طرح میں اس کمال کے ساتھ انھوں نے جذبات نگاری کی ہے کہ آورد کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ ملاحظہ ہو

لب کو میں تیرے مئے ناب کہئے تو کہدوں
چشم کو ساغر زہر آب کہے تو کہدوں

ایسے مطلع کے بعد کہتے ہیں ؎

یوں تو افسانہ مرا وہ نہیں سنتا اے دل
اس سے یہ قصہ دم خواب کہے تو کہدوں

ایک اور طرح ہے "زینے پہ چار حرف" "نگینے پہ چار حرف"! کہتے ہیں ؎

تجھ بن شراب عیش کے پینے پہ چار حرف!
اور اس طرح کے بے مزہ جینے پہ چار حرف

زبان کی خوبی کے ساتھ جذبات کی آمیزش نے شعر کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا اسی غزل کا مقطع ہے ؎

روز ازل سے نام محمدؐ کے اے ظفر
کندہ ہیں اپنے دل کے نگینے پہ چار حرف

ایک اور مشکل طرح دیکھئے ؎

نہ کیجئے ہم سے بہت گفتگو تڑاق پڑاق
وگرنہ ہووے گی پھر دو بدو تڑاق پڑاق

اس غزل میں "تڑاق پڑاق" کو طرح طرح سے باندھا ہے اور خوب باندھا ہے۔

اسی طرح طویل بحروں میں کہنے کے بہت عادی ہیں یہ واقعہ بھی ہے کہ ظفر اپنا مطلب، وضاحت و تشریح کے ساتھ ادا کرنے میں زیادہ کامیاب ہیں۔ اجمال ان کے یہاں بہت کم ملتا ہے۔ اسی لئے ان کا بیشتر کلام [illegible]

استعمال کی ہے ؎

ہوئی جس سبب تم سے ہم سے جدائی، نہ تم ہم سے پوچھو نہ ہم تم سے پوچھیں
بیاں کیونکر کرے گی ساری خدائی، نہ تم ہم سے پوچھو نہ ہم تم سے پوچھیں!
ہمیں چاہو تم اور ہم تم کو چاہیں، ادھر تم نباہو ادھر ہم نباہیں!
سوا اس کے رسم و رہِ آشنائی، نہ تم ہم سے پوچھو نہ ہم تم سے پوچھیں

بہرحال طویل اور کٹھن زمینوں کو نباہنے میں ظفر اپنے استاد دل شاہ نصیر اور ذوق سے زیادہ کامیاب رہے۔

اس سے پہلے کہا جا چکا ہے کہ ظفر کے کلام کی بنیاد شگفتہ شاعری پر رکھی گئی تھی۔ یاس و افسردگی سوز و گداز بعد کی آورد ہے چنانچہ پژمردگی و افسردگی کے دوش بدوش ان کے کلام میں شگفتگی بھی بدرجۂ اتم موجود ہے۔ اکثر جگہ نہایت بشاش شعر کہے ہیں خصوصاً ان کی یہ مشہور غزل شگفتگی کی جان ہے ؎

کہوں کیا رنگ اس گل کا، اہا ہا ہا اہا ہا ہا!
ہوا رنگین چمن سارا، اہا ہا ہا، اہا ہا ہا!

مقطع کس قدر نفیس کہا ہے ؎

ظفر کیا خوب ہے عالم طبیعت کی روانی کا
ہے اک امڈا ہوا دریا، اہا ہا ہا، اہا ہا ہا

اس سلسلہ میں ایک اور شعر ملاحظہ ہو ؎

عجب روش سے انہیں ہم گلے لگا کے ہنسے
کہ گل تمام گلستاں میں کھلکھلا کے ہنسے

الغرض گریہ و زاری کے ساتھ قہقہے بھی کلام میں موجود ہیں اور کمال کامیابی کے ساتھ یہ تضاد ان کے کلام کی جامعیت کی دلیل ہے۔

بایں ہمہ ظفر کا کلام معائب و علل سے بھی پاک نہیں۔ نحیف بندش اور بے جا تعقید کی مثالیں بھی دیوانوں میں بہت ملتی ہیں ؎

جفا کی آپ کی باعث، وفا ہماری ہے
خطا تمہاری نہیں ہے خطا ہماری ہے
ان کی اک اک بات میں دیکھے ہم نے سو سو کر و فر
کرتے یہ مکار طغضب ہے کچھ مکاری منہ سے ہیں
تنگ ... ہم سے انہ کے وہ جھلا ... ہیں

کہ زیر تیغ دم کب ہم سر مقتل چراتے ہیں
ہو گئے ہیں ساتھ جو تیرے یہیں تک ہیں وہ ساتھ
آ یا یاں تنہائی تو تنہائی غافل جائے گا

کہیں کہیں معاملہ بندی کے زور میں کھل بھی کھیلے ہیں اور کلام میں عریانی و رکاکت پیدا ہو گئی ہے۔ بوس و کنار کی کلام میں بہتات ہے ؎

ظفر اب لے ہی لو بوسہ تم ان کے لعل میگوں کا
اگر وہ تم کو بے شرم و حیا کہتے ہیں کہنے دو!
ظفر مزاج جو شوخی پسند ہے اپنا
تو چاہتا ہے کوئی خوبرو تڑاق پڑاق
وہ دینے پائے نہ گالی کہ لے لئے ہم نے
ہزار بوسۂ روئے نکو تڑاق پڑاق
یار ہے یار کے ہے ساتھ ظفر بوس و کنار
اور اگر چاہئے کچھ بات تو وہ بات بھی ہے
غیر کے ہاتھوں سے کھاؤ پان لے لے کر مزے
ہم گلوری منہ میں دیں اور تم اگل کر پھینک دو!

اسی طرح رعایت لفظی کے شوق میں بعض اوقات فصاحت کا خون کر جاتے ہیں ؎

نہ بھیجا تم نے لکھ کر ایک پرچہ
ہمارے دل کو پرچایا تو ہوتا
نہ بولا ہم نے کھڑکا یا بہت دیر
ذرا در باں کو کھڑکایا تو ہوتا!!

گو اپنی کٹھن زمینوں کو وہ عموماً کامیابی سے نباہتے ہیں۔ مگر ان کی یہ دشوار پسندی اکثر جگہ آورد بھی پیدا کر دیتی ہے الفاظ سے کھیلتے رہ جاتے ہیں۔ اور "کوہ کندن و کاہ بر آوردن" کا مضمون ہوتا ہے ؎

چبھی مژہ کی جو بخت دل خراب میں سیخ
دکھائی دی وہ پروئی ہوئی کباب میں سیخ
کباب واسطے اس خوش دماغ کے نہ لگے
نہ دھو لے پہلے کبابی اگر گلاب میں سیخ

اس قسم کا گھاس پھونس بھی بہت جگہ ملتا ہے۔ اشعار میں بعض جگہ علمیانہ اور نامانوس الفاظ بھی باندھے گئے ہیں۔ جو شعر کی لطافت کو زائل کر دیتے

ہیں۔ فارسی تراکیب و الفاظ سے گریز کرتے ہیں اور ان کی جگہ ایسے ہندی الفاظ ٹھونس دیتے ہیں جو شعر میں مستعمل نہیں۔ اس طرح کلام میں سوقیانہ پن پیدا ہو جاتا ہے ؎

دیا نہ یار نے بوسہ ہمیں جو بے تکرار
ظفر نہ دل بھی اُسے ہم نے بے جھمیل دیا

دیکھ روتے جو مجھے آیا ظفر رحم اُسے
ہنس کے وہ میرے گلے زور چھبن سے لپٹا

بعض جگہ ہندی الفاظ سے فارسی کے الفاظ کو موصوف بھی کر گئے ہیں اور ناجائز تراکیب کا استعمال کیا ہے ؎

ناوک افگن تری الفت نے دکھائیں آنکھیں
روزن اک اور ہوا روزن سینہ کے قریب!

اس کے علاوہ ظفر کے مجموعۂ کلام میں ندرت تفکر اور تازگی مضمون بہت کم ہے۔ عاشقانہ کلام میں جو ان کی شاعری کا سب سے بڑا جزو ہے۔ ان کے اکثر خیالات فرسودہ اور تاثرات و جذبات مخلوط ہیں۔ اتنا ضرور ہے کہ وہ اپنے مخصوص انداز بیان سے مضمون کو دلچسپ اور موثر بنا دیتے ہیں۔ اور شعر باوجود فرسودگی مضمون کے بلند نظر آتا ہے۔

بہرحال اُن کے محاسن کلام کے پیش نظر عیوب و اسقام سے چشم پوشی عین انصاف ہے۔ ظفر باوجود ان معائب کلام کے مشاق تھا اور کامیاب شاعر تھا۔ زبان اظہار مطالب پر اُسے خاطر خواہ قدرت حاصل تھی اور اپنا مخصوص انداز کلام رکھتا تھا جو بہت سی خوبیوں کا حامل ہے

ترا سخن وہ مزیدار ہے کہ حشر تلک
رہیں گے اس کے ظفر طبع نکتہ داں ہم مزے

یہ فرمودہ خود فی الواقعہ ظفر کے کلام کی صحیح تعریف ہے اس کی شاعری کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ اُس کا کلام بہت کچھ اس کی زندگی سے ہم آہنگ نظر آتا ہے۔ اور اس کے عادات و خصائل پر روشنی ڈالتا ہے۔ ظفر بادشاہ تھا، صوفی تھا، شاعر تھا، اہل زبان تھا پاکباز تھا، دردمند تھا۔ چنانچہ اس کے کلام میں اس کی شخصیت اور کیریکٹر کے یہ تمام پہلو نمایاں ہیں۔

اردو ادب کو ظفر کی ذات سے جو فیوض حاصل ہوئے وہ اردو کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے۔ ظفر دلی کی بزم آخر کا چشم و چراغ اور زبان و ادب کا مربی و سرپرست تھا اور اسکے احسانات کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی

زمانے میں جو کہلاتے ہیں شاعر آج کل اچھے!
ظفر رتبہ ملا ان کو ترے فیض سخن سے ہے!

مذاق سخن!

از جناب خانزادہ مذاق صاحب غوری

قیدِ ہستی سے ارادہ ہے نکل جانے کا
اب جنوں رنگ پہ آیا ترے دیوانے کا

قصدِ محفل میں کیا شمع پہ جل جانے کا
اتنی سی جان پہ دل دیکھئے پروانے کا

چشمِ میگوں کی دلِ مست کو کیوں یاد نہ ہو
عہد شیشے سے چلا آتا ہے پیمانے کا

چین پایا نہ کسی نے بھی تری محفل میں
شمع روتی ہے بُرا حال ہے پروانے کا

یادِ محبوب میں کھویا ہوا بیٹھا ہوں میں
ناصحا وقت نہیں یہ ترے سمجھانے کا

سِلسلہ طوق وسلاسل کا بھی باقی نہ رہا
حال نازک ہی بہت اب ترے دیوانے کا

لے لیا بڑھ کے لبِ یار کا بوسہ اس نے
ہائے مُنہ دیکھ کے میں رہ گیا پیمانے کا

آتے ہی گھیر لیا کیسا بگولوں نے اُسے
دم میں گھر بن گیا ویرانے میں دیوانے کا

جل کے مشہور ہوا کوئی جلا کر کوئی،
سوز ہر بزم میں ہے شمع کا پروانے کا

ہر طرف دل میں نظر آئی بتوں کی صورت
گھر میں اللہ کے نقشہ ہے صنمخانے کا

شور اٹھا ہر صفِ محشر سے جب آئے موسیٰ
وقت ہے تذکرۂ طور کے دُہرانے کا

یہ بھی سچ ہے کہ مذاق آپ کا قصّہ سچ ہے
یہ بھی سچ ہے کہ یقیں اس کو نہیں آنے کا

خاوند کی قاتلہ

جناب سید امتیاز علی صاحب کوئٹہ

شاید پہلی ہی ملاقات پر مجھے اُس سے اس لئے دلچسپی ہوگئی تھی
ت زندہ دل اور پھرتیلا تھا۔ ہاں یہی بات تھی۔ وہ بہت خوش
۔ وہ ہر کام کو شروع کر دیتا تھا چاہے اس میں زندگی اور موت
ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی ہنستی ہوئی آنکھوں نے مجھے پہلی ہی
رف متوجہ کر لیا۔ جب میں اس کو ملی تو اس کی آنکھیں مجھے
نی ہوئی نظر آتی تھیں۔

میرے بہنوئی نے اس سے میرا تعارف کرایا۔ "یہ میرے دوست
" ہیں۔

یہ میری بہن "ایو" ہیں۔

سٹر رونی فیلڈ حال ہی میں کینیڈا سے واپس آئے تھے انہوں
اپنے ہاتھ میں لے لیا اور چند منٹ کے لئے اپنے ہاتھ ہی میں
گھڑی تھی جب سے اس کو میں چاہنے لگی۔ میری جگہ اگر
تی تو بھی مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی کرنے پر مجبور ہو جاتی
ظاہر تھا کہ رونی کو مجھ سے دلچسپی تھی۔ رونی اپنے جذبات
پا سکتا تھا۔

۲

کی عمر ۲۵ اور ۳۰ کے درمیان تھی۔ قد میانہ جسم پھرتیلا
ت اس کا مُنہ کھلتا تھا تو اس کے سفید دانت موتیوں
ر آتے تھے۔ اس کی حرکتوں سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ
ہیں ہوگا تاوقتیکہ اس کے جذبات کو کوئی زبردست

[illegible]

اس کے والد کی وفات کے بعد اور ہماری پہلی ملاقات سے قریباً ایک
سال پہلے ملے تھے۔ وہ اس قدر فراخدلی سے خرچ کیا کرتا تھا گویا کہ اس
کے پاس کبھی نہ ختم ہونے والا خزانہ ہے۔

رونی کس قدر محبت کرنے والا تھا۔ ہم نے اپنی منگنی کے
شروع کے چھ ماہ کس لطف سے گذارے۔ تھیٹر۔ ڈنر۔ پارٹیاں اور
رقص۔ طرح طرح کے پھول اور قیمتی سے قیمتی تحائف یہ سب میں
کبھی نہ بھول سکونگی۔

ایک دفعہ رونی کو میں نے فضول خرچی کرنے سے روکنا چاہا۔
جس کا جواب اس نے ہنستے ہوئے یہ دیا کہ "روپیہ کس لئے ہوتا ہے محض
اس لئے کہ جتنا ہو سکے ایک خوبصورت عورت پر خرچ کر دیا جائے اور بس"۔

"تمھیں جمع بھی ضرور کرنا چاہئے"۔ میں نے کہا۔

"بھولی لڑکی! جب تک ہم جوان ہیں ہمارے جذبات کو بھی
جوان رہنے دو۔ جوانی میں جتنی بیوقوفی ہم سے ہو سکتی ہے ہو لینے دو
زندگی پانی کا ایک بلبلہ ہے۔ تمھیں یہ اندازہ نہیں ہو سکتا کہ مجھے
تم سے کتنی محبت ہے؟ اور نہ اس بات کا کہ تمھیں حاصل کر کے میں کس
قدر خوش ہوں"۔

اس وقت میں بھی اسی قدر خوش تھی۔

جون کے مہینہ میں ایک روز جبکہ سورج اپنی چمکیلی کرنیں زمین
پر ڈال رہا تھا ہماری شادی ہوگئی۔ میری بہن نے میری شادی میں حصہ
لیا۔ میں نے ایک خوبصورت ریشمی لباس زیب تن کیا جو اتنا لمبا تھا کہ میرے
پیچھے زمین پر گھسٹتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ میری شادی اسی [illegible]
[illegible]

ہم دوسرے ہی دن ہنی مون "منانے" علی الصبح "لی ٹوکیٹ" پہنچ گئے۔ جہاں رونی نے ایک بڑے ہوٹل میں ایک بڑا حصہ کرائے پہلے رکھا تھا۔ کمروں کے ہر طرف پھول ہی پھول نظر آتے تھے۔ میں وفور مسرت میں کھڑکی کی طرف بھاگی اور باہر جھانکنے لگی۔ سورج کی کرنیں سمندر کی سطح پر پڑ کر ایک عجیب منظر پیدا کر رہی تھیں۔ خوشی کے مارے میرے پاؤں زمین پر نہ ٹکتے تھے۔"

"کس قدر خوبصورت منظر ہے رونی؟" میں نے گلے کو صاف کرتے ہوئے ایک عجیب انداز سے فقرہ پورا کیا۔

"اتنا ہی خوبصورت جتنی کی ہماری محبت! پیاری ایو" رونی نے محبت بھری نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

۳

رونی محبت کرنے والا دل رکھتا تھا۔ میں نے اپنے کو جنت میں محسوس کیا لیکن صرف دو ہی دن کے لئے۔ تیسرے دن صبح کو اس نے مسکراتے ہوئے کہا "کیسے خوبصورت لمحے گذار رہے ہیں ہم پیاری ایو"

لے نظیر" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"بہت خوب" اس نے ... "دو ایک ہفتے ہمیں ایسی ہی مسرت گذارنے ہیں تاکہ ہم ان کو تمام عمر یاد کرتے رہیں۔ اور اس قلیل عرصے کے بعد ......" اس کے چہرے سے وہ تبسم جو میں سمجھتی تھی کہ کبھی نہیں جا سکتا اس طرح اڑ گیا جیسے دن کے بعد تاریک رات آجایا کرتی ہے۔

"اس کے بعد کیا ہوگا؟" میں نے مسکراتے ہوئے لیکن حیران ہو کر پوچھا۔ اس کا جواب جو اس نے دیا وہ بھی مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔

"پھر؟ پھر میری پیاری! ہم مفلس ہو جائینگے۔ کنگال؟"

"کنگال؟ لیکن تمہارا جمع کیا ہوا مال کیا ہوا؟" میں نے حیران ہو کر اس سے پوچھا۔

"بنک والوں نے مجھ سے کہا ہے کہ میں وہ سب خرچ کر چکا ہوں" اس نے جواب دیا۔

پانچ ہزار پونڈ۔ اس نے اتنے نہیں خرچ کئے ہونگے۔ میں ان تمام تحائف کو خیال میں لانے لگی جو کہ اس نے مجھے خرید کر دیئے تھے پھر پانچ ہزار پونڈ کی رقم بہت زیادہ ہے میں نے سوچنا شروع کیا۔

"ہمیں فوراً واپس لوٹ جانا چاہئے" میں نے بے قابو ہو کر کہا۔

"نہیں، میری جان سے زیادہ عزیز۔ دنیا میں ہر شخص کو شادی کے بعد ہنی مون منانا چاہئے۔ میری دلی خواہش ہے کہ تم بھی مناؤ۔ میرے پاس ابھی اتنی رقم باقی ہے کہ ان تھوڑے سے دنوں کیلئے کافی ہو سکے۔"

وہ اسی لائق تھا۔ فضول خرچ، پاگل۔ میں نے دل میں سوچنا شروع کیا۔ میرے دل کو ایک ٹھیس سی لگی۔ رونی کتنی بھی ہنسی کی بات کرتا مجھے تکلیف ہوتی۔ میں نے رونی کو اس قدر مجبور کیا کہ وہ مجھے دوسرے ہی دن صبح گھر واپس لے جانے کو راضی ہو گیا۔

ہم لندن پہنچتے ہی سیدھے ہمشیر کے یہاں گئے۔

"خوب۔ یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں، محبت کے دو پرندے واپس آگئے۔ اتنی جلدی؟" میری ہمشیر نے ہمیں دیکھتے ہی مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں" میں نے گلوگیر آواز میں جواب دیا۔ "رونی کا سب روپیہ ختم ہو چکا ہے۔ اب اس کے پاس کچھ نہیں۔"

"اس میں حیران ہونے کی کون سی بات ہے رونی؟" میری ہمشیر نے رونی کو مخاطب کر کے کہا۔ "جس طریقہ سے تم خرچ کر رہے تھے اگر کوئی لکھ پتی بھی ہوتا تو کنگال ہو جاتا۔ بہتر ہوتا اگر تم لوگ کچھ روز ہمارے یہاں قیام کرتے۔ ہمارے گھر میں ایک کمرہ زاید ہے۔"

۴

دوپہر کا کھانا کھاتے وقت رونی نے ہمیں یقین دلایا کہ اس کو جلد ہی ملازمت مل جائیگی اور وہ جلد ہی علیحدہ اپنا گھر لے سکے گا۔ میری ہمشیر نے بھی اس کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ اس کو جلد کامیابی ہوگی۔ ایسا ہی ہوا رونی کو ایک بڑی فرم میں سیلیمین کی ملازمت مل گئی۔ میری ہر دم یہی خواہش تھی کہ روپیہ میرے اور میں روپیہ کے نزدیک ہوتی جاؤں۔ میں غربت کی موت مرنا نہیں چاہتی تھی۔

میں نے رونی سے کہا کہ گھر کا خرچ میرے ہاتھ سے ہونا چاہئے۔ یہ سن کر رونی بالکل تیار ہو گیا کہ خرچ کرنے میں وہ واقعی بالکل پاگل ہے۔

"ہم کچھ نہ کچھ ہر ہفتے جمع کیا کرینگے تاکہ ہمارے بڑھاپے میں کام آئے" میں نے معصومانہ انداز میں کہا۔

..ونی نے اپنا سر پیچھے کی طرف گرا کر زور سے قہقہہ لگایا۔"میری
..تمھیں چاہیئے کہ "آج" مزے سے گذر کر لو۔ شاید کہ تم
..ب زندہ نہ رہ سکو۔"

۵

..یری پونجی میں روز بروز ترقی ہونے لگی۔ بنک کے حساب میں
..افہ ہوجاتا تھا۔ مجھے روپیہ جمع کرنے میں اتنا ہی مزا ملتا تھا
..لوگوں کو خرچ کرنے سے ملتا ہے۔ ایک مہینہ کے اندر ہی اندر
..ایہ کے مکان میں چلے گئے جو تین کمروں کا چھوٹا سا مگر خوبصورت

..جھے اس پر تسلی نہ تھی۔ میں اپنا ذاتی گھر لینا چاہتی تھی جس کے
..ی ہو۔ میری دلی خواہش تھی کہ میرا ہونے والا بچہ اس باغ میں
..ے رونی سے میں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا تو وہ مارے
..ولا نہ سماتا تھا۔
..ہم ضرور اپنا ذاتی گھر خرید کرینگے"۔ رونی نے خوشی سے اچھل کر
..ی جو کچھ تم بچے کے لئے کہوگی"۔ رونی نے بچے کیلئے کھلونے
..روع کر دیئے۔ روزانہ کھلونوں کے کئی پارسل لے آتا اس نے
..ی رکھا۔ جب تک کہ میں نے اس کو یہ کہہ کر روکا نہیں کہ
..ی تو تم خود بچے ہو"۔
..تم تو اب بڑی ہوگئی ہو۔ اور ہم دونوں میں سے ایک کو ضرور
..ہیئے تاکہ ہمارے ہونے والے بچے کی پرورش میں آسانی ہوجائے"
..ا۔
..بالکل بیوقوف ہو تم رونی"۔

۶

..ہمارے یہاں لڑکا پیدا ہوا۔ مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ جتنی
..ے اندر موجود تھی وہ سب اس بچے کے اندر چلی گئی ہے۔
..ے سے کس قدر محبت کرتی تھی۔ اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ
..کے لئے وقف کر دیا تھا۔ مجھے سوائے اس بچے کے دنیا میں کسی
..رہ گئی تھی۔
شاید رونی کو میرا یہ طرز عمل پسند نہ آیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ

میں بچے سے اس قدر محبت کروں۔ اس نے آہستہ سے کہا: "پیاری
ایو! بچوں کو بغیر نگرانی کے نہ چھوڑ دینا چاہیئے۔ تم غلطی کر رہی ہو"۔
میں یہ سن کر حیران رہ گئی کہ رونی بچے سے حسد کرنے لگا تھا۔
بابی ایک سال کا ہوگیا تھا۔ ایک روز رونی جب گھر لوٹا تو وہ کھلونوں
اور پارسلوں سے لدا ہوا تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے میری ہمشیر بھی داخل
ہوئی جس کے ہاتھ بھی کھلونوں سے بھرے تھے۔
"بھلا بتلاؤ میں کیا لایا ہوں؟" رونی نے بچوں کی طرح کہا۔
میں "کیا لائے ہو؟" کہہ کر سوچنے لگی کہ اس نے اپنی بیوقوفی پر
کتنا خرچ کیا تھا؟
رونی نے کہا۔"میری ترقی ہوگئی ہے۔ بہت زیادہ ترقی"۔
خوشی کے مارے میری آواز نہ نکل سکی۔ زیادہ روپیہ میرے گھر
میں آئیگا۔ میں خیالات میں گم ہوگئی۔
"اب ہم بچے کے لئے ایک نرس بھی رکھ سکتے ہیں تاکہ ہم اکٹھے
شام کے وقت سیر کو جاسکیں"۔ رونی نے کہا۔ پھر بچے کو پکڑ کر ہوا میں اچھالا
اور کہنے لگا۔"اب تم بھی اپنے لئے کوئی سہیلی تلاش کر سکتے ہو تاکہ میں بھی
اپنی معشوقہ کی محبت میں حصہ لے سکوں"۔
میں نے بچے کو اس کے ہاتھ سے چھینتے ہوئے کہا۔"میں اپنے بچے
کی پرورش خود کرونگی اور ایسا کرنے سے جو مجھے بچت ہوگی اس کو بنک
میں جمع کراؤنگی"۔
"انسان بنو ایو!" میری بہن نے بات کاٹ کر کہا۔"رونی بھی انسان
ہے اس کو بھی شاد رہنے کا حق حاصل ہے"۔
"میں نہیں چاہتی کہ میرے کاموں میں کوئی دخل دے"۔ میں نے کہا۔
اس کو بھلا دخل دینے کی ضرورت بھی کیا تھی؟ وہ بھی ایسی
ہی فضول خرچ تھی جیسے کہ رونی۔ بالکل اس عورت کی طرح جو اپنی تمام عمر
باورچیخانے ہی میں ختم کر دیتی ہے۔
"تم ایک دن پچھتاؤ گی"۔ اس نے نصیحت کرتے ہوئے کہا۔"کہ
تم اچھی زندگی بسر کر سکتی تھیں لیکن تم نے نہ کی۔ تمھاری زندگی کا مطلب
اتنا اچھا نہیں ہے جتنا کہ تم سمجھے بیٹھی ہو۔ دنیا میں روپیہ جمع کرنے کے
علاوہ اور بھی بہت سے کام ضروری ہوتے ہیں۔ انسان کی زندگی میں

ہنسی اور کھیل بھی ایک لازمی چیز ہے اور اگر تم کسی دوسرے کی زندگی میں سے خوشی نکال لینا چاہو تو یاد رکھو تم ایک بھاری گناہ کا ارتکاب کرتی ہو۔ چوری کرنے سے بھی بڑھ کر گناہ۔ اس کو یاد رکھو۔

یہ کہہ کر وہ اپنی ایڑیوں پر لٹو کی طرح گھومی اور میرے گھر سے باہر چلی گئی۔

۷

کچھ عرصے کے بعد میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی جبکہ میں نے اپنا ذاتی گھر خرید لیا۔ مجھے صرف ایک سو پونڈ نقد ادا کرنے پڑے جو کہ میں نے بینک سے نکال کر فوراً ایجنٹ کے حوالے کر دیئے۔ اب تو میری بہن کو بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ میں کہاں تک اپنے راستہ پر درست تھی اب میں بھی دنیا میں شمار ہونے کے لائق ہو گئی تھی۔

روبی روز بروز بدلتا جا رہا تھا وہ اب باتیں بھی بہت نہ کرتا تھا اب وہ اتنا چست بھی نہ رہ گیا تھا۔ شام کو سیر کا بھی مشورہ نہیں دیتا تھا اب وہ صرف رات کو کھانا کھاتا تھا اخبار دیکھتا تھا اور بستر پر آرام کرتا

ایک دن مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں نے اس کے منہ سے شراب کی بو سونگھی ہے مگر چونکہ اس کی قیمت میرے خرچ میں سے نہیں لی گئی تھی اس لئے میں نے اس کا کھوج نکالنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ روپیہ جمع کرنا میرا معمول ہو گیا تھا۔ میں اپنے مستقبل کی طرف دیکھتی تھی تو مجھے بڑی بڑی چیزیں نظر آتی تھیں۔

تھوڑے ہی عرصہ کے بعد میں نے اپنا گھر بیچ دیا۔ جس پر مجھے دو سو پونڈ کا نفع ہوا۔ اس کے بعد میں نے ایک چھوٹی ریاست میں ایک سستا مکان خرید لیا۔ مجھے معلوم تھا کہ تھوڑی مرمت کرانے سے وہ ایک خوبصورت مکان بن جائیگا۔ بجائے اس کے کہ روبی ہفتہ اور اتوار کو چھٹی منایا کرے میں نے اس کو مکان کی مرمت پر لگا دیا جس پر وہ راضی ہو گیا اور اس نے کام شروع کر دیا یہ اس کے لئے بھی فائدہ مند ثابت ہوا تھوڑے ہی عرصہ میں وہ اچھی مرمت کرنے کے قابل ہو گیا۔ مجھے بھی اس سے کافی فائدہ ہوا۔

۸

میں نے محسوس کیا کہ جوں جوں بابی بڑا ہو رہا ہے اس کے دل سے

ہ کے باپ کی قدر کم ہو رہی ہے لیکن یہ رونی کی اپنی غلطی تھی کیونکہ اس
نے خود اس کی طرف توجہ نہ دی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ مجھے بابی سے اور بھی
زیادہ محبت ہوتی جا رہی تھی۔

اب مجھے زیادہ کوشش کرنی تھی کیونکہ اب مجھے بابی کے لئے
روپیہ جمع کرنا تھا۔ آج سے چند مہینے پہلے دو سو پونڈ منافع مجھے بہت
معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اب مجھے وہ دو سو پنیس کے برابر معلوم ہونے لگا لیکن
یہ بھی ابتدا ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا۔

کامیابی نے مجھے اتنا مغرور کر دیا تھا کہ میں اپنے کو رونی سے
زیادہ افضل سمجھنے لگی۔ مجھے یہ بھول گیا کہ یہ سب روپیہ پیسہ مکان
رونی ہی کے روپے سے بنا تھا اور یہ کہ رونی ہی ہماری پرورش کر رہا
تھا۔ ان دنوں میں بہت سی باتیں بھول گئی تھی۔ اگر رونی مجھے کوئی رائے
دیتا تو میں اس کو یہ کہہ کر روک دیتی کہ میں اپنے کاموں کو خود سنبھال
سکتی ہوں۔ رونی چاہے کچھ کہے میرے نزدیک وہ بالکل بکواس تھی۔

ایک روز رات کو رونی نے مجھے آکر بتایا کہ اس نے ملازمت
چھوڑ دی ہے۔ اس کے بجائے ایک دوسری ملازمت جس میں اس کو
کمیشن ملیگی اختیار کرلی ہے۔

"تم نے ایسا خطرناک کام کیوں کیا" میں نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

"مجھے ایسا ہی کرنا پڑا۔" اس نے جواب دیا۔ "اس کام سے میں بہت
خوش ہوں۔ موجودہ کام میں میں ضرور دلچسپی لونگا۔"

اس کی آنکھوں میں گذشتہ چند روز سے جو مردہ پن آگیا تھا
وہ جاتا رہا تھا وہ اپنے بڑھاپے میں اب اچھا معلوم ہونے لگا تھا چنانچہ
ملازمت چھوڑ کر کمیشن پر کام کرنے سے رونی کا فائدہ تھا لیکن میں نے اس کو
تنبیہ کی کہ کہیں وہ مغرور نہ ہو جائے۔

میں ان دنوں بہت خوش تھی کیونکہ وہ گھر میں پہلے سے زیادہ
روپیہ لاتا تھا۔ میں شکریہ کا ایک لفظ کہے بغیر اس سے تمام روپیہ وصول
کر لیتی جیسے کہ وہ میرا کوئی قرض ادا کر رہا ہو۔ جتنا زیادہ روپیہ آتا تھا
اتنا ہی میں کاروبار کر سکتی تھی۔ میں نے پرانے مکانات خرید کر ان
میں نئی چیزیں لگا کر اور اندر باہر سے مرمت کرا کر اچھے منافع پر بیچنے
شروع کر دیے۔

انسان کوشش کرے اور کفایت شعاری سے چلے تو کامیابی
کی طرف گویا بڑھتا جاتا ہے۔ یہی میری حالت تھی۔ میں بابی کے علاوہ کسی
چیز پر پیسہ خرچ کرنا نہیں چاہتی تھی۔ میں نے بابی کو بتایا کہ اس کا باپ
کتنا فضول خرچ تھا اور یہ بھی کہ اگر میں نے روپیہ کی حفاظت نہ کی ہوتی تو
اس کے باپ نے اس کی ایک پائی تک فضول ضائع کر دی ہوتی۔ بابی
اپنے باپ کی حرکتوں پر نظر رکھنے لگا۔

ایک دن رونی نے کہا "تمھارا بیٹا (وہ عموماً بابی کو اسی نام سے
پکارتا تھا) بگڑتا جا رہا ہے۔ کچھ سال تک اگر اس کی یہی حالت رہی تو
تمہیں پچھتانا پڑے گا۔"

"میرا بیٹا بالکل ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "مجھے معلوم ہے کہ تم نے
کبھی اس کی پرواہ ہی نہیں کی۔"

"شاید مجھے اس کی اجازت ہی نہیں دی گئی۔" اس نے غمگین ہو کر
کہا۔ رونی ایسی عجیب باتیں ہی کیا کرتا تھا۔

اب بابی اپنی عمر کی ۲۰ منزلیں طے کر چکا تھا۔ میرے پاس کافی جائداد
تھی۔ مجھے اس سے معقول آمدنی ہو جاتی تھی اب مجھے اپنی باقی زندگی کی تکلیف
کا کوئی فکر نہ رہ گیا تھا۔

۹

رونی کا کاروبار اب کم ہو گیا تھا۔ اس کی ماہوار کمیشن اب اتنی
اچھی نہ رہ گئی تھی جتنی کہ شروع میں تھی۔ وہ اب متفکر رہنے لگا۔ عموماً جب
وہ گھر آتا اتنا ہی فکر مند ہوتا کہ بات تک نہ کرتا تھا۔

میں نے اس کو اپنی آمدنی کے متعلق کبھی نہ بتایا تھا۔ یہاں تک کہ
اس کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ میرے پاس کتنا روپیہ ہے اور وہ ایسے آدمیوں
میں سے تھا بھی نہیں جو روپے کیلئے کشمکش کرتے پھرتے ہیں۔

ایک مہینہ کے اخیر میں جبکہ اس کے کمیشن کا چک ۲۰ پونڈ تک
گر گیا تو میں نے اس کو چلا کر کہا کہ مالکان فرم کو کہہ دو کہ وہ تمہیں زیادہ کمیشن
دیا کریں۔

"یہ فرم کا قصور نہیں ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "آج کل کاروبار
ہی اچھا نہیں ہے۔ اور یہ تو تم جانتی ہی ہو کہ میں تنخواہ پر نہیں بلکہ کمیشن
پر کام کرتا ہوں۔"

دوسرے مہینے ماہوار کمیشن صرف ۱۵ پونڈ ہوئی اور رونی نے مجھے آکر بتایا کہ اس کی فرم فیل ہوگئی ہے اور اب وہ بیکار ہے۔

"تم نے کتنا روپیہ جمع کیا ہے؟" میں نے ایک ظالم افسر کی طرح اس سے سوال کیا۔

"جمع کیا ہے؟" اس نے ایک ایسے مجرم کی طرح جس پر قتل کا جھوٹا الزام لگایا گیا ہو حیران ہو کر کہا۔ "میں تو تمام روپیہ تمھیں ہی دیتا رہا ہوں"۔

تمام روپیہ تمھیں ہی دیتا رہا ہوں ...... چند ٹکے جو وہ ماہوار لاتا تھا۔ غالباً اس نے سمجھا ہوگا کہ اب مجھے اس کی پرورش کرنی ہی ہوگی بیوقوف ——

"میں کوشش کرونگا کہ مجھے کوئی دوسری ملازمت مل جائے۔" اُس نے ایک بوڑھے آدمی کی طرح کانپتے ہوئے کہا۔

اس وقت بھی میں نے اس کو نہ کہا کہ اب نوکری کی کوئی فکر نہ کرنی چاہئے۔ اس عمر کے آدمیوں کو ملازمت ملنی آسان نہیں ہوتی، اس لئے وہ گھر پر ہی اپنے باغ میں کام کیا کرتا تھا۔ بابی اور میں ہمیشہ اکٹھے باہر جاتے تھے۔ رونی کے ساتھ ہم ایک نوکر کا سا برتاؤ کرنے لگے تھے۔

بابی اپنے باپ کو "پاگل بوڑھا" کہہ کر پکارتا تھا۔ میں بھی اس کو سخت سست کہہ لیا کرتی تھی۔ شروع میں تو اس نے ہمیں روکنے کی کوشش کی لیکن بعد میں اس نے جواب دینا بھی بند کر دیا تھا۔ بابی اب اپنے باپ سے بات کرنا بھی اپنی ہتک سمجھتا تھا جب کبھی اپنے دوستوں کو مدعو کرتا تو رونی کے ساتھ ایک نوکر کا سا برتاؤ کیا جاتا۔ میں نے کئی دفعہ دیکھا کہ لڑکے اندر قہقہہ مار رہے ہیں اور رونی باغ میں ایک مٹی کے بت کی طرح کھڑا ان کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا ہے۔ میرا خیال تھا کہ میں اس کو ایسے ہی دیکھتی رہونگی۔

میری ہمشیرہ عموماً میرے یہاں آیا کرتی تھی۔ رونی اور وہ بیٹھ کر بچوں کی طرح باتیں کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جبکہ وہ ہمارے یہاں بیٹھی تھی۔ بابی باہر سے داخل ہو کر اپنے باپ کے پاس سے بغیر اس پر نظر ڈالے ایسے گذر گیا جیسے ایک بدچلن رئیس ایک گداگر کے پاس سے گذر جاتا ہے۔

میری ہمشیرہ نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "یہ بدتمیز چھوکرا اپنے [illegible] سمجھے ہوئے ہے؟"

"تم بابی کی بابت ذکر کر رہی ہو؟" میں نے پوچھا۔ "وہ تو بہت اچھا لڑکا ہے ——"

"تم اندھی ہو۔" اس نے کہا۔ "یہ اچھا لڑکا نہیں بلکہ سراسر نقصان اور دھوکا ہے۔ اور یہ تم پر ایک دن ثابت ہو جائیگا۔"

"تمھیں یہاں میری بے عزتی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔" میں نے ایک جنگلی بلی کی طرح غرا کر کہا۔

"فکر مند نہ ہو۔" اس نے کہا۔ "میں ابھی جا رہی ہوں۔ میں تمھیں نہیں بلکہ رونی کو دیکھنے آئی تھی۔ میں یہ کہے بغیر نہ رہونگی کہ تمھارے اور ایک مُردے کے درمیان میں کوئی فرق نہیں ہے تمھارے پہلو میں دل کی بجائے پتھر کا ایک ٹکڑا رکھا ہوا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ فرط غضب سے مڑی اور چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد میں نے رونی کو باغ میں کام کرتے دیکھا۔ وہ بوڑھا معلوم ہو رہا تھا۔ اس کی کمر بھی جھک رہی تھی۔ لوگوں میں یہ تبدیلی کیوں ہو جاتی ہے۔ میں سوچنے لگی تھی۔

رونی اپنی روزی خود کما رہا تھا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ دو پونڈ فی ہفتہ تو میں مالی ہی کو دیا کرتی تھی۔ لیکن یہ میں نے رونی کو نہیں بتایا۔ میں نے اس کے ذہن میں ڈال دیا تھا کہ ایک لقمہ بھی اگر اس کو ملتا ہے تو وہ میرے پیسے کا خریدا ہوا ہوتا ہے۔

ایک روز رونی نے مجھ سے ایک بوڑھے فقیر کی طرح گڑگڑا کر کہا کہ میں اس کو ایک نیا سوٹ خرید دوں۔

"نیا سوٹ تم کو خرید دوں؟ کس لئے؟" میں نے تحکمانہ انداز میں اس سے پوچھا؟ ——

"شاید مجھے نوکری مل سکے۔" اُس نے اتنی دھیمی آواز میں کہا کہ میں بمشکل سن سکی —— "شاید ایک نیا سوٹ میری غلاظت اور بڑھاپے پر پردہ ڈال سکے۔"

میں نے زور سے قہقہہ لگایا۔ "تمھیں کون نوکر رکھے گا۔ ایک بوڑھے اور کمزور کو۔"

ایسا معلوم ہوا جیسے اس کی آنکھوں سے کوئی روشنی نکال لے گیا ہو۔ اس کی آنکھوں سے مجھے ڈر معلوم ہونے لگا میری آنکھیں یہ معلوم کرنے

ں کر رہی تھیں کہ رونی کو کیا ہو گیا ہے۔ اس رونی کو جس کے خوبصورت
بھی مسکراہٹ جاتی ہی نہ تھی۔ غالباً وہ بوڑھے رونی کو تلاش
ں جیسے وہ کسی طرح سے کھو گیا ہو۔ مگر اس نے ایک لفظ بھی منہ
ہا۔ وہ اسی وقت باہر چلا گیا اور پھر میں نے اسے بارہ گھنٹے
ں دیکھا۔

۱۰

مجھے پولیس سٹیشن سے ٹیلیفون کے ذریعہ اطلاع ملی کہ رونی ہسپتال
وہ خودکشی کرنا چاہتا تھا۔ میں ایک دم ہسپتال کی طرف روانہ ہو گئی
کوئی امید نہیں ہے"۔ نرس نے مجھ سے کہا" خودکشی کرنے کی
ایک موٹر کے آگے کود پڑا۔ جسم کے اندر سخت ضربیں آئی ہیں"۔
وہ مجھے حادثوں کے وارڈ میں لے گئے۔ میں رونی کی آنکھیں
ول سکتی۔ وہ ہمیشہ مجھے تکلیف دیتی رہینگی۔ دیوار پر گڑی ہوئی
ں نے مجھ سے کوئی بات نہ کی۔ میری ہمشیر اس کے پاس بیٹھی تھی
یک بچے کی طرح اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔
ہاں پیارے رونی"۔ اس نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا" میں تمہارے
۔ فکر مت کرو۔ آرام کرو تم جلد ہی صحتیاب ہو جاؤ گے"۔ اس کی
ھیں بند ہو گئیں۔ جب وہ سرہانے کی طرف گرا۔ میری ہمشیر
ں آئی اور کہنے لگی۔
یکھ تو نے کیا کیا ہے۔ تو نے اس سے سب کچھ چھین لیا۔ جذبات
آرام ــــ تو نے اس کے ہنسنے کی قوت بھی چھین لی۔ اس کو
سمندر میں غرق کر دیا۔ تو اپنی دولت کے نشے میں اندھی ہو گئی
یاد نہ رہا کہ یہ دولت تمہیں کس نے دی ہے۔ آہ، اسی نے جس
پر اپنی جوانی راحت اور زندگی سب کچھ قربان کر دیا۔ میں
نت بھیجتی ہوں۔ تو نے اس کو قتل کیا ہے جیسے بندوق کی گولی
کے پار کر دی ہو۔۔۔۔۔۔"
غصہ سے کانپ رہی تھی۔ اس کے آنسو اس کے گالوں پر بہ رہے
رونی کی چارپائی کے پاس لوٹ گئی۔ میں مٹی کے بت کی طرح
غمی چہرہ تک رہی تھی۔ ایک ڈوبتے ہوئے آدمی کی طرح

میرے دماغ میں آنے لگے۔ میں جانتی تھی کہ میری بہن ٹھیک کہہ رہی ہے
میں نے ہی رونی کا خون کیا تھا۔ میں نے ہی اس کی جوانی چھین لی تھی
اور پھر؟ ــــ پھر جب وہ بوڑھا ہو گیا تھا۔ جب اسے اپنی جوانی
کی کمائی کا پھل چکھنا تھا تو میں نے اس کے آرام کو تکلیف میں بدل دیا تھا
میں نے اس کی زندگی عذاب کر دی۔ کیوں وہ اس لئے کہ اس میں کمانے
کی طاقت باقی نہ رہی تھی۔
میں نے جو کچھ جمع کیا تھا اس کے لالچی نہ ہونے کا سبب تھا۔
حقیقت میں یہ سب کچھ اسی کا حق تھا۔ میں اب سمجھنے لگی تھی کہ میں نے کتنا
بڑا گناہ کیا تھا۔ میری آنکھوں سے بے اختیار آنسوؤں کا سیلاب بہ نکلا
میں بچوں کی طرح رونے لگی۔ میں نے رونی کے پاؤں پکڑ لئے میں نے التجا
کی کہ وہ مجھے معاف کر دے۔ مگر ــ مگر اس نے حرکت تک نہ کی۔ اس نے
کوئی جواب نہ دیا۔ وہ میری پیدا کی ہوئی تکلیفوں سے اب آزاد ہو چکا تھا۔

۱۱

پولیس والوں نے رپورٹ میں لکھ دیا کہ رونی نے خودکشی کی ہے
لیکن میں خوب جانتی تھی کہ خودکشی نہیں بلکہ قتل تھا اور اس کی قاتلہ میں
تھی۔ بالکل اسی طرح جیسے میں نے ایک گولی اس کے دماغ کے
پار کر دی ہو۔

اب میری دولت مجھے بہت ضروری معلوم نہیں ہوتی بلکہ مجھے
کاٹتی ہے۔ جب میں یہ سوچتی ہوں کہ یہ مجھے کس قیمت پر ملی ہے۔ میرا
لڑکا اب ایک آوارہ آدمی ہے۔ وہ سوچا کرتا ہے کہ میری جائداد کا وارث
بننے میں ابھی کتنی دیر باقی ہے؟
میں ایک اکیلی بڑھیا ہوں ــــ میں اور گزشتہ زمانہ کی
یاد۔ ایک جوان آدمی کی ہنستی ہوئی آنکھیں مجھے تکلیف دیتی ہیں ــ
ہم لوگ کتنے پاگل ہیں؟ ــ

(ترجمہ)

جذباتِ شیدا

جناب شیدا احسان گورکھپوری

مٹا کر رفتہ رفتہ امتیاز کفر و ایماں کو
محبت خود بخود انساں بنا دیتی ہے انساں کو

نئی تعمیر کی بنیاد رکھنی ہے محبت میں
فراہم کر رہا ہوں دل کے اجزائے پریشاں کو

سوئے منزل مجھے کھینچے لئے جاتی ہے ناکامی
ذرا آواز دے دینا مری عمر گریزاں کو

تغافل، سادگی، جور مسلسل، شوخیاں، عشوے
یہی رعنائیاں رنگیں بنا دیتی ہیں عصیاں کو

ضرورت کیا ہے اب اس کو نوازشہائے پنہاں کی
جو لطف زندگی سمجھے ترے جور فراواں کو

مرے ہر ہر نفس کا اک مجسم ساز بن جانا
وہ رہ رہ کر کسی کا چھیڑنا تار رگ جاں کو

جہاں ہر بات ممکن ہے وہاں کیا یہ نہیں ممکن
بدل دے اک نظر تیری کتاب غم کے عنواں کو

مری ہستی ہے یوں وابستہ حسن و عشق سے شیدا
تعلق جس طرح ہے زندگی میں جسم سے جاں کو